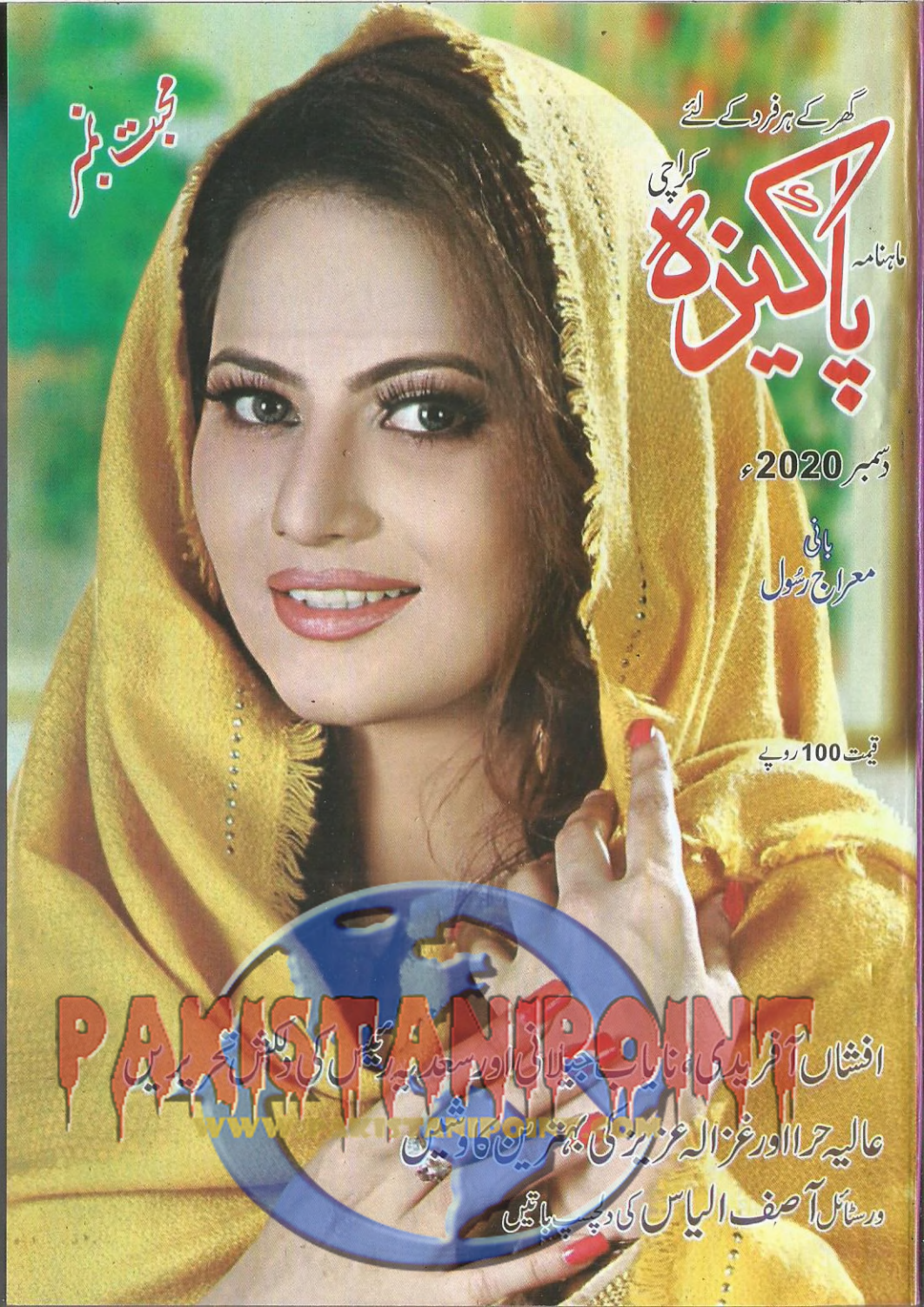

PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

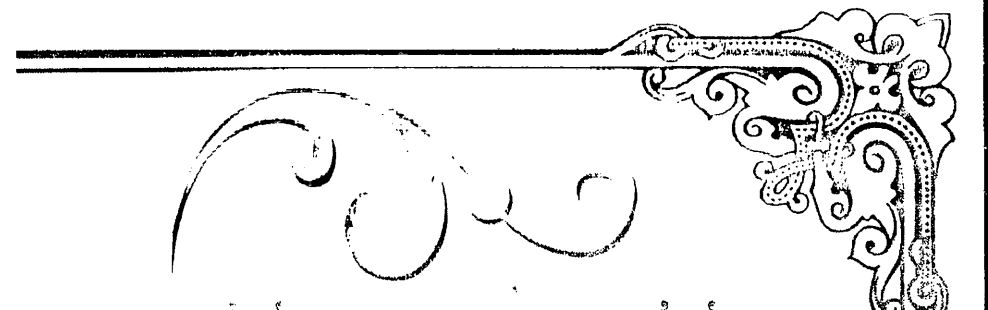

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 07

سلسلے وار ناول

میرا سارا رنگ اتار دو — افشاں آفریدی 10

یہ عشق ہوں — نایاب جیلانی 120

مکمل ناول

[illegible] — غزالہ عزیز 196

ناولٹ

یا ربی یا قیوم — عالیہ حرا 84

بوجھ — روحیلہ خان 154

حصہ ناول

میں انمول — سعدیہ رئیس 48

عورت کہانی

عورت کے گناہ — فرحین اظفر 183

افسانے

عائشہ مصحافی 41

سمیرا سرفراز 45

فرح ریاض چیمہ 71

سعدیہ ہما شیخ 81

عطیہ ہدایت اللہ 109

ستار العیوب — خولہ سعید جاوید 149

[illegible]

[illegible] 234

[illegible] شجاعت 240

انداز — بنت زینب 248

پبلشر و پرو پرائٹر: [illegible] مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C 63 [illegible] مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن ، مطبوعہ: ابن حسن [illegible] ہاکی اسٹیڈیم کراچی

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ	08	منتخب غزلیں	ادارہ	278
گوشۂ ظرافت	ادارہ	257	خوش ذائقہ	شگفتہ یاسمین	279
بہنوں کی محفل	مدیرہ	259	بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں	281
پاکیزہ ڈائری	آمنہ حماد	272	روحانی مشورے	ادارہ	283
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی	276	ہومیو کلینک	....	286

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35395313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

گولڈن جوبلی نمبر

تمام قارئین کرام / ایجنٹ حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ

ماہنامہ

سسپنس ڈائجسٹ

322
صفحات

قیمت
-/150
روپے

جنوری 2021

[illegible] کامیابی کے ساتھ اپنے

سنہرے پچاس سال

مکمل کرتے ہوئے

گولڈن جوبلی

منا رہا ہے۔ اس موقع پر ادارہ **322** صفحات پر مشتمل خاص نمبر شائع کر رہا ہے جس میں ہر کہانی کا خاص انداز
اور دلچسپ مزہ صرف آپ کے لیے [illegible] امید ہے ہماری یہ کاوش آ[illegible] [illegible] آ[illegible]

گولڈن مصنفین کا جھرمٹ

طاہر جاوید مغل، نجمہ مودی، ناہید سلطانہ اختر، منظر امام، ایم اقبال، ا[illegible] اقبال، [illegible] قادر،
پروین زبیر، ڈاکٹر ساجد امجد، اسما قادری، ڈاکٹر عبدالرب بھٹی، [illegible] اور امجد [illegible] ایک ساتھ

اس کے علاوہ

سسپنس کلاسک میں طویل [illegible] کے خالق
"محی الدین نواب" کی یادگار [illegible] انتخاب

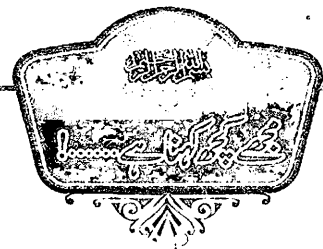

سال 2020ء کا آخری شمارہ لیے حاضر ہیں۔ یہ سال کیسا گزرا.....! اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب پر عیاں ہے۔ عالمی سطح پر پھیلی وبا سے ہر انسان کسی نہ کسی حوالے سے متاثر ہوا.....کہیں کوئی سُدھر گیا اور کہیں انسانی رویّوں میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اس مہلک وبا سے جہاں لوگ خوفزدہ ہوئے محتاط ہوئے وہیں شاطر دماغوں نے دنیا کمانے کی تگ و دو میں اپنا، اپنا کردار بھی ادا کیا غرضیکہ ایک عجیب و غریب انقلاب برپا ہو گیا.....ایک تغیر رونما ہوا اور جنگ کی سی کیفیت تقریباً پورے کرۂ ارض پر چھائی رہی بلکہ ابھی تک چھائی ہوئی ہے جس میں دشمن ایک نادیدہ بظاہر حقیر سا وائرس ہے مگر متاثرین میں بہت بڑے، بڑے نام.....ایسا بھی محسوس ہوا کہ فروری کے بعد گویا یک دم دسمبر آ گیا اور اب ہم 2021ء کی سرحد پر کھڑے داخلے کے منتظر ہیں کہ جہاں بہت سی امیدیں، آرزوئیں، تمنائیں اور خوشگوار و روشن لمحے ہمارا استقبال کرنے کو ہیں، ان شاء اللہ.....!

ہر سال کی طرح اس برس کے اختتام پر بھی اپنے سود و زیاں کا حساب کتاب ضرور کیجیے مگر مادی نہیں، روحانی و اخلاقی نفع و نقصان کا گوشوارہ کھنگالیے کہ اگلے برس کی تیاری کے لیے زادِ راہ کا انتظام جو کرنا ہے۔

ماہِ دسمبر کو محبت نمبر کا نام اس لیے بھی دیا ہے کہ رواں برس تو بہت قریبی محبتوں کے کھونے میں بھی گزرا مگر اب محبت بھری امید و آس سے اگلے برس کا آغاز کرنا چاہیے کہ جس میں مالکِ حقیقی سے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کی معرفت کے ساتھ، ساتھ اپنے پیارے رشتوں سے بھی حقیقی و پُرخلوص محبت کا اظہار ہو۔

یہ ماہ ہم پاکستانیوں کے لیے اس لحاظ سے بھی اہم کہ اس میں بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کا یوم ولادت بھی ہے۔ ہمیں اس دن کے حوالے سے محض چند سیمینار اور پروگرام نہیں بلکہ قائد کے رہنما اصولوں ایمان، اتحاد، تنظیم کا عملی اظہار کر کے عالمی سطح پر اپنے ملک و قوم کی شناخت کروانا ہے کہ یہی اصل تقاضائے محبتِ وطن ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اگلا برس محبتوں کو صرف آزمانے میں نہیں بلکہ ان کا حق ادا کرنے میں گزرے.....الٰہی آمین۔

سوزِ دل پیدا کرو سوزِ جگر پیدا کرو
ہر قدم پر ایک شمعِ رہ گزر پیدا کرو
ارتقا کا دور ہے بڑھتے رہو چلتے رہو
اب ضرورت ہے کہ ہر شب سے سحر پیدا کرو

مدیرہ

نزہت اصغر

اسی طرح ان لوگوں پر جنہوں نے نافرمانی کی تھی تیرے پروردگار کی بات سچی ثابت ہوگئی کہ وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳۳) (اے رسولؐ) کہہ دو کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کردے پھر اسے دہرا بھی دے؟ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اسے دہراتا ہے پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ (۳۴) تم کہہ دو کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف رہبری کرے۔ تم کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ حق کی طرف رہبری کرتا ہے۔ پھر کیا وہ شخص جو حق کی طرف رہبری کرتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو راہ نہیں پاتا ہے سوائے اس کے کہ اسے راہ دکھلائی جائے۔ پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ (۳۵) اور ان میں سے اکثر پیروی نہیں کرتے مگر ظن کی۔ یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کفایت نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں۔ (۳۶) اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے جھوٹ موٹ بنالیا جائے۔ بلکہ وہ تصدیق ہے اس (سچی کتاب) کی جو ان کے پاس ہے۔ اور تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی کتاب کی جس میں کوئی شک نہیں تفصیل ہے۔ (۳۷) کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے سے جھوٹ موٹ بنالیا ہے۔ کہہ دو پھر تم اس کے مانند ایک سورت لے آؤ۔ اور اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جس کو بلا سکتے ہو بلا لو۔ (۳۸) (ایسا نہیں) بلکہ انہوں نے تو اسے جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہ کرسکے۔ اور اس کی تاویل ان کے پاس کوئی ہی نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، جو ان سے پہلے تھے، پھر تم غور کرو کہ ظلم کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (۳۹) اور ان میں کوئی ایسا ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا (بھی) ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور تیرا پروردگار فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے (۴۰) اور اگر انہوں نے تمہیں جھٹلایا تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ تم اس عمل سے بری ہو جو میں کرتا ہوں۔ اور میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔ (۴۱) اور ان میں بعض وہ ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے رکھتے ہیں کیا تم بہروں کو سنا سکتے ہو اور اگر وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں۔ (۴۲) اور ان میں بعض وہ ہے جو تمہاری طرف (غور سے) دیکھتا ہے پھر کیا تو اندھوں کو راہ دکھا سکتا ہے جس حال میں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں۔ (۴۳) یقیناً اللہ تعالیٰ آدمیوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ آدمی (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (۴۴) اور وہ دن (کیسا ہوگا جب) وہ (اللہ) انہیں اکٹھا کرے گا (تو وہ خیال کریں گے) گویا وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے رہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا گھاٹے میں رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔ (۴۵)

(سورۂ یونس ۱۰ پارہ ۱۱ آیات ۳۳ تا ۴۵)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدُ الصَّادِقِیْنَ ؕ

سید المرسلین، افضل الانبیا، خاتم النبین رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا صادق بھی ہے جس کے معنی و مفہوم سچ بولنے والے۔ مکمل طور پر۔ سچے کے ہیں۔

1۔ القرآن: ا۔ ترجمہ: ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کافروں کی باتیں تمہیں غمگین کرتی ہیں کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے۔ (تجھے جھوٹا نہیں کہتے) البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(سورۂ انعام آیت۔ ۳۳)

۲۔ ترجمہ: (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ شخص ہیں جو سچ لے کر آئے ہیں اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی وہی متقی لوگ ہیں۔

(سورۂ زمر آیت۔ ۳۳)

2۔ الحدیث: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانِ دعوت کا حکم آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب وہ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ بتاؤ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادیٔ مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تمہیں یقین آجائے گا؟ وہ بولے۔ 'ہاں' کیونکہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچ بولتے ہی دیکھا ہے۔

(بخاری)

3۔ الرائے: ایک عظیم انسان اور پھر عظیم تر انسان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف سچا ہی ہو سکتا ہے۔ سچ کے سوا کچھ نہیں۔ مخلص، اخلاص کا مجسم پیکر، گہرا خلوص، عظیم خلوص، اصل خلوص، یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی پہلی شان۔ ایک ایسی ہستی جو بنی نوع انسان کے ساتھ اور اپنے خدا کے ساتھ اتنی مخلص ہے کہ دوسرے تو دوسرے شاید اس نے خود بھی اپنے اخلاص پر کبھی شک نہ کیا ہو۔ وہ درحقیقت صداقت، وفا شعاری کے پُتلے تھے اور اپنے اقوال، افعال اور اعمال میں صادق تھے۔

(تھامس کارلائل، لیکچر ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ)

4۔ الفضائل: اگر کسی کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہو تو اسے چاہیے کہ روزانہ ۹۵ مرتبہ یہ اسم پاک "سیدنا صادق" پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے۔ یا کوئی اسے پلا دے اور اس پر دم بھی کرے۔ چالیس یوم تک بلاناغہ یہ عمل کرنے سے جھوٹ کی عادت ختم ہو جائے گی۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس)

زندگی کبھی کبھی انسان کو ایسے کربناک حادثے سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا اپنی ذات اور ارد گرد کے لوگوں پر سے اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی وجہ بعض اوقات اس کی اپنی توقعات بھی ہوتی ہیں جو وہ کسی بے نام تعلق سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ جذبے جو رشتوں کے توسط سے دل میں بسیرا کریں ان کی پزیرائی تو مذہب اور معاشرہ دونوں کرتے ہیں، ان کی حق تلفی پر جواب طلبی بھی کی جا سکتی ہے مگر وہ دلی تعلق جنہیں رشتوں کی سند نہ حاصل ہو، انہیں کسی عدالت سے بھی سزا نہیں سنائی جا سکتی، سوائے ضمیر کی عدالت کے۔ جبکہ وہ رشتے جنہیں تعلق کا نام بھی دے دیا جائے کبھی کبھی وہ اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی جوابدہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا... مگر جب حضرتِ انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے　　　زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے
خواب اب نہیں میرے، نیند تک پرائی ہے　　　عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں

میرا سارا زنگ اتار دو

سلسلے وار ناول

افشاں آفریدی

Ayisha
'06

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیرازی ولا میں یتیم مظفر اور سائرہ کی بیٹی ردا کی منگنی اس کی مرضی سے آصف کے ساتھ ہوتی ہے جس میں یو ایس اے سے تین سال بعد واپس آکر مظفر صاحب کا یتیم بھتیجا عکرمہ بھی شریک ہوتا ہے۔ دُرِ مکنون، سائرہ بیگم کی بھانجی تھی جس کی ذمے داری مظفر احمد نے اس کے ماں باپ کے انتقال کے بعد اٹھالی تھی۔ ایک رات دُرِ مکنون کی طبیعت خراب ہونے پر دادی اسے سکون آور دوا دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ہونے والے حادثے کا بتاتی ہیں۔ عکرمہ، زوہا، ردا اور درمکنون کو شاپنگ پر لے کر جاتا ہے تو زوہا بتاتی ہے کہ زارا (مظفر صاحب کی دوسرے نمبر کی بیٹی) کے ساتھ اس کی نند خولہ آرہی ہے اور شاید وہ دادی کو پسند ہے۔ دُرِ مکنون سوچتی ہے کہ کیا واقعی وہ اپنے آنسوؤں سے اپنے محسنوں کی خوشی کو دھندلا رہی ہے۔ اسٹڈی میں درمکنون کو دیکھ کر آنسو بہاتے مظفر شیرازی، عکرمہ کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ مظفر صاحب نے اپنی نئی ول بنوائی تھی وہ لے کر عکرمہ نکلتا ہے تو زاویار کا شیری کے ساتھ رویہ دیکھ کر سوچتا ہے کہ کوئی عورتوں کے ساتھ اس طرح بھی برتاؤ کرتا ہے۔ خولہ، دُرِ مکنون سے عکرمہ کے بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اگر آپ اس گھر میں بہو بن کر آئیں تو بہت خوش رہیں گی، اس جملے کو سن کر عکرمہ ایک انجانے سے احساس سے دوچار ہوا تھا۔ سائرہ بیگم، عکرمہ کو بھی شام کو گھر پر رہنے کا کہتی ہیں۔ عکرمہ کو زاویار سے مل کر یاد آجاتا ہے کہ اس نے صفدر صاحب کے آفس کے باہر اسے دیکھا تھا اور لڑکی سے اس کا خراب برتاؤ بھی یاد آجاتا ہے۔ زاویار کو دیکھ کر دُرِ مکنون بے ہوش ہوجاتی ہے۔ دُرِ مکنون کے بے ہوش ہونے پر مظفر صاحب چراغ پا ہوجاتے ہیں اور سائرہ بیگم بھی یہ عہد کرلیتی ہیں کہ کم از کم ردا کی شادی تک وہ اس معاملے کو نہیں چھیڑیں گی۔ دُرِ مکنون سوچ رہی تھی کہ زاویار بنا کسی احساسِ جرم کے کس اطمینان سے نئی زندگی شروع کرنے جارہا ہے۔ عبید اور ان کی فیملی ردا کی شادی پر نہیں آرہے تھے اس خبر سے دادی کافی دلگرفتہ تھیں..... درمکنون کو پتا چلتا ہے کہ دادی نے خولہ کے رشتے سے منع کردیا ہے تو اسے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ عینی، دُرِ مکنون سے ملنے آتی ہے اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے، عکرمہ کو یہ جان کر شاک لگتا ہے کہ دُرِ مکنون کے خوف اور وحشت کی وجہ اظہار بھائی ہیں۔ سائرہ بیگم، دُرِ مکنون کو بتاتی ہیں کہ زاویار نے رشتے سے انکار کردیا ہے اور وہ اس کا رشتہ جلد از جلد کرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے بعد عکرمہ اور سیف کی فیملی اس کی ذمے داری نہیں اٹھا سکے گی۔ عکرمہ اندر آتا ہے تو دُرِ مکنون بتاتی ہیں کہ کوئی طاہرہ آنٹی آئی ہیں، عکرمہ بہت تیزی سے ان سے ملنے کے لیے جاتا ہے۔ دادی، طاہرہ آنٹی کو بتاتی ہیں کہ والدین کے انتقال کے بعد وہ ان کے ساتھ رہ رہی ہے۔ ردا کے نکاح کی تقریب کے بعد خولہ تھوڑی دیر دُرِ مکنون کے کمرے میں جاتی ہے تو اسے باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عکرمہ نے دُرِ مکنون کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے۔ عکرمہ، دُرِ مکنون کو کہتا ہے جب تک ردا کی شادی ہے وہ دادی کے پاس سوئے۔ رات کو سوتے میں دُرِ مکنون ڈر جاتی ہے تو دادی اس کا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ اظہار صاحب اپنی فیملی کے ساتھ اپنے رشتے داروں میں جارہے تھے تو دُرِ مکنون کی طرف سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی کلاس لے کر آتا ہے تو دادی سے پوچھتا ہے دُرِ مکنون کے بارے میں تو وہ اسے مطمئن کردیتی ہیں۔ طاہرہ بانو فون کرکے دادی کو بتاتی ہیں کہ وہ دُرِ مکنون کو اپنے ساتھ لے جارہی ہیں تو دادی عکرمہ اور مظفر صاحب کو بتاتی ہیں کہ انہوں نے طاہرہ کو درمکنون کی میڈیکل فائل زوہا کے ذریعے دے دی ہے۔ طاہرہ بانو، درمکنون کو بتاتی ہیں کہ عکرمہ کی والدہ شگفتہ ان کی دوست ہی نہیں دودھ شریک بہن بھی تھی، وہ بھی اکلوتی اور یہ خود بھی اکلوتی اور دونوں کو بیٹی کا بہت شوق تھا اور دونوں کے بیٹی نہیں تھی اور دونوں کے والدین کا انتقال ایک ہی سال ہوا۔ دُرِ مکنون جب طاہرہ بانو کے پاس سے واپس آتی ہے تو عینی کا فون آتا ہے۔ اس کے فون رکھتے ہی دوبارہ بیل ہوتی ہے تو وہ عینی کا ہی سمجھ کر اٹھاتی ہے لیکن وہ زاویار کا فون تھا اور وہ اس سے معافی مانگتا ہے دُرِ مکنون کچھ کہہ نہیں پاتی رونے لگتی ہے عکرمہ جو گاڑی کی چابی بھول گیا تھا وہ دُرِ مکنون کو روتا دیکھ کر پریشان ہوجاتا ہے اور اس سے فون لے لیتا ہے لیکن دوسری طرف زاویار کی موجودگی اس کے لیے حیران کن تھی۔ طاہرہ آنٹی اپنی بھانجی ڈاکٹر فارینہ سے دُرِ مکنون کو ملواتی ہیں جو ان کی مدد کے لیے آئی ہے۔ دادی عکرمہ کے لیے فارینہ کا سوچتی ہیں۔ ردا کی شادی میں سائرہ بیگم، دُرِ مکنون کو ایک فیملی سے ملواتی ہیں رخصتی کے بعد آصف اپنی پھپھو کو ائرپورٹ چھوڑنے جاتا ہے تو واپسی پر ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ آصف کا آپریشن تھا تو سب اسپتال میں تھے اظہار صاحب کو اپنی فیملی کے ساتھ واپس جانا تھا عکرمہ ٹکٹ لے کر آتا ہے تو اظہار اسپتال میں نہیں تھے، وہ پریشان ہوجاتا ہے اور زوہا کے ساتھ گھر آجاتا ہے، سیڑھیوں پر دُرِ مکنون کا دوپٹا پڑا دیکھ کر وہ دادی کے کمرے کا دروازہ بجا ڈالتا ہے۔ ماسٹر کی سے جب وہ لوگ دادی کا کمرا کھولتے ہیں تو دہشت زدہ رہ جاتے ہیں کیونکہ دُرِ مکنون کمرے کے انتہائی سرے پر دیوار سے قریب دندھے منہ پڑی تھی۔ عکرمہ جب اسپتال سے گھر آتا ہے تو واچ مین اسے اظہار

صاحب کا گولڈ پلیٹڈ پسٹل کی شکل کا لائٹر لا کر دیتا ہے کہ کل گیٹ کے پاس گرا ہوا تھا۔ عکرمہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ کل زارا نے اظہار صاحب کو لائٹر دیا تھا اور انہوں نے گاڑی میں اسموکنگ بھی کی تھی اُن کا ارادہ اسپتال سے ڈائریکٹ ائرپورٹ جانے کا تھا اور وہ انہیں اسپتال ڈراپ کر کے گفٹس لینے گیا تھا تو لائٹر واپس شیرازی ولا کیسے آیا۔ اس کے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔ دُرِ مکنون کو کومہ میں گئے دو ہفتے ہو گئے تھے۔ مظفر شیرازی بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو دادی کہتی ہیں کہ ڈاکٹر تو پُرامید ہیں جب وہ صحت یاب ہو کر آئے گی تو جشنِ صحت منائیں گے اور اسی تقریب میں، میں اسے اپنے پوتے سے منسوب کر دوں گی۔ مظفر صاحب کے پوچھنے پر دادی سیف کا نام لیتی ہیں تو مظفر صاحب کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دُرِ مکنون ان کی اور سائرہ شیرازی کی سگی بیٹی ہے۔ عکرمہ بھی یہ بات سن لیتا ہے۔ دادی کہتی ہیں کہ انہیں دُرِ مکنون کو دیکھ کر ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ ان کی ہے۔ نہیں جانتی تھیں کہ یہی سچ ہے۔ جب سے اسے دُرِ مکنون سے اپنے اور اس کے رشتے کا پتا چلا تھا وہ اور بھی زیادہ ذمے دار ہو گیا تھا کہ وہ اس کی سگی چچا زاد تھی۔ مظفر صاحب مسجد میں دعا کر رہی رہے تھے کہ ان کے پاس زوہا کا فون آتا ہے کہ دُرِ مکنون کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ فوراً سجدے میں گر پڑے..... دُرِ مکنون گھر آتی ہے تو سب اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں آصف کو وہیل چیئر پر دیکھ کر وہ آزردہ ہو جاتی ہے۔ اب طاہرہ جو سائیکاٹرسٹ ہیں ان سے دُرِ مکنون کا علاج چل رہا تھا سب عکرمہ پر شادی کے لیے لڑکی کے انتخاب پر زور دیتے ہیں تو دوسرے دن عکرمہ، دادی اور مظفر صاحب کو بتا دیتا ہے کہ دُرِ مکنون اس کا انتخاب ہے۔ سائرہ بیگم، عکرمہ کے دُرِ مکنون سے شادی کے فیصلے پر بہت سیخ پا ہوتی ہیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ردا کو آصف سے طلاق دلوا کر عکرمہ سے شادی کر دیں۔ دادی نے زوہا کو بلا کر درمکنون تک عکرمہ کا پروپوزل پہنچوایا تو دُرِ مکنون انکار کر دیتی ہے۔ عکرمہ، دُرِ مکنون سے بات کر کے اسے اس رشتے پر کنوینس کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن درمکنون سوچتی ہے کہ اس کا انکار بہتر ہے لیکن فرحان جو ردا کی شادی میں ملا تھا وہ اپنا پروپوزل بھیجتا ہے اور زارا فون پر اس کی طبیعت پوچھتی ہے تو اظہار صاحب اس سے کہتے ہیں کہ جو کام ادھورا رہ گیا وہ مکمل کرنا ہے۔ پھر طاہرہ بھی دُرِ مکنون کو سمجھاتی ہیں تو دُرِ مکنون، عکرمہ سے رشتے کے لیے ہاں کر دیتی ہے۔ زوہا، عکرمہ سے ٹریٹ مانگتی ہے۔ دلی بھی یہ سن کر بہت خوش ہوتا ہے اور عکرمہ اور درمکنون کو ڈنر پر انوائٹ کرنا چاہتا ہے لیکن عکرمہ، دُرِ مکنون کی گھبراہٹ دیکھ کر منع کر دیتا ہے۔ عکرمہ کا بھائی عبید آ رہا تھا تو عکرمہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں، عکرمہ فضول رسومات نہیں کرنا چاہتا تو زارا اسے سمجھاتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا تو درمکنون تو چاہتی ہوگی۔ عکرمہ، درمکنون سے بات کرتا ہے تو وہ کوئی اعتراض نہیں کرتی۔ زاویار کا فون آتا ہے اور وہ درمکنون سے معافی مانگتا ہے تو دُرِ مکنون، عکرمہ کو اپنے اور زاویار اور اپنے ماضی کے رشتے کے بارے میں بتاتی ہے۔ زاویار، دُرِ مکنون کی دوست عینی کا بھائی تھا عینی اور دُرِ مکنون اس سے پہلے ایک پروجیکٹ میں مدد لیتی ہیں اور پھر وہ ان کے لمس میں ایڈمیشن کے لیے ان کی تیاری کرواتا ہے، زاویار، دُرِ مکنون کو پسند کرنے لگتا ہے۔ شہرین، میمونہ بیگم کو زاویار کے متعلق بتاتی ہے تو وہ سوچتی ہیں کہ آغا جان اور شہریار سے بھی اس کا دل صاف ہو جائے گا۔ جلال انصاری (آغا جان)، شہریار کو کہتے ہیں کہ وہ زاویار کو کال کریں۔ عاصمہ، زاویار کے باپ شہریار سے طلاق لے چکی تھیں۔ وہ شہرین کو اپنے دوسرے شوہر عثمان کے انتقال اور مومنہ کی شادی کا بتاتی ہیں اور اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ شہریار انصاری، زاویار کو فون کرتے ہیں اور زاویار کے بدتمیزی سے جواب دینے پر فون بند کر دیتے ہیں۔ میمونہ بیگم، شہرین کو بتاتی ہیں کہ آغا جان چاہتے ہیں کہ خولہ کی یا شہرین کی شادی زاویار سے ہو جائے۔ زاویار تین سال پہلے کے اس منظر سے کسی طرح نکل نہیں پا رہا تھا۔ زاویار، نازیہ خالہ سے کہتا ہے کہ وہ دُرِ مکنون سے ملنا چاہتا ہے تو نازیہ ہامی بھر لیتی ہیں۔ شیری عاصمہ لاج پہنچتی ہے تو اسے زاویار کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلتا ہے۔ وہ مولا بخش کے ساتھ ہی اسپتال جاتی ہے پھر زاویار کی حالت دیکھ کر خولہ کو فون کر کے بلاتی ہے تو زارا بھابی، اظہار بھائی اور خولہ کے ساتھ عکرمہ بھی اسپتال آتا ہے۔ عاصمہ، زاویار کو دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ تین سال بعد آغا جان، زاویار کے سامنے تھے اور ان کے انداز بھی خاصے بدل گئے تھے، ان کے ساتھ شہریار اور عینی بھی تھے۔ آغا جان، زاویار سے کہتے ہیں کہ گزرے دنوں کو بھول جاؤ اور اپنا دل صاف کر لو..... لیکن وہ کہتا ہے کہ کچھ نقصان ناقابلِ تلافی ہوتے ہیں۔ شیری کھانا لے کر آتی ہے تو اس کو بتاتی ہے دُرِ مکنون، زارا بھابی کی کزن ہے اور وہ اس کے لیے ہاں کب کر رہا ہے وہ اور عینی جا کر اسے زاویار کے نام سے چھیڑیں گی۔ جس پر زاویار غصہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس کے معاملات سے دور رہے اور کسی سے کچھ نہ کہے۔ آغا جان نے عاصمہ سے کہا کہ وہ زاویار کو شہرین کے لیے راضی کریں اور وہ یہ سوچ کر پریشان تھیں کہ وہ یہ کیسے کریں گی۔ نازیہ انہیں کہتی ہیں اگر انہیں دُرِ مکنون پسند ہے تو مہران کے لیے بات کر لیں لیکن یہ بات عاصمہ کو صحیح نہیں لگتی۔ خولہ، شہرین کو اسپتال جانے سے روکتی ہے لیکن وہ اس کی بات نہیں سنتی۔ شیری،

خولہ سے پوچھتی ہے کہ اس نے عکرمہ کے بجائے طارق کے لیے ہامی کیسے بھرلی۔ عکرمہ سے دستبردار ہونا خولہ کے لیے تکلیف دہ تھا ضرور لیکن وہ یہ بات کسی سے بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ عاصمہ، زاویار کو سمجھاتی ہیں کہ آغا جان کے لیے جو کدورت اس کے دل میں ہے وہ نکال دے لیکن زاویار کہتا ہے کہ وہ یہ نہیں کرسکتا۔ عینی، زاویار کو بتاتی ہے کہ شہرین نے اسے دُرِ مکنون سے ملوایا۔ عاصمہ صبح صبح اسپتال آجاتی ہیں زاویار کے پوچھنے پر وہ بتاتی ہیں کیونکہ تمہارے پاپا کی فلائٹ ہے اور وہ تم سے ملنے آئیں گے تو میں ان کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤں، زاویار کہتا ہے کہ آپ اس انسان کے لیے اچھا کیسے سوچ سکتی ہیں جس نے مجھے، آپ سے جدا کر دیا اس پر وہ کہتی ہیں کہ وہ پرانی بات تھی اب تم میرے ساتھ ہو اس لیے جب شہریار انصاری اور آغا جان آئے تو زاویار نے اپنے منفی جذبات پر کسی حد تک قابو پالیا تھا۔ زاویار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے عاصمہ ریوالور دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں۔ زاویار، طارق اور خولہ کی انگیجمنٹ میں جاتا ہے تو طارق اس کے اور آغا جان کے درمیان ہونے والی ناراضی پر بات کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ان باتوں کو چھوڑو اور اپنی خوشی کو انجوائے کرو۔ زاویار سوچتا ہے کہ اس نے فون کر کے انجانے میں دُرِ مکنون کو مزید اذیت نہ دی ہو۔ عاصمہ، زاویار کو جلال انصاری کا فیصلہ ماننے کے لیے راضی کرنا چاہتی ہیں تو وہ بتاتا ہے کیونکہ طارق اپنی کسی ڈاکٹر کولیگ میں انٹرسٹڈ تھا اس لیے آغا جان نے طارق کو خولہ سے منسوب کر دیا حالانکہ شہریار انصاری، طارق سے عینی کا رشتہ کرنا چاہتے تھے یہ انکشاف سن کر وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ عاصمہ، زاویار سے وعدہ لیتی ہیں کہ وہ ان کے اور اپنے پاپا کے کیے کی سزا خود کو نہیں دے گا تو زاویار کوشش کرنے کا کہتا ہے۔ آغا جان، شہرین کے ساتھ زوی سے ملنے آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ زاویار شادی کرے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پاس آپ کے سوال کے جواب میں نہ کے سوا کچھ نہیں۔ عینی کے کہنے پر زاویار اسے ردا کی شادی میں لے کر جاتا ہے تو وہاں عکرمہ اس کی طبیعت پوچھتا ہے۔ شہرین، زاویار سے کہتی ہے کہ اسے ذرا بھابی کے بہنوئی کو دیکھنے جانا چاہیے اور اس سے پوچھتی ہے کہ دُرِ مکنون تم سے اتنا ڈرتی کیوں ہے۔ زاویار، شہریار صاحب سے کہتا ہے کہ شیری کو اس کے نام پر نہ بٹھائیں اسے اس سے شادی نہیں کرنی ہے۔ جس پر اس کو شہرین کی طرف سے تھینکس کا میسج ملتا ہے تو اسے ایک اطمینان سا محسوس ہوتا ہے۔ صنوبر، عاصمہ سے کہتی ہیں کہ وہ زاویار کو سمجھائیں کہ ابھی آغا جان سے کوئی بات نہ کرے۔ زاویار اور اس کے دوستوں نے آج ایک اغوا شدہ لڑکی کو بازیاب کرایا تھا اس کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا تھا مگر اس کے گھر والے اسے قبول نہیں کر رہے تھے کہ کئی لڑکیوں کے سامنے اسے اغوا کیا گیا اب اگر وہ اس لڑکی (کلثوم) کو قبول کرلیں گے تو باقی چار لڑکیوں کی شادی میں مسئلہ ہوگا۔ خولہ، شیری سے کہتی ہے کہ زاویار سے ملنے کی کیا ضرورت تھی تو وہ اسے بتاتی ہے کہ زاویار نے اس کے کہنے پر انکار کیا ہے اس لیے اس کا شکریہ ادا کرنے گئی تھی۔ خولہ کہتی ہے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا وہ بہت اچھا ہے اور یہ اقرار شیری کو بھی اپنے دل میں کرنا پڑا کہ اسے اپنے دل کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی ہے۔ زاویار، کلثوم کو یونیورسٹی کے گرلز ہاسٹل میں چھوڑتا ہے۔ نازیہ، عاصمہ کو بتاتی ہیں کہ دُرِ مکنون کی شادی عکرمہ سے ہو رہی ہے تو زاویار بہت اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ وہ ساحلِ سمندر پر آتا ہے تو کلثوم اسے فون کرتی ہے وہ فون سن کر ہاسٹل پہنچتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کی والدہ کی طبیعت خراب ہے اور وارڈن سرفراز کے منع کرنے کی وجہ سے جانے نہیں دے رہی تو زاویار اسے اسپتال لے جاتا ہے، کلثوم کی ماں اس کی شادی ایک چار بچوں کے باپ سے کرنا چاہتی ہے اور زاویار کو کہتی ہیں کہ وہ اسے یہ شادی کرنے پر راضی کرے۔

اب آگے پڑھیے.....

قسط نمبر 21

عینی کے پُرزور اصرار پر اس نے اپنے گروپ کو ٹریٹ دینے کے لیے بلا لیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں ذرا فاصلے پر لگی ٹیبل پر صوفیہ اور زاہد علی صاحب بیٹھے تھے جبکہ یہ تینوں دوسری ٹیبل پر چہلیں کر رہی تھیں۔ سب کے موڈ انتہائی خوشگوار تھے۔

''تو پھر تم لوگ آرہی ہوں ناں کل۔ میرے ساتھ منگنی کی شاپنگ کرنے۔'' صباحت نے کھانے کے بعد گرین ٹی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا تو عینی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں یار سوری۔ کل صنوبر پھوپو آرہی ہیں۔ آغا جان سے اجازت ملنی مشکل ہے۔''

''میرے لیے بھی پاسبل نہیں ہوگا۔ بابا آج شام اسلام آباد جا رہے ہیں۔ گاڑی نہیں ہے گھر پر۔ اوپر سے

عینی بھی نہیں آرہی۔ ورنہ اس کے ساتھ ہی آجاتی۔'' اسٹرا کو گلاس میں گردش دیتے ہوئے دُرِ مکنون نے بھی معذرت کرلی تو صباحت کا منہ بن گیا۔

''ٹھیک ہے پھر۔ دیکھ لوں گی میں۔ جب تم لوگوں پر یہ وقت آئے گا تو میں بھی ایسے ہی ہری جھنڈی دکھاؤں گی تم دونوں کو۔''

''خدا وہ وقت جلد لائے۔'' عینی نے بے ساختہ کہا تو دُرِ مکنون سمیت غصہ کرتی صباحت کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ماشاء اللہ کس قدر پیاری لگتی ہے اپنی دُری ہنستے ہوئے۔'' صوفیہ نے دور سے ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں گویا اس کی بلائیں لیں۔

زاہد صاحب نے مسکراتے ہوئے بیوی کو دیکھا تو رگِ ظرافت پھڑکی۔

''کہتے ہیں اپنا بچہ اور دوسرے کی بیوی ہمیشہ اچھی لگتی ہے۔''

جواباً صوفیہ نے نظروں کا... رخ پھیر کر شریکِ حیات کو خاصے تیکھے چتون سے دیکھا۔

''تو بائی داوے۔ آپ کس کی بیوی کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں ذرا میں بھی تو دیکھوں۔'' مصنوعی غصے سے سوال کیا تو زاہد علی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''بقول شاعر۔

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچ سوچوں''

بڑی محبت اور طمانیت سے اپنی نصف بہتر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے قدرے جھک کر بڑے جذب سے شعر پڑھا تو صوفیہ اس عمر میں بھی خود کو بلش ہونے سے نہ روک سکیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ایسے لازم و ملزوم تھے۔ جیسے روح جسم کے لیے۔ ایک دوسرے کو پانے کے لیے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ اور ان کے گرد کے لوگوں نے بھی.....

اٹھارہ سال پہلے کے واقعات لمحے بھر میں ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے کہ کس طرح انہوں نے صوفیہ کے لیے سائرہ کو ٹھکرایا تھا۔

زاہد علی کی نظرِ انتخاب صوفیہ پر ٹکی تو والدہ کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا ڈالا۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ اللہ نے دو ہی بیٹے عطا کیے تھے۔ ایک تو دیارِ غیر گیا تو وہیں کا ہو رہا۔ حتیٰ کہ شادی بھی اپنی مرضی کی گوری سے کرلی۔ لہٰذا جونہی چھوٹے بیٹے نے ماں سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے رشتہ ڈالنے میں دیر نہ لگائی۔

بس پھر اسے قسمت کہیں یا غفلت یا پھر بیگم علی کے اونچا سننے کا مرض اس کی وجہ بنی اور وہ ہو گیا جو نہیں ہونا تھا۔

صوفیہ، مکرم صاحب کی چھٹے نمبر کی بیٹی تھیں جو اُن کی دوسری بیوی سے تھیں۔

پہلی بیوی نے یکے بعد دیگرے سات بیٹیوں کو جنم دیا جن میں سے دو پیدا ہوتے ہی چل بسیں۔

اور اب ان سب کے لیے انہیں ایک وارث کی ضرورت تھی۔ لہٰذا پہلی بیوی کے لاکھ رونے پیٹنے کے باوجود وہ صوفیہ کی والدہ کو بیاہ لائے۔

سائرہ اپنی والدہ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور ان کے بعد ہی ان کی ماں پر سوتن لائی گئی تھی۔ اس وقت سائرہ کی عمر یہی کوئی پانچ سال تھی۔

وہ حیران ہو ہو کر کبھی منہ پر دوپٹا رکھے روتی والدہ کو دیکھتیں تو کبھی سجی سنوری نئی ماں کو۔ اور پھر یہ منظر جیسے ان

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

کی زندگی پر کسی سائے کی طرح مسلط کر دیا گیا۔ مکرم صاحب کی ضد تھی کہ دونوں بیویاں ایک ہی گھر میں رہیں گی۔ آہستہ، آہستہ سائرہ کے دل میں باپ اور سوتیلی ماں کے لیے نفرت ہی نفرت بس گئی۔

وقت یونہی گزرتا رہا۔ صوفیہ کی والدہ فطرتاً نرم مزاج اور سادہ دل تھیں۔ سائرہ اور ان کی بہنوں کی زیادتیاں اور بدتمیزیاں وہ اکثر نظر انداز کر جاتیں۔ مگر سائرہ کی والدہ میں معاف کرنے کی خو نہ تھی۔

انہوں نے پانچوں بیٹیوں کو باپ اور سوتیلی ماں سے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

کچھ وقت اور گزرا اور صوفیہ بھی ان پانچوں کے ساتھ باپ کی محبت میں اپنا حصہ بٹورنے دنیا میں چلی آئیں۔

مکرم صاحب کے لیے چھٹی بیٹی کی پیدائش کوئی خاص خوشگوار خبر نہ رہی۔ تاہم صوفیہ کی والدہ نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

پھر کئی سال انتظار، بہت سے علاج اور ٹونے ٹوٹکوں کے بعد بھی ان کی گود دوبارہ ہری نہ ہو سکی۔

سائرہ کی ماں کہتیں کہ ان کے شوہر اور سوتن کو ان کی بددعا لگی ہے۔ دعا سے یا بددعا سے۔ بہرحال یہ ہی ان کا نصیب ٹھہرا۔ مکرم صاحب دوسری شادی کے بعد بھی نرینہ اولاد سے محروم ہی رہے تو بالآخر دل کو سمجھا بجھا لیا۔ اور ان ہی بچیوں کی بددلی سے ہی سہی پرورش کرنے لگے۔

شروع کی چاروں بیٹیاں دھیرے دھیرے اپنے گھر کی ہوئیں تو گھر میں مکرم صاحب کی دونوں بیویاں اور دونوں بیٹیاں سائرہ اور صوفیہ ہی رہ گئیں۔

زاہد علی کی فیملی ان کی کالونی میں نئی نئی شفٹ ہوئی تو آتے جاتے ایک دوسرے سے سامنا ہوا اور ایسی ہی کسی باقاعدہ ملاقات یا سرِ راہ ٹکراؤ کے نتیجے میں زاہد علی نے صوفیہ بیگم کو زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر ڈالا۔

ان دنوں سائرہ ایم اے کے ایگزام دے کر فارغ تھیں۔ جبکہ صوفیہ سیکنڈ ایئر کے ایگزام کی تیاری میں تھیں کہ اچانک بیگم علی اپنے بیٹے زاہد صاحب کا رشتہ لیے چلی آئیں۔

بیٹے نے مکرم صاحب کی بیٹی کو پسند کیا تھا۔ لڑکی کے نام سے ناواقف تھے۔ بیگم علی رشتہ لائیں تو ایک لمحے کو چکرا گئیں۔

یہاں ایک نہیں دو دو بیویاں اور دو، دو بیٹیاں تھیں۔

سمجھ نہیں آیا کس کا نام لیں۔ تاہم جب دونوں سے ملیں تو سائرہ کو دیکھ کر سوچا کہ یہ یقیناً ان کے بیٹے کی پسند ہے..... کھلتا ہوا رنگ۔ لمبے بال، تعلیم یافتہ اور پُراعتماد۔

جبکہ ان کے برعکس صوفیہ گندمی رنگت والی، لمبی مگر دبلی سی لڑکی تھی۔ اور یوں وہ سائرہ کے لیے کا سنہ سوال دراز کر گئیں۔

چند دنوں کی چھان پھٹک کے بعد مکرم صاحب نے جواب اثبات میں دے دیا تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق دونوں طرف سے تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

زاہد علی کے لیے زندگی کی سب سے خوب صورت گھڑیاں تھیں یہ۔ ان کی دلی آرزو پوری ہونے جا رہی تھی۔ وہ کامنی سی صوفیہ ان کے دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو چکی تھی۔ جسے چاہا اسے پا لینے کی خوشی سر چڑھ کر بول رہی تھی۔

بارات والے دن سے ہفتہ بھر پہلے جس روز سائرہ اور صوفیہ کے گھر والے ان کے گھر مدعو تھے، زاہد علی سب سے نظر بچا کر اُن کے گھر کی طرف چلے آئے۔

مظفر ان کے سب سے قریبی دوست تھے۔ ان کی مدد سے دروازے سے اندر تک رسائی ہو گئی۔

مگر یہ کیا! اندرونی دروازے کی دہلیز پر کھڑی اداس اور ملول صوفیہ ان کی دھڑکن تیز کر گئی۔

گھر میں اس وقت صوفیہ اور سائرہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔

آج صوفیہ کا دل بہت اداس تھا۔ جس شخص نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے اپنے جذبوں کی کہانیاں سنائی تھیں۔ محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ چند دنوں میں اس کی سوتیلی بہن کو جیون ساتھی بنانے جا رہا تھا۔ یہ دکھ ایسا تھا کہ اس

نے صوفیہ کا دل ہر شے سے اچاٹ کر دیا تھا۔ زاہد علی کو بہنوئی کے روپ میں دیکھنا صوفیہ کی برداشت سے باہر تھا۔ لہٰذا وہ سب کے ساتھ ان کے ہاں نہ گئی۔

زاہد اور صوفیہ کے لیے ایک دوسرے کا سامنا نہ صرف اچانک بلکہ پریشان کُن بھی تھا۔

''تت..... تم۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ اور وہ بھی اس حلیے میں؟''

وہ ڈگ بھرتے اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور صوفیہ کو دیکھا جو کاسنی میکسی سوٹ میں ملبوس بکھری بکھری سی کھڑی تھی۔

''سائرہ آپی اندر ہیں۔ اگر آپ ان سے ملنے آئے ہیں تو دائیں جانب ان کا کمرا ہے۔ آپ کی دلہن وہیں بیٹھی ہیں۔''

بے رخی اور بے اعتنائی سے کہتی وہ دوسری جانب جانے لگی تھی کہ وہ جست بھر کر پھر سے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''کیا مطلب سائرہ۔ اگر کوئی اور سائرہ ہے تو تم کون ہو؟ تمہارا نام؟'' وہ سخت پریشان تھے۔ مظفر صاحب نے آگے بڑھ کر معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی۔

انہیں گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا تھا۔

''دیکھیے پلیز۔ آپ ذرا کھل کر بتائیں۔ لگتا ہے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے شاید۔ زاہد کی شادی تو آپ سے ہونا تھی پھر کوئی اور دلہن کیوں ہے۔'' ان کے دوست مظفر بولے۔

''کون ہے صوفیہ..... تم کس سے.....؟'' اسی اثنا میں سخت لہجے میں صوفیہ کو پکارتی ابٹن اور گجروں سے مزین سائرہ کمرے میں داخل ہوئیں تو ٹھٹک گئی۔

''آ۔ آ۔ آپ۔'' زاہد صاحب کو دیکھ کر وہ بوکھلا سی گئی۔

''اوہ گاڈ۔'' زاہد علی وہیں سر تھام کر بیٹھتے چلے گئے۔

مظفر صاحب نے دیکھا۔ سائرہ گھبرا کر آگے بڑھی تھی۔ صوفیہ کے مقابلے میں ہر طرح سے برتر اور خوب صورت تھی وہ۔ مگر ان کے دوست کی نظرِ انتخاب صوفیہ پر پڑی تھی۔

دھچکا بہت شدید تھا۔ شادی میں چار دن رہ گئے تھے اور انہیں اب پتا چلا کہ ان کی والدہ کیا غلطی کر آئی ہیں۔ مگر وہ بھی ضدی تھے۔ انہوں نے گھر سے مہمانوں کے جاتے ہی ماں کے سامنے سارا معاملہ لا رکھا۔

''میں اگر شادی کروں گا تو صوفیہ سے اماں اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' انہوں نے الٹی میٹم دے دیا تھا۔

بیگم علی بوکھلا سی گئیں۔ پھر بیٹے کی بہت منتیں کیں مگر وہ اپنی خواہش سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے۔

''نہ کرو بیٹا ایسے۔ کسی کی بیٹی ہے وہ۔ اسے داغ لگ جائے گا۔ کون بیاہے گا اسے۔ میں مکرم صاحب سے کیسے کہوں کہ بڑی کو بٹھائے رکھو اور چھوٹی کو رخصت کر دو۔'' وہ بیٹے کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔

مظفر صاحب اور ان کی والدہ بھی وہاں موجود تھیں۔ بہت سمجھایا زاہد صاحب کو مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

''اماں آپ خالہ جان کے ساتھ جا کر بات کریں شاید مکرم انکل مان جائیں۔''

مظفر صاحب سارے حالات اور اپنے دوست کے مزاج سے واقف تھے کہ وہ اپنی خواہش سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

لہٰذا ماں کو راضی کیا... کہ زاہد کی والدہ کو راضی کر لیں ۔ بہر حال بہت مشکل گھڑی تھی مکرم علی کے گھر جا کر بیگم علی تو شرم کے مارے کچھ بول ہی نہ سکیں۔ مظفر صاحب کی والدہ نے ہی بات شروع کی۔

مکرم صاحب بہت وضعدار شخص تھے۔ بہت ضبط سے بات سنی اور پھر بولے۔

''معاف کیجیے گا بہن۔ جو کچھ آپ نے کہا میں سمجھ رہا ہوں۔ مگر میں باپ ہوں۔ کیسے ایک بیٹی کو اٹھا کر دوسری کو نکاح کے لیے بٹھادوں۔ یہ ممکن نہیں۔ یوں بھی دونوں بہنیں الگ، الگ ماؤں سے ہیں۔ پہلے ہی ایک دوسرے کے لیے جگہ نہیں ہے دل میں۔ سائرہ اور اس کی ماں کبھی دستبردار نہیں ہوں گی۔'' وہ بھی مجبور تھے۔ صاف بات کی۔

''لیکن اگر دوسرا متبادل رشتہ آپ کی بڑی بیٹی کے لیے دیا جائے تو کیا تب بھی نہیں؟'' بیگم شیرازی نے سائرہ کو دیکھ رکھا تھا۔ جو انہیں پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انہیں دیکھ کر دل میں ذرا سا افسوس بھی جاگا کہ کاش پہلے دیکھا ہوتا تو اپنے بیٹے کے لیے انہیں مانگ لیتیں۔ مگر چپ کر گئیں۔ البتہ اب قسمت نے موقع دیا تھا۔

انہوں نے کسی سوچ سے نکل کر سوال کیا تو مکرم صاحب اور بیگم علی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ اگر میں سائرہ کے لیے اپنے بیٹے مظفر کا رشتہ دوں تو؟'' وہ فوراً بول پڑی تھیں۔

مکرم صاحب یک دم چپ سے ہو گئے۔

''برائے مہربانی بھائی صاحب۔ انکار مت کیجیے گا۔ اچھی طرح سوچ لیجیے۔ مظفر کے تمام کوائف میں آپ کو دیتی ہوں۔ گھر میں مشورہ کر لیں۔ تھوڑا سا وقت لے لیں۔ پھر فیصلہ کیجیے گا۔'' اور یوں بیگم شیرازی انہیں سوچنے کے لیے چھوڑ آئیں۔ اور شاید اسی کو قسمت کہتے ہیں۔

زاہد علی، صوفیہ کا ہی نصیب تھے۔ انہیں ہی ملنا تھے۔ مکرم صاحب سمجھدار شخص تھے۔ انہوں نے اس معاملے کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور مظفر شیرازی جن کے خاندان کو وہ پہلے سے جانتے تھے۔ ان کے بارے میں رسمی چھان بین کرنے کے بعد ہاں کہہ دی۔

پھر متوقع طور پر خاصا بڑا طوفان اٹھا مگر سائرہ اور ان کی والدہ کی مکرم صاحب کے آگے ایک نہ چلی۔ اور یوں سائرہ کو اٹھا کر ان کی جگہ صوفیہ کو بٹھا دیا گیا۔ مظفر صاحب کے گھر والوں نے تیاری کے لیے تھوڑا سا وقت لے لیا تھا۔

گو کہ شکل، صورت، تعلیم خاندان اور معاشی استحکام ہر لحاظ سے مظفر، زاہد علی سے بہتر تھے، برتر تھے مگر سائرہ کے لیے یہ کسی بے عزتی سے کم نہ تھا... کہ ان کو ٹھکرا کر اس معمولی سی شکل صورت والی صوفیہ کو اپنایا گیا تھا۔ نفرت جو یوں بھی دل میں جڑ پکڑے ہوئے تھی۔ اب فزوں تر ہو گئی۔

اور صوفیہ قسمت کی اس مہربانی پر جہاں خوش اور مسرور تھی۔ وہیں سائرہ آپی کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر خود سے شرمندہ بھی تھی۔

اور یوں ان کی رخصتی کا دن بھی آ گیا۔ سائرہ کی والدہ اور باقی چار بہنوں نے تو باپ کے حکم پر سر جھکا کر شادی میں بددلی سے شرکت کر لی۔ مگر سائرہ لاکھ سب کے سمجھانے پر بھی راضی نہ ہوئی۔

تاہم لوگوں کو بتانے کے لیے یہ بہانہ ہی بہت تھا کہ مظفر صاحب کی مسلسل موجودگی کے پیشِ نظر فرطِ حیا کے باعث سائرہ نے شادی میں شرکت نہیں کی۔ یوں بھی دو ہفتے بعد انہیں بھی رخصت ہونا تھا۔ اور یوں وہ دونوں بہنیں بھی اپنے اپنے گھر سدھار گئیں۔

وقت کا پہیا یونہی گھومتا رہا اور یکے بعد دیگرے مکرم صاحب اور ان کی دونوں بیویاں انتقال کر گئیں۔

سیلِ وقت اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے گیا۔ سائرہ کو اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے بالکل اپنی والدہ کی طرح چار بیٹیاں عطا کر دیں جن میں سے ایک پیدائش کے فوراً بعد انتقال کر گئی۔

جبکہ دوسری طرف صوفیہ کی گود کئی سال ہری نہ ہوسکی۔ بالآخر اللہ کو تین سال کے بعد رحم آیا اور وہ امید سے ہوگئیں مگر یہ خوشی بھی ادھوری رہی۔ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی دم توڑ گیا اور پھر لگاتار دو بار ایسا ہی ہوا ویسے بھی صوفیہ جسمانی طور پر کافی کمزور تھیں۔ اولاد کی خواہش نے کچھ زیادہ ہی زور پکڑا تو انہوں نے کوئی دعا کوئی درود نہ چھوڑا۔ علاج معالجے سے لے کر وظائف تک سب کچھ کر ڈالا۔

دوسری جانب سائرہ تین بیٹیوں کی ماں بن کر بھی پُرسکون نہ تھیں۔ انہیں ہر صورت میں بیٹا چاہیے تھا۔ دل میں جیسے خوف بسا تھا کہ کہیں ان کے والد کی طرح مظفر صاحب بھی اولادِ نرینہ کی خاطر دوسری شادی نہ رچالیں۔ مظفر صاحب اپنی بچیوں سے نہ صرف یہ کہ محبت کرتے تھے بلکہ ان کی تو جیسے جان بسی تھی ان ننھی پریوں میں۔

جتنا سائرہ ان کی پیدائش پر منہ بناتی تھیں۔ اتنا ہی مظفر صاحب کا شفیق دل اپنی بیٹیوں کے لیے گداز ہوتا جاتا تھا۔ کچھ ٹائم گزرا اور رحمتِ خداوندی سے سائرہ اور صوفیہ بیک وقت حاملہ ہوئیں۔

سائرہ نے سوچ لیا تھا اس بار اگر الٹرا ساؤنڈ نے بیٹی کی خبر دی تو وہ یہ بچہ نہیں رکھیں گی۔

شومئی تقدیر کہ ہوا بھی یہی۔

سائرہ بھی اپنی خواہش کے ہاتھوں جنونی ہوگئی تھیں۔

اور ایسی حالت میں جب عورت اپنا بہت خیال رکھتی ہے۔ انہوں نے ہر وہ حربہ آزمایا جس سے بچے کو نقصان پہنچے اور وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی دنیا سے چلا جائے۔ مگر زندگی اور موت اس ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جس نے ہماری قسمت بنائی ہے۔ اور یوں خود سے لڑتے جھگڑتے وہ دن بھی آگیا جب بچے کو دنیا میں آنا تھا۔

خدا کا کرنا یوں ہوا کہ دوسری طرف صوفیہ کو بھی آپریشن کی وہ ہی ڈیٹ ملی۔ مظفر صاحب سے سائرہ کی ہونے والی بچی سے نفرت و بیزاری اور اسے قتل کرنے کے تمام حربے چھپے نہیں رہے تھے جو بظاہر الٹرا ساؤنڈ کے باعث معلوم ہو چکا تھا۔

لہٰذا اس کڑے وقت میں جب صوفیہ نے ایک بار پھر مردہ بچی کو جنم دیا اور سائرہ نے اپنی چھٹی بیٹی کو.....

تو مظفر صاحب نے بری طرح روتے ہوئے زاہد علی کو دیکھا جو دوست کا کندھا پاتے ہی بکھر گئے تھے۔

''اب کیا ہوگا مظفر۔ صوفیہ مرجائے گی۔ سرجن نے بتایا ہے کہ یہ اس کا آخری چانس تھا۔ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ تم بتاؤ۔ جب وہ ہوش میں آئے تو میں کیا جواب دوں اسے۔'' زاہد علی بیک وقت دُہرے غم میں مبتلا تھے۔

ان کی ماں پوتے پوتیوں کا ارمان لیے اپنی آخری منزل کی جانب سدھار گئی تھیں اور اب ان کی محبت بھی داؤ پر لگی تھی۔

ایسے میں مظفر صاحب کے دل نے یک دم فیصلہ کر ڈالا۔ ابھی گھر پر انہوں نے اطلاع نہیں دی تھی۔ اماں کسی جاننے والے کی شادی میں لاہور گئی ہوئی تھیں کہ سائرہ کو اچانک درد اٹھ گئے تھے۔ شگفتہ بھابی اماں کے ساتھ تھیں۔

آپریشن کے بعد سے ابھی تک انہیں ہوش نہیں آیا تھا اور ہوش میں تو صوفیہ بھی نہیں تھیں۔

انہوں نے اپنی بچی کو لا کر صوفیہ کے پہلو میں لٹا دیا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو مظفر۔'' زاہد علی کے آنسو رک گئے۔ انہوں نے حیرت اور تشویش سے انہیں دیکھا۔

''صوفیہ بھابی کی زندگی کے لیے یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔'' ان کے چہرے پر سکون طاری تھا۔

''مگر سائرہ بھابی... اور پھر اسپتال والے۔ ان سب کو کیا کہو گے۔''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو اور بھابی کو سنبھالو۔'' انہوں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

''مظفر... سنو تو۔'' زاہد علی ان کے پیچھے لپکے مگر وہ سنی ان سنی کر گئے۔ پھر نہ جانے مظفر صاحب نے اپنے

رسوخ کے ذریعے کس طرح یہ معاملات طے کیے۔

صوفیہ اور سائرہ کو ہوش آتے ہی فوراً دوسرے کلینک میں شفٹ کر دیا گیا۔ وجہ دونوں شوہروں نے یہی بتائی کہ وہ اسپتال کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ اور یوں یہ راز ان دونوں کے مابین راز ہی رہا۔

چند سال یونہی گزرے اور پھر ٹرانسفر کے نتیجے میں زاہد علی لاہور چلے آئے اور آج تک یہیں تھے۔

جو زمانے کی نظر میں زاہد علی اور صوفیہ کی اولاد تھی۔ مظفر اور سائرہ کی بیٹی دُرِ مکنون ماشاء اللہ نہایت حسین دوشیزہ کے روپ میں جوان ہوئی تھی۔

صوفیہ اس کو دیکھتیں تو دیکھتی رہ جاتیں۔ اس وقت بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہنستی گپیں لگاتی۔ وہ کس قدر خوش اور جاذبِ نظر لگ رہی تھی۔

''ویسے کبھی کبھی سوچتی ہوں زاہد کہ ہم دونوں تو اتنی معمولی سی شکل صورت والے ہیں۔ یہ کس پر چلی گئی ہے۔ کبھی لگتا ہے جیسے سائرہ آپی کی طرح ہے دری۔ ویسی ہی خوب صورت ویسی ہی حسین۔'' ان کا ہی سایہ پڑ گیا ہے۔ زاہد علی بیوی کی بات پر اندر سے چونک گئے تھے۔

اور پھر شاید یہ ان تینوں کی زندگی کی آخری خوب صورت شام تھی۔

کیونکہ اس کے بعد وہ سیاہ دن آیا جو اُن تینوں کی خوشیوں کو ہمیشہ کے لیے نگل گیا۔

☆☆☆

''موسم اچھا نہیں ہے آج دُرِی۔ تم اکیلے مت جاؤ۔'' بادل چھائے ہوئے تھے۔ صوفیہ نے اسے جانے کے لیے تیار دیکھا تو ٹوک دیا۔ آج دل میں طرح طرح کے وہم آ رہے تھے۔

''کم آن ماما..... کچھ نہیں ہوگا۔ کالج بھی تو جاتی تھی ناں۔ صباحت کو سرپرائز ملے گا میرے جانے سے۔ کل بابا اور آپ دونوں نے ہی تو اجازت دی تھی ناں۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔

''وہ ٹھیک بات ہے بیٹا۔ مگر تم اکیلی ہو۔ ڈر لگتا ہے مجھے۔'' صوفیہ متفکر تھیں۔

''پلیز ماما... بی بریو۔'' اس نے ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے۔ ''اب دیکھیے ناں۔ آپ کے کہنے پر ساری میچنگ جیولری بھی اتار دی ہے میں نے اور میک اپ بھی نہیں کیا۔'' وہ معصومیت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی تو انہیں اس ادا پر پیار آ گیا۔ ہر بار وہ اسی طرح کرتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے چلی جاؤ... مگر جلدی آ جانا۔ میں نے آج گھر پر گیسٹ نہ بلائے ہوتے تو تمہیں خود ڈراپ کر کے آتی صباحت کے گھر۔'' انہوں نے بادل ناخواستہ اجازت دی... تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

''تھینک یو ماما۔ یو آر دا بیسٹ۔''

''اچھا... اچھا۔ اب زیادہ بٹرنگ کی ضرورت نہیں۔'' وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئیں۔

''اچھا شام کے اذکار پڑھ لیے تھے تم نے.....!'' انہوں نے جاتے، جاتے پوچھا تھا۔

''سوری ماما بھول گئی۔'' دُرِ مکنون نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر معذرت خواہانہ انداز میں کہا تو انہوں نے گھوری سے نوازا۔

''اذکار پڑھنا کبھی مت بھولا کرو دُرِی کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں کہ صبح شام کے اذکار ہماری حفاظت کے لیے بتائے ہیں نبی پاک ﷺ نے۔'' صوفیہ بیگم نے قدرے سختی سے کہا اور پھر تاکید کی۔

''اب راستے میں پڑھتی ہوئی جانا، سمجھیں۔''

جواب میں اس نے تابعداری سے سر ہلا دیا تھا۔ مگر باہر نکلتے ہی عینی کے ٹیکسٹ میسجز نے اسے ماں کی نصیحت

بھلادی جوکل ہی اس سے ناراض ہوکر گئی تھی۔ دراصل عینی کے اصرار پر زاویار ہوٹل میں ٹریٹ دے رہا تھا۔ وہ دُرِمکنون کو بلانے آئی تھی۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ درحقیقت وہ زاویار انصاری کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی بولتی آنکھیں اسے پزل کر دیتی تھیں۔

''اکیلے ہوٹل جانے کی بابا اجازت نہیں دیں گے۔''

''اکیلے کہاں... میں، بھائی اور شیری آپی بھی تو ہوں گے ناں وہاں'' عینی ٹھنکی تھی۔

''تمہیں پتا ہے ناں عینی۔ بابا میرے معاملے میں بہت محتاط ہیں۔ کہتے ہیں میں امانت ہوں کسی کی۔ اور یوں بھی آج وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اجازت بھلا کیسے لوں ان سے؟'' اسے جانا نہیں تھا۔ اس لیے بابا کو ڈھال بنا لیا تھا۔ حالانکہ ہر کوئی جانتا تھا۔ وہ چاہتی تو اجازت لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پھر عینی نے اسے منانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانی تو عینی ناراض ہوکر منہ پُھلا کر چلی گئی۔

اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد اس کے سیل پر ٹیکسٹ آیا تھا۔

کیوں سنے عرضِ مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا!

جس نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

اور اب بھی جب اسے عینی کا ناراضی بھرا میسج آیا یہ شعر اس کے ذہن و دل میں ادھم مچا گیا۔

موسم کے تیور واقعی دوستانہ نہیں تھے۔ اس کا اندازہ اسے مین روڈ تک پہنچتے پہنچتے اچھی طرح سے ہو گیا۔ پھوار اچانک ہی برسنے لگی تھی۔

اس نے ٹرانسپورٹ کے لیے نظر دوڑائی۔ پبلک وین بہت بھری ہوئی آرہی تھیں۔ ناچار کیب لینے کا ارادہ کیا۔ ذرا دیر بعد وہ مطلوبہ ایڈریس کی طرف رواں دواں تھی۔

اس دوران پھوار نے باقاعدہ تیز بارش کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے کھڑکی کے باہر کے منظر کو بڑی فکرمندی سے دیکھا۔

اس موسم میں صباحت کی منگنی کی شاپنگ خاک ہونا تھی۔ اسے یک دم ماما کی فکر نے ستایا وہ اس وقت کتنی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ قدرے افسوس بھی ہوا کہ ان کی بات ہی مان لیتی ہمیشہ کی طرح۔ کیب یک دم جھٹکے سے رکی تو اس کی سوچوں کو بھی بریک لگ گئے۔ ڈرائیور نے کافی کوشش کی مگر کیب اسٹارٹ نہ ہو سکی۔ مجبوراً کیب ڈرائیور برستی بارش میں باہر نکلا اور بونٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ گاڈ۔ کیا ہو گیا ہے اب اسے۔'' وہ متفکر ہوئی۔

''معاف کرنا بی بی۔ ٹیکسی خراب ہو گئی ہے۔ کاربوریٹر کا مسئلہ ہے جی۔ آپ کوئی اور گاڑی پکڑ لو'' کچھ دیر بعد ڈرائیور نے آکر مژدہ سنایا تو وہ بوکھلا سی گئی۔

''کیا مطلب دوسری گاڑی؟ کیا یہ ٹھیک نہیں ہو سکتی؟''

''نہیں جی۔ لمبا کام ہے۔ ورک شاپ لے جانا پڑے گا اسے۔ میرے یہاں تک کے دو سو روپے بن گئے ہیں جی۔ وہ دے دو'' کیب والا سر پر سوار تھا۔

''یا اللہ مدد'' اس نے پریشان حالی میں پیسے نکال کر اسے پکڑائے اور کیب سے باہر قدم دھر دیے۔

بارش ٹھیک ٹھاک برس رہی تھی۔ یہ علاقہ بھی انجان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کرے۔ کیب کوئی آ نہیں رہی تھی اور یہاں سے مطلوبہ بس کون سی ہے۔ یہ بھی علم نہیں تھا اسے... اس پر مستزاد پاس سے گزرتے ''مرد'' اسے

یوں دیکھتے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سالم نگل جائیں گے۔
پھر کتنی ہی دیر اس طرح گزر گئی۔
قریب کھلے جنرل اسٹور کے شیڈ کے نیچے کھڑے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی... کیا کرے کہ اچانک سفید ٹویوٹا سامنے آرکی۔ ڈارک شیشے ہونے کی وجہ سے ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے لمحے بھر کے لیے نظر نہیں آیا۔ مگر جب شیشے نیچے گرائے گئے تو زاویار انصاری کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے میلے میں بچھڑے بچے کو کوئی اپنا دکھائی دے جائے۔
زاویار نے اس کے متوحش اور خوفزدہ چہرے پر یک دم سکون کی پرچھائیاں اترتی دیکھی تھیں۔
''پلیز آیئے۔ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' مہذب انداز اور سنجیدہ چہرے پر سجی آنکھیں دُرِ مکنون کے چہرے کو بے تابی سے دیکھ رہی تھیں۔
''السلام علیکم!'' فرنٹ سیٹ کا دروازہ اس کے لیے کھولا گیا تھا۔
وہ گھبرائی، گھبرائی سی سمٹ کر اس کے ساتھ والی سیٹ پر آ بیٹھی۔ عینی کی موجودگی میں ہر بار وہ پیچھے بیٹھتی اور عینی آگے ہوتی تھی۔ زاویار نے اسے زیرلب مسکرا کر دیکھا۔
جب سے آغا جان نے یہ کار اسے گفٹ کی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ فرنٹ سیٹ پر دُرِ مکنون اس کے ساتھ بیٹھے۔ بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر بس یہی لڑکی اس کی ہم سفر ہو۔ اور آج اچانک بالکل غیر متوقع طور پر اس کی خواہش پوری ہوگئی تھی۔
''وعلیکم السلام۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔
''کہاں جانا ہے؟'' اصولی سوال ہوا۔
جواباً اس نے شولڈر بیگ سے ایک چٹ نکال کر اس کے آگے کر دی۔ زاویار نے اچٹتی سی نظر چٹ پر ڈالی اور لب بھینچ کر دُرِ مکنون کی جانب دیکھا۔ جو سی گرین اور بلیک کنٹراسٹ کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں بھیگی لٹوں سے احاطہ کیے سادہ سے چہرے سمیت اس کی طرف متوجہ تھی۔
''آگے روڈ کنسٹرکشن کی وجہ سے بلاک ہے۔ میں وہیں سے آرہا ہوں۔ متبادل راستہ لینا ہوگا یہاں جانے کے لیے۔'' اس نے چٹ پر لکھے ایڈریس کی طرف اشارہ کیا۔
''کیا لمبا سفر ہوگا؟'' دُرِ مکنون نے فکرمندی سے سوال کیا تھا۔
''یہ تو ہم سفر پر منحصر ہے۔ اگر ہم سفر پسند کا ہو تو راستہ منٹوں میں کٹ جاتا ہے۔ اور اگر ناپسند ہو تو وقت کاٹے نہیں کٹتا۔'' کار ریورس کر کے مطلوبہ روٹ پر لاتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے فلسفہ بگھارا تو دُرِ مکنون نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔ زاویار کے سنجیدہ چہرے پر مسکراتی آنکھیں روشن تھیں۔ اس نے جھینپ کر نظر ونڈ اسکرین پر جما دی۔
پھر کچھ دیر دونوں کے مابین خاموشی رہی۔ جسے زاویار نے ہی توڑا۔ اب وہ اس کی اسٹڈیز کے متعلق بات کرنے لگا تھا۔ اور یہ وہ واحد ٹاپک تھا جس پر وہ زاویار کے ساتھ بڑے اطمینان سے بات کر لیتی تھی۔
''تو گویا بیچلرز کے بعد ماسٹرز کا ارادہ ہے۔''
''ہوں۔'' دُرِ مکنون نے سر اثبات میں ہلایا۔
''اور اس کے بعد.....؟'' رسان سے استفسار کیا۔
''اس کے بعد phd management۔'' جواب میں وہ بڑے ارمان سے بولی تھی۔
''اور اس کے بعد؟''
''بہت اچھی سی جاب۔''

''اور اس کے بعد؟''

زاویار کے سوال میں اس بار بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

دُرِمکنون نے اپنے خوابوں کی دنیا سے نکل کر اسے دیکھا جو نگاہوں میں ارمانوں کا ایک جہاں آباد کیے اس کی جانب متوجہ تھا۔

''جی...؟'' وہ جیسے انک سی گئی۔

''آئی مین۔ آپ کی اس لمبی پلاننگ میں ایک گھر۔ ایک ہم سفر کا بھی کوئی گزر ہے کہ نہیں۔'' اس بار وہ گہری مسکراہٹ سمیت سوال کر رہا تھا۔

دُرِمکنون نے پہلی بار اپنے ماتھے سے پسینہ پھوٹتا محسوس کیا۔ جسے آنچل سے خشک کرتے ہوئے وہ نظر چرا گئی تھی۔

''کچھ معاملات اور فیصلے قسمت سے جڑے ہوتے ہیں۔ پھر خواہ آپ کوئی بھی منزل متعین کریں۔ پہنچتے آپ وہیں ہیں جہاں راستے آپ کو لے جاتے ہیں۔''

''ویل سیڈ۔'' اس کا ناپا تلا محتاط جواب زاویار کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھیر گیا۔

''آئی ایگری ود یو۔ البتہ اس destiny یعنی قسمت اور destination یعنی منزل کے بیچ میں ایک راہ خواہش کی بھی ہوتی ہے۔ کیا آپ خواب دیکھنے پر believe نہیں کرتیں۔'' وہ مشاقی سے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کرتی ہوں۔ ہائی ایجوکیشن میری خواہش۔ میرا خواب ہی تو ہے۔''

''اور اگر ''آپ'' کسی کی خواہش... کسی کا خواب ہوں تو.....؟'' بلا ارادہ زاویار انصاری کے لبوں سے یہ جملہ نکلا تھا۔

''کوئی آپ کے سنگ زندگی گزارنے کی خواہش رکھے۔ خواب دیکھے تو کیا آپ اس کو Consider کریں گی؟''

اس کے سوالات دُرِمکنون کے لب سی گئے۔ کتنے ہی لمحے وہ کچھ بول نہ سکی۔ وہ جو روسٹرم پر کھڑے ہو کر دھواں دھار تقریریں کرتی تھی۔ لب بستہ رہ گئی۔

''کیا آپ اپنی فیوچر پلاننگ میں تھوڑی سی ترمیم نہیں کر سکتیں۔ آئی مین بیچلرز کے بعد ماسٹرز پھر شادی اور اس کے بعد ڈاکٹریٹ۔'' زاویار کا لہجہ یک دم بڑا سنجیدہ اور ٹھہرا ہوا سا ہو گیا تھا۔ دُرِمکنون کی خاموشی پر وہ کہنے لگا تھا۔

''ایز یو نو دُرِمکنون۔ میں اپنی فیملی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ ان کے بہت سے ارمان مجھ سے جڑے ہیں۔ میں اگلے سات سال تو کیا دس سال بھی آپ کا انتظار کر سکتا ہوں مگر شاید میری فیملی نہیں۔'' سامنے سڑک پر نظر جمائے ہوئے وہ بول رہا تھا۔ گاہے بگاہے اک نظر ساتھ بیٹھی دُرِمکنون پر ڈال لیتا تھا۔

''میں سیدھی بات کرتا ہوں۔ میرے دل میں بہت خصوصی جگہ ہے آپ کے لیے۔ میری پریکٹیکل لائف شروع ہو چکی ہے۔ میں سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔ میرے گھر والے میری شادی کے لیے بے تاب ہیں۔ اور میرا دل آپ کے لیے۔'' اس کی زبان پھر سے پھسلی تھی۔ وہ ذرا کی ذرا رکا۔

دُرِمکنون کے چہرے پر سرخی پھیلنے لگی تھی۔ دل گویا پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تھا۔ زاویار انصاری کے صاف اور واضح اظہار پر حیا نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

''آئی ایم سوری!'' وہ اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہو گیا تھا۔

''میرا مقصد آپ کو پزل کرنا ہرگز نہیں۔ صرف آپ کا جواب چاہتا ہوں۔ آج سے پانچ سال بعد سات

سال بعد..... جب بھی کبھی آپ نے کسی ہم سفر کا ساتھ چھوڑنا چاہا تو کیا میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھ سکتا ہوں۔ کیا دُرِمکنون کے لیے اس کے ویٹنگ روم میں بیٹھ سکتا ہوں میں؟'' وہ وضاحت سے اپنے دل کا حال کہہ گیا تھا۔

دُرِمکنون کے لیے جواب دینا مشکل ہوگیا۔ اس کی سیدھی سادی زندگی اور بنا پیچ وخم کی پلاننگ میں زاویار انصاری کے اظہار نے پہاڑ لا کھڑا کیا تھا۔

''یہ سب میرے پیرنٹس کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''کم از کم اتنا تو بتا سکتی ہیں کہ اگر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا تو کیا آپ کا جواب ہاں میں ہوگا؟''

وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

دُرِمکنون نے بے بسی سے اس کی جانب نظر اٹھائی مگر زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی۔ اور زاویار کا حال یہ تھا کہ اس کی خاموشی سیدھی دل پر ضرب لگا رہی تھی۔ نگاہیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ.....

میں سمندر میں ہوں کنارا دو!
ساتھ چلنا ہے تو کوئی تو اشارہ دو

جبکہ دوسری جانب دُرِمکنون۔ ''ہم جواب کیا دیتے کھو گئے سوالوں میں'' کی تفسیر بنی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ اس کی سنہری رنگت کے نیچے گویا قمقمے سے جل اٹھے تھے۔

زاویار نے گہری اور متبسم نگاہ اس پر ڈالی تو جیسے اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ دل میں سکون اتر آیا جیسے۔

''تھینکس۔'' کتنی دیر بعد وہ بھاری لہجے میں بولا تھا۔

دُرِمکنون کی حالت عجیب تھی۔ وہ اس کے شکریے کے جواب میں کوئی انکار یا احتجاج بھی نہ کر سکی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسے زاویار کی یہ جسارت جو بہت مہذبانہ تھی۔ اتنی بری بھی نہیں لگی۔ دل میں کہیں جگہ سی بن گئی تھی اس کے لیے۔ گزرے دنوں میں جس طرح اس نے میچورٹی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ دُرِمکنون کے دل کو مائل اور کافی حد تک قائل کر گیا تھا۔

پھر کافی دیر دونوں کے مابین خاموشی بولتی رہی جسے زاویار نے توڑا۔

''یہ کوئی نیا رہائشی علاقہ ہے یہاں پوری کالونی بن رہی ہے۔'' صباحت کے گھر کے نزدیک پہنچتے ہوئے اس نے دُرِمکنون کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

رہائشی علاقے سے پہلے مارکیٹ تھی۔ زاویار نے وہاں کار روکی تو دُرِمکنون نے سوالیہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''صرف ایک کولڈ ڈرنک۔ آئی رئیلی نیڈ اٹ۔'' اجازت طلب انداز تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

تاہم اس سے پہلے کہ زاویار کولڈ ڈرنکس لے کر واپس لوٹتا۔ ایک سیاہ پجیرو فل اسپیڈ سے ڈرائیو کرتی اچانک ایمرجنسی بریک لگا کر زاویار کی کار کے بالکل سامنے اس طرح لا کر روکی گئی کہ اس کے آگے جانے کا گویا راستہ ہی بند ہوگیا۔

دُرِمکنون جو اس دوران چہرے پر روپہلے رنگ لیے کھڑکی کے شیشے گرائے۔ سامنے اسٹور کے کاؤنٹر پر کھڑے زاویار کو لاشعوری طور پر نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ بری طرح چونکی۔

گاڑی کے رکتے ہی اندر سے دو بدمعاش ٹائپ مرد نکلے۔ ایک جنرل اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ دوسرے نے ذرا دیر رک کر کار میں بیٹھی دُرِمکنون پر گہری نظر ڈالی تھی۔

عجیب انگارہ صفت نگاہیں تھیں۔ دُرِمکنون نے پیشانی کو جلتا ہوا محسوس کیا اور بیزاری سے رخ پھیر لیا۔ بارش بھی اب رک چکی تھی۔

زاویار اسٹور سے نکل رہا تھا کہ اندر جاتے سیاہ پجیرو والے سے نادانستہ ٹکرا گیا۔

''نظر نہیں آتا کیا۔ اندھے ہو۔'' حلیے سے بھی بدتر اور ناشائستہ اندازِ گفتگو تھا۔

''آئی ایم سوری۔ میں جلدی میں تھا۔'' ماتھے پر شکن لیے اس نے سوری تو کرلیا تاہم لہجہ کڑوا تھا۔

''ہونہہ۔'' وہ اجڈ سا شخص انتہائی مغرور بھی تھا۔

زاویار کے سوری کے جواب میں ہنکارا ابھر کر آگے بڑھ گیا۔

زاویار نے دانت بھینچتے ہوئے خود کو مزید کچھ کہنے اور کرنے سے روکا۔ کار میں دُرِ مکنون اس کی منتظر تھی۔ وہ ان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہ رہا تھا۔ البتہ جب واپس لوٹا تو سامنے کھڑی پجیرو دیکھ کر اس کے ماتھے پر پڑتے بل اس کے طیش کا اظہار تھے۔

''کس کی گاڑی ہے یہ؟ کچھ پتا ہے؟'' اس نے کھڑکی سے جھانک کر دُرِ مکنون سے پوچھا تھا۔

جواباً وہ محض اشارہ کر کے رہ گئی۔

زاویار ایڑیوں کے بل مڑا تھا کہ دُرِ مکنون نے التجائیہ کہا۔

''پلیز رہنے دیجیے۔ ان لوگوں سے نہ الجھیں۔ ہم ویٹ کرلیتے ہیں۔'' اسے یہ لوگ بہت اجڈ ناشائستہ اور فتنہ گر لگے تھے۔

''اب اس قدر بھی فارغ نہیں ہیں ہم۔ کہ ان لینڈ لارڈز کا انتظار کریں یہاں بیٹھ کر۔'' وہ غضبناک ہو کر بولا تو در مکنون اپنی جگہ ششدر رہ گئی۔۔ گویا وہ ان کو پہچانتا تھا۔

پھر اس نے دیکھا زاویار اور ان دونوں اشخاص کے بیچ میں بحث سی ہوئی جو اتنی دور ہونے کے باعث اسے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تاہم وہ اس صورتِ حال پر پریشان ہوگئی تھی۔

قارئینِ بیرونِ ملک متوجہ ہوں!

محکمہ ڈاک نے دوسری مرتبہ **بیرون ملک ڈاک خرچ** پر تقریباً 200 سے 250 **فیصد** اضافہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہم بحالت مجبوری بیرون ملک ڈاک خرچ میں اضافہ کر رہے ہیں۔

جو کہ اس ماہ نومبر 2020 سے لاگو ہوگا جس کی تفصیل تمام رسائل میں فراہم کر دی گئی ہے۔

سرکولیشن منیجر

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کچھ دیر وہ لوگ یونہی الجھتے رہے۔ بالآخر ان میں سے ایک زاویار کے ساتھ پلٹا اور اس نے پجیرو ریورس کر کے ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ البتہ اس تمام عمل کے دوران اس کی ہوس زدہ غلیظ نظریں بار، بار درمکنون کی جانب اٹھتی رہی تھیں۔ تنگ آ کر اس نے کھڑکی کا شیشہ اونچا کرلیا۔

زاویار خاصے آف موڈ میں کار آگے بڑھا لے گیا تھا۔ سائڈ مرر سے دُرِمکنون نے سیاہ پجیرو کے ڈرائیور کو گاڑی سے نکل کر زاویار کی گاڑی کی طرف کینہ توز نظروں سے گھورتے دیکھا۔ تو ہتھیلیوں میں پسینہ اترتا محسوس کیا۔

زاویار کا موڈ خراب تھا لہٰذا کار میں خاموشی رہی۔ نئی کالونی کا رہائشی ایریا شروع ہوا تو وہ دونوں متفکر سے ہوگئے۔ اس علاقے میں زیادہ تر گھر زیرِتعمیر تھے۔ وہ جس طرف نکل آئے تھے وہاں فی الحال گھر خالی تھے۔

''ذرا ایڈریس دیں پلیز۔'' اِدھر اُدھر اسٹریٹس کا چکر لگا کر بالآخر اس نے دُرِمکنون سے کہا تو اس نے بیگ سے ایڈریس نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اس سے پہلے کبھی اس طرف آئی ہیں آپ؟''

''نہیں، صباحت پچھلے مہینے ہی اِدھر شفٹ ہوئی ہے۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ یہ نمبر کس طرف ہوگا۔'' زاویار نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سوال کرلیا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''میں نہیں ہوتا تو کیسے گھر ڈھونڈتیں آپ؟''

اب کے وہ اس کی طرف مڑ کر خاصے سخت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''میں نے سوچا تھا یہاں کے بس اسٹاپ پر پہنچ کر صباحت کو فون کردوں گی۔ وہ آ کر لے جائے گی مجھے۔ مگر بس ہی نہیں ملی اور بارش کی وجہ سے مجھے کیب پکڑنی پڑی اور اب میں کہاں ہوں یہ معلوم ہی نہیں اس لیے صباحت کو کیسے فون کروں۔'' اس نے اضطراری انداز میں ہاتھ مسلے۔

زاویار نے گرم نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ کہاں ہیں یہ نہیں بتا سکتیں۔ مگر وہ کہاں ہیں یہ تو پوچھ سکتی ہیں ناں آپ۔ لہٰذا ان کو فون کریں اور لوکیشن پتا لگانے کی کوشش کریں۔'' اس نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو دُرِمکنون سٹپٹا کر بیگ سے موبائل نکالنے لگی۔ بڑا ہی ویران علاقہ تھا۔ دور، دور تک سناٹا تھا۔

زاویار نے کار روڈ کے کنارے پر روک لی تھی۔

اور ابھی وہ موبائل سے صباحت کا نمبر ڈائل کرنے ہی لگی تھی۔ کہ یک دم کسی نے کار کے پیچھے سے ٹکر ماری۔ جس سے کار نے بری طرح جھٹکا کھایا۔ وہ دونوں ہی چونک گئے۔ بیک ویو مرر سے دیکھا۔ وہ ہی سیاہ پجیرو عقب میں کھڑی تھی۔ اس کا ڈرائیور باہر نکل آیا تھا۔ جس کے چہرے پر کھردرے تاثرات، سفاکیت اور برودت تھی۔

موبائل دُرِمکنون کے ہاتھ سے چھوٹ کر پیروں میں جا گرا تھا۔

''راسکل۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی۔'' زاویار غصے سے ابل پڑا۔

''نن۔ نہیں۔ آپ گاڑی چلائیں۔'' دُرِمکنون نے گھبرا کر بے اختیار زاویار کے کندھے کو جھنجوڑا تھا اس کے دل کو کسی اندوہ ناک واقعہ کے ظہور پزیر ہونے کا الہام ہوا تھا۔

''ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں دیکھتا ہوں اس تیس مار خان کو۔'' وہ دروازہ کھولنے لگا تھا۔

''نہیں پلیز... یہ لوگ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ آپ کار سے نہ نکلیں۔ بلکہ اسٹارٹ کریں۔''

مگر زاویار انصاری جیسے جذباتی اور حالات کو سمجھنے کی بصیرت سے محروم شخص کے لیے گویا یہ کوئی چیلنج ہی تھا۔

پھر وہ چیختی رہی اور وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ذرا دیر پہلے کی بدتمیزی وہ بھولا نہیں تھا۔ اس لیے باہر نکلتے ہی اس نے سخت سست سنانا شروع کر دی تھیں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ کس قدر بارسوخ شخص شوکت زمان کا بیٹا بابر زمان ہے جس سے پورا شہر ڈرتا تھا۔ دوسرے طرف سے بھی گویا اسی کا انتظار تھا۔

بابر زمان کا بدمعاش نما دوسرا ساتھی بھی یک دم پجیرو سے باہر نکل آیا تو اس کے ہاتھ میں پکڑی گن نے زاویار کے ابلتے خون کو یک دم ٹھنڈا کیا۔ وہ دونوں زاویار کو دھکیلتے ہوئے کار کے اگلے حصے کی طرف چلے آئے۔

''کیا چاہتے ہو تم؟'' وہ غصے میں پھنکارا تھا۔

''سب کچھ۔'' اسلحہ بردار شخص کے پتھریلے چہرے پر شیطانی چمک ابھری تھی۔ زاویار انصاری نے زندگی میں پہلی بار رگ، رگ میں خوف سرائیت کرتا محسوس کیا۔

''کک..... کیا مطلب...؟''

''مطلب یہ کار اور یہ مٹیار۔'' اس شیطان کی مکار آنکھیں غلیظ نظروں سے دُرِ مکنون کے وجود کو داغدار کر رہی تھیں۔

اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔ خوف و دہشت سے وہ سفید پڑ گئی تھی۔

''خبردار۔ تم نے ایسا کچھ سوچا بھی تو۔'' زاویار کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

''بکواس بند کرو۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو چپ چاپ ایک طرف ہٹ جاؤ۔ ورنہ یہ ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔'' اس کے سینے میں زور کا گھونسا مارتے ہوئے ان میں سے ایک شخص نے کہا تھا۔

زاویار منہ کے بل زمین پر گرا... تو بمشکل دوبارہ اٹھ سکا۔

دُرِ مکنون اس اثنا میں روتی بلکتی بھاگ کر زاویار کے پاس آنا چاہتی تھی کہ دو مضبوط وحشی بازوؤں نے اسے جکڑ لیا۔

''بچالیں۔ پلیز مجھے بچالیں۔'' اس ویران علاقے میں اس کی چیخیں گونج کر رہ گئی تھیں۔

مگر زندگی بڑی ظالم شے ہے۔ موت سامنے نظر آئے تو بہادر سے بہادر انسان بھی ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ یا شاید زاویار انصاری ہی بزدل تھا۔

زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی مگر کچھ انسان موت سے اس قدر خوفزدہ ہوتے ہیں کہ زندگی سے عزیز ہستیوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ جبھی تو وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

اس بھیانک دن لاہور نے نسوانی چیخوں کو سنا تو آسمان بھی رو پڑا تھا۔

''پلیز ایسا مت کریں زاویار۔ آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ۔ ایسا مت کریں۔ مجھے یوں چھوڑ کر نہ جائیں۔ میں مر جاؤں گی۔''

زاویار کو لگا جیسے اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ آگے صرف موت ناچتی نظر آ رہی تھی۔ اور اس بھیانک منظر کے پرے اسے جیتی جاگتی دُرِ مکنون آگ کے دریا میں اترتی نظر نہیں آ سکی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں آپ کی بہن کی دوست ہوں۔ آپ نے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے مجھ سے۔'' وہ درندے کی گرفت میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ مگر زاویار انصاری کو صرف ہوائی فائر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ پلٹ کر اندھا دھند بھاگا تھا۔

اس کی آنکھوں کے آگے دُرِ مکنون کا سفید پڑتا چہرہ۔ اس کے جڑے ہوئے ہاتھ۔ خوف و دہشت سے بھری آنکھیں۔ آنسوؤں سے بھیگتے رخسار سب تھے۔ مگر زندگی ہار جانے کا خوف زیادہ حاوی تھا۔

موت سے ''بھاگ'' جانے کی طمع زیادہ مضبوط تھی۔

''زاویار۔ مت کریں ایسا۔'' وہ آخری بار پوری قوت سے چیخی تھی۔

اور پھر اس کی ناک پر رکھے گئے رومال سے اٹھتی بُو نے اسے بہت جلد ہوش وخرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

''میں نہیں جانتی مجھے کس نے اغوا کیا۔ ان کی شکلیں کیسی تھیں۔ آوازیں کیسی تھیں۔ مجھے تو اس زندان میں۔ اس عقوبت خانے میں صرف زاویار انصاری کی آواز آیا کرتی تھی۔ صرف زاویار انصاری کی صورت دکھائی دیتی تھی۔ ہاں وہ قاتل ہے۔ وہ ظالم ہے۔'' خود پر ٹوٹنے والی قیامت کا تذکرہ کرتے کرتے وہ بلکنے لگی تھی۔

عکرمہ بے بس نظروں سے اسے بلکتا دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے وجود میں گویا دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ آنکھیں لہو رنگ تھیں۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ اور دانت پر دانت یوں جمے تھے کہ چہرے کے اوپر سے بھی جبڑے کی ہڈیوں کا تناؤں نمایاں تھا۔ پھر کتنی ہی دیر دُرِ مکنون گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔

خیریت رہی کہ دادی دوبارہ اس طرف نہیں آئی تھیں۔

اس پر جو کچھ بیتا تھا وہ بیتا بہت کربناک تھی۔ مگر اس میں زاویار انصاری کس قدر مجرم تھا۔ کس حد تک قصوروار ہے یہ جان کر اسے قدرے تحیر ہوا تھا۔ تو گویا اس کو پائمال کرنے والا وہ نہیں تھا۔

البتہ وہ اس کی پامالی کی وجہ ضرور بنا تھا۔ اس کی جذباتیت اور جوش میں ہوش کھونے والی عادت نے دُرِ مکنون کی زندگی کو تباہ کر ڈالا تھا۔

''اور اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں اسے معاف کر دوں۔ کیسے معاف کر دوں میں۔ کس طرح درگزر سے کام لوں؟ اس نے رحم نہیں کیا تھا۔ ترس نہیں کھایا تھا مجھ پر۔ مجھے بھی کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ معافی کا حقدار۔'' روتے، روتے جب وہ تھک گئی تو اپنی ہتھیلیوں کی پشت سے آنسو رگڑ کر صاف کیے۔ پھر دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

متورم چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ کچھ دیر بعد نہ جانے کیا خیال آیا کہ دھیرے، دھیرے پلکیں اٹھا کر سامنے بیٹھے عکرمہ کو دیکھا۔ جس نے اپنے چہرے کو یک دم نارمل کر لیا تھا۔ وہ اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔

اس نے عکرمہ کے بردبار متین چہرے کو لمحے بھر کے لیے بغور دیکھا۔ جیسے کچھ تلاش کرنا چاہ رہی ہو۔ مگر اس کے چہرے پر کچھ نہیں تھا۔ غصہ۔ نہ تاسف۔ نہ بے بسی۔ نہ رنج۔ اسے اپنے احساسات اور تاثرات چھپانے میں یقیناً کمال حاصل ہے۔ وہ اس کے سیلف کنٹرول کی قائل ہوگئی۔ تاہم لاشعوری اور فطری طور پر اسے قدرے مایوسی بھی ہوئی تھی۔

عکرمہ کی عمیق نظروں سے البتہ اس کے چہرے کا یہ تاثر چھپا نہ رہ سکا۔

''زندگی میں اپنا پن بہت سے لوگ جتاتے ہیں۔ مگر اپنا ہے کون، اس کا فیصلہ وقت کرتا ہے۔ کبھی کبھار لوگوں سے وابستہ ہماری توقعات بھی ہمارے لیے رنج کا باعث بنتی ہیں۔ بعض اوقات ہم خود کو اور دوسروں کو غلط جج کر لیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہمیں عظیم خساروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم خود کو تو معاف کر دیتے ہیں۔ دوسروں کو نہیں۔'' دھیما ٹھہرا ہوا سنجیدہ مستحکم لہجہ تھا۔

دُرِ مکنون نے فرطِ استعجاب سے اس کی جانب دیکھا۔

''جو گزر گیا اسے بدلنا تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ مگر جو آنے والا ہے اسے بہتر بنانے کا چانس قدرت ہر ایک کو دیتی ہے۔ جب بارِ غم اٹھائے نہ اٹھ رہا ہو تو کسی کو معاف کر دینے سے بھی دل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔'' عکرمہ بولا۔

''اس سچویشن میں جس طرح زاویار انصاری نے ری ایکٹ کیا۔ کون جانے ہم اس صورتِ حال سے گزرتے تو کیا کرتے۔ شاید مرنے مارنے پر تل جاتے۔ ہوتا دُرِ مکنون کے ساتھ تب بھی وہی۔ مگر تب شاید اس کا دل اس کا مان نہ ٹوٹتا۔'' وہ سوچ رہا تھا۔ مگر بولا تو اس کے الفاظ کچھ اور تھے۔

''لوگ تو قتل کر کے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ کہاں کہ اپنے گناہ پر غلطی پر معافی مانگنا۔ ہر گناہ کا کفارہ اور ہر غلطی کی تلافی نہیں ہوتی۔ ہاں مگر معاف کر دینے سے دل کو صبر ضرور آ جاتا ہے۔ اللہ ہمیں ہماری طاقت سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا۔ آپ کو بھی حیرت انگیز قوتِ برداشت دی ہوگی۔ مگر اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اسے بروئے کار لا کر اپنی آنے والی زندگی سنوارتی ہیں یا نہیں۔'' اس بار اس کا انداز غیر معمولی حلاوت لیے ہوئے تھا۔

وہ مرد تھا طاقتور، مضبوط، آہنی اعصاب والا مگر تھا تو آخر انسان ہی۔

دُرِ مکنون کو لگا وہ یک دم گھلنے لگی ہو۔

''کیا یہ اتنا آسان ہے؟'' رندھے گلے سے وہ پوچھ رہی تھی۔

''مشکل ترین ہے۔ مگر ناممکن نہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

دُرِ مکنون نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

عکرمہ کے چہرے پر اداس مسکراہٹ تھی۔

جانے کیوں یہ تبسم اس کے دل میں ترازو ہو گیا۔

یک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عکرمہ نے بھی تقلید کی۔ دُرِ مکنون کو لگا کہ اس کا قدموں پر کھڑے رہنا مشکل ہے۔

''آپ نے رات کی میڈیسن لی ہے؟''

اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے براہ راست پوچھ لیا تھا۔

دُرِ مکنون نے ترچھی نظر اس پر ڈالی۔ دماغ جیسے سائیں، سائیں کر رہا تھا۔

''صبح کی دوا۔ رات کی میڈیسن، تھراپیز۔ تحلیلِ نفسی۔ اونہہ۔'' وہ طنزیہ سی ہنس پڑی۔

عکرمہ کو اس کی ہنسی درد میں ڈوبی معلوم ہوئی۔

''کیوں خود کو اس مصیبت میں ڈال لیا ہے آپ نے۔ خود تو میں برباد ہوں ہی۔ آپ کی زندگی بھی تباہ کر ڈالوں گی۔ اب بھی وقت ہے۔ خود کو بچا لیں۔ آپ بھی مجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔ جیسے وہ شخص زاویار انصاری چلا گیا تھا۔ میں تب بھی نہیں مری تھی۔ میں اب بھی جی لوں گی۔ بہت ڈھیٹ ہوں میں... مجھ سے تو موت بھی دور بھاگتی ہے۔'' اچانک وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے گئی تھی۔

عکرمہ کو لگا جیسے وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اسے وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ گھبرا کر اسے پکارا۔

''دُرِ مکنون۔ آر یو آل رائٹ؟''

مگر اس کا سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ زمین پر آ رہی تھی۔ اور پھر بقیہ رات عکرمہ شیرازی کی آنکھوں میں کٹی۔ تمام وقت یہی سوچ ذہن و دل کا حصار کیے رہی کہ اس نے واقعی ایک مشکل ترین راستے پر قدم دھر دیے ہیں۔ جس پر چل کر منزل کا سراغ پانے کی کوشش کرنا نارسائی بھی عطا کر سکتا ہے۔

اسے ایک بہترین حکمتِ عملی، تحمل اور بہت زیادہ صبر کی ضرورت ہوگی۔ نہیں تو دُرِ مکنون کا سوختہ، لہولہان، زخمی وجود محض کھنڈر بن کر رہ جائے گا۔ جس کا مان، خاندان اور ہر ارمان اس آگ میں جل کر راکھ ہو چکا ہے جو انجانے میں اسے اپنی لپیٹ میں لے گئی تھی۔

آنے والی زندگی سے متعلق ہر انسان کے کچھ خواب ہوتے ہیں۔ ارمان ہوتے ہیں۔ مگر وہ جان چکا تھا۔ اسے علم ہو گیا تھا۔ اپنی ہونے والی شریکِ حیات سے توقعات اور امیدیں وابستہ کرنے کے بجائے اسے دُرِ مکنون کے بہت سے خسارے پورے کرنے ہوں گے۔ اور وہ اس کے لیے خود کو کسی حد تک تیار کر چکا تھا اور کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ دادی اور چچا جان کی دعائیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اس کا جوہرِ خلوص، جو مہیب گھٹاٹوپ

تاریکی میں بھی اس کے لیے روشنی کی کرن بن جائیں گے۔

''یہ زادِراہ بھی بہت ہے عکرمہ شیرازی۔'' اس نے خود سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔ نیند مگر آنکھوں سے ہنوز دُور تھی۔ گو کہ وہ دُرِمکنون کے ساتھ بیتے حادثے سے واقف تھا۔ مگر آج اس کے لبوں سے اس کی داستانِ بے بسی سن کر خود کو اندر سے زخمی محسوس کیا تھا اس نے۔

چند دنوں بعد اس کی شادی تھی اور وہ اپنے مستقبل کے بجائے لاشعوری طور پر دُرِمکنون کے ماضی کو سوچے چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

پردوں سے چھن، چھن کے آتی روشنی کے باعث اس کی آنکھ کھلی تو کتنی دیر وہ ساکت لیٹی چھت کو ایک ٹک دیکھتی رہی۔ کل رات کو ہونے والا واقعہ پوری جزئیات کے ساتھ حافظے میں تازہ ہوا تو وہ گہری سانس لینے لگی۔ اسے یاد آیا وہ چکرا کر گری تھی۔ پھر اسے ہوش نہیں رہا۔

اور اب اس وقت وہ دادی کے کمرے سے جڑے اپنے کمرے کے بستر پر لیٹی تھی۔ یہ سب یاد آنے کے ساتھ ہی اسے ہلکا، ہلکا یہ بھی یاد آیا کہ کل طاہرہ آنٹی اس کے آس پاس تھیں۔

''یقیناً عکرمہ انہیں بلا کر لایا ہوگا۔'' وہ کسلمندی سے اٹھ بیٹھی اور پیچھے سرک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

''پتا نہیں کل میں نے عکرمہ کو سب کچھ بتا کر اچھا کیا یا نہیں۔'' وہ فکرمندی سے سوچنے لگی۔ پھر سر جھٹک کر بیڈ سے اتر آئی۔

یہ دوسری بار تھا کہ زاویار نے اسے کال کی تھی اور دونوں مرتبہ ہی عکرمہ اس کا گواہ بنا۔ ''شاید قسمت بھی یہی چاہتی تھی کہ عکرمہ کو میرے ماضی سے جڑے زاویار انصاری کے تعلق کا ضرور علم ہو۔ اور جب قسمت ہی یہ چاہتی ہے تو پھر میں کیا کر سکتی تھی۔'' اس نے ڈارک براؤن سلکی بالوں کو ہاتھوں پر لپیٹ کر ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

صبح کے چھ بج رہے تھے۔ اس نے شاور لے کر پنک کلر کا جوڑا پہنا اور باہر نکل آئی۔ خلافِ توقع لاؤنج میں صوفے کی پشت سے کمر لگائے سر کو پیچھے کی طرف ڈالے عکرمہ آنکھیں بند کیے بیٹھا نظر آیا۔

دُرِمکنون کے اٹھتے قدم یک دم ٹھٹکے شاید وہ سو رہا تھا۔

''کیا یہ رات بھر یہیں بیٹھے رہے ہیں؟'' تاسف اور تحیر نے بیک وقت اس کو گرفت میں لیا۔ اس پر سوا ندامت۔ کیا دوں گی میں اس شخص کو اس کی زندگی میں شامل ہو کر۔ پریشانی، کوفت، تردد، ندامت اور پچھتاوے کے علاوہ کیا دے سکوں گی۔'' اس نے نچلا ہونٹ کچلتے ہوئے بے بسی سے سوچا۔

اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اس لیے آہستگی سے چپلیں اتار کر ہاتھ میں پکڑیں اور سُبک رفتار سے اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔

تازہ کیے ہوئے شیمپو اور شاور جیل کی خوشبو اس کے ملبوس سے بھی اٹھ رہی تھی۔ عکرمہ نے نیم غنودہ آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ وہ بنا آہٹ پیدا کیے نیچے چلی گئی تھی۔ مگر اس کی خوشبو ابھی آس پاس بکھری ہوئی تھی۔ وہ جاگ گیا تھا تو گویا وہ رات یہیں صوفے پر ہی سو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ دادی اسے دیکھتیں وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

جب سے دُرِمکنون کی طبیعت سنبھلی تھی۔ اس نے مظفر صاحب کا پرہیزی کھانا دوبارہ سے خود بنانا شروع کر دیا تھا۔ کک اور ہیلپر ناشتا بنا رہے تھے۔ جبکہ اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

کل جو کچھ ہوا اور جو کچھ اس نے کہا ٹھیک تھا یا نہیں۔ بس یہی سوچتے سوچتے وہ کام میں لگی رہی۔ حتیٰ کہ جب

اسے اطمینان ہوگیا کہ عکرمہ انسٹی ٹیوٹ کے لیے نکل چکا ہوگا۔

وہ دادی کی ہدایت پر مرتا کیا نہ کرتا اپنے لیے سینڈوچ بنا کر بددلی سے دو بائٹس کھاتی جس لمحے اوپر آئی بلیک پینٹ اور گرے پولو شرٹ میں ملبوس ''ازارو'' کی خوشبو میں بسے عکرمہ کو اس کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر ایک بار پھر ٹھٹک گئی۔

''اوہ تو گویا یہ ابھی تک گھر پر ہیں۔'' منہ تک لے جاتے سینڈوچ والا ہاتھ اپنی جگہ رک گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ نپے تلے قدم اٹھاتا سامنے چلا آیا۔ تین چار دن کی بڑھی ہوئی شیو گریس فل ہیئر اسٹائل اور سلور فریم والے سن گلاسز میں وہ ہمیشہ کی طرح دلکش مسکراہٹ سجائے ہوئے تھا۔

''وعلیکم السلام ...'' لہجہ مدہم اور پشیمانی سے بھرپور تھا۔

''کیا حال ہے؟'' سن گلاسز اتارتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''اچھی ہوں۔''

''وہ تو واقعی آپ ہیں۔'' وہ متانت سے مسکرایا تھا۔

دُرِمکنون نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں کس قدر شفاف اور شوخی بھری تھیں۔ وہ جھینپ سی گئی۔

کل اس کے بارے میں اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی عکرمہ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بلکہ آج وہ روزمرہ کے مقابلے میں زیادہ حلاوت سے پیش آرہا تھا۔

''بائی دا وے ناشتا کیا آپ نے؟'' چند لمحے اس کے پُرسوچ چہرے کو دیکھتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

''جی کررہی ہوں۔''

''دیٹس گڈ۔ خیال رکھا کریں اپنا۔'' بڑے سادہ لہجے میں فرمائش کی گئی تھی۔

کل جو کچھ ہوا اس کے بعد عکرمہ کا یہ رویہ۔ وہ احسان مندی سے گویا چور ہوگئی۔

''کل جو کچھ ہوا۔ میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ اور میں...'' نظر جھکا کر وہ بلا ارادہ کہنے لگی تھی۔ مگر اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی عکرمہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''مگر میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ کل آپ نے مجھ سے وہ کچھ شیئر کیا۔ جو میرا خیال ہے آپ نے اب تک شاید کسی سے ذکر بھی نہ کیا ہوگا۔'' پُراعتماد انداز میں یقین اور مزاج شناسی کا عنصر غالب تھا۔

دُرِمکنون نے مڑی ہوئی گھنی پلکوں کو اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی کیفیت تھی۔ وہ زیادہ دیر دیکھ نہ سکی۔

''آپ میری ہونے والی شریکِ حیات ہیں دُرِمکنون۔ اور ایسے میں آپ نے جو ٹرسٹ مجھ پر کیا ہے۔ اس نے آپ کی نگاہ میں میرے مقام کا تعین کردیا ہے۔ میرے لیے یہ کسی honour سے کم نہیں۔''

سنجیدگی سے بات مکمل کرکے یک دم وہ مسکرایا تھا۔ اس کا انداز دُرِمکنون کی پشیمانی کو یا جذب کرگیا۔

''اب مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ شادی کے بعد ہماری بہت اچھی نبھے گی۔'' دُرِمکنون کی سنہری رنگت یک دم تپ اٹھی تھی۔

''لہٰذا تمام تفکرات اور نیگیٹو سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیں اور مستقبل کے لیے optimistic اپروچ اپنائیں۔ کچھ آیا سمجھ شریف میں۔'' یک دم دوستانہ اور ناصحانہ لہجہ اپنایا تھا۔

''جی۔'' اس نے سر ہلانے میں ہی عافیت جانی۔

''شاباش۔ دیٹس لائک اے ویری گڈ گرل۔''

دُرِ مکنون کو لگا عکرمہ کے سامنے اس کی ہر پریشانی جیسے ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اسی دوران دادی نے نیچے سے عکرمہ کو پکارا تھا۔

''میں اب چلتا ہوں۔ ان شاء اللہ شام کو ملاقات ہوگی۔'' مسکرا کر کہتا مڑ کر وہ نیچے جانے والے راستے پر ہو لیا۔

وہ کمرے میں واپس آئی تو سامنے الماری کے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے خود ہی متحیر رہ گئی۔ عکرمہ کی حوصلہ افزا باتوں نے اس کے چہرے پر طمانیت کے رنگ بکھیر دیے تھے۔

''مت بھولو دُرِ مکنون کہ کیا ہو تم؟ کون ہو تم؟ عکرمہ تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ ترس کھا رہا ہے تم پر۔ اس کی ترحم آمیز نظروں کو اپنے لیے محبت کا پیغام مت سمجھنا۔ تمہیں کیا معلوم اس کا یہ چاہت بھرا رویہ تمہارے علاج کا ہی ایک حصہ ہے۔'' سائرہ شیرازی کی سفاک آواز کانوں میں گونجی تو ذرا دیر پہلے جو دھڑکنوں نے رفتار بدلی تھی وہ اب دوبارہ سست ہو گئی۔ وہ بددلی سے آئینے کے آگے سے ہٹ آئی۔ خود ترسی کی بھی کوئی حد تھی۔ احساسِ کمتری اس پر مکمل طور پر حاوی ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر کل والی کیفیت کا شکار ہو گئی۔

''چلو تو تم تمہیں کچھ دکھانا ہے۔''

دوپہر میں زوہا اسے عکرمہ کے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں لے آئی۔ جسے اس نے اکثر بند ہی دیکھا تھا۔ بس کبھی کبھار صفائی کرنے کے لیے اسے کھولا جاتا تھا۔

''یہ ہے تمہارا نیا کمرا۔'' زوہا اسے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئی۔

وہ ماسٹر بیڈ روم تھا جس کا ایک دروازہ ٹیرس پر کھلتا تھا اور کھڑکیاں بیک یارڈ کی طرف۔

اوپر کے پورشن کا سب سے بڑا اور روشن کمرا تھا وہ۔ چوں کہ فٹنس کی مختلف مشینوں سے آراستہ تھا۔ چھوٹا سا جم تھا جیسے۔

''عبید بھائی اور عکرمہ کے اصرار پر شگفتہ چچی نے اس کمرے کو دونوں بھائیوں کے اسپورٹس کے لیے مختص کیا تھا۔ یہاں پہلے اسنوکر اور ٹینس کی ٹیبلز لگی ہوئی تھیں۔ عبید بھائی نے بعد میں اس کو جم کی شکل دے دی تھی۔'' زوہا اسے بتا رہی تھی۔

''مگر اب یہ تمہارا اور عکرمہ کا مشترکہ کمرہ ہوگا۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی...؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو کیا تمہیں عکرمہ کے کمرے میں رخصت کر کے بھیجتے۔ stereotypical bechlor room ہے وہ۔'' زوہا مسکرائی تھی۔ شوخی سے بولی۔

''میرا والا بھی تو ٹھیک تھا۔'' اس نے پست لہجے میں کہا۔

''بہت اچھے دُرِ مکنون۔ کیا خوب خیالات ہیں تمہارے۔'' زوہا ایک دم ہنس پڑی تھی۔ ''مائی ڈیئر۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ جو آپ کے husband to be ہیں ناں۔ وہ خاصے کنوینشنل مرد ہیں۔ لہٰذا رخصت تمہیں ہی ہونا ہوگا۔'' زوہا بہت مزے سے بولی تھی۔

دُرِ مکنون ایک دم سے جھینپ گئی۔

''کمرا کیسا ہے؟'' زوہا پوچھ رہی تھی۔

''اچھا ہے۔''

''صرف اچھا نہیں بہت اچھا ہے۔'' زوہا نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کے عین وسط میں لے آئی۔

''اینی وے۔ اس کمرے کو اچھی طرح دیکھ لو۔ تاکہ فرنیچر لیتے ہوئے تمہیں آسانی ہو۔ ویسے دادی اور پاپا تو اس کا انٹیریئر کسی پروفیشنل سے کرانا چاہ رہے تھے۔ مگر عکرمہ کا خیال ہے اس کمرے کو اس کی wife to be ہی

سجائے گی اور وہ بھی اپنی مرضی سے۔'' زوہا کی بات پر وہ ایک دم پریشان ہوا تھی۔

''مم...مگر۔ مجھے یہ سب کرنا نہیں آتا۔ پلیز زوہا آپی آپ ان سے کہیں وہ خود ہی یہ سب کرلیں۔ یا کسی پروفیشنل سے کروالیں۔'' زوہا کا بازو پکڑتے ہوئے اس نے لجاجت سے کہا تو زوہا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کیا...''کس'' سے کہوں؟'' انتہائی شرارت بھرے لہجے میں اسے گدگدایا تو وہ روہانسی ہونے لگی۔

''بتاؤ ناں یہ تم ''ان'' کس کے لیے استعمال کرتی ہو۔ جہاں تک میں جانتی ہوں ''ان'' نام کا تو کوئی بندہ نہیں رہتا شیرازی ولا میں؟'' زوہا کے ہاتھوں اس کی شامت آئی تھی۔

جواباً اس نے قدرے خفگی سے زوہا کو دیکھا تو وہ ہنس کر اسے خود سے لگا گئی۔

''پلیز آپی۔ آپ منع کردیں گی ناں۔''

''ارے واہ۔ میں کیوں منع کروں اسے۔ تم خود کہہ دینا اپنے ''ان'' سے۔ نہ بابا مجھے معاف کرو۔'' زوہا نے صاف دامن چھڑایا۔

''اس نے کہلوایا ہے کہ آج شام اس کے ساتھ تمہیں فرنیچر کے شوروم جانا ہے۔ آرڈر تیار ہونے میں دو ہفتے تو کم از کم لگیں گے۔'' زوہا نے قدرے اطمینان سے تمام معاملہ اس کے گوش گزار کیا۔ جو ہونٹ کاٹتے ہوئے سخت متوحش لگ رہی تھی۔

''کم آن لڑکی۔ تمہیں کوئی سیاچن تو نہیں بھیجا جارہا۔ جو اتنا پریشان ہورہی ہو۔ آخر کو پہلے بھی تو تم عکرمہ کے ساتھ باہر گئی ہو۔ اس کے ساتھ گھر میں رہتی ہو۔ اس سے پڑھتی ہو۔ سارا دن اس کی ڈانٹ کھاتی ہو پھر اچانک آج کیا ہوگیا ہے۔'' وہ اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔ سمجھا رہی تھی۔

اب وہ کیا بتاتی کہ اول تو اسے گھر سے باہر نکلتے بہت وحشت ہوتی تھی۔ دوم جب سے یہ نیا رشتہ بننے جارہا تھا۔ اسے عکرمہ کی موجودگی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ خاص طور پر جس طرح آج اس نے برتاؤ کیا تھا۔ وہ اس کے حواس لے اڑا تھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ بیچارگی سے بولی۔ ''مگر میں انہیں فیس نہیں کرسکتی۔ پلیز زوہا آپی آپ چلی جائیں میرے بدلے۔ آپ کی چوائس بہت اچھی ہے۔ میرے لیے کپڑے، شوز، سبھی کچھ تو آپ لاتی ہیں اینڈ بلیومی۔ سب بہت اچھے لگتے ہیں مجھے۔'' وہ استدعا کرنے لگی تھی۔

کچھ تھا اس کے انداز میں زوہا کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

''دیکھو شادی انسان بار، بار نہیں کرتا۔ ہر بندے کی طرح عکرمہ کے دل میں بھی بہت سے ارمان ہوں گے دُرّی۔ تمہیں اس کی خواہشوں کی respect کرنی ہوگی۔ جیسے وہ تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہے۔''

زوہا کا لہجہ ناصحانہ سہی مگر حلاوت سے پُر تھا۔

دُرِ مکنون بے ساختہ اس کے کندھے سے لگ گئی۔

☆☆☆

اس کے کیبن کا گلاس ڈور دھکیلتی اسما اندر داخل ہوئی تو اسے سرفراز کے ساتھ اس ہفتے دی جانے والی پریزنٹیشن پر ڈسکس کرتا پایا۔ ساتھ ہی کافی بھی پی جارہی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ کرسی کھسکا کر بے تکلفی سے بیٹھ گئی تھی۔

زاویار اور سرفراز نے خیر مقدمی مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔

''ہیلو...کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔ بس ابھی بجٹ فائنل کر کے آرہی ہوں۔ تم ذرا اس رپورٹ پر نظر ڈال لینا۔'' اس نے گرین فائل سرفراز کے سامنے دھری تھی۔ پھر زاویار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم سناؤ۔ ہوگئی کل بات دُرِ مکنون سے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ زاویار نے گہری سانس لی۔

''ہوں۔ ہوگئی۔ تھینکس آلاٹ۔''

''یو آر موسٹ ویلکم۔ ویسے سچ بات تو یہ ہے کہ بندی کا نام مجھے اتنا اچھا لگا ''دُرِ مکنون'' کہ میں اس مہم کے لیے تیار ہوگئی۔'' اسما نے شانوں پہ آئے بال اک ادا سے جھٹکے۔

''کون سی مہم؟'' سرفراز فائل بند کرتے ہوئے متوجہ ہوا۔

جس پر اسما نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

''آئی سی۔ تو کہیں یہ ہی تو وہ ''مسئلہ'' نہیں تھا۔ جس کے لیے تم دو ہفتے کی لیو پر جانا چاہ رہے تھے۔''

سرفراز نے معنی خیزی سے سوال پوچھا تو وہ پھیکے پن سے مسکرا دیا۔

''ہوں۔ کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔''

''تو پھر حل ہوا مسئلہ۔ ناراضی ختم ہوئی میڈم کی؟''

اسما کو کھد بد لگی ہوئی تھی۔ بے تابی سے سوال کیا۔

سوال ہی ایسا تھا جو زاویار کے اعصاب کو کشیدہ کر گیا۔ چہرے کے تاثرات کو چھپانے کی خاطر اس نے.... فی الفور کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

خود کو کمپوز کرنے کے لیے مجتمع کرنے کے لیے اسے ایک لمحہ چاہیے تھا۔

''ہوں... ہوگئی دور ناراضی بھی۔'' مصنوعی مبہم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

''واؤ... یہ ہوئی ناں بات۔ تو بتاؤ گڈ نیوز کب سنا رہے ہو؟'' اسما کا انبساط اور اشتیاق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ انداز شوخی بھرا چھیڑنے والا تھا۔

زاویار کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے تاریک پڑ گیا۔

''کب کیوں۔ ابھی سن لو گڈ نیوز'' وہ بدقت مسکرایا تھا۔ ''اس مہینے کے لاسٹ ویک شادی ہے دُرِ مکنون کی۔''

اس کا بایاں پہلو جیسے لہو ٹپکا رہا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر تبسم تھا۔ سرفراز اور اسما اس خبر کے لیے تیار نہیں تھے۔ بھونچکے سے رہ گئے۔

''کک... کیا مطلب۔؟'' اسما کے لیے یہ خبر خاصی تکلیف دہ تھی۔ تاہم سرفراز محض گہری نظروں سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

''واٹ ڈو یو مین بائی ''کیا مطلب'' بھئی اس کی شادی ہے اس مہینے۔ وہ مجھ سے ناراض تھی۔ میں بس اسے منانا چاہتا تھا۔ جو تمہاری ہیلپ سے ممکن ہوا'' اس نے اب اپنے اعصاب کو پُرسکون کر لیا تھا۔

اسما کی شکل دیکھنے والی تھی۔ اسے یقیناً شاک لگا تھا۔

''آئی سی!'' اس کا انداز ڈھیلا ڈھالا سا تھا۔

''اوہ کم آن اسما۔ اس میں اس قدر منہ لٹکانے والی کیا بات ہے؟'' اس نے مصنوعی پن سے ہنس کر پوچھا تو اسما سے خفگی کا تاثر دیتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا زاویار۔ میں تو کچھ اور ہی سمجھی تھی۔ آئی مین..... یہ کہ تم شاید اس میں انٹرسٹڈ ہو۔ مگر تمہاری مسکراہٹ دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں کہ تمہیں ذرا بھی افسوس ہوا ہے۔''

''ہاں تو دوستوں کی خوشی میں خوش ہی ہونا چاہیے ناں۔'' اس نے اسما سے زیادہ خود کو سمجھایا۔

''صحیح بات ہے اسما۔'' اب کے سرفراز نے گہرے لہجے میں اسما کو مخاطب کیا تھا۔ ''جب زاویار خوش ہے تو تمہیں بھی اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔ اب تم ذرا اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ اور یہ فائل لو۔'' اس نے اسما کو مخاطب کر کے متوجہ کر لیا تھا۔

اسے زاویار کے چہرے پر ناگفتہ بہ احساسات کے رنگ جھلکتے دکھائی دے رہے تھے۔

''ٹھیک ہے یہ رپورٹ؟'' اسما متوجہ ہو گئی تھی۔

''ہاں۔ مگر میں تمہارے projected expanses سے ایگری نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے تمہیں ہمارے پچھلے پروجیکٹ رپورٹ سے اسے کمپیئر کرنا ہوگا۔ چلو آؤ میرے کیبن میں چلتے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر زاویار کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''یہ پریزنٹیشن میرے خیال سے پرفیکٹ ہے۔ اس کا فائنل پرنٹ آؤٹ نکلوالو۔''

''اوکے۔'' زاویار سر ہلا کر خود بھی اٹھ گیا۔

اور یوں وہ تینوں بیک وقت اس کے کیبن سے نکل گئے تھے۔ اسما، سرفراز کے ساتھ چلی گئی۔ جبکہ وہ بھاری دل اور بوجھل اعصاب کے ساتھ اپنے مطلوبہ کیبن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دوسروں کو بہلانا جس قدر آسان ہے خود کو سمجھانا اتنا ہی مشکل اور دشوار۔

☆☆☆

اور پھر شام کو اسے عکرمہ کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ اس نے الماری سے کپڑے نکالنے چاہے تو ساتھ رکھے والٹ کے نیچے دبی چیک بک پر نظر پڑی۔ یہ چیک بک شیرازی صاحب نے اسے دے رکھی تھی۔ جو زاہد صاحب کے اکاؤنٹ کی تھی۔ گھر بیچنے کے بعد جو بھی رقم انہوں نے انویسٹ کی اس کا منافع بھی اسی اکاؤنٹ میں آتا تھا۔

''شاید مجھے اسے لے جانا چاہیے۔ 'جہیز' کے لیے بھی اسی اکاؤنٹ میں پیسہ جمع کرایا تھا ماما نے۔'' اس نے درد سے چور ہوتے ہوئے سوچا اور چیک بک لیے نیچے اتر آئی۔ عکرمہ پورٹیکو میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا۔

''کاش گزرے تین سال میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو آج اس شاندار شخص کے ساتھ پر میں کس قدر خوشی سے نہال ہو گئی ہوتی۔ اے کاش.....'' مضمحل کرتی سوچ سمیت وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں کے بعد وہ اسے لیے فرنیچر کے شوروم میں داخل ہو رہا تھا۔ جدید اور انتہائی نفیس فرنیچر کا یہ چار منزلہ شوروم بہت خوب صورت تھا۔ کتنی ہی دیر وہ عکرمہ کے ساتھ قدرے فاصلے سے چلتی اردگرد رکھے فرنیچر کو دیکھتی رہی پھر ایک جگہ جا کر اس کی نظر رک گئی۔

وہ ہینڈ کارو ڈو کا انتہائی خوب صورت بیڈ تھا۔ جس کے کراؤن پر بنا ڈیزائن بہت نفیس اور دیدہ زیب تھا۔ اس کا ذہن جیسے چند سال پیچھے چلا گیا۔

''بس میں ڈبل بیڈ ہی لوں گی ماما۔''

''ارے تمہیں کیا کرنا ہے ڈبل بیڈ کا۔ وہ بھی کنگ سائز۔ اکیلے ہی تو رہنا ہے تمہیں اپنے روم میں۔'' ماما کو سخت اختلاف ہوا تھا۔

''کیوں..... اکیلے کیوں۔ آپ بھی تو سویا کریں گی ناں کبھی کبھی میرے ساتھ۔ جب مجھے بخار ہوگا... یا طبیعت ٹھیک نہیں ہوگی۔ تو آپ ہی تو میری تیمارداری کیا کریں گی۔ اب یہ تو انصاف کی بات نہیں ہے ناں کہ میں بستر پر سوؤں اور آپ کرسی پر۔'' وہ ماں کے کندھے سے لگ کر انہیں منانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔

''بہت، بہت شکریہ۔ آپ کو انصاف کے تقاضوں کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' صوفیہ نے مسکراہٹ دبا کر اسے صاف انکار کیا۔ تو وہ منہ بسورنے لگی تھی۔

پھر بابا نے اس کا ساتھ بھی دیا مگر ماما کی نہ۔ ہاں میں نہیں بدلی۔

''ہرگز نہیں۔ بس سنگل بیڈ پسند کروا لینے۔ جب تمہارے جہیز کی خریداری کے لیے آؤں گی تب اپنی مرضی کا بیڈ روم سیٹ لے لینا۔''

انہوں نے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ وعدہ بھی کر لیا۔

''کیا بات؟ اس وقت انکاری تو نہیں ہو جائیں گی۔'' اس نے بے اعتمادی کا مصنوعی مظاہرہ کیا۔ چہرے پر ناراضی بھی تھی۔ صوفیہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا پڑیں۔

''نہیں ہوں گی بابا۔ نہیں ہوں گی۔ اس وقت جو چاہو جیسا چاہو لے لینا۔'' ماں بیٹی کے درمیان بلا کی انڈر اسٹینڈنگ اور بے تکلفی تھی۔

''تو بس پھر ڈن۔ ڈیزائنر فرنیچر لوں گی میں۔'' اس کی فرمائش پر انکار ہو جائے تو کم پر تو وہ راضی ہوتی ہی نہیں تھی۔

''او کے ڈن۔'' صوفیہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اور آج اس ڈیزائنر شوروم میں وہ عکرمہ کے ساتھ کھڑی تھی۔

''کیا یہ پسند ہے آپ کو... یا کوئی دوسرا اچھا لگا ہے؟'' عکرمہ کا استفسار اسے ماضی سے حال میں کھینچ لایا۔

''سب ہی اچھے ہیں۔ کوئی سا بھی لے لیں۔'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا پھر یک دم عکرمہ کے چہرے پر نظر پڑی تو زبان دانتوں تلے دبالی۔

''ہر اچھی چیز ضروری تو نہیں کہ پسند بھی آئے۔ آپ اپنی چوائس بتائیے۔'' عکرمہ کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے اس طرح جانے نہیں دے گا۔ اگر پوری رات بھی وہ یہاں خاموش کھڑی رہتی۔ تب بھی اگلے دن فیصلہ اسے ہی کرنا تھا۔

لہٰذا اس نے بادلِ ناخواستہ مختلف ڈیزائنز کو بغور دیکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک نہایت گریس فل سا سیٹ پسند کر لیا۔ اس کے بعد عکرمہ اسے صوفوں کے ڈیپارٹمنٹ میں لے آیا۔ اور وہاں ان دونوں نے مل کر بیڈ روم سیٹ سے میل کھاتا صوفہ سیٹ پسند کیا۔ ساتھ میں میز بھی۔

اس کے بعد کمرے کی ڈیکوریشن کے لیے دُرِ مکنون نے خود ہی مختلف اشیا منتخب کیں اور اس بار اس نے عکرمہ کو لیکچر دینے کی زحمت سے بچا لیا تھا۔

''اگر انکل شیرازی، دادی اور عکرمہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو پھر ایسے ہی سہی۔'' اس سوچ کے ذہن میں آتے ہی اس نے کوشش کر کے خود کو متوجہ کیا۔ تاہم لاشعور میں چھپی ماما اور بابا کی یاد اسے ڈسٹرب کرتی رہی۔ اگر آج وہ دونوں ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے اور خود وہ بھی تو شاید ہواؤں میں اُڑ رہی ہوتی۔

عکرمہ کو آرڈر کی فارملیٹیز پوری کرنے کے لیے جاتا دیکھ کر اسے اچانک چیک بک کا خیال آیا تھا۔ جسے بعجلت شولڈر بیگ سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے ذرا اندازہ نہیں تھا کہ وہ خفا ہو جائے گا۔

''یہ کیا ہے؟'' عکرمہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''چیک بک۔'' اس نے سادگی سے جواباً کہا تھا۔

''تو مجھے کیوں دے رہی ہیں؟'' بات سمجھ آنے پر واضح سوال کیا۔

''آپ کو پے منٹ جو کرنی ہے۔'' اس نے مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھیں وا کیں تو عکرمہ نے اسے نہایت سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

''گویا آپ خود پیمنٹ کرنا چاہ رہی ہیں؟''

وہ پوچھ رہا تھا۔ دُرِّمکنون کی سمجھ نہیں آیا کہ اسے کیا جواب دے۔

''دیکھیے دُرِّمکنون! میں کوئی بزنس ٹائکون نہیں ہوں۔ بٹ ٹرسٹ می۔ میں اپنی بیوی اور فیملی کی ذمّے داری خود اٹھا سکتا ہوں۔ آپ کے لیے ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا میرا کام ہے آپ کا یا آپ کے والد کا نہیں۔ اور یہ بات میں نے چچا جان سے بھی کہہ دی ہے۔ انہوں نے انڈراسٹینڈ کرلیا ہے امید ہے کہ آپ بھی سمجھ گئی ہوں گی۔'' اس کا لہجہ قدرے تحکم بھرا تھا۔

''مگر جہیز تو لڑکی والے دیتے ہیں؟'' دُرِّمکنون نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہندوانہ رسم ہے یہ جو کئی صدیاں ہندوؤں کے ساتھ رہنے کے باعث مسلمانوں نے بھی اپنالیں۔ اسلام میں بیٹی وراثت میں حصے دار ہوتی ہے، جہیز کے نام پر اسے چند چیزیں دے کر وراثت کے حق سے محروم کردینا ناانصافی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو دُرِّمکنون متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

''دوسرے لفظوں میں آپ مجھے میل شاؤنسٹ بھی کہہ سکتی ہیں۔'' اس بار مونچھوں تلے لب گہری مسکراہٹ لیے ہوئے تھے۔ ''بائی دا وے۔ کہیں اس وجہ سے آپ نے کفایت شعاری سے کام تو نہیں لے لیا۔ سنا ہے لڑکیوں کو ایسے معاملات میں ہونے والے spouse کے پیسے سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے پیسے کی بڑی فکر ہوتی ہے۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ دُرِّمکنون کے لبوں پر بے ساختہ مبہم سا تبسم تیر گیا۔

''ویسے اگر آپ چاہیں تو کوئی دوسرا سیٹ بھی پسند کرسکتی ہیں۔ پے منٹ ہوئی نہیں ہے ابھی۔ موقع ہے ابھی آپ کے پاس۔'' وہ جیسے اسے اکسا رہا تھا۔

دُرِّمکنون کے اداس لبوں پر تیرتا تبسم گہرا ہوتا گیا تھا۔ جواب میں اس نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

ساری فارملٹیز نبٹا کر وہ اسے لیے قریبی ریسٹورنٹ چلا آیا تھا۔ وہ انکار کرنے کا سوچتی ہی رہ گئی۔

ہجوم میں، زیادہ لوگوں میں اسے عجیب طرح کی وحشت ہوتی تھی۔ جیسے پہچان لیے جانے کا خوف ہو۔

تاہم ریسٹورنٹ کی خنک سی فضا میں زیادہ لوگوں کا رش نہیں تھا۔ عکرمہ نے سب سے الگ تھلگ لگی ٹیبل کا انتخاب کیا تھا۔ اور جب پہلے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تو اس نے قصداً وہ کرسی چنی جس پر بیٹھنے سے پورے ریسٹورنٹ کی طرف اس کی پشت ہوگئی تھی۔

عکرمہ اس کی گھبراہٹ کو محسوس کررہا تھا۔ مگر انجان بنا رہا۔ جبکہ وہ روم، روم پرغلبہ پاتی لرزش کو چھپانے کی سعیِ لاحاصل کرتی اردگرد کا چور نظروں سے جائزہ لیتی رہی بمشکل عکرمہ کی باتوں کی طرف دھیان لگا پارہی تھی۔

ویٹر آیا تو مینیو کارڈ پر طائرانہ نظر دوڑا کر اس نے واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ اور پھر جو نمبرز عکرمہ نے آرڈر کیے اس نے بھی میکانکی انداز میں وہ ہی دُہرا دیے۔

''گڈ۔ ہم دونوں کی چوائس تو بہت ملتی ہے۔'' ویٹر کے جاتے ہی وہ بولا تھا۔ انداز میں ستائش تھی۔

دُرِّمکنون کی صبیح پیشانی ندامت کے باعث جھک گئی۔

مگر وہ کیا کرتی کچھ بھی تو اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ذہن جو جسم کی تمام تر مشینری کو چلاتا ہے۔ اسے کنٹرول کرتا ہے جب وہ ہی قابو میں نہ رہے تو پھر انسان کیا کرے۔

دُرِّمکنون کا ذہن بھی اس کے اختیار سے باہر تھا۔ البتہ وہ زیادہ دیر شرمندگی کے حصار میں قید نہ رہ سکی۔ اور عکرمہ نے اسے اپنے ساتھ غیر محسوس طریقے سے باتوں میں لگالیا۔

اس ساری گفتگو کا مثبت پہلو اس کے لیے یہ تھا کہ عکرمہ اسے بولنے پر زیادہ مجبور نہیں کررہا تھا۔ اور اس کی زیادہ تر

باتیں محض سننے والی تھیں۔ اور پچھلے تین سالوں میں جو کردار اس نے سب سے اچھا نبھایا تھا وہ تھا ایک سامع کا کردار۔
لہٰذا اس وقت بھی وہ ایک اچھے سامع کی طرح اس کی باتوں کو بغور سن رہی تھی۔ جو عکرمہ کے کولیگز اور اس کے اسٹوڈنٹس سے متعلق تھیں یا پھر اس کی اسٹڈیز سے۔
آج عکرمہ کی ذاتی زندگی سے ہٹ کر اس کی پیشہ ورانہ زندگی کے متعلق بھی کافی کچھ معلوم ہوا۔ اور وہ دل ہی دل میں حیران ہوتی رہی کہ اتنا قابل، ذہین اور کامیاب شخص اس کا طالب ہے جو زندگی کی ریس میں بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ مزے دار سی کافی پینے کے بعد بالآخر وہ وہاں سے نکلے اور اس بار بھی عکرمہ اس کے لیے کار کا دروازہ کھولے منتظر کھڑا ہوا تو وہ جھینپ سی گئی۔ پھر گھر تک کا راستہ عکرمہ کی ہلکی پھلکی باتوں میں کٹا۔
اس نے محسوس کیا عکرمہ بہت مطمئن نظر آرہا تھا۔ جیسے سب کچھ اس کی امید کے مطابق ہو رہا ہو۔ یا جیسے اس کے دل کی خوشی ہی یہ ہو۔ کن انکھیوں سے اسے دیکھا جس کے متانت بھرے چہرے پر طمانیت اور سکون کا راج تھا۔
''اے کاش۔ میرے دل کو بھی ایسے ہی سکون و قرار مل جائے۔''
اس نے خود ترسی سے سوچا اور پھر سوچوں میں ایسی ڈوبی کہ کار کو بریک لگنے کی آواز پر ہی خود میں لوٹی۔
''تھینکس۔'' اس سے پہلے کہ عکرمہ دروازہ کھول کر باہر نکلتا۔ اس نے یک دم کہہ دیا تھا۔
دروازے کو ان لاک کرتے عکرمہ نے رک کر مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
''بھلا کس لیے؟'' اس کی متبسم آنکھیں سوال کر رہی تھیں۔
''میں اس قدر تکریم اور توقیر کے لائق نہیں ہوں۔ پھر بھی آپ نے مجھے اتنی اہمیت دی۔ عزت دی، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔'' وہ رک، رک کر کہہ رہی تھی۔
عکرمہ کے چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ اسے اس کی سوچ سے سخت اختلاف ہے تاہم فی الواقع وہ اسے خاموشی سے سن رہا تھا۔
''میں جانتی ہوں کہ میرا بی ہیویئر آپ کے لیے یقیناً ناخوشگوار ہوتا ہے۔ مگر آپ تحمل سے اسے جھیل جاتے ہیں۔ آئی ایم سوری۔'' حقیقتاً وہ اداس و مضمحل تھی۔
اس کے گرد خوشیاں دامن پھیلا رہی تھیں۔ مگر فرط و انبساط برتنے کا ذوق و شوق وقت لے کے جا چکا تھا۔
''میں نے کہا بھی تھا آپ سے۔ یہ دشوار راستہ ہے اسے نہ چنیں۔'' اپنی بات کہہ کر اس نے بے ساختہ عکرمہ کی طرف نظر اٹھائی تھی جو اسے ہی نگاہوں کے فوکس میں لیے ہوئے تھا۔
''انسان راستہ چنتے وقت اس کی دشواری یا آسانی نہیں۔ اپنی منزل کو نگاہ میں رکھ کر فیصلہ کرتا ہے دُرِ مکنون۔ میں اپنے فیصلے سے بہت مطمئن ہوں۔ اور جب انسان کو اپنے فیصلے پر اعتماد ہوتا ہے تو راستے کی دشواری گراں نہیں گزرتی۔'' نپا تلا مستحکم لہجہ چہرے پر بُردباری اور حلاوت۔ مسکراہٹ میں دوستانہ پن اور اپنائیت تھی۔
دُرِ مکنون دل میں اترتے اَن کہے احساس سے مفر نہ حاصل کر سکی۔ تو نگاہ جھکا لی۔
''اب چلیں یا گاڑی میں ہی مراقبہ کرنے کا ارادہ ہے۔''
اس نے اسے چونکایا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اور ابھی دروازہ کھول کر قدم باہر رکھ ہی رہی تھی کہ عکرمہ نے اسے پکار لیا۔
''دُرِ مکنون!''
''جی۔'' وہ مڑی تو دیکھا کہ عکرمہ پچھلی نشستوں پر رکھے بُکے کو اٹھا رہا تھا۔
اسے احساس ہوا کہ کتنی ہی دیر سے وہ کار میں گلابوں کی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی۔ مگر روم اسپرے سمجھ کر اگنور

کر دیا تھا۔

''اٹس فار یو۔ پلیز لیجیے۔''

دُرِ مکنون تذبذب میں کبھی بُکے اور کبھی عکرمہ کو دیکھ رہی تھی۔

''مگر......''

''آپ نے پہلی بار میرے ساتھ جانے کے لیے حامی بھری۔ میری خوشی پر میرے ساتھ ڈنر کیا۔ آئی ایم رئیلی آنرڈ۔ اینڈ تھینک فل۔'' اس کے لہجے میں سچ بول رہا تھا۔

''کیا یہ ضروری تھا۔'' اس نے خود کو بے بس محسوس کیا۔ اب وہ سب کے سامنے یہ پھول لے کر کیسے جائے۔

''یہی سمجھ لیجیے۔ یوں بھی زوہا آج رات یہیں stay کرنے والی ہے۔ اور یہ ویٹ کر رہی ہوگی آپ کا۔ آپ خالی ہاتھ گئیں تو جان کو آجائے گی وہ میری۔'' دُرِ مکنون کے فکرمندی سے پوچھنے پر وہ قصداً بے پروائی سے بولتے ہوئے کار سے باہر نکل گیا تھا۔ دُرِ مکنون نے اچھی طرح یہ بات محسوس کی کہ بُکے اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے۔ عکرمہ نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اس کا ہاتھ مس نہ ہو۔

''تو کیا آپ نے محض اس وجہ سے یہ پھول دیے ہیں؟'' پورٹیکو کی روشنی میں پھولوں کا رنگ کچھ اور نکھر کر سامنے آیا تھا۔ دُرِ مکنون سوال کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔

کچھ تھا اس کے لہجے میں عکرمہ آگے کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے یک دم اس کے مقابل آرکا۔

''آپ مجھ سے کیا سننا چاہتی ہیں دُرِ مکنون......؟''

ایک بار پھر اس کے سوال کے جواب میں وہی سوال دُہرا دیا تھا عکرمہ نے جو اسے پہلے بھی لاجواب کر چکا تھا۔

اور اس لمحے بھی وہ اپنے اندر اترتے خوشبو بھرے احساس کو نظرانداز نہیں کر سکی۔

چند ثانیے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنی شکست مان لی تھی۔ اور پھر اس کے قریب سے گزر کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ عکرمہ کی مسکراہٹ اور آنکھیں بہت کچھ کہہ اور سن رہی تھیں۔ دُرِ مکنون ان کی تاب نہیں لا سکی تھی۔

پھر واقعی زوہا اسے اپنی منتظر ملی۔

بُکے دیکھ کر اسے خوب خوب چھیڑا بھی اور وہ محجوب سی دادی سے لگی بیٹھی رہی۔

اسے ہمیشہ سے وائٹ للی کے پھول پسند تھے۔ گلاب اس کا فیورٹ پھول کبھی نہیں رہا تھا۔ البتہ اگر سفید گلاب ہوتے تو پھر بھی قابلِ قبول ہو جاتے تھے۔ مگر عکرمہ کا دیا ہوا بُکے سرخ گلابوں والا تھا۔ گلابوں میں اسے یہ رنگ کبھی پسند نہیں رہا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ پوری دنیا گلاب کی خاص طور پر سرخ گلاب کی دیوانی تھی جبکہ اسے یہ رنگ بہت زیادہ متوجہ نہیں کرتا تھا۔

مگر آج جب اس نے کمرے میں آکر دروازہ بند کیا تو سرہانے رکھے بُکے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا۔ اور پھر گلابوں پر چہرہ جھکاتے ہوئے اس نے گزرے کل اور آج کے دن کا ہر ہر لمحہ یاد کیا۔ صبح عکرمہ سے ہونے والی گفتگو سے لے کر اس بُکے تک عکرمہ کے ہر رویّے کو جانچا۔

''یا اللہ......! کیوں ہے یہ شخص اس قدر اچھا کہ اس کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اتنا کیئرنگ کہ میرا ہر غم مٹتا چلا جاتا ہے۔ کیا سحر ہے تیرے اس بندے میں اے میرے مالک کہ اس کی ہمدردی میرے زخموں کے لیے مرہم کا کام دیتی ہے۔ دل چاہتا ہے اس پر اعتبار کر لوں۔ مگر اپنا وہ کھویا ہوا اعتماد اور بھروسا کہاں سے واپس لاؤں۔ نیا رشتہ جو بننے جا رہا ہے۔ اسے کیسے دل سے قبول کروں اے میرے رب۔ تو مجھے ہمت دے۔ حکمت عطا کر۔ یا اللہ!'' گلاب کے پھولوں کی نرماہٹیں بھی حقیقت کے کانٹوں کی چبھن کم نہیں کر سکی تھیں۔

اس نے آنکھیں بند کر کے دل سے دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

ائر پورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں شہرین اور میمونہ بیگم کو سی آف کہنے اسے ایمرجنسی میں آنا پڑا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا زوی۔ اور جتنی جلد ہو سکے آغا جان سے ملنے آجانا لاہور۔'' میمونہ بیگم بہت متفکر تھیں۔ محبت اور لجاجت سے بولیں تو اس کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔

''مجھے اتنی جلدی چھٹی نہیں مل سکتی۔ آج کل تو یوں بھی audit اسٹارٹ ہو چکا ہے۔'' اس سے صاف انکار نہ ہو سکا تاہم اقرار بھی نہیں کیا۔

''میں سمجھتی ہوں بیٹا۔ لیکن آغا جان کی جان تم میں اٹکی ہے۔ وہ بھلے زبان سے نہ کہیں مگر ہمیں پتا ہے کہ تمہارے لاہور سے چلے جانے کے بعد وہ بیمار رہنے لگے ہیں۔''

''وہ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ آپ زیادہ اسٹریس نہ لیں۔'' میمونہ کے چہرے سے ہی فکرمندی جھلک رہی تھی۔

اسے تسلی دینی ہی پڑی۔ جس پر میمونہ اداسی سے اسے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھیں۔

''تمہارے کہنے سے نہیں۔ تمہارے کچھ کرنے سے ہی ٹھیک ہو سکتے ہیں وہ۔ اور یہ بات مجھے اچھی طرح پتا ہے۔'' ساتھ چلتی شہرین نے اسے قصداً جتایا تھا۔

''اچھا۔'' وہ واقعی جل بھن گیا تھا۔ ''تو پھر وہ ''کچھ'' کیا ہے۔ جس کے کرنے سے وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں یہ بھی بتا دو؟''

''تم شادی کر لو زوی۔''

''کیسے کروں، تم نے تو انکار کر دیا ہے۔''

''دنیا میں پاگلوں کی کمی نہیں ہے۔ تمہیں بھی کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گی۔'' دو بدو جواب دیا تھا۔

''پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے...؟'' وہ ایک عالم طیش میں اسے گھور رہا تھا میمونہ پھپھو کا خیال نہ ہوتا تو ایک ہاتھ جڑنے سے بھی نہ چوکتا۔ جبکہ وہ بڑے اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

''تم چیزوں اور لوگوں کو صحیح جگہ رکھ نہیں پاتے۔ اسی لیے لوگ اور چیزیں تم سے کھو جاتی ہیں۔ بہر حال ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی ہے۔ تم پھر سے ٹرائی کرو۔ ہو سکتا ہے اس بار بات بن جائے۔'' گہری مسکراہٹ کے ساتھ لہجہ معنی خیز تھا۔

زاویار نے اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا جو سنجیدہ تھیں۔ بات ہی ایسی تھی کہ اس کے تلووں سے لگی سر پر بجھی تھی۔

''مطلب؟''

''مطلب تم جانو مطلبی انسان۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔'' اس کی غراہٹ کے جواب میں شہرین کا بے پروا انداز عود آیا تھا۔

''تم اپنی چوئنج ذرا بند ہی رکھا کرو سمجھیں! دس از دی لاسٹ ٹائم آئی وارن یو۔''

''جناب کا حکم سر آنکھوں پر۔'' وہ پھر سے مسکرا دی تھی۔ ''میں چوئنج بند کر لوں گی۔ مگر تم بھی اب آنکھیں کھول لو زوی۔ حقیقت سے کب تک نظر چراتے رہو گے۔ ڈونٹ اسکیپ، فیس اٹ۔''

بورڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ شہرین جاتے، جاتے اس کے کانوں میں زہر ٹپکاتی گئی۔ اور وہ تیغ صفت نظروں سے اسے گھورتا محض مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ جگہ اور موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ کچھ کر پاتا۔

اسے میمونہ پھپھو کے چہرے پر لکھا دکھ صاف نظر آ رہا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ درحقیقت یہ دکھ شہرین کے لیے اس کے انکار کی وجہ سے ہے۔ مگر کیا کرتا۔ شاید قسمت کو یہی منظور تھا۔

(جاری ہے)

ریٹائرمنٹ

عائشہ مصطفیٰ

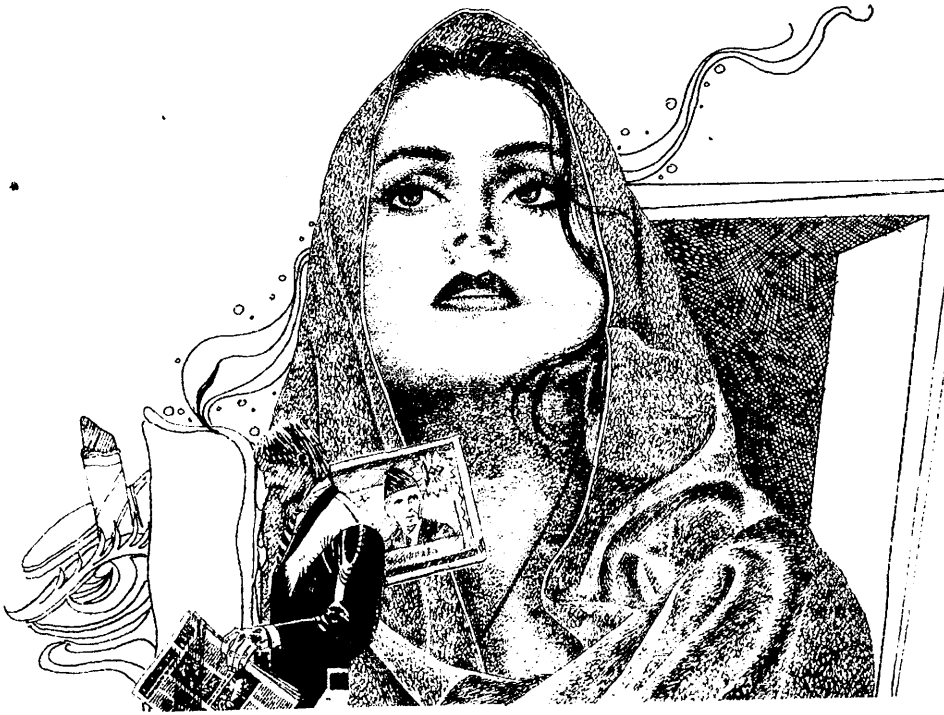

''دیکھ صغراں اب غصہ تھوک دے، ارے بہن ہے میری کیسے اسے منع کر دیتا۔'' الہ دین نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی تو صغراں نے ٹیڑھی نظر سے خاوند کو دیکھا۔

''مگر آپ کی بہن کو کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔ ارے واپڈا میں سیکورٹی گارڈ ریٹائرڈ ہوئے ہیں آپ..... اور صرف چھ لاکھ ملا ہے..... پندرہ ہزار پنشن لگی ہے۔ ہم نے اپنا گزارہ بھی تو کرنا ہے اور گھر کی مرمت بھی کروانی ہے ہمیں، مگر آپ کی بہن کو احساس

نہیں ہے۔'' صغراں نے منہ بنایا۔

''ارے نیک بخت..... حوصلہ کیا کر..... بیٹی ہم نے بیاہ دی ہے..... اور بیٹا پشاور میں خیر سے فوج میں ہے، اپنے بال بچوں کے ساتھ خوش ہے، سیٹ ہے۔ رہ گئے تو اور میں تو ہمارا گزارہ ہو جائے گا..... اور پھر ایک لاکھ ہی دیا ہے ناں باقی تو ابھی میرے پاس ہیں۔ پانچ لاکھ بس دعا کر اللہ صحت سے رکھے۔ خواہ مخواہ کی ٹینشن نہ لیا کرو.....'' شوہر کی بات سن کے صغراں بس چپ ہی رہ گئی۔ جانتی تھی الہ دین کا پارہ چڑھ گیا تو پھر ابھی جو آرام سے بات کر رہا ہے۔ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔

☆☆☆

الہ دین کے دو ہی بچے تھے بیٹی سلمٰی کی شادی اپنے بھائی خیر دین کے بیٹے سے کی تھی جو پرائمری اسکول ماسٹر تھا اور بیٹے شاہد کی شادی صغراں نے اپنے بھائی کے گھر کی تھی جو بیوی بچوں کے ساتھ پشاور میں رہتا تھا۔ خیر سے الہ دین ریٹائر ہو گیا تھا تو سب رشتے داروں کی نظر اس کے پیسوں پر تھی جو کہ صغراں تو یہی سمجھ رہی تھی مگر الہ دین نہیں.....

''دیکھ بھائی الہ دین تو میری بات مان اور میرے ساتھ چل منڈی.....''

''پر خیر دین تجھے پتا ہے مجھے کوئی تجربہ نہیں بھینسوں کا نہ میں سنبھال سکتا ہوں..... گھٹنے درد کرتے ہیں..... تو میں کیسے.....''

''ارے بھا.....!'' خیر دین نے اس کی بات کاٹی۔ ''ارے میں ہوں ناں میں سنبھالوں گا۔ سارا چارا پانی میں کروں گا۔ تو بے فکر رہ..... ارے بھائی کام نہیں آئے گا بھائی کے تو فائدہ؟ کیوں بھابی!'' صغراں جو ابھی چائے لے کر آئی تھی اسے بھی خیر دین نے شامل کر لیا۔

''خیر دین بھا! اصل میں یہ کچھ کرنے جوگے نہیں رہے..... اس لیے میں تو خود کہہ رہی تھی کہ پیسے بینک میں رکھوا دیتے ہیں۔ اتنی مہنگائی ہے، خاندان، برادری ہے، دینا دلانا ہوتا ہے تو منافع اور ان کی پنشن سے گزارہ کر لیں گے۔'' صغراں کی بات سن کر خیر دین نے منہ بنایا۔

''ارے بھابی، تم بھی ناں، ارے خالص دودھ، مکھن، گھی ملے گا..... اور ساتھ میں دودھ بیچ کے آمدنی بھی..... اور سنبھالوں گا میں فکر نہ کرو..... بھائی کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔'' صغراں ابھی کچھ بولنے لگی تھی کہ الہ دین بول پڑا۔

''اچھا، اچھا خیر دین، کرتے ہیں کچھ..... تو ایسا کر ابھی یہ بتا..... زردہ کھائے گا، جا صغراں خیر دین کے لیے زردہ لے کر آ.....'' صغراں سب سمجھتی تھی کہ اسے ہٹانے کے لیے یہ بات کی تھی الہ دین نے مگر کیا کرتی بے بس تھی۔ نکل گئی کمرے... سے چپ چاپ۔

☆☆☆

''دیکھ سلمٰی تو شفیق سے کہہ کہ خیر دین کو سمجھائے کیونکہ اپنے باپ کو تو جانتی ہے، وہ نہیں سنیں گے میری۔'' سلمٰی ساگ دینے آئی تو صغراں نے وہیں سے بات کی..... تو سلمٰی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اماں تو جانتی ہے چاچے کو..... وہ نہیں مانیں گے، بس ابا کو خود سمجھنا چاہیے۔ چاچا خیر دین تو بس ایسے ہی ہیں۔ اور چاچی بھی.....'' سلمٰی کے اپنے دُکھڑے تھے۔

صغراں پریشانی سے اٹھ گئی کیا کرتی..... کس سے کہتی..... جب شوہر ہی نہیں سن رہا تھا۔

''ڈھائی، ڈھائی لاکھ کی بھینس ہیں دونوں، ارے دیکھو گی تو دیکھتی رہ جاؤ گی نیک بخت..... ایسی شاندار کہ واہ، واہ.....'' الہ دین بے حد خوشی سے بیوی کو بتا رہا تھا۔ ''اور دودھ، ماشاء اللہ روز کا تیس کلو دودھ دونوں کا ہو گا..... پندرہ کلو خیر دین کا ہمارے لیے تو دو کلو بھی بہت ہے باقی بیچ دیں گے۔'' الہ دین نے سارا حساب لگایا تو خوشی سے بولا۔

صغراں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب کیا فائدہ الہ دین نے تو مکان کی مرمت کا بھی نہیں سوچا تھا۔ سارے پیسوں کی دو بھینس لے آیا۔

☆☆☆

''ارے خیر دین، یہ کیا یہ پندرہ کلو دودھ ہے؟'' ہفتہ ہو گیا تھا بھینسوں کو آئے۔ پورے ہفتے باقاعدگی

سے خیر دین پندرہ کلو دودھ دے جاتا تھا مگر آج یہ کم لگ رہا تھا..... تو الہ دین نے پوچھا۔

''ارے الہ دین بھا! ہماری اپنی زمین تو ہے نہیں' تجھے پتا ہے۔ چارا..... کھل..... تو ڑی سب پیسوں کا آتا ہے، اب مجھے تو اس طرح پوری.... نہیں پڑتی ہے.... اس لیے آج یہ آٹھ کلو دودھ ہے۔ اب سے اتنا ہی ملے گا۔''

''مگر خیر دین ہم نے جن لوگوں کو دودھ دینا ہے وہ اب کیا کریں۔'' الہ دین پریشانی سے بولا۔

''او بھرا فکر نہ کروان کو میری طرف بھیج دینا..... اُدھر سے دودھ لے جائیں اور اب میں چلتا ہوں ابھی بھینسوں کا چارا پانی سب دیکھنا ہے۔ اب تم تو صحیح عیش کررہے ہو..... کوئی کام نہ کاج اور آرام سے دودھ آجاتا ہے۔ کھپنا تو مجھے پڑتا ہے ناں..... اب چلتا ہوں۔'' خیر دین کہہ سن کر چلا گیا اور الہ دین بیٹھا رہ گیا۔ صغراں سارا تماشا دیکھ رہی تھی بولی کچھ نہیں۔

''الہ دین کو تارے تو اب نظر آئیں گے۔'' بس صرف سوچا ہی کہنے کی جرأت نہ تھی۔

☆☆☆

''پروین آپا کا فون آیا تھا۔'' الہ دین نماز پڑھ کے گھر آیا تو صغراں نے اس کے آگے روٹی رکھتے ہوئے بتایا۔

''اچھا کیا کہہ رہی تھی؟'' الہ دین نے نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

''کہہ رہی تھی بھا انور کو دکان میں گھاٹا پڑ گیا ہے۔ تو وہ جو ایک لاکھ لیا ہے..... وہ اگر آپ معاف کردیں تو.....''

''کیا؟'' الہ دین جو آلو پالک کی تعریف کرنے لگا تھا۔ نوالہ حلق میں اٹک گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو.....؟''

''وہی جو آپ نے سنا.....'' صغراں اطمینان سے بولی۔ ''یہ میرے اور آپ کے رشتے داروں کو میں بہتر جانتی ہوں..... ارے آپ تو مہینے میں ایک بار شہر سے گاؤں آتے تھے۔ مجھے پتا ہے سب کا..... بس اب پیسے نہیں ملیں گے..... کہہ رہی تھی انور کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ بارشوں سے سارا سامان دکان کا بھیگ کے خراب ہوگیا ہے اور ضائع ہوگیا ہے، سب دالیں، چاول اور پتا نہیں مسالے اور کیا، کیا..... مجھے پتا ہے سب جھوٹ ہے، صرف پیسے نہ دینے کے بہانے..... اور جب میں نے کہا تمہارے بھائی کے ساتھ میں افسوس کرنے آؤں گی تو بولی ضرورت نہیں..... انور کے سامنے اس بات کا ذکر کرو تو وہ بڑا پریشان ہوجاتا ہے اور اس کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ ارے اگر نقصان ہوا بھی ہے تو ہمارا کیا قصور ہے جو کہتی ہے کہ بھائی پیسے معاف کردے۔''

الہ دین نے ٹھنڈی سانس لے کر کھانا دوبارہ شروع کردیا۔

جانتا تھا پیسے تو اب گئے..... انور اس کا بہنوئی تھا..... اور بے حد چالاک تھا۔ بھائی تھا ناں صرف بہنوئی کی چالاکی نظر آئی، بہن کو پھر معاف کردیا۔

''ارے خالد اور لوناں سالن۔'' صغراں کا بھائی آیا تھا اور صغراں نہال تھی۔

''ارے آپا آپ جیسا ذائقہ کسی کے ہاتھ میں نہیں..... کیا دیسی مرغی پکائی ہے۔'' بھابی صاعقہ نے تعریف کی تو صغراں مسکرا دی مگر اندر سے پریشان ہوگئی۔ بھابی صاعقہ اور تعریف.....

''اصل میں آپا آپ کو تو پتا ہے شمع کی شادی سر پر ہے اور مہنگائی بھی کتنی ہے..... سوچا آپ سے بات کرتا ہوں۔ اگر کوئی لاکھ ڈیڑھ لاکھ دے دیں ادھار تو چھ ماہ میں لوٹا دوں گا.....'' آخر خالد نے کھانے کے بعد چائے پیتے ہوئے مدعا بیان کیا، صاعقہ چپ چاپ چائے پیتی رہی۔

''دیکھو خالد، شمع میری بھی بیٹی ہے مگر پیسے تو سب ختم ہوگئے..... تمہارے بھائی نے دو بھینسیں لے لی ہیں اور لاکھ روپیہ پروین لے گئی ہے اب تو بس خالی ہاتھ ہیں، بھینسوں کے دودھ سے جو پیسے آتے ہیں اس سے مکان کی مرمت کروانی ہے۔ بس گزارہ ہورہا ہے۔'' صغراں نے صاف بات کی تو صاعقہ نے گھور کے شوہر کو دیکھا..... کتنا کہا تھا کہ بھائی الہ دین کو پیسے

ملتے ہی چلو مگر نہیں اتنی دیر کردی کہ سب لے اڑے پیسے اور وہ دیکھتے رہ گئے۔

''دیکھ خیر دین میں نے تو اپنی ساری جمع پونجی لٹا دی اور اب تم کہہ رہے ہو بھینسوں نے دودھ سکھا لیا ہے۔ اور مجھ سے پوچھے بغیر دونوں بھینسیں بیچ دی ہیں اور مجھے ایک ٹکا نہیں دیا..... اب میں اور بیوقوف نہیں بنوں گا..... میرے پیسے دو تم ورنہ پنچایت بلاؤں گا میں۔'' بڑے دنوں بعد آج الہ دین کا اصل غصہ سامنے آیا تھا۔

''ارے واہ..... جب پندرہ، پندرہ کلو دودھ دے کر جاتا تھا گھر بیٹھے تب میں بھائی تھا اور آج جب گھاٹے کا وقت آیا ہے تو مجھے دھمکی دے رہا ہے۔ ارے ہماری کون سی زمین کا چارا تھا۔ سب کچھ اپنے پیسوں سے خرید کے ڈالتا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا۔ چار مہینے بعد ہی دودھ سکھا لیں گی۔ بس اب بیچنی پڑیں۔ بڑا نقصان ہوا ہے میرا مجھ پر قرضہ تھا کھل، بنولہ..... چارا سب کچھ لاتا تھا۔ ان پیسوں سے ادھار اتارا ہے میں نے اب کچھ نہیں میرے پاس سوائے گدھا گاڑی کے اور گدھے کے، لے جاؤ یہ ساٹھ ستر کی ہے یہ دونوں چیزیں لے جاؤ.....'' خیر دین..... بے نیازی سے بولا تو الہ دین نے غصے سے اسے دیکھا اور کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اس کا دوست یونس جو ساتھ آیا تھا بول پڑا۔

''ارے الہ دین بھائی چھوڑو لڑائی، چلو تم سے میں خرید لوں گا گدھا گاڑی تمہارے کام کی تو ہے نہیں..... پر میرے کام آجائے گی۔ وہی لے لو میں پیسے دے دوں گا تمہیں.....'' یونس نے جھگڑا ختم کیا تو الہ دین خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ بیٹی کا معاملہ تھا کیا کرتا برداشت کر گیا۔ کتنا سمجھایا تھا صغراں نے مگر عقل میں بات نہیں آئی تھی اور جب آئی تو دیر ہو چکی تھی۔

''ارے یہ مریل سی گدھی میں تو سمجھا تھا کہ کوئی موٹی تازی ہوگی۔'' یونس نے گدھی دیکھتے ہی خریدنے سے انکار کر دیا..... ''دیکھو بھرا الہ دین میں نے تو جھگڑا ختم کرنے کے لیے گدھی خریدنے کا کہا تھا مگر یہ تو بالکل مریل ہے۔'' یونس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''تو اب میں کیا کروں.....؟'' الہ دین روہانسا ہو گیا۔

''ارے کرنا کیا ہے میں، تم اور ساتھ اپنے یار رفیق کو لیتے ہیں منڈی چلتے ہیں بیچنے۔'' یونس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو الہ دین نے سر ہلا دیا۔

''خیر دین بھا سے یہ امید نہ تھی مجھے سلمٰی ارے بالکل خالی کر دیا ہمیں.....'' صغراں نے سلمٰی کو کہا جو ملنے آئی تھی۔

''میں کیا کہوں اماں، میرے شوہر کی کیا مجال جو چاچا کو کچھ کہہ دے۔ چاچا نے ایک کمرا ڈال لیا ہے اور صحن بھی پکا کرا لیا ہے ٹائلوں والا.....''

''ہاں پتا ہے مجھے.....''

''اماں ویسے شاہد نے بات کی تھی باپ سے مگر وہ الٹا ناراض ہو گئے، کہنے لگے میں بیوپاری ہوں اسی سے پیسے کما کر یہ گھر بنا رہا ہوں..... تمہارے سسر کے پیسوں سے نہیں..... اماں اب آصف کی شادی کرنی ہے۔ کمرا تو چاہیے تھا ناں.....'' سلمٰی نے سمجھایا۔

''ہاں، ہاں ہمارے پیسوں سے سب کر کے اب تمہارا سسر سب میں شو مارے گا۔'' صغراں کا بھی بس صرف بیٹی پر ہی چلا تو غصہ اسی پر نکال دیا۔ وہ بیچاری چپ کر گئی۔ چار سال ہو گئے تھے شادی کو صرف ایک بیٹی تھی اس لیے ابھی ذرا سسرال میں دبک کے ہی رہتی تھی اور صغراں بھی اسی لحاظ میں مار کھا گئی تھی ورنہ.....

☆☆☆

''ہاں بھئی بھا الہ دین..... آٹھ ہزار میں گدھی بک گئی ہے اب ذرا اچھا سا کھانا کھلا کسی اچھے ہوٹل میں.....''

رفیق نے الہ دین کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو الہ دین نے سر ہلا دیا۔ تین ہزار کا کھانا کھلا کر پانچ ہزار جیب میں ڈالے تو سوچا پانچ لاکھ کے بدلے صرف پانچ ہزار ہاتھ آیا ہے۔ ایویں کہتے ہیں گاؤں کے لوگ سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ گاؤں ہو یا شہر ہر جگہ سادہ اور سچے اس جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں اور چالاک اور چلتر بھی..... خیر دین اور یونس کی طرح اور وہ گاؤں کی راہ چل پڑا۔

''میرا خیال ہے اس مہینے کی بیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔'' تایا ابا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی مگر اس کے لیے یہ شادی کی نہیں، اس کی موت کے دن کی تاریخ تھی۔ سب سے زیادہ یمنیٰ چہک رہی تھی۔ اسے اپنی اس اکلوتی اور نک چڑھی بہن سے شدید نفرت محسوس ہوئی..... مطلب کوئی بہن اپنی بہن کے ساتھ ایسا بھی کرسکتی تھی؟ اور اس کے ساتھ بیٹھا ہوا وہ دوغلا شخص عاصم مسلم ..... وہ بھاگ کر کمرے میں گھس گئی اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ یہ آنکھوں دیکھی مکھی اسے ہی نگلنی تھی؟

ایک وہی سب سے بیوقوف اور کمزور لگی تھی ان دونوں کو؟ بچپن سے لے کر اب تک یمنیٰ اور عاصم کو ہر ایک نے ... ہر جگہ ساتھ دیکھا تھا..... کھیل میں ساتھ کلاس میں ساتھ اور تو اور گھر میں بھی ساتھ۔ یمنیٰ نک چڑھی مغرور سی تھی..... سارے کزنز میں سے کوئی اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ ایک یہ عاصم مسلم ہی تھا اس کا غلام..... جب دیکھو سر جوڑے راز و نیاز ہو رہے ہوتے تھے۔ حمنہ کے لیے بھی یہ نظارے نئے تو نہیں تھے مگر دو مہینے پہلے اچانک یمنیٰ کے لیے بڑے ماموں کے بیٹے عامر کا رشتہ آگیا۔ حمنہ کو لگتا تھا کہ کوئی فلمی سین کری ایٹ ہوگا مگر یمنیٰ نے اچھلتے کودتے، خوب انجوائے کر کے عامر سے شادی کر لی تھی۔ عاصم نے اس کی خوشی میں اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ حمنہ اور سارہ، عاصم کی آنکھوں میں دکھ کی تحریر ہی ڈھونڈتی رہ گئیں مگر وہ اس معاملے میں بڑا پکا ثابت ہوا تھا۔ شاید اس نے مان لیا تھا کہ عامر بھائی جیسے افسر آدمی سے اس چھوٹے موٹے میڈیا کے بندے کا کوئی مقابلہ نہیں

چھوٹی سی بات

سمیرا سرفراز

تھا۔ یمنیٰ اسے الو بنا کر مزے سے اپنی شادی شدہ زندگی میں مگن تھی۔ ساریہ اور حمنہ کی بھرپور ہمدردی عاصم کے ساتھ تھی۔ ساریہ تو آخر اس کی بہن تھی مگر حمنہ نے بھی یمنیٰ کے مقابلے پر عاصم کو سپورٹ کیا تھا۔

''بیچارے نے اپنے رویّے میں بھی بالکل فرق نہیں آنے دیا تھا۔'' وہ سوچتی یمنیٰ اور عامر آتے تو اپنی بساط سے بڑھ کر ان کی خاطر مدارت کرتا...... بھرپور کمپنی دیتا، یمنیٰ اور اس کے رشتے میں کوئی فرق نہ آیا تھا، حمنہ کو یمنیٰ سے شدید نفرت محسوس ہوتی۔

''عامر بھائی کیا اندھے تھے جو انہیں ان دونوں کی نزدیکیاں نظر نہیں آتی تھیں۔'' اب تو اسے عاصم بھی بے غیرت لگتا جو اب بھی یمنیٰ کا غلام بنا پھرتا رہتا۔ یہاں تک بھی ٹھیک تھا...... اصل مسئلہ تو اب شروع ہوا تھا جب یمنیٰ کی شادی کے ٹھیک ایک ماہ بعد گھر میں اس کی شادی کی باتوں کی بھنبھناہٹ شروع ہوئی۔ شادی کے نام پر لڈو تو کیا پھوٹتے تھے اس کے سر پر تو ایک بم گرا تھا جب اسے پتا یہ چلا کہ اس کی شادی کسی اور سے نہیں...... یمنیٰ کے غلام عاصم مسلم سے ہو رہی ہے۔

''مجھے یہ کوئی سازش لگ رہی ہے حمنہ، شاید عاصم بھائی یمنیٰ آپا کی بے وفائی کا بدلہ تم سے لینا چاہتے ہیں جبھی اتنے خوش نظر آرہے ہیں اس شادی سے۔'' ساریہ کا پُر مغز تجزیہ اس کے سامنے تھا۔ ساریہ بقول اس کے بھائی بلال کے ''ڈھکن'' تھی جس کے منہ پر بھی یہ ڈھکن لگ جاتا اس کا پریشر ہی بڑھتا تھا (جی، جی بلڈ پریشر)

''میری طرف سے وہ یمنیٰ کو چلتی ٹرین سے دھکا دے، دے پر میری جان چھوڑ دے، میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔'' حمنہ اس سے بھی زیادہ ذہین تھی۔

''تم ابو کو منع کر دو......'' ساریہ نے آسان حل بتایا۔ حمنہ نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

''تاکہ عاصم سے پہلے تایا ابا میرا کام تمام کر دیں، تم دوست ہو یا دشمن؟''

''دوست ہی ہوں جو اپنے سگے بھائی کے مقابلے میں تمہیں سپورٹ کر رہی ہوں کیونکہ مجھے دل سے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے، ویسے یہ یمنیٰ آپا کس کھاتے میں اتنی خوش ہیں، تم نے ان سے بات کی؟'' پہلی بار ساریہ نے کوئی عقل کی بات کی تھی۔ حمنہ نے واقعی یمنیٰ کو کھری، کھری سنانے کی ٹھان لی۔ گو کہ یہ اتنا آسان نہیں تھا، یمنیٰ جس مزاج کی تھی ایسے میں وہ حمنہ کو کم ہی خاطر میں لاتی تھی۔ ان کے درمیان روایتی بہناپا ہرگز نہیں تھا، اسے عاصم سے فرصت ملتی تو اپنی بہن کو پوچھتی ناں......

حمنہ نے شام کی چائے تک انتظار کیا تھا، اسے پتا تھا کہ وہ دونوں شام کی چائے چھت پر ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔ یمنیٰ کو وہ اوپر جاتے دیکھ چکی تھی البتہ عاصم کو تایا ابا نے بلا لیا تھا۔ حمنہ نے موقع غنیمت جانا اور دبے پاؤں چھت پر آگئی۔ یمنیٰ کپ منڈیر پر رکھے فون پر مصروف تھی۔ اسے آتا دیکھ کر آنکھیں جیسے سکڑ گئی تھیں محترمہ کی مگر حمنہ ذرا نہ گھبرائی۔

''تم یہاں...... خیریت؟'' یمنیٰ نے حسب عادت ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ فان کلر کے خوب صورت شیفون کے سوٹ پر ریڈ لپ اسٹک سجائے وہ بڑی دلفریب لگ رہی تھی جیسے ہمیشہ لگا کرتی تھی۔ حمنہ کو اعتراف تھا کہ وہ اس کے پاسنگ بھی نہیں تھی۔

''یمنیٰ کیا تمہیں احساس ہے کہ میں تمہاری سگی بہن ہوں؟ پھر تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہو؟'' اسے بولتے، بولتے رونا آگیا۔ یمنیٰ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیا، کیا ہے میں نے؟'' اس نے سوالیہ انداز میں کندھے اچکائے۔

''اتنی انجان مت بنو، اپنے عاشقِ اول کو میرے لیے پسند کرتے ہوئے تمہیں ذرا حیا نہیں آئی؟ ایک وہی رہ گیا تھا میرے لیے؟'' وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ یمنیٰ کے چہرے پر کئی سوال تھے۔

''عاشقِ اول؟ کس کی بات کر رہی ہو حمنہ؟'' حمنہ نے جھنجلا کر سر اٹھایا۔ اس کی بناوٹ خاک نہیں بھائی تھی اسے۔

''وہی گنجا عاصم مسلم۔'' وہ پھٹ پڑی۔ چھت کے دروازے پر کھڑا عاصم اس صاف، صاف بے ہودہ گوئی پر تڑپ اٹھا۔ یمنیٰ اسے آتا دیکھ چکی تھی، عاصم کی شکل دیکھ کر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ حمنہ نے بھی اس کی تقلید میں پیچھے دیکھا تو زبان دانتوں تلے دبالی۔ عاصم ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا تھا اور باقاعدہ حمنہ کو

گھورے جارہا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا یہ ہوگا عاصم، اب خود نمٹ لو اس سے۔'' یمنیٰ نے صاف ہاتھ اٹھا لیے۔ حمنہ نے اسے تڑپ کر دیکھا، کیسی بہن تھی یہ!

''کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟'' وہ اب براہِ راست حمنہ سے مخاطب تھا۔ حمنہ نے ساری ہمت یکجا کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ کے ناکام عشق کے عینی شاہدین کی اس گھر بلکہ اس خاندان میں ہرگز کمی نہیں تھی پھر مجھے قربانی کا بکرا کیوں بنایا آپ دونوں نے؟ کیا لگتا ہے آپ کو؟ میں خاموش رہ کر آپ دونوں کے تماشے دیکھتی رہوں گی!''

''توبہ کرو لڑکی! میرا عشق کیوں ہونے لگا ناکام، پوری عزت اور شان سے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے اور یہ بھی تم نے صحیح کہا۔ عینی شاہدین کی تو واقعی کمی نہیں، ایک تو تمہارے سامنے کھڑی ہے۔'' عاصم نے یمنیٰ کو آنکھ ماری۔ حمنہ کے خاک پلے نہ پڑا۔

''دیکھیے مجھے پاگل بنانے کی ضرورت نہیں، میں بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں آپ دونوں کی نزدیکیاں..... ابھی تو میں اس حیرت سے نہیں نکلی تھی کہ یمنیٰ نے آپ کو اتنی آسانی سے چھوڑ کر عامر بھائی سے کیسے شادی کر لی اور آپ ہیں کہ.....'' وہ اپنی دُھن میں بول رہی تھی جب عاصم نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''یمنیٰ اور میں بیسٹ فرینڈز ہیں، اور آسانی سے نہیں، بڑی مشکلوں سے اس کی شادی عامر سے ہوئی ہے، بہت پاپڑ بیلنے پڑے ہیں مجھے، کیوں یمنیٰ؟'' اس نے پھر یمنیٰ سے تصدیق چاہی۔

''بالکل! عاصم نہ ہوتا تو میں اور عامر کبھی ایک نہ ہوتے۔'' یمنیٰ نے بھی تشکر آمیزی سے اسے دیکھا۔ حمنہ ہونق بنی کھڑی تھی، یہ کیا نئی اسٹوری تھی؟

''ویسے حساب تو میں نے بھی برابر کر دیا ہے عاصم صاحب۔'' یمنیٰ نے مسکرا کر حمنہ کو دیکھا تو عاصم نے بھی ایک گرم نگاہ اس پر ڈالی۔

''یہ بات تو ہے، تم نے دوست ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ورنہ یہ احمق لڑکی تو ساری عمر میرے جذبوں کو نہ سمجھتی۔'' اس نے حمنہ کو ناراض نظروں سے دیکھا۔

احمق لڑکی کو کچھ، کچھ سمجھ آنا شروع ہو گیا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے عاصم مجھ سے محبت کرتا تھا؟ نہیں پاگل یہ تو شروع سے تمہیں پسند کرتا ہے اور میری شادی جھٹ پٹ کرانے میں بھی اس کی اپنی غرض شامل تھی، مجھے یہاں سے دفع کر کے اس نے اپنا راستہ کلیئر کرنا تھا۔'' یمنیٰ نے مصنوعی خفگی سے عاصم کو گھورا۔ حمنہ کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔

''اور یہ گنجا کیسے کہا تھا تم نے؟'' عاصم کو ایک دم یاد آیا تھا۔ یمنیٰ پھر ہنسنے لگی تو حمنہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔

''ویسے غلط کیا کہا میری بہن نے؟ عجیب ڈفیکٹڈ پیس مل رہا ہے بیچاری کو، نام ہے تو ''عاصم مسلم'' جیسے کوئی آسکر یم کا فلیور ہو ''عاصم مسلم'' مطلب ٹوٹی فروٹی۔'' یمنیٰ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی، عاصم نے تلملا کر اسے دیکھا۔

''بال ہیں تو آدھے آرہے ہیں آدھے جارہے ہیں، حرفِ عام میں تو گنجے ہی ہوئے ناں تم۔'' حمنہ نے رخ موڑ کر ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ عاصم بیچارہ کھسیا گیا، اسے بال گرنے کا خاندانی مرض ورثے میں ملا تھا اور اب وہ خاصا مہنگا ٹرانس پلانٹ بھی کروا رہا تھا مگر دورانِ ٹریٹمنٹ اس کے سر کا حال عجیب مضحکہ خیز ہو گیا تھا، یمنیٰ نے اسی پر چوٹ کی تھی۔

''ڈوب مرو تم، دوست ہو کر میری تعریفیں کرنے کے بجائے تم میرا پوسٹ مارٹم کر رہی ہو؟ اور تم؟ بڑے دانت نکل رہے ہیں تمہارے، کچھ دن رک جاؤ، کرتا ہوں تمہیں بھی ٹھیک۔'' عاصم کا بس نہیں چل رہا تھا دونوں بہنوں کی بتیسیاں توڑ دیتا مگر حمنہ کی شفاف بے فکر..... ہنسی اس کا سارا غصہ اڑا لے گئی تھی۔ وہ یمنیٰ کی موجودگی کو نظر انداز کیے اسے وارفتگی سے تکنے لگا اور بھلا یہ ممکن تھا کہ اس کی نظروں کی تپش حمنہ کو مزید بے خبر رہنے دیتی۔ اس کے چہرے پر پھیلے حیا کے خوب صورت رنگ گلابی شام کے حسن کو مات دینے لگے۔

بعض اوقات چیزیں اتنی غلط نہیں ہوتیں جتنا ہمارا دیکھنے کا انداز ہوتا ہے۔ بدگمانی کی دھند چھٹی تو سامنے کھڑا شخص یمنیٰ کا غلام نہیں، اپنا اسیر نظر آیا جس کی آنکھوں سے چھلکتی شفاف چاہت حمنہ کو سرخرو کر گئی تھی۔

❁❁❁

سارے صحن میں دھوپ بھری تھی......سب طرف غیر معمولی سی خاموشی تھی سر سبز پودے سر نیہوڑائے جیسے حالتِ سوگ میں تھے۔ وہی درودیوار تھے، وہی مانوس سا ماحول، وہی دھوپ کی تمازت لیکن سارے منظر میں سوگواریت تھی۔ درودیوار پر نوحہ برس رہا تھا۔ اجاڑ رُت کے زرد موسم سے دھوپ میں سرسوں چمک رہی تھی جیسے......اور وہ ننگے پاؤں دھوپ بھری مسافت طے کر رہی تھی......کہیں سایہ نہیں تھا......اور وہ جیسے کیکر کی چھال پر زخم، زخم چل رہی تھی۔ لہو رس رہا تھا مگر اسے پروا کب تھی وہ تو یاد کی دہلیز پر بیٹھی جل رہی تھی۔ سورج آگ برسا رہا تھا۔ مگر اس کے اندر کی تپش سورج کی حدت سے کہیں زیادہ تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ایک الاؤ تھا جو اس کے اندر بھڑک رہا تھا۔ ایسا الاؤ جسے اس کے آنسو بھی بجھا نہیں پا رہے تھے

اور وہ کسی دیوانی، بیگانی کی طرح یاد کی دہلیز پر بیٹھی یاد کے روشن الاؤ میں جل رہی تھی۔

"انمول......اے انمول...... اٹھو یہاں سے طبیعت خراب ہو جائے گی تمہاری......اتنی تیز دھوپ میں کب سے بیٹھی ہو آخر......" وفا نے آ کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔ لیکن اس کی خالی، خالی متورم رنجیدہ سی آنکھیں دیکھ کر خود اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

آن کی آن میں سب کچھ بدل گیا......ایک ہی جھٹکے میں کتابِ زندگی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ ایک پل ہی لگا تھا سانس کا رشتہ ٹوٹنے میں ورنہ......وہ تو آخری لمحے تک آس و نراس میں تھی۔

معمول کے مطابق زیب ڈائی لیس کے لیے گئی تھیں۔ اس روز وفا صبح ہی آ گئی تھی۔ اس کی آمد پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ڈائی لیس کے

آٹھواں حصہ

منی ناول

میں انمول

سعدیہ رئیس

دوران وہ بے ہوش ہوگئیں اور دو دن تک وینٹی لیٹر پر رہنے کے بعد چپ چپاتے آنکھیں موندے سب کو چھوڑ کر چلی گئیں۔

اپنے پیاروں کو روتا چھوڑ گئیں۔ اپنی راج دلاری، جان سے پیاری بیٹیوں کا بھی خیال نہیں آیا ان کو..... وہ بھری دنیا میں تن تنہا بے آسرا محسوس کر رہی تھی خود کو..... صغریٰ بوا کے جانے کے بعد دل پہلے ہی کچھ اداس ہو رہا تھا مگر ان کی واپسی کی امید تو تھی ناں..... لیکن زیب تو ملکِ عدم سدھار گئیں..... کبھی واپس نہ آنے کے لیے اور انمول کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو گیا ہے..... ایمل بھی صدمے سے اور اس اچانک جھٹکے سے نڈھال اور بے حال تھی..... اور وقار آفندی تو جیسے دنیا بھلا بیٹھے تھے۔ نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ صبح کب ہوئی اور شام کب ہوئی..... نہ بھوک پیاس کا احساس باقی رہا تھا۔ ایسے میں وفا، مہر آنٹی اور شمع کی دلجوئی نے انہیں زندگی کی طرف پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ اور یوسف تو جیسے دہلیز سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا..... اس کا سایہ بنا ہر وقت وہاں موجود تھا۔ ذرا وہ اداس یا اکیلی ہوتی یوسف وہاں حاضر ہوتا..... کبھی رو رہی ہوتی تو یوسف اس کے غم کا سائبان بن جاتا..... اسے زندگی کی طرف متوجہ کرنے میں یوسف نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی وہ کچن میں آ کر ان کی ہیلپ کرنے لگتا۔ کبھی اپنی شگفتہ باتوں سے ان کو محظوظ کرتا۔

یہ کوئی چھوٹا صدمہ نہیں تھا..... جب دکھ سے... مانوسیت گہری ہو جاتی ہے تو انسان اس دکھ کا عادی ہو جاتا ہے۔ جس طرح یہ دنیا عارضی اور فانی ہے اسی طرح خوشی اور غم کی بھی ایک مخصوص مدت ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ، ساتھ جس طرح خوشیاں اپنا چولا بدل لیتی ہیں اسی طرح غم اور دکھ بھی زائل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر ان کی کسک ساری عمر ہی تڑپاتی رہتی ہے۔ انمول اور وقار آفندی کو اس دکھ کے حصار سے نکلنے کے لیے وقت درکار تھا۔

اور زندگی کی مصروفیات، غمِ روزگار اور معمولاتِ زندگی بالآخر ایک روز نڈھال و بے حال سے غمزدہ انسان کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر ہی دیتے ہیں۔ وفا، انمول کو تھام کر اندر لے آئی۔

''تم بیٹھو یہاں..... بلکہ جی کرے تو آنکھیں موند کر لیٹ جاؤ.....'' اس نے پردے برابر کر کے اے سی کھول دیا۔

''ریلیکس انمول..... سنبھالو خود کو..... ایمل کو دیکھو..... انکل کو دیکھو، تم سب ایک دوسرے کی ڈھارس ہو، اپنی ذات سے نکل کر اس دکھ کو دوسروں کے لیے محسوس کرو گی تو دیکھنا تم بہت جلد سب بھول جاؤ گی۔'' وفا نے پیار سے اس کے بال انگلیوں سے سنوارتے ہوئے کہا۔ انمول کچھ نہ بولی۔ آنکھیں موندے خاموش لیٹی رہی، ایمل کو اس نے زبردستی منہ ہاتھ دھونے کے بعد صاف کپڑے پہننے پر مجبور کیا تھا اور اب وہ کچھ متفکر سی بیٹھی تھی۔ اسے اپنی سسرال بھی واپس جانا تھا۔ وہ جب سے یہیں رکی تھی۔ ہر دوسرے روز میاں صاحب کا بے قراری والا فون آ رہا تھا۔ ایسے کب تک چلتا اُسے تو اپنے گھر جانا ہی تھا۔

ایمل کپڑے تبدیل کر کے آئی تو بہتر محسوس ہوئی۔ وہ وہیں بڑے کشن پر بیٹھ گئی۔

''پتا ہے بابا آج اتنے دن بعد اپنے کمرے سے نکلے اور مجھ سے بات بھی کی۔'' اس کے لہجے میں خوشی اور سکون سا تھا۔

''ہوں..... یہ تو اچھی بات ہے۔ اب تم دونوں بھی اچھی بیٹیوں کی طرح ان کو کمپنی دو..... ان کا غم بانٹو ورنہ اس طرح وہ بیمار پڑ جائیں گے۔'' وفا نے ایمل کو سمجھایا اُسے معلوم تھا کہ انمول نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں مگر وہ اس کی ہر بات سن رہی ہے۔ کل ہی اس نے اپنی ماں حمنہ سے وقار صاحب کی بات کروائی تھی اور یہ ان کے سمجھانے کا ہی اثر تھا کہ وہ آج کچھ سنبھلے ہوئے لگ رہے تھے۔

''بھئی آج چائے ملے گی یا نہیں..... گرمی کی وجہ سے سر بھاری ہو رہا ہے بہت۔'' وقار صاحب بولتے

ہوئے وہیں چلے آئے۔

''جی خالو..... میں ابھی لائی.....'' وفا مستعدی سے کھڑی ہوئی۔

''نہیں بھئی، آج تو میں انمول کے ہاتھ کی چائے پیوں گا۔'' انہوں نے فرمائش کی۔ ان کے لبوں پر تبسم سی زخم خوردہ مسکراہٹ تھی۔

وہاں موجود سب نفوس رنجیدہ تھے مگر ایک دوسرے کا دل رکھ رہے تھے اور یہی تو مقصدِ انسانیت ہے۔ اپنا آپ بھلا کر دوسرے لوگوں کی دلجوئی، غمگساری کرنا..... انمول کو نہ چاہتے ہوئے اٹھنا پڑا..... اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے جنہیں اس نے کمالِ مہارت سے پی لیا۔

''تم چائے کا پانی رکھو..... تب تک میں کچھ لے کر آتا ہوں ناشتے کا سامان.....'' انہوں نے قصد کیا۔

''نہیں بابا، کہاں جائیں گے آپ..... کٹلس ہیں بنے ہوئے میں تل کر لے آؤں گی..... اور جار میں بہت سارے بسکٹ بھی پڑے ہیں.....'' انمول نے منع کر دیا۔ وہ کچن میں چلی گئی۔ اس نے ابھی چولھا جلایا ہی تھا کہ اطلاعی گھنٹی بہت زور سے بجی۔

''خدا خیر..... یہ اس وقت کون آ گیا؟'' وقار آفندی زیرِ لب بڑبڑائے۔

''یقیناً صغریٰ بوا آئی ہوں گی.....'' ایمل کے چہرے پر خوشی کی رمق بھری کرن چمکی..... صغریٰ بوا کے وہ سب عادی ہو گئے تھے اور اس غم کے موقع پر ان کی کمی بے حد محسوس ہوئی تھی۔ وہ سب لاشعوری طور پر ان کے منتظر تھے۔ گھنٹی کی آواز پر انمول بھی کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی اور ایمل نے ایک ہی جست میں جا کر دروازہ کھول دیا۔

''ارے..... میرا بھائی..... کہاں ہے میرا بھیا..... خدا اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے..... میری عمر بھی اسے لگ جائے۔'' ایک قدرے فربہ سی خاتون سنہری فریم کی عینک لگائے اور بڑی سی ملتانی شال کی بکل مارے دروازہ کھلتے ہی واویلا کرتی اندر داخل ہو گئیں..... ایمل ہکا بکا سی ان کو دیکھتی رہ گئی۔

جان نہ پہچان میں تیرا مہمان والا معاملہ تھا۔ ان خاتون کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے کسی بھی خاص پزیرائی نہ کرنے کے باوجود وہ گرتی پڑتی، روتی اور واویلا کرتی آگے بڑھتی چلی گئیں..... ایمل ان کو روک بھی نہ سکی..... انمول بھی کچن کے دروازے سے جھانکتی متحیر سی یہ عجیب منظر دیکھ رہی تھی۔ صورتِ حال اس کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جانے کون خاتون تھیں اور مغالطے میں ان کے گھر میں گھس گئی تھیں۔

انمول نے ہاتھ میں تھمی پلیٹ شیلف پر رکھی اور معاملہ سمجھنے کے لیے اس طرف بڑھی۔ اس اثنا میں وقار آفندی بھی وہاں پر آ گئے تھے کیونکہ ان خاتون کی بلند آواز ان کے خالی ماتم زدہ گھر میں سب طرف گونج رہی تھی۔

اگلا منظر اس سے بھی زیادہ حیران کن تھا، وقار آفندی سے لپٹ کر وہ خاتون اپنی محبت اور التفات کا بھرپور اظہار کر رہی تھیں۔

''ارے میرا بھیا..... ارے میرا چھوٹو..... ٹھیک تو ہے ناں..... دشمنوں نے کیسی غلط خبر پھیلائی کہ میرا کلیجا منہ کو آ گیا..... شکر ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو..... اللہ سلامت رکھے تم کو.....'' وہ والہانہ ان کی کمر پر اور سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

''آپا..... آپا..... ٹھیک ہوں میں سنبھالیں خود کو..... اندر چلیں..... سفر کر کے آئی ہیں..... پانی وغیرہ پئیں.....'' وہ ان کی کلائی تھام کر اندر لے آئے۔

وہ صوفے پر بیٹھ کر تھکاوٹ بھری گہری سانس بھرنے لگیں۔ انمول اور ایمل حیرت زدہ سی ان خاتون کو دیکھ رہی تھیں۔ جنہیں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا انہوں نے..... وقار صاحب کی ہدایت پر ایمل پانی کا گلاس لے آئی۔

''اے جیتی رہو..... ماشاءاللہ..... تمہاری بڑی دختر ہے یہ.....'' انہوں نے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے ہوئے..... وقار

صاحب سے سوال کیا۔

''جی..... بڑی نہیں چھوٹی ہے۔'' وقار صاحب نے اپنے دکھی دل کو سنبھال کر بمشکل جواب دیا۔

ان کا چہرہ غم سے سیاہ پڑ رہا تھا جیسے ضبط کرنا مشکل ہو رہا ہو۔ خاتون نے نثار ہوتی نظروں سے ایمل کو دیکھا اور اپنی دُھن میں وہ وقار صاحب کے دھواں، دھواں چہرے پر توجہ نہ دے سکیں۔

''بڑی والی کہاں ہے اسے بھی بلاؤ..... ارے میرے تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ اتنے برسوں بعد تم سے مل کر بس دل کا عجیب حال ہو رہا ہے..... وہ..... بڑی والی کا نام تو انمول رکھا تھا ناں.....'' ان کو اب بھی یاد تھا۔

''ارے بتاؤ لوگ کیسے بے تکے مذاق کر جاتے ہیں، چلو اس بہانے میں تمہارے گھر تو آ گئی ناں..... سالوں بعد اپنے بھائی کا منہ دیکھا ہے۔ کسی کا مذاق، میری خوشی کا باعث بن گیا۔'' وہ ان کی بات کا جواب سنے بغیر بس اپنی ہی بولے جا رہی تھیں۔

بلکہ کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

''بتاؤ ذرا میرا تو سن کر ہی دل بیٹھنے لگا تھا، جانے کس دشمن نے تمہاری طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی..... لمبی لیٹ گئی، لینے کے دینے پڑ گئے..... پہلے ہی اپنے مسائل کم ہیں کہ اس خبر نے جان نکال کر رکھ دی میری..... اسی وجہ سے آنے میں تھوڑے دن لگ گئے۔ پھر سوچا کہ تم سب کے لیے تحائف بھی لے کر جاؤں..... سو دو دن اس میں لگ گئے۔'' وہ روانی سے بولے جا رہی تھیں۔

وہ سب انہیں فراٹے سے بولتے دیکھ رہے تھے، ان کی رام کہانی پر ایک دوسرے سے نظروں ہی نظروں میں سوال کر رہے تھے۔ ان کی عجیب باتیں انمول اور ایمل کی سمجھ سے باہر تھیں۔ نہ جانے وہ کیا سمجھ رہی تھیں۔ شدتِ غم سے ان دونوں کے چہرے سفید سے پڑ گئے تھے اور زبان پر تالا سا لگ گیا تھا۔ کسی میں بھی ان کی چلتی زبان کو روکنے اور ان کی غلط فہمی پر ٹوکنے کی ہمت نہیں تھی۔

''اے دلہن کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہیں.....؟ کہیں گئی ہوئی ہیں کیا؟'' کافی دیر بعد اُن کو یاد آیا۔

ان کے اس سوال نے مضروب دلوں پر جیسے ایک کاری ضرب ماری تھی۔ وہ سب ایک دوسرے کو ایسے دیکھنے لگے کہ آخر اس سوال کا جواب کون دے گا۔

''آپا..... آپا.....'' وقار صاحب کی آواز بھرا گئی کہ اب بند باندھنا مشکل ترین ہو گیا تھا۔ انہوں نے سوکھے لبوں پر زبان پھیری اور ویران نظروں سے ان کو دیکھا۔

''آپا..... آپا میرا گھر قبرستان بن گیا..... وہ چلی گئی مجھے چھوڑ کر..... چلی گئی زیب..... میری زیب چلی گئی.....'' وہ بہن کو سامنے پا کر جیسے اپنا ضبط کھو چلے۔

ان کی گود میں سر رکھ کر وہ تڑپ، تڑپ کر رو دیے انمول اور ایمل بھی اپنے دکھ سے زیادہ باپ کی کیفیت پر اشکبار ہو گئیں۔ اس طرح تو وہ اب تک نہیں روئے تھے خود پر بہت قابو کیا ہوا تھا۔ دراصل بڑا بننا اتنا آسان نہیں ہوتا..... بڑائی کا رشتہ پہاڑ جیسا ہوتا ہے جو سب کچھ خود پر جھیلتا ہے..... اور وہ بھی ان سب کا سہارا بنے بظاہر مضبوط بنے ہوئے تھے مگر اب سامنے موجود پیارے رشتے کو دیکھ کر اختیار کھو چکے تھے۔ آہ و فغاں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

آپا خاتون، زیب کے انتقال کی خبر پر خود پر قابو نہ رکھ سکیں..... انمول اور ایمل کی آنکھوں سے بھی اشک جاری تھے۔ جیسے ابھی، ابھی جنازہ اٹھا ہو..... اور یہ دکھ تو ایسا تھا کہ جس کا کوئی مرہم نہیں ہوتا..... اپنے پیارے رشتوں اور بالخصوص ماں سے جدائی کے دکھ کو رفتہ، رفتہ وقت ہی مندمل کرتا ہے وہ کبھی انمول کو لپٹاتیں اور کبھی آنسو بہاتی ایمل کو صبر کی تلقین کرتیں۔

''میں تمہیں صبر کی تلقین نہیں کروں گی کہ یہ پہاڑ سا دکھ اور صدمہ ہے۔ اس پر آتے، آتے ہی صبر آئے گا۔'' انہوں نے انمول اور ایمل کے مرجھائے چہروں کو دیکھ کر کہا۔ وہ دونوں ان کے دائیں بائیں ملول و غمزدہ سی بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھیں۔

''میں مانتی ہوں کہ ماں کا نعم البدل دنیا میں کوئی

نہیں ہوتا مگر فکر نہ کرو...... اب میں آگئی ہوں، تمہاری پھپو ابھی زندہ ہے...... تم اکیلی نہیں ہو، میں ہوں تمہارے پاس...... میری بیٹیاں، ہو تم دونوں......'' انہوں نے خم ٹھونک کر تسلی دی۔

''بہت کم عمری میں چلی گئی زیب...... آئے ہائے...... میں ملی بھی نہیں اس سے...... آخری بار میں جب آئی تھی تو انمول بیٹی ڈھائی سال کی تھی۔ بس پھر اس کے بعد گھر کے جھمیلوں میں لگ گئی۔ وقار میاں نے دو تین بار چکر لگایا تھا۔ بس...... یا پھر فون پر بات ہو جاتی تھی۔'' وہ دکھی سے انداز میں بولیں۔ اور بولتے، بولتے خود اپنی ہی بات پر جیسے ان کو کوئی بات یاد آگئی۔

''اے ہاں...... یہ مجھے فون کس نے کیا تھا؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''آپا آپ کو شاید صغریٰ بوا نے فون کیا ہوگا...... زیب نے ہی کہہ کر کروایا تھا فون...... وہ بھی بہت یاد کر رہی تھی آپ کو...... کیا خبر تھی کہ......'' بولتے، بولتے ان کی آواز رندھ گئی۔

''موت کا کوئی وقت مقرر نہیں...... ہم سب ہی کو ایک دن جانا ہے۔ آگے پیچھے...... کوئی پہلے کوئی بعد میں...... لیکن زیب کی عمر ہی کیا تھی؟ بڑی جلدی چلی گئی وہ...... آہ...... ہا...... سب اوپر والے کے کام ہیں...... ہم اس کی مصلحتوں، حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے......'' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئیں۔

''بس ایک قلق سا ہو رہا ہے کہ میں آخری بار اس سے مل لیتی یا بات ہی کر لیتی...... اے میں نے دوبارہ اتنا فون ملایا مگر کسی نے اٹھایا ہی نہیں......'' انہیں اچانک یاد آیا۔

''وہ صغریٰ بوا کو ایمرجنسی میں جانا پڑا...... دراصل نمبر تو زیب کے پاس ہی save تھا...... بعد میں حالات ہی نہیں رہے...... نہ مجھے ہوش تھا کہ آپ کو فون کرواتا......'' وقار آفندی نے صورتِ حال بتائی۔

''ہاں تو وہ جہاں کہیں بھی تھی میرا فون تو ریسیو کر لیتی اللہ کی بندی......'' وہ خفگی سے بولیں۔

نومبر 2020ء کے شمارے کی ایک جھلک

دوسرا فائر

آخری صفحات پر نشور هادی کے قلم سے محبت کی زنجیروں میں قید ایک خوب صورت رشتے کی عبرت اثر داستان

نفس گزیدہ

گمشدہ تاریخی گوشوں پر ایک گہری نظر...... ابتدائی صفحات پر زوبیا اعجاز کے قلم کا جادو

شہ زوز

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور کثیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال

ساشا

کبھی پر خطر جزیروں، کبھی بغاوتوں کے جنگل میں بھٹکتے مسافر کی داستان...... عمر عبداللہ کے قلم کا شاہکار

ان کے علاوہ

تنویر ریاض، کاوش صدیقی، منظر امام، اعتزاز سلیم وصلی، ظفر اقبال ظفر، غوثیہ شبیر، شاکر لطیف، شاہ زین رضوان اور صبا مغل کی خوب صورت تحریریں

''پھپھو..... بوا اپنا فون یہیں دراز میں بند کر کے چھوڑ گئیں..... شاید جلدی میں بھول گئیں۔ میں نے آج ہی دیکھا ہے۔'' انمول نے اصل بات بتائی۔

''چلو، قصہ ہی مک گیا.....'' وہ خفیف سا مسکرائیں۔

''ارے کیا باتوں میں ہی وقت گزار دو گے..... چلو مجھے کچن کا راستہ دکھاؤ..... رات کے کھانے کے لیے کچھ پکانے کا بندوبست کروں.....'' وہ کام پر کمربستہ پورے ارادے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ارے آپا..... آپ سفر سے آئی ہیں..... تھکی ہوئی ہیں، آرام کریں..... پکنے پکانے کا کوئی مسئلہ نہیں بعد میں دیکھا جائے گا۔'' وقار آفندی نے شانوں سے تھام کر انہیں واپس بٹھا دیا۔

''انمول بیٹا..... جلدی سے مزے دار سی چائے بناؤ.....'' انہوں نے انمول کو اشارہ بھی کیا۔

''آ..... میں تو پانی چولھے پر رکھ کر بھول گئی..... میں لاتی ہوں چائے۔'' وقار صاحب کا اشارہ سمجھتے ہوئے وہ سرعت سے کچن کی طرف بھاگی۔

''آپا آپ تب تک فریش ہو جائیں..... ایمل گڑیا، پھپھو کی رہنمائی کرو۔ پھپھو کو میرے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ.....'' وقار آفندی نے تاکیداً کہا۔

ان کو معلوم تھا کہ انمول اور ایمل ابھی چھوٹی ہیں گھریلو ذمے داریوں سے نا آشنا ہیں اسی لیے ایمل کو بتا دیا کہ کون سا کمرا آپا کو دینا ہے۔ اگرچہ... وہ ابھی مزید بیٹھنے کے موڈ میں تھیں مگر پھر وقار آفندی کے کہنے پر ایمل کے ساتھ اس کمرے میں آ گئیں..... جب تک وہ کپڑے تبدیل کر کے نہا دھو کر واش روم سے آئیں ایمل نے ان کے کمرے کی ڈسٹنگ بھی کر دی تھی اور بیڈ کور بھی بدل دیا تھا۔

''اچھی تربیت کی ہے زیب نے.....'' ان کی نظروں میں ستائش ابھری۔ لاؤنج میں وقار صاحب انہی کے منتظر بیٹھے تھے۔

''انمول بھئی..... چائے بنا رہی ہو کہ پائے؟'' انہیں دیکھتے ہی انہوں نے وہیں بیٹھے، بیٹھے تان لگائی۔

''آئی بابا.....'' انمول نے بھی وہیں سے جواب دیا۔

اسی وقت یوسف مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوا..... اس کے ہاتھ میں شاپر تھے۔ انمول کے کہنے پر وہ بیکری سے ناشتے کا سامان لے کر آ رہا تھا۔ آپا خاتون (پھوپی رقیہ جان) نے ابرو سکیڑ کر غور سے دور سے نظر آتے یوسف کو دیکھا۔

''یہ کون لڑکا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔ وہ انمول کو شاپر پکڑا رہا تھا۔ دونوں میں مختصر سی کوئی بات ہوئی پھر وہ اُدھر ہی آ گیا۔

''السلام علیکم.....'' اس نے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام.....'' آپا خاتون نے مشفقانہ انداز میں جواب دیا۔

''یہ یوسف ہے..... بالکل میرے بیٹے جیسا..... ہمارے پڑوسی حامد بھائی کا بھانجا ہے۔'' وقار آفندی نے خوش اسلوبی سے تعارف کرایا۔

''اچھا..... ماشاءاللہ.....!'' وہ مختصراً بولیں۔

''آؤ یوسف بیٹھو.....'' وقار صاحب نے پیشکش کی۔

''نہیں بابا..... میں چلتا ہوں..... مجھے آفس جانا ہے۔'' اس نے شائستگی سے معذرت کر لی۔

''یہ میری بہن..... میری آپا ہیں.....'' وقار صاحب نے ان کا خاص تعارف کرایا۔

''اچھا..... آپ کی کوئی بہن بھی ہیں.....؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''ہوں..... میری ایک ہی تو بہن ہے.....'' وقار صاحب کے چہرے پر خوشی کی کرن سی چمکی۔ یوسف اجازت لے کر چلا گیا اور پھر وہ آپا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بڑا سہارا ہے اس سے..... میرے بہت سارے کام یہی کر دیتا ہے۔'' وہ تعریفی انداز میں بولے۔

''ہوں.....'' آپا خاتون نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا سا بھرا۔

انمول ناشتے کے لوازمات لے کر اندر داخل ہوئی ہی تھی کہ یوسف پلٹ کر واپس جا رہا تھا۔

''ارے..... چائے تو پیتے جاؤ.....'' انمول نے بے ساختہ ہی اسے روکا۔

''چائے پینے کا دل تو چاہ رہا ہے مگر ٹائم کم ہے..... میں پہلے ہی لیٹ ہوگیا۔'' یوسف کی آنکھوں میں چائے کی للچاہٹ کے ساتھ انمول کے دیدار کی پیاس بھی مچل رہی تھی۔

''پھر کبھی صحیح.....'' اس نے مختصراً کہا۔

''بار، بار یہ موقع نہیں آتا جناب..... پھوپی بھی آئی ہوئی ہیں..... ساتھ مل کر بیٹھ جاتے۔ موقع سے فائدہ اٹھانا سیکھو.....'' انمول نے مسکرا کر ترنت جواب دیا۔ آپا خاتون نے گہری، ناپتی، تولتی نظروں سے جائزہ لیا۔ دونوں کی بے تکلفی ان جیسی روایت پرست اور اقدار کا احترام کرنے والی خاتون کو بہت گراں گزری تھی۔

''فی الحال تو خدا حافظ.....'' وہ عجلت میں باہر نکل گیا۔

انمول کے چہرے پر بڑی دیر تک غیر محسوس سی مسکراہٹ موجود رہی جسے آپا خاتون نے ایک ہی نظر میں محسوس کرلیا تھا۔ مگر اس وقت کچھ کہنے کا موقع نہیں تھا وہ پہلو بدل کر رہ گئیں..... انمول کے بنائے کٹلس انہیں بے حد پسند آئے۔ ان سب دکھی دل والوں نے بظاہر خوشگوار سے ماحول میں چائے پی۔

''وقار میرے لیے سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہے، اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا تو اتنی محبت نہ کرتا مجھ سے.....'' چائے پیتے ہوئے آپا خاتون نے انکشاف کیا۔

''اچھا..... تو آپ بابا کی سگی بہن نہیں ہیں.....؟'' ایمل حیرت سے بول پڑی۔

''والدین کے انتقال کے بعد جب میرے سر پر کوئی سائبان نہیں رہا تو خدا بخشے چاچا عظمت نے میری سرپرستی کی..... بہت اچھے، نیک، ہمدرد اور ملنسار انسان تھے چاچا جی..... ان دنوں وقار اسکول میں پڑھا کرتا تھا اور ہم دونوں میں بہت اچھا تعلق بن گیا۔ اس گھر میں آکر مجھے کبھی اجنبیت اور پرایا پن محسوس نہ ہوا..... وقار بھی اکلوتا تھا یوں وقار کو ایک پلی پلائی آپا مل گئیں اور مجھے بیٹھے بٹھائے ایک چھوٹا بھائی مل گیا۔''

وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہی تھیں یوں جیسے تصوراتی طور پر وہ اسی زمانے میں پہنچی سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔ انہوں نے تو ایمل کا سوال بھی نہیں سنا تھا۔

''چاچا جی نے میری شادی طے کردی اور یوں شادی کے بعد میں اپنے گھر کی ہوگئی۔ پہلے پہل تو سال چھ مہینے میں چکر لگ جاتا تھا، سسرال بھی تو کئی کوس دور ملی تھی۔ پہلے پہل تو بڑا دل گھبراتا تھا۔ سیف بھی بڑے اچھے تھے، مجھے ملنے کے لیے بھیج دیتے تھے۔ وقار کی شادی پر پہلی بار میں ہفتہ بھر رکی تھی لیکن پھر زندگی کے بکھیڑے یوں الجھا لیتے ہیں کہ انسان کو دوسری طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ کسی کا اسکول..... کسی کے امتحان..... کوئی بچہ بیمار تو کوئی بے حد شرارتی..... بس اسی میں پھنس کر رہ گئی.....'' وہ یادوں کے بھنور میں ڈوبی جارہی تھیں۔

انمول اور ایمل دونوں ہی کو ان کی آمد سے تقویت ملی تھی۔ ماں کا دکھ تو کوئی کم نہیں کرسکتا تھا البتہ یہ ہوا کہ دونوں پر جو سہم اور اکیلے پن کی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ جاتی رہی۔ وہ ساری شام باتوں کی نذر ہوگئی۔ کبھی آپا خاتون اپنا قصہ سناتیں اور کبھی وقار آفندی اپنی کوئی یاد پوٹلی سے نکال لاتے۔ کبھی وہ وقار کی شرارتیں بتانے لگتیں اور کبھی وقار آفندی کو آپا کی گھوریاں، ڈانٹیں اور چپکے، چپکے کی جانے والی سخاوتیں یاد آجاتیں۔

انسان کی زندگی میں اگر یادیں نہ ہوں تو وہ صحیح سے اپنا دکھ منا سکتا ہے نہ خوشی، اچھی باتیں، اچھی یادیں، ذہن پر خوشگوار اثر ڈالتی ہیں۔ ہر بار انسان کو ایک نئی توانائی ملتی ہے۔ بری باتیں، غم اور صدمے کی طرح بندے کو دیمک کی طرح چاٹتی رہتی ہیں۔ اسے ہر موقع، ہر پل وہ یادیں سوگوار کرتی رہتی ہیں۔

زندگی میں جیسے خوشگوار سی تبدیلی آگئی تھی۔ ان کے دم سے..... انمول اور ایمل کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ مہر آنٹی بطورِ خاص ان سے ملنے آئیں اور ان کی آمد پر

اطمینان کا اظہار کیا۔

''میں تو یہی سوچ کر فکر مند تھی کہ اکیلی بچیاں کیسے رہیں گی۔'' انہوں نے آپا خاتون کے ہاتھ تھام کر تشکر کے احساس سے ہولے سے دبائے۔

''ویسے صغریٰ بوا آجائیں گی کچھ دنوں میں.....''

انمول کو بہت عجیب سا محسوس ہوا۔ اس لیے فوراً ہی وضاحت دی۔

''ہفتہ بھر کے دو ہفتے ہوگئے ان کا پتا ہی نہیں ہے.....فون تو کروائن کو.....'' مہر آنٹی نے پورا حساب کتاب کر رکھا تھا۔

''وہ اپنا فون یہیں دراز میں بند کر کے چلی گئیں.....'' ایمل نے اطلاع دی۔

''اوہوں.....چچ، چچ.....کیسی غیر ذمے داری کی بات ہے، اب ان کے آسرے میں نہ رہو.....آنا ہوتا تو آجاتیں اب تک.....'' مہر آنٹی نے جھوٹی امید بھی توڑ دی۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ سچ تو یہ تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے دم سے بھی بہت ڈھارس ملی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ دونوں ہی صغریٰ بوا کو مس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

اس روز موسم قدرے ابر آلود تھا۔ فضا میں اڑتے پرندے کونوں کھدروں میں اور اپنے، اپنے گھونسلوں میں دُبک گئے تھے۔ گھر میں بھی گمبھیر سی خاموشی کا راج تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ ایمل کو کل سے بخار تھا سو وہ بستر کی ہو کر رہ گئی تھی اور پھوپی رقیہ جان سفر کی تھکاوٹ کا شکار ہو کر صاحبِ فراش تھیں۔ نئی جگہ پر اُن کو نیند نہیں آرہی تھی۔ سو آج پانچویں دن تھک ہار کر وہ نیند کی گولی لے کر لیٹی تھیں اور اب صبح کے گیارہ بجے تک محوِ خواب تھیں۔

سب طرف نامحسوس سی اداسی تھی جو بڑھتی خاموشی کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔ انمول کا دل تو ویسے بھی نازک سا تھا اور اپنی ماما کے پہاڑ سے غم کے بعد سے وہ آج تک پُرسکون نیند نہیں سو پائی تھی۔ وہ وہیں عشقِ پیچاں کی بیل تلے بیٹھ گئی اور فرش پر گرے ان ادھ کچلے اور چرمرائے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ جو شاخ سے بچھڑ کر اپنی تازگی و خوب صورتی سے محروم ہو چکے تھے۔

''یہ سب فنا اور بقا کا عمل ایک عظیم ہستی چلا رہی ہے.....'' وہ بے اختیار سوچنے لگی ''ایک ننھے بیج سے ایک تناور درخت بنتا ہے اور ان جڑوں سے کئی نئی جڑیں پھوٹتی ہیں جن پر سیکڑوں پھول کھلتے ہیں۔ کتنے ہی خس و خاشاک ہوگئے ہیں.....کتنے ہی خاک میں رُل کر مٹ جاتے ہیں اور کتنے ہواؤں میں بکھر کر گم ہو جاتے ہیں۔ اور کتنے پھول ایسے ہوں گے جو آرائش میں کام آتے ہوں گے۔ انسان کی زندگی بھی ان پھولوں کی طرح ہے.....کوئی پنپ جاتا ہے، کوئی مٹ جاتا ہے، کوئی بکھر جاتا ہے اور کوئی خوشیوں کی رتھ پر سوار سب کچھ اپنا حق سمجھ کر وصولتا رہتا ہے۔ اور خوشیاں بھی اتنی مختصر سی جیسے ہوا کے جھونکے کے سنگ چھوتے ہوئے گزر جائیں۔'' اس نے ہوا سے ہلتی عشقِ پیچاں کی نازک ڈالیوں کو ہلتے ہوئے دیکھ کر سوچا جبھی اسے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی دیکھا تو پھوپی رقیہ جان کے کمرے کا دروازہ کھل چکا تھا۔ اس نے کچن میں جا کر چولھے پر چائے کا پانی چڑھا دیا۔ پھر ایمل کے پاس جا کر اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر بخار محسوس کیا۔ اب وہ ٹھیک لگ رہی تھی۔ اس نے ایمل کو بھی جگا دیا۔

''اوہوں.....سونے دو ناں.....نیند آرہی ہے بہت۔'' وہ کسمسا کر کروٹ بدل گئی۔

''نیند کی بچی، بارہ بج رہے ہیں اٹھ جاؤ اب.....'' وہ چڑ کر بولی۔

باہر آئی تو پھوپی رقیہ جان کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

''ارے پانی نہیں آرہا.....موٹر کھولو.....'' وہ دروازہ بجا بجا کر دہائی دے رہی تھیں۔ انمول مسکراہٹ دبائی پانی کی مشین تک آئی مگر لینے کے دینے پڑ گئے۔ موٹر جل چکی تھی اور چلنے سے قاصر تھی۔

اس مشکل صورتِ حال میں اس نے فوری طور پر یوسف کو طلب کیا۔

''پلیز جلدی آجاؤ پھوپی باتھ روم میں ہیں اور

پانی نہیں آرہا.....'' اس نے تحکمانہ انداز میں درخواست کی۔

''وہ تم لوگوں کا خیال رکھنے آئی ہیں یا اپنا خیال رکھوانے.....؟'' یوسف نے آتے ہی فقرہ چست کیا۔

''افوہ.....شرم کرو، بڑی ہیں ہماری..... بیچاری صبح، صبح واش روم میں پھنس گئیں۔ تم موٹر دیکھو، میں انہیں پانی دے کر آتی ہوں.....'' وہ اسے کہتے ہوئے وہاں سے جانے لگی۔

''اور میری اجرت کیا ملے گی؟'' یوسف نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ انمول ایک لمحہ رکی اور پلٹ کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ایک کپ چائے.....'' اس نے احسان جتاتے ہوئے کہا۔

''اونہوں.....ایک کپ چائے کے ساتھ تمہاری کمپنی بھی ملنی چاہیے۔'' وہ ابھی تک پیچ، پانا ہاتھ میں پکڑے شرائط طے کر رہا تھا۔ ابھی ہر بات ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

وہ اس کو چڑاتی اور اقرار میں سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔ پچھلے صحن سے اضافی پانی کے کین سے پانی بھی یوسف کو ہی نکال کر دینا پڑا کیونکہ وہ بہت بھاری کین تھے جس سے.... دو تین دفعہ میں کر کے اس نے پھوپی کو پانی فراہم کیا۔ اس سارے عمل میں اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد پھوپی باہر آئیں تو ٹھٹک گئیں۔ انمول اور یوسف بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے اور یوسف کے سامنے چائے کی ٹرے مع لوازمات دھری تھی۔

''اوئی.....یہ کیا بیہودگی ہے؟'' وہ سوچنے لگیں۔ انہوں نے خاصی ناگواری سے تولتی ہوئی نظروں سے یوسف کو دیکھا۔ ''دونوں میں بڑی بے تکلفی لگ رہی ہے۔'' انہیں اندازہ ہوگیا۔

''دعائیں دیں پھوپو یوسف کو جو یہ عین وقت پر آگیا اور موٹر صحیح کر دی.....کین کا پانی بھی یوسف ہی نے نکال کر دیا۔ ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی آپ کو.....''

ان کے ناگوار انداز پر غور کیے بنا انمول انہیں سب کچھ بتاتی گئی۔

''معمولی سا فالٹ تھا شکر ہے مجھ سے خود ٹھیک ہوگیا ورنہ پھر پلمبر کو بلانا پڑتا.....'' یوسف نے بھی معلومات دیں۔

''ہم.....'' انہوں نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔

''بیٹا تم کام وام نہیں کرتے کوئی کیا، ہر وقت گھر میں رہتے ہو؟'' ان ساری باتوں کے جواب میں پھوپی نے عجیب سا سوال کیا۔

یوسف نے ٹھٹک کر پھوپی کو دیکھا اور پھر انمول کو.....پھوپی کے تیور وہ دونوں ہی پہچان گئے تھے۔

''وہ پرانے وقتوں کی ہیں یوسف.....فرسودہ خیالات ہیں ان کے۔'' انمول نے بعد میں یوسف کو میسج بھی کیا تھا۔

''پھوپی ٹھیک نہیں، پھوپی کو چلتا کرو.....'' اس نے ٹکا سا جواب بھیجا۔

''اُف.....کیا کروں یہ تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہیں.....'' وہ جھنجلا گئی۔

پھوپی کی آمد شروع میں تو بہت بھلی لگی تھی۔ مگر اب ان کی روک ٹوک کی وجہ سے وہ نظروں میں کھٹکنا شروع ہوگئی تھیں۔ اس سارا دن اس کا موڈ آف رہا۔

ایک روز جویریہ چلی آئی اس کے ساتھ وقاص بھی تھا۔ اتنے دنوں بعد جویریہ سے مل کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ماما کی وفات کے دنوں میں وفا کے بعد جویریہ نے ہی اسے سہارا دیا تھا۔

''وقاص جب تک ہم باتیں کر رہے ہیں، تم یوسف سے مل لو جا کر.....'' انمول نے اسے وہاں سے ہٹا دیا۔

اور اس کے جاتے ہی پھوپی کی باتیں بتانی شروع کیں۔

''اوہو.....یہ تو مان نہ مان میں تیرا مہمان بن گئیں.....فی الحال تم اور یوسف احتیاط کرو ورنہ ایسے لوگ رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ خواہ مخواہ بدنام ہو جاؤ گی تم۔'' جویریہ نے مشورہ دیا۔

''مگر یوسف کیا سوچے گا..... وہ ہمارے اتنے کام آتا ہے..... ہمارا ساتھ اتنا پرانا ہے اور پھر ہم تو روز کے ملنے والے ہیں، اب ان کی وجہ سے۔'' وہ حد درجہ جھنجلا رہی تھی۔

''کچھ دن برداشت کرلو ان کو ابھی تو یوسف سے ملنے کے لیے باہر راستہ ڈھونڈو..... اس کا گھر میں آنا ٹھیک نہیں.....'' جویریہ نے سمجھایا۔

کچھ ہی دیر میں وقاص، یوسف کے ہمراہ چلا آیا۔

''ہم دونوں وہاں اکیلے بور ہوتے سوچا تم لوگوں کی کمپنی انجوائے کرلیں۔'' وقاص اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''وقاص تم پورے پاگل ہو..... تمہیں یہاں سے بھیجنے کا مقصد کچھ اور تھا۔'' جویریہ نے اسے مختصراً صورتِ حال بتائی۔

''اوہو..... یعنی ظالم سماج..... اسٹوری نے بڑا اچھا ٹرن لیا ہے.....'' وقاص نے کھلا قہقہہ لگایا۔ اس کی بات پر سب ہی ہنس پڑے۔

''کون آیا ہوا ہے؟'' اسی وقت دروازے پر پھوپی نمودار ہوگئیں۔ ان سب کی ہنسی کو بریک لگ گئے مگر وہ اچھی طرح سے دیکھ چکی تھیں کہ وہ چاروں مخلوط محفل سجائے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

''پھوپی میری دوست جویریہ آئی ہے اپنے بھائی کے ساتھ۔'' انمول نے فوراً تعارف کروایا۔

''ہم.....'' انہوں نے طائرانہ سی شکی نظر ان سب پر ڈالی۔

''وقاص سے دوستی ہے یوسف کی تو اس لیے یوسف بھی آگیا۔'' اس نے بلاوجہ ہی وضاحت دی۔

''آئیں پھوپی بیٹھیے.....'' جویریہ نے اخلاقاً پیشکش کی۔

''جیتی رہو بچی..... میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ تم لوگ بیٹھو باتیں کرو.....'' پھوپی نے شیریں لہجے میں معذرت کی۔

''انمول بیٹا کھلاؤ پلاؤ ان سب کو..... مہمان آئے ہیں تمہارے..... کچھ منگوانا ہے تو منگوالو بازار سے۔'' ان کا خشونت بھرا انداز بالکل بدل گیا تھا۔

جویریہ نے سوالیہ نظروں سے انمول کو دیکھا جیسے وہ یہ انداز سمجھ نہ پائی ہو۔

''مجھے تو سائیکو لگ رہی ہیں۔'' وقاص کی آواز قدرے بلند تھی۔

''شش..... سن لیں گی وہ.....'' انمول ان سب کو چپ کرانے میں لگی رہی اور وہ سب گھٹی، گھٹی ہنسی ہنستے رہے۔

☆☆☆

زندگی اتنی پیچیدہ پہلے تو کبھی نہیں تھی جتنی اب ہوتی جا رہی تھی۔ الجھنیں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ پھوپی کا ہوّا دم گھوٹ رہا تھا۔

پہلے کیا کم پریشانیاں تھیں جو مزید ان کی آمد سے بڑھتی نظر آرہی تھیں۔

''پھوپی آخر کب گھر جائیں گی اپنے؟'' ایک روز تو ایمل نے بھی چڑ کر کہہ دیا۔

دراصل ان کا اپنا الگ مزاج اور عادتیں تھیں جو انمول اور ایمل دونوں ہی کو بری لگ رہی تھیں مگر بزرگ تھیں کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں اور پھر وقار آفندی تو جان چھڑکتے تھے ان پر..... ان کے خلاف بولنا بھی ایک مشکل امر تھا۔

''میرا تو دل گھبرانے لگا ہے ان کی پابندیوں اور نصیحتوں سے..... اِدھر بیٹھو، اُدھر نہ بیٹھو، یہ کرو، وہ نہ کرو..... عجیب مشکل ہے۔'' ایمل بھری بیٹھی تھی۔

''مجھے تو ان کی نظروں سے خوف آتا ہے، ایسی جاسوسی نظروں سے دیکھتی ہیں کہ بندہ چور نہ ہوتے ہوئے بھی چور بن جائے۔ مشکل کر دیا ہمارے ہی گھر میں رہنا۔'' انمول تو خود بیزار تھی ویسے بھی کل یوسف گاؤں چلا گیا تھا اس وجہ سے بھی وہ اداس اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ دل پر عجیب سی گھبراہٹ تھی حالانکہ اس بار وہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ ماں کو راضی کر کے ساتھ لے کر ہی آئے گا۔

مگر ابھی مشکلیں مزید باقی تھیں یہ بات وہ دونوں ہی نہیں جانتی تھیں۔

☆☆☆

سرِ شام ہی وفا کی اچانک آمد خوش کُن کے ساتھ حیران کُن بھی تھی کیونکہ اس کے ساتھ دو خواتین بھی تھیں جنہیں انمول اور ایمل بالکل نہیں جانتی تھیں۔

''ارے..... اچانک ایسے..... سرپرائز.....'' انمول ہنس کر بولی۔

''اچانک کہاں، صبح فون کر کے بتایا تو تھا میں نے آنٹی کو.....'' وفا کو حیرت ہوئی۔

''کیا بتایا تھا؟ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔'' دونوں حیران کم پریشان زیادہ تھیں۔ دونوں خواتین کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد اب وہ وفا کو... پکڑے بیٹھی تھیں۔

''میری سسرالی رشتے دار ہیں، رشتے کے لیے آئی ہیں تمہارے.....'' وفا نے انکشاف کیا۔

''کیا.....؟'' وہ ہلکی لے میں چیخی۔

''وفا تم مجھ سے تو پوچھ لیتیں..... ابھی ماما کا صدمہ ایک رتی بھی کم نہیں ہوا اور یہاں شادیانے بجائے جا رہے ہیں۔'' وہ شدید غصے سے بولی۔

''مجھے تو یہ پھوپی کا چلایا ہوا چکر لگ رہا ہے۔ دو چار دن پہلے وہ بابا کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کر رہی تھیں۔'' ایمل نے اندازہ لگایا۔

''ہاں ٹھیک سمجھیں..... امی کا اس دن فون آیا تھا ناں تم لوگوں کے پاس تو وہ امی سے کہہ رہی تھیں کہ بچیوں کی شادی کا سوچو..... امی نے مجھے فون کیا تو مجھے ان کا خیال آ گیا..... ہوں ٹھیک کہہ رہی ہو انہوں نے ہی سمجھایا ہوگا خالو کو۔'' وفا کڑی سے کڑی جوڑتی سب سمجھتی اور بتاتی چلی گئی۔

''اُف.....'' غم و غصے سے انمول کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ان خواتین کے سامنے بھی وہ اتنے خراب حلیے اور موڈ میں گئی کہ بعد میں پھوپی کی نصیحتیں سننی پڑیں۔

''بیٹا یہ کیا طریقہ تھا؟ وفا تم نے اسے بتایا نہیں کہ مہمان کے سامنے کیسے جانا ہے؟''

اس عجیب حرکت پر وقار آفندی کی براہ راست باز پرس نے اس کا مجروح دل کچھ اور گداز کر دیا اور وہ رو پڑی۔

''بابا..... میں ماما کے غم کو اب تک سمیٹ نہیں پائی اور یہ..... پھوپی..... بھی عجیب ہیں..... میں ابھی سوچ بھی نہیں سکتی شادی کے بارے میں۔'' اس نے بلک، بلک کر دل کی بھڑاس کچھ اس طرح نکالی کہ وقار آفندی بھی آبدیدہ ہو گئے۔

کسی کو سمجھنا یا سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے، انسان ترقی کے دعوے کرتا ہے اس کی سوچ کا سفر خلاؤں تک اور زمین کی گہرائیوں تک پہنچ گیا مگر افسوس کہ وہ اپنے سامنے بیٹھے یا اپنے ساتھ رہتے انسان کو سمجھ نہیں پاتا۔ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موڑ پر وہ اپنے پیارے کے ہاتھوں دھوکا کھاتا ہے یا دکھ اٹھاتا ہے۔ اور پھر برسوں یہ سوچ کر پچھتاتا ہے کہ میں اس کو سمجھ کیوں نہیں پایا؟ میری عقل کو کیا ہوا تھا آخر.....؟

پھوپی کو سمجھنا ناممکن تھا اور نہ ہی ان کو سمجھنے کی کسی کی خواہش تھی لیکن ان کو سمجھانا بھی آسان نہیں تھا۔ وہ دونوں جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ بابا سے بات چیت کے بعد مسئلہ حل ہو گیا وہ ان کی ناسمجھی، ناتجربے کاری اور غلط فہمی تھی۔

اس بار یوسف اس کو بتا کر گاؤں گیا تھا مگر اس کا دل ڈوبے جا رہا تھا۔ دراصل جانے کے بعد سے اس سے ایک بار بھی رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔

''نان سینس..... ایک تو وہاں سگنلز نہیں آتے..... بیل ہی نہیں جا رہی اب تو.....'' کوئی پانچویں چھٹی بار کوشش میں ناکامی کے بعد انمول نے موبائل تکیے پر ڈال دیا۔ صبح سے کوشش کر رہی تھی اور اب رفتہ، رفتہ رات گہری ہونے کے ساتھ، ساتھ اس کی آزردگی اور ڈپریشن بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ یوسف جس نے بہت سے اداس، غمزدہ حالات میں اس کا ساتھ دیا تھا، اسے رونے کے لیے اپنا کندھا دیا تھا آج اس سے دور تھا۔ اسے اس کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی۔ ایمل کو بھی اس نے زیادہ لفٹ نہ کرائی تو وہ بھی اپنے چھوٹے کاموں سے فراغت کے

بعداب بستر پر لیٹ کر سونے کی تیاری کر رہی تھی۔
''لائٹ آف کر دو انمول...... اور خود بھی سو جاؤ......''
اس نے چادر منہ تک اوڑھ لی۔
وہ کچھ بددل سی وہاں سے اٹھ گئی۔ فضا حبس آلود تھی۔ برسات کا موسم تھا، دو دن سے وقتاً فوقتاً ہلکی بارش ہو رہی تھی... کبھی ہوا بند ہو جاتی تو سانس گھٹنے لگتا۔ اسے تو ویسے بھی نیند نہیں آ رہی تھی وہ اداس لمحات بادام کے درخت تلے گزارنا چاہتی تھی مگر اندھیرے کے باعث لاؤنج کی طرف آ گئی مگر پھر ٹھٹک گئی۔ لاؤنج میں روشنی تھی اور پھوپی اس کے بابا سے سر جوڑے راز و نیاز میں مصروف تھیں۔
''یہ کون سی پٹیاں پڑھا رہی ہیں؟'' اس کی چھٹی حس نے مختلف قسم کے اشارے دینے شروع کر دیے۔ وہ دبے قدموں کھڑکی کے بیرونی حصے کے پاس آ کھڑی جہاں آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔
''بچیاں بڑی ہو گئی ہیں...... بالغ ہیں ان کے فرض سے جلد سبکدوش ہو جاؤ تو اچھا ہے۔'' ان کا مشورہ اس کو سلگا گیا۔
''جی آپا...... کوئی اچھا رشتہ آیا تو سوچوں گا...... ویسے بھی ابھی پڑھ رہی ہیں۔'' وقار آفندی کے جواب سے ایک اطمینان سا اس کے اندر اتر آیا۔
''اونہوں...... سوچنے کا وقت نہیں اور سوچنا کیا...... اچھے بھلے لوگ تھے وہ غور کر لو اس پر...... بیٹی کے بیاہ اور مُردے کے دفنانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور پھر اگر میری بات سمجھو تو......'' اس سے آگے ان کی سرگوشی اتنی مدھم اور غیر واضح ہو گئی کہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔
''اُف...... کتنی خطرناک ہیں...... یہ تو بابا کے کان بھر دیں گی۔'' کھڑے، کھڑے اس کی ہمت جواب دے گئی۔
نہ جانے وہ کس طرح پلٹ کر کمرے میں گئی۔ سوتی جاگتی ایمل کے منہ سے چادر کھینچ ڈالی۔
''کیا بدتمیزی ہے...... یہ کیا حرکت ہے؟'' کچی نیند کے خمار میں ڈوبی ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ایمل نے ناراضی سے کہا۔
''تم سوتی رہو اور یہاں سب الٹا ہو جائے گا...... وہاں پھوپی صاحبہ...... بابا کو الٹے سیدھے مشورے دیے جا رہی ہیں، یوسف کا بھی کچھ نہیں پتا آج ایک ہفتہ ہونے کو آ رہا ہے۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ دو چار دن میں آ جائے گا۔'' وہ رونے والی آواز میں بولتی چلی گئی۔
''ہوا کیا ہے آخر......؟'' آنے والی قیامت سے بے خبر ایمل نے جھلا کر پوچھا۔ اور انمول کی زبانی ساری بات سن کر حقیقت میں اس کی اپنی نیند ہی اُڑ گئی۔
''بابا بہت مانتے ہیں پھوپی کی...... ان کو روکو ایمل ورنہ کچھ غلط ہو جائے گا۔'' وہ سسکنے لگی۔ ''مجھے نہیں کرنی شادی وادی...... پلیز بابا کو منع کر دو......'' وہ باقاعدہ رونے لگی۔
''اچھا، اچھا...... میں کچھ کرتی ہوں کل بابا سے بات......'' اس نے انمول کو تسلی دی۔
''یوسف کو لے کر آؤ کہیں سے بھی...... اس سے رابطہ کرو فوراً میرا دل ڈوبا جا رہا ہے......'' وہ سچ میں بالکل ریت کے ڈھیر کی طرح ہو رہی تھی۔
''اچھا چپ تو کرو...... میں ایسا کرتی ہوں کہ کل سب سے پہلے مہر آنٹی سے جا کر یوسف کے گاؤں والے گھر کا نمبر لے لیتی ہوں کوئی بھی بہانہ بنا کر......'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔
''ہاں ایمل، پلیز کچھ کرو......'' وہ گڑبڑائی۔
''ارے بابا ایسے تھوڑی ہتھیلی پر سرسوں جما لیں گی وہ...... کل جویریہ کو بھی فون کرو شاید وہ کوئی آئیڈیا دے اس مشکل سے نکلنے کا...... ورنہ پھر وقاص بھی تو ہے، وہ ان کاموں میں بہت ماہر ہے۔ وہ ضرور کوئی راستہ نکالے گا...... تم سو جاؤ اب...... چلو جلدی سے آنکھیں بند کرو......'' ایمل نے اسے زبردستی لٹا دیا اور چادر اوڑھا دی۔ وہ لیٹ تو گئی مگر اسے نیند نہیں آئی۔ اسے بہت شدت سے ماما کی یاد آئی اور وہ روتی چلی گئی۔

اگلی صبح بہت اداس اور بوجھل سی تھی۔رات بھر جاگنے سے انمول کا سر بھاری ہورہا تھا اور پپوٹوں پر... بھربھراہٹ تھی۔

''آج تو میں دیکھنا اپنی بچیوں کو کیسی مزے دار کڑھی پکا کر کھلاؤں گی۔مگر تم لوگ اتنی پوستی ہو اتنی دیر سے اٹھتی ہو......دیر سے ناشتا کرتی ہو تو پھر کھانا کب کھاؤ گی آخر......'' ان دونوں کی آہٹ محسوس کر کے پھوپی نے وہی بلوتے ہوئے مگن سے انداز میں کہا۔مگر دوسری جانب چھائی سرد مہری، خاموشی کو محسوس کر کے خاص طور پر دونوں کو دیکھا تو انمول کی شکل دیکھ کر چونک گئیں۔

''خدا خیر......کیا ہوگیا بچی کو کیا بخار ہوگیا......؟''

وہ سب کام چھوڑ کر اس کے قریب آگئیں اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار محسوس کرنا چاہا۔انمول نے بیزاری سے سر جھٹکا۔اسے اس وقت ان کا بولنا بہت برا لگ رہا تھا۔اس ساری حالت کی ذمے دار وہی تو تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے......'' اس نے بیزاری چھپائے بغیر ترشی سے کہا۔

''اے کیوں کچھ نہیں ہوا......؟ رات بھر میں شکل اتر گئی......ضرور نظر لگ گئی بچی کو......چچ، چچ ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے میری بچی اور آنے والے آکر نظر لگا جاتے ہیں۔'' اس کی بیزاری کو خاطر میں لائے بغیر انہوں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر پیار سے کہا۔

''لاؤ بھئی کالا دانہ لا کر دو میں نظر اتار دوں انمول کی اور اگر کالا دانا نہیں ہے تو سفید کپڑا لا دو، اس سے بھی اتر جاتی ہے نظر۔'' انہوں نے ایمل کو ہدایت دی۔

''اُفوہ......پھوپی اسے کچھ نہیں ہوا......رات کو ماما یاد آرہی تھیں بس اسی وجہ سے ایسی ہورہی ہے۔فی الحال تو بھوک سے برا حال ہورہا ہے ہمارا۔'' ایمل نے چڑے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''اے ہے......ڈر لگ گیا تھا کیا......میرے پاس آجاتیں تم۔'' وہ اسی والہانہ پن سے بولیں۔

''انمول کیا لوگی ناشتے میں فرائی انڈا یا بوائل انڈا......'' ایمل نے فرائی پان چولھے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے وہ پراٹھوں کا آٹا گوندھا تھا میں نے......'' انہوں نے مداخلت کی۔

''نہیں، نہیں وہ تو بہت ہیوی ہوجاتے ہیں......انمول ذرا کیبنٹ سے پتی نکال کر ڈال دو......'' ایمل نے سرسری سا جواب دیتے ہوئے پھر انمول کو مخاطب کرلیا۔

''خدا معلوم کیا ہوا......دونوں ہی ایسی ہورہی ہیں......آہ......ہا......ماں کا غم اتنی جلدی تھوڑی جاتا ہے......یقیناً رات کو ماں کی یاد میں آنسو بہائے ہیں دونوں نے......'' وہ وہیں ایک طرف کرسی پر بیٹھ کر پیاز کے چھلکے اتارتے ہوئے سوچتی چلی گئیں۔

''اب آج سے روز رات کو دونوں کے پاس جا کر بیٹھا کروں گی۔'' انہوں نے اسی وقت تہیہ کرلیا۔

اور ادھر ایمل اور انمول اس انتظار میں تھیں کہ کسی طرح بابا سے اکیلے میں ملاقات ہوجائے......آج چھٹی کا دن تھا اسے معلوم تھا کہ بابا اس وقت اخبار پڑھتے ہیں سو وہ بے دھڑک اُن کے کمرے میں چلی گئی مگر اس وقت وہ واش روم میں تھے۔وہ ناکام واپس آئی۔انمول کو اشارے سے بتادیا کہ بابا سے مل نہیں سکی۔ناشتے کے بعد موقع دیکھ کر بات کرنے گئی تو جانے وہ کس کام سے کہیں چلے گئے تھے۔

''اُف......بابا سے ملاقات بھی چوری چھپے کرنی پڑرہی ہے......اور وہ مل بھی نہیں رہے۔'' ایمل نے کوفت سے کہا۔

''ایمل مجھے ڈر لگ رہا ہے......مجھے لگ رہا ہے بابا کھوگئے......ماما بھی نہیں ہیں اور بابا بھی ہم سے دور ہو گئے۔'' انمول کے احساسات بے حد نازک ہورہے تھے۔

''فضول باتیں نہ کرو......بابا کہیں نہیں جارہے، کام سے گئے ہیں آجائیں گے ابھی......'' اس کی نازک مزاجی پر ایمل کو غصہ آگیا۔

''میں ایسا کرتی ہوں ابھی مہر آنٹی کی طرف ہو آتی ہوں......'' اس نے فوری طور پر دوسرے معاملے

پر کام کرنے کا ارادہ کیا۔

اس کی واپسی فوراً ہی ہوگئی۔ وہ منہ لٹکا کر واپس آئی۔

''وہاں تو تالا لگا ہے..... ان کا چوکیدار کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ کراچی سے باہر گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

''اوہ نو..... مہر آنٹی ملے بغیر ہی چلی گئیں.....'' انمول کو دکھ سا ہوا۔

''کیا پتا..... کدھر ہیں لیکن اب ہم مہر آنٹی کو فون کر کے کسی بہانے سے یوسف کے گاؤں کا نمبر لے سکتے ہیں۔'' ایمل نے اگلی تجویز بتائی۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے اور میں بھی اب جویریہ کو فون کر لیتی ہوں۔'' انمول کو رات والی بات ایک دم یاد آئی۔ جویریہ سے بات چیت کے بعد اسے کچھ تسلی تو ہوئی مگر وہ سارا دن عجیب سی افراتفری میں ناکام و مایوس سا گزرا۔

مہر آنٹی کا نمبر کئی بار ملانے کے بعد بھی نہ ملا..... شاید انہوں نے سم تبدیل کر لی تھی اور شمع سے بات کرنا فضول تھا۔

دوپہر میں بابا سے ملاقات ہوئی تو وہ ٹھٹک گئی۔ اسے وہ بہت بدلے، بدلے اور کچھ بہتر لگے۔ ان کے چہرے کی پژمردگی بھی یکسر غائب تھی۔ وہ کافی دنوں بعد حجام کی دکان سے ہو کر آئے تھے اسے بابا پہلے جیسے لگنے لگے۔ خوش اور مطمئن سے..... اپنے بابا۔ لیکن ان سے بات نہ ہو پائی کیونکہ اس وقت پھوپی وہاں بیٹھی تھیں۔ رات گئے کہیں جا کر اس نے ان کے کمرے میں جھانکا تو وہ سونے کی تیاری میں مصروف تھے۔

''خیریت بیٹا..... کوئی پریشانی ہے.....؟'' وہ چونک سے گئے۔

''بابا..... انمول ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی..... پلیز بابا ابھی آپ اس بارے میں کچھ مت سوچیں..... ہم آپ کو اکیلے نہیں چھوڑیں گے۔ اس گھر سے ماما کی یادیں جڑی ہیں، یہاں کی دیواروں سے لپٹی سبز بیلوں میں ماما کی خوشبو ہے..... ابھی فی الحال پلیز..... ایسا کچھ مت سوچیں.....'' نہ جانے اس میں اتنی ہمت کیسے آ گئی اور کیسے اس نے اپنے جذبات و احساسات کو الفاظ کا سہرا پہنایا کہ وقار آفندی بھی ششدر رہ گئے۔

''آپا ٹھیک کہتی ہیں میری بیٹیاں تو بڑی ہوگئی ہیں۔'' ان کے کمنٹس سن کر ایمل کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

انہوں نے کچھ فاصلے پر کھڑی ایمل کو فرطِ محبت سے ساتھ لگا لیا۔

''فکر نہ کرو..... کچھ غلط نہیں ہوگا..... تمہارے بابا جو بھی فیصلہ کریں گے تمہاری بھلائی کے لیے کریں گے اور ابھی ایسا کچھ تم دونوں کی شادی وادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔ بہت ہوا تو شاید منگنی ہو جائے مگر اس کا بھی ابھی حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔ انمول کے پاس یہاں رہنے کے لیے بہت ٹائم ہے۔'' انہوں نے نرمی اور پیار سے اسے سمجھایا۔ ایمل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ کچھ خوشی کا احساس لیے کمرے میں آئی تو پھوپی انمول کے بیڈ پر بیٹھی اسے کوئی پرانا قصہ سنا رہی تھیں اور انمول کی شکل دیکھنے والی ہو رہی تھی۔ اس نے V کا اشارہ انمول کو دیا۔

''سمجھا دوں گی انمول کو..... منگنی کا کیا ہے ٹوٹ بھی سکتی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ منگنی ہو ہی نہیں۔'' اس نے دل میں طے کر لیا اور مطمئن ہوگئی مگر انمول مطمئن نہ ہوئی۔ صبح اس سے تفصیلی بات سن کر وہ بھڑک گئی۔

''واہ..... منگنی بھی کیوں ہو فضول میں..... اور اس وفا کی تو میں خبر لیتی ہوں..... اس سے کہوں گی سدھارو اپنے میاں کے پاس اور میری فکر چھوڑ دو..... منع کیا تھا کہ ان خواتین کو ٹال دینا۔'' وہ ایک عزم اور ارادے سے وفا کو فون ملانے لگی۔

''بھئی میں نے تو منع کر دیا تھا اُن کو مگر ان کو تم بہت پسند آ گئی تھیں۔ کیا پتا وہی ہوں اور میرے منع کرنے کو کوئی اہمیت نہ دی ہو۔'' وفا کے جواب سے اس کی کوئی تسلی نہ ہو سکی اور نہ ہی کوئی حل نکال پا رہی تھی۔

''بہت برا ہوگا..... بہت برا..... پھوپی اچھا نہیں کر رہی ہیں میرے ساتھ۔'' وہ غصے میں اِدھر سے

اُدھر ٹہلتی جارہی تھی اور ساتھ ہی بڑبڑاتی جارہی تھی۔

''بیکار بات کی تم نے بابا سے..... بلکہ تم کو بات کرنی آتی ہی نہیں.....'' وہ اپنا غصہ ایمل پر اُلٹنے لگی۔

ایمل کان دبائے سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی۔ اپنے تئیں تو وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ بابا سے بات کرنے کے بعد کوئی نتیجہ نکل آئے گا۔ مگر وہ اس معاملے میں خود کو بے بس محسوس کررہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرپارہی تھی۔

پھوپی کے سامنے وہ ناتجربہ کار اور کم عمر تھی۔ یوسف کا ہنوز پتا نہ تھا اور یہاں معاملات اُلجھتے جارہے تھے۔

''یوسف بھی پتا نہیں کہاں جا کر بیٹھ گیا..... خدایا میں کیا کروں.....'' وہ ہتھیلی پر مکا مار کر جلے پیر کی بلی کی طرح اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ گھر میں ایک نامحسوس سا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آج دوپہر... کو پھوپی رقیہ جان، وقار آفندی کے ساتھ کہیں چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد دونوں نے سکون کی گہری سانس بھری۔ کافی دن بعد اپنے ہی گھر میں کھل کر سانس لینے کا موقع ملا تھا مگر پھر اندر کی بے چینی عود کر آئی۔ پھوپی کو گئے کافی وقت ہوگیا تھا اور ہر لمحہ، ہر پل بکھرا، بکھرا سا گزر رہا تھا۔

اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ انمول نے پھوپی کی جھلک دیکھی تو تقلستی ہوئی اندر آگئی۔

''آگئیں وہ..... اتنی جلدی آگئیں۔ میں سمجھی کہ رات کو آئیں گی۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''بری بات ہے انمول..... اتنی بدظن نہ ہو..... وہ ہماری دشمن نہیں ہیں، وہ ہمارا بھلا چاہتی ہیں۔'' ایمل کے اندر چھپی اچھی لڑکی نے اسے سرزنش کی۔

''ہونہہ..... سب سے غلط بات دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ہے۔'' انمول کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔

''تم جا کر چائے پانی پوچھو ورنہ وہ یہیں پر آکر براجمان ہوجائیں گی۔'' انمول نے بیزاری سے ایمل کو ہدایت دی۔

وہ خاموشی سے باہر کی طرف چل دی۔ پچھلے دو گھنٹے سے انمول کی باتیں سن کر اس کے کان پک گئے تھے۔

''میرا پوچھیں تو کہہ دینا کہ ٹیبلیٹ لے کر لیٹی ہوئی ہوں..... سر میں درد ہے۔'' ایمل کو اپنی پشت پر انمول کی آواز سنائی دی۔

ایمل کے جانے کے بعد وہ بیڈ کے سرہانے پر سر ٹکا کر ڈھے سی گئی۔ اس نے آنکھیں موندلیں اور تپتی آنکھوں سے دو موتی لڑھک کر اس کی بند آنکھوں کے کناروں پر ٹک گئے۔

اسی پل ایمل تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کا چہرہ بے حد جوش سے تمتما رہا تھا۔

''انمول..... میں تو سمجھ رہی تھی وہ کراچی میں اپنے رشتے داروں کے ہاں گئی ہوں گی مگر وہ تو شاپنگ کر کے آئی ہیں، بابا بھی ان کے ساتھ ہیں اور نہ جانے دونوں کیا باتیں کررہے ہیں۔'' اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی۔

''کیا.....؟'' انمول نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''لگتا ہے کہ منگنی کا فیصلہ ڈن ہوگیا ہے۔'' ایمل نے اندازہ ظاہر کیا۔

''نہیں..... ہائے..... اف..... یا اللہ... میں کیا کروں.....؟ یہ سب کیا ہورہا ہے؟ ایمل تم سمجھاؤ ناں بابا کو.....'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''تم..... تم ایسا کرو مہر آنٹی کا فون ٹرائی کرو اور یوسف کا گاؤں کا نمبر لے لو ان سے۔ میں چائے کا پانی رکھ کر آتی ہوں.....'' فوری طور پر ایمل کی سمجھ میں یہی آیا۔

انمول نے بھی بلا چون وچرا اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ پہلے اس نے یوسف کا نمبر ملایا جو حسب معمول ناٹ ریسپانڈنگ آیا پھر مہر آنٹی کا نمبر ملایا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس بار دوسری ہی بیل پر انہوں نے کال ریسیو کرلی۔

''ارے انمول خیریت ہے؟ کیسی ہو بیٹا اور آپا کیسی ہیں..... تمہاری پھوپی۔'' مہر آنٹی نے چہک کر پوچھا۔

وہ ان سے کھل کر بات نہ کرسکی اور ان سے بات کرنا بھی بیکار لگ رہا تھا۔ ان کے پاس یوسف کا کوئی

دوسرا نمبر نہیں تھا۔

''سوری بیٹا فی الحال تو میرے پاس کوئی دوسرا نمبر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے تمہارے انکل کے پاس ہو مگر اس وقت وہ یہاں نہیں ہیں..... خیریت تو ہے ناں۔'' وہ کچھ متفکر سی ہوگئیں۔

''ارے نہیں آنٹی کوئی فکر کی بات نہیں بس وہ یوسف تو کہہ رہا تھا کہ جلد لوٹ آئے گا مگر اب تک نہیں آیا۔ بابا بھی پوچھ رہے تھے۔'' اس نے بات بنائی۔

''ہاں مجھے خود حیرت ہے کہ وہ اب تک کیوں نہیں آیا..... خیر تمہارے انکل آتے ہیں تو میں دوسرا نمبر معلوم کر کے تم کو بتاتی ہوں..... بلکہ اُن سے کہوں گی کہ وہ خود یوسف سے کانٹیکٹ کریں.....'' انہوں نے تسلی دی۔

مہر آنٹی کی طرف سے کوئی مثبت جوابات نہ ملے وہ مایوس ہو کر بند ہوئے موبائل کو دیکھنے لگی۔

''انمول..... انمول..... اِدھر آؤ جلدی.....'' باہر سے ایمل نے ہلکی آواز میں پکارا۔ وہ نم آنکھیں پونچھتی ہوئی اس کے پاس چلی گئی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایمل لاؤنج کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔ اندر پھوپی اپنے مخصوص انداز میں وقار آفندی کے سر سے سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''دیکھو بھئی بروقت فیصلے ہی پائدار ثابت ہوتے ہیں، یہ کیا کہ جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو پھر کچھ سوچا جائے۔'' ان کی بات دونوں کے سر سے گزر گئی۔

''آپا..... یہ کچھ جلدی نہیں ہے..... دراصل ابھی تو زیب کو گئے..... زیادہ عرصہ نہیں گزرا.....'' وہ بس کچھ متامل سے بولے۔

''ائے میاں..... اتنی سوچ بچار میں پڑ گئے تو کرلیا تم نے بہت کچھ..... بچیوں کا سوچو..... یہ اکیلا پن درست نہیں ان کے لیے..... میں بھی کب تک یہاں پڑی رہوں گی..... میں تو تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں جو بھی کہہ رہی ہوں۔'' ان کا لہجہ شفقت آمیز اور نرم تھا تو پھر کیسے اثر انداز نہ ہوتا۔

ویسے بھی میٹھی زبان، نرم دلی اور ٹھنڈا دماغ ایسی خوبیاں ہیں جو سامنے والے کو شکست دے دیتی ہیں۔

''ایمل بیٹا باہر کیوں کھڑی ہو اندر آجاؤ.....'' شاید ان کی نظر دونوں کی پرچھائیں پر پڑ گئی تھی اس لیے پکار لیا۔

یوں پکڑے جانے پر دونوں شرمسار سی ہوگئیں مگر ایمل کو بولنے کا موقع بھی مل گیا۔ جانے کیسے اس میں ہمت آگئی کہ وہ اندر جاتے ہی بغیر فل اسٹاپ اور کومے کے بولنا شروع ہوگئی۔

''جی پھوپی ہم اندر ہی آرہے تھے بس یہ انمول کچھ ہچکچا رہی تھی اور پریشان بھی ہے ناں اس لیے اندر نہیں آرہی تھی دراصل پھوپی..... انمول ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی..... ابھی ماما کی وجہ سے وہ اپ سیٹ ہے تو اس کا دل بہت اداس ہے۔'' وہ بولتی چلی گئی۔

''ائے ..... کیوں پریشان ہو؟ ارے میری بچی، یہاں آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر انمول کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''ناحق پریشان ہو رہی ہو..... کوئی شادی وادی نہیں ہو رہی ابھی..... ابھی تو صرف منگنی ہوگی شادی ہوتی رہے گی بعد میں..... دیکھو تم تو ناسمجھ، کمسن ہو ابھی تم کیا جانو وقت کی چال کو..... ماں کے بغیر تم دونوں کا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ جلد سے جلد اپنے گھر بار کی ہو تاکہ باپ کے کندھے مزید نہ جھکیں.....'' انہوں نے لاڈ سے اس کے بال سنوار کر تسلی دی۔

''یہ دیکھو..... کتنے اچھے کپڑے ہیں..... میں خود لے کر آئی ہوں تمہارے لیے چلو اب یہ اداس شکل ٹھیک کرو اور ملنے والی خوشی کا شکر ادا کرو..... والدین کے لیے یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے کہ صحیح عمر میں بیٹیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں۔'' انہوں نے انمول کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر نصیحت کی۔

ایمل، انمول کی حالت دیکھ، دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔ ان چند دنوں میں وہ کمھلا سی گئی تھی۔ اسے معلوم

تھا کہ یوسف اس کی پہلی خوشی ہے اور یہ منگنی اسے قبول نہیں مگر وہ روک نہیں پا رہی تھی۔ مہر آنٹی ہوتیں تو شاید ان کے ذریعے وہ منگنی رکوا سکتی تھی مگر وہ بھی گئی ہوئی تھیں۔ انمول کی حالت کا سوچ، سوچ کر اس کے ذہن میں کھچڑی سی پک رہی تھی۔

''تو منگنی کی کیا ضرورت ہے، جب شادی ہوگی تو ہو جائے گی شادی..... منگنی تو ویسے بھی فضول سی رسم ہے..... اور منگنی ٹوٹ بھی تو جاتی ہے۔'' نہ جانے کیسی محبت تھی، بہن کے لیے دل میں انسیت تھی کہ اس کے دکھ کی آنچ اسے اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی اور اسی جذبے میں وہ بول پڑی۔

''اے خدا نہ کرے..... کیسی بدفال نکال رہی ہو منہ سے..... منگنی کیوں ٹوٹے گی بھلا..... اور منگنی پر تو سب لڑکیاں زیادہ خوش ہوتی ہیں، تم کہہ رہی ہو فضول رسم ہے..... عجیب لڑکی ہو تم۔'' پھوپی نے ڈپٹ دیا۔

ایمل منہ بسور کر رہ گئی اور انمول کو لگا کہ دل ٹکڑے، ٹکڑے ہو رہا ہے، وہ ختم ہو رہی ہے..... سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔

''اے وقار سن رہے ہو اس لڑکی کی باتیں..... اب بھی نہ سمجھو تو خود ہی بھگتنا بھئی..... ارے نادان ہیں یہ کچھ نہیں جانتیں نہ سمجھتی ہیں..... یہ فیصلہ آج کی اہم ضرورت ہے۔'' انہوں نے جوڑا ڈبے میں رکھتے ہوئے چند لفظوں میں بہت گہری باتیں ان کے ذہن میں بٹھا دیں۔

انمول اور ایمل زچ ہو کر وہاں سے چلی گئیں۔ ان کی ہر بات کا الٹا مطلب نکال رہی تھیں وہ۔

''اگر مہر آنٹی یہاں ہوتیں تو روک لیتیں پھوپی کو.....'' انمول کو وہی آخری امید نظر آ رہی تھیں۔

''مگر اس وقت وہ گھومنے پھرنے گئی ہوئی ہیں اچھا نہیں لگے گا کہ ہم ان کو پریشان کریں.....'' کچھ ہی دنوں میں ایمل کی سوچ میں پختگی آ گئی تھی۔

پھوپی کی شاپنگ اور مصروفیات بڑھتی جا رہی تھیں اور دونوں چپ سادھے ان کی ساری کارروائیاں دیکھ رہی تھیں۔ وہ اکثر ہی انہیں اپنے کمرے میں جھلملاتے کپڑے لپیٹتے یا پھیلا کر دیکھتے ہوئے نظر آتیں۔

ایک روز کی روشن صبح وہ ضرورت سے زیادہ پُرجوش اور توانا نظر آئیں اس دن انہوں نے گھر کی غیر معمولی صفائی کرائی۔

''کون آ رہا ہے پھوپی.....؟'' ایمل پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''ارے بیٹی ایک سگھڑ خاتون خانہ کا اصل کام ہی یہ ہوتا ہے کہ گھر کو صاف ستھرا رکھے..... اب زیب تو رہی نہیں، خدا اسے جنت نصیب کرے۔ گھر کا حال دیکھو ذرا..... کبھی بھی کوئی آ جائے تو کیا سوچے گا۔'' ان کا جواب مبہم سا تھا۔

ایمل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور ان کے متوقع لیکچر سے بچنے کے لیے وہ فوراً وہاں سے چلی آئی۔

''پتا نہیں بھئی وہ تو ہر بات میں اپنی مرضی کر رہی ہیں، بتا بھی نہیں رہیں کہ کون آ رہا ہے آخر.....'' اس نے انمول سے شکایت کی۔

''آ رہے ہوں گے ان کے رشتے دار ابھی کل ہی تو وہ بابا سے کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے گھر فون کر دیا اور ان کے بچے آئیں گے یہاں۔'' انمول نے خیال ظاہر کیا۔ اسی شام وہ خود بھی تیار ہو کر کہیں چلی گئیں۔ دونوں کو کچھ وقت سکھ کی سانس لینے کے لیے مل گیا۔ پیارا گھر پھر سے اپنا، اپنا لگنے لگا جہاں انہوں نے آزادی سے سب طرف چل پھر کر، باتیں کر کے وقت گزارہ..... اس شام دونوں نے مل کر ماما کو بہت یاد کیا۔ اس شام کی ٹھنڈی پُرکیف ہواؤں کے باوجود اس آنگن میں خزاں کا ڈیرا تھا اور بہت سے زرد سوکھے پتے چرمرا کر اپنی آب و تاب کھو چکے تھے۔ بہت سے پھول شاخوں سے جھڑ کر اپنا مقام اور رعنائی کھو چکے، خاک نشین ہو چکے تھے۔

گہری شام میں عجیب سا سوز تھا جیسے آنے والے وقت میں چھپا کوئی المیہ دھیرے، دھیرے گھر کے در و دیوار کو ڈھانپ رہا ہو۔ خاموش ہواؤں میں کوئی نوحہ گونج رہا تھا۔ بے آواز نوحہ..... جو انہیں سنائی نہیں

دے رہا تھا لیکن دل پر عجیب طرح سے شام کی اداسی اثر انداز ہو رہی تھی۔ انمول نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اسے سب طرف غبار نظر آیا۔ افق پر چھائی لالی میں کوئی ستم پوشیدہ تھا جیسے کسی پر کوئی ستم ٹوٹنے والا ہو..... دفعتاً ہواؤں میں شدت آنے لگی۔ اس کا دل انجانے خوف سے کانپ سا گیا۔

''آندھی آنے والی ہے.....'' ایمل نے کھڑکی بند کر کے پردہ ڈال دیا۔

کچھ ہی دیر میں ہوا کا طوفان سب طرف دندناتا بہت کچھ روندتا ہوا گھر کے آنگن میں چلا آیا۔ کسی کمرے کے کھلے دروازے زوردار آواز سے بند ہوئے اور باہر ہی کہیں دیوار پر رکھی مٹی کی کونڈی ایک آواز کے ساتھ زمین بوس ہوئی۔ دو منٹ کے مسلسل طوفان کے بعد ہوا کی شدت کم ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ پر وقار آفندی کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس پڑیں تو دونوں ہی کمرے سے نکل کر بے اختیار گیٹ کی طرف لپکیں۔

اس وقت ان کی آمد نے دونوں ہی کو ڈھارس دی تھی۔ سیاہ گیٹ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نہا گیا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھلنے بند ہونے کی آواز آئی مگر وقار آفندی اندر نہ آئے۔ دونوں بے چینی سے ان کی منتظر کھڑی تھیں مگر اگلا منظر بے حد حیران کُن تھا۔

سب سے پہلے پھوپی اندر داخل ہوئیں ان کے ساتھ ہلکے کامدار سوٹ میں ایک اجنبی خاتون بھی تھیں۔ ان کے پیچھے ہی وقار آفندی اندر داخل ہوئے۔

''بسم اللہ..... بسم اللہ..... خیر و برکت والا قدم ہو تمہارا.....'' پھوپی نے بڑے دل سے دعا دی۔

ان دونوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا یا پھر جو سمجھ میں آ رہا تھا وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھیں۔

''ارے ایسے کیا کھڑی ہو، آگے بڑھ کر استقبال کرو ان کا۔'' پھوپی نے دونوں ہی کو مخاطب کیا۔

ایمل کے چہرے پر ناسمجھی مگر انمول کے چہرے پر استعجاب کے ساتھ، ساتھ ناگواری در آئی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ آنے والی خاتون کون ہیں۔

''آؤ بیٹا..... آگے آ کر سلام دعا کرو..... تمہاری ماں کی جگہ ہیں یہ۔'' پھوپی نے مختصر طور پر تعارف کرا دیا۔ وقار آفندی البتہ خاموش کھڑے تھے۔

''ماں کی جگہ.....؟'' ایمل حیرت سے بڑبڑائی۔ اس نے انمول کی طرف دیکھا۔ انمول کی آنکھیں نم تھیں اور ان میں بے یقینی تھی۔ دکھ سے اس کے چہرے کا رنگ سفید سا پڑ گیا تھا۔ اس نے منہ سے کچھ نہ کہا..... بس پلٹی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ ایمل نے بھی اس کی تقلید کی۔

ستم در ستم کچھ ایسے واقعات و حالات رونما ہو رہے تھے جو اُن دونوں کے سان و گمان میں بھی نہ تھے۔ وہ تو اپنی منگنی، شادی کا ذکر سن رہی تھی اور یہ ایک نیا کام بلکہ نئی آفت اور نئی قیامت دونوں پر ٹوٹی تھی۔ ان دونوں نے نئی ماں کی پذیرائی نہیں کی تھی اور صاف اپنی ناراضی بھی دکھا دی تھی مگر زیادہ دکھ اس بات کا ہوا باپ نے پلٹ کر دونوں کی خبر نہ لی۔ ان کے ردِعمل کا کوئی نوٹس نہ لیا..... وہ باپ جو چھوٹی، چھوٹی باتوں میں ان کی ڈھارس بنا رہتا آج اتنا اجنبی اور بہت دور سا لگ رہا تھا۔

''میں بابا کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' انمول نے روتے، روتے کہا۔

''میں بھی..... میں بھی ان سے کبھی بات نہیں کروں گی۔'' ایمل اس کے گلے لگ گئی۔ وہ رات دونوں نے روتے ہوئے گزاری..... دونوں ایک دوسرے کی دکھ سکھ کی ساتھی تھیں۔ دونوں کا غم ایک جیسا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کا درد بانٹ رہی تھیں اور بھیگی رات میں دونوں کے آنسوؤں کی نمی بھی گھلتی جا رہی تھی۔

صبح بہت غمگین تھی..... ہر سو چپ کا پہرہ تھا..... غیر معمولی خاموشی..... غیر معمولی اداسی جو وقار آفندی کے دل کو چھید رہی تھی..... یہ سب کچھ ان کے لیے بھی غیر متوقع اور پُر درد تھا مگر ان کی آپا نے کچھ ایسے ان کے گرد گھیرا تنگ کیا کہ مانتے ہی بنی اور اب دل تھا کہ مستقل پچھتاوے اور شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

صبح کے سات بج رہے تھے، ان کی نئی شریکِ سفر صائمہ دائیں پہلو کے بل لیٹی گہری نیند میں تھیں لیکن وہ پوری رات ایک منٹ بھی نہیں سو پائے تھے۔ وہ تو رات کو ہی دونوں کو منا لینا چاہتے تھے لیکن آپا آڑے آ گئیں۔

''ابھی ان کو غم منانے دو یہ بہت ضروری ہے ان کے لیے..... بعد میں آرام سے بات کر لینا ابھی وہ تمہاری کچھ نہیں سنیں گی۔'' انہوں نے ان کے بڑھتے قدم روک دیے تھے۔

''یہ اچھا نہیں ہوا آپا..... ان دونوں کے ساتھ زیادتی کر دی میں نے..... روزِ حشر زیب کو کیا منہ دکھاؤں گا میں۔'' دکھ سے ان کی آواز بھرّا سی گئی۔

وہ مرد تھے، رو نہیں سکتے تھے لیکن آنسوؤں کے پھندے کہیں ان کے گلے میں اٹک رہے تھے۔ انہیں دونوں سے بے حساب محبت تھی اور وہ انہی کے دکھ کا سبب بن گئے تھے۔

''اونہوں..... کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، ٹھیک ہے دونوں کو دھچکا لگا ہے مگر یہ ضروری بھی تھا..... مریض کو ٹھیک ہونے کے لیے کڑوی دوا لینی پڑتی ہے۔'' وہ ہاتھ لہرا کر ایسے گویا ہوئیں..... جیسے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

''ٹھیک ہو جائیں گی دونوں..... ذرا وقت لگے گا..... ابھی تم جا کر صائمہ کو کمپنی دو..... وہ ابھی اس گھر میں نئی ہے۔ اس نے بھی بہت دکھ دیکھے ہیں۔ پہلی شادی کی ناکامی کے بعد اس نے بیٹی کی پرورش میں جوانی وقف کر دی اپنی..... اب اس کی شادی کے بعد وہ ایک بار پھر تنہا ہو گئی تھی۔ اسے تمہاری اور تمہیں اس کی ضرورت تھی..... یہ کام میں نے نہیں کرایا اوپر والے کی مہربانی ہے یہ کہ جوڑے وہی بناتا ہے۔ اس کی حکمتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔'' انہوں نے نپے تلے لفظوں میں ان کو بہت کچھ سمجھا دیا۔

اس وقت وہ گہری سانس بھر کر رہ گئے۔ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا انہوں نے..... مگر اب صبح کے اس سمے وہ خود کو نہ روک سکے..... صبح کی نئی اجلی روشنی نے سب طرف اجالا سا بھر دیا تھا۔ دریچوں اور درزوں سے آنے والی روشنی چیخ چیخ کر آمدِ صبح کا اعلان کر رہی تھی۔ نیا دن طلوع ہو گیا تھا۔ کچن میں سناٹا تھا۔ انہوں نے لاؤنج کا دروازہ پاٹوں، پاٹ کھول دیا نیا اجالا دندناتا ہوا سب طرف پھیلتا گیا۔

''نئے دن کو طلوع ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا.....'' بالکل ایسے ہی جیسے ان کی زندگی کا نیا سفر شروع کرنے سے وہ خود کو بھی نہ روک سکے تھے۔

آپا کے کمرے کے کھلے نیم وا دروازے کے.... پیچھے بھی بالکل خاموشی تھی۔ وہ بے چاپ چلتے انمول اور ایمل کے کمرے کے باہر آ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر متامل سے کھڑے رہے..... دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ان کی، کوئی غلط کام بھی نہیں کیا تھا انہوں نے مگر خود کو چور محسوس کر رہے تھے۔

کچھ لمحے کے بعد بالآخر انہوں نے ہلکے سے دستک دے کر دروازے کا ہینڈل گھمایا مگر ناکام رہے..... دروازہ لاکڈ تھا۔ انہوں نے پریشانی سے اس کے ہینڈل کو گھمایا..... وہ دونوں کبھی اندر سے دروازہ بند کر کے نہیں سوتی تھیں۔

''انمول..... انمول بیٹا..... ایمل.....'' انہوں نے دروازہ ہلکے، ہلکے بجاتے ہوئے آوازیں دیں۔

وہ دونوں جو شب بھر کی گریہ وزاری کے بعد نڈھال سی پڑی تھیں دوبارہ جاگ گئیں۔ غصے اور ناراضی کی انتہاؤں پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اس لیے کوئی جواب نہ دیا۔

''ایمل..... ایمل..... دروازہ کھولو بیٹا.....''

وقار آفندی کی آواز دوبارہ آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک دوسرے کی ڈھارس کے لیے دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام لیے..... یہ ضبط کی ایک کڑی منزل تھی جسے وہ دونوں ایک ساتھ سر کر رہی تھیں۔ پہلے ماں جدا ہوئی اور اب باپ نے بھی فاصلہ قائم کر لیا تھا۔ باپ بھی پرایا ہو گیا تھا..... دوسری عورت کا شریکِ سفر بن گیا تھا۔

''انمول......انمول......'' اس بار انہوں نے دروازہ زور سے بجایا تھا اور آواز بھی کافی تیز تھی۔

دونوں ٹس سے مس نہ ہوئیں بس لب بھینچے ایک دوسرے کو دیکھتی رہی۔

''وقار بیٹا......صبح، صبح یہاں کیا کررہے ہو؟ صائمہ اٹھ گئیں کیا؟'' باہر سے رقیہ کی آواز آئی تو دونوں نے نفرت بھرے انداز میں دروازے کو گھورا۔

''سارے فساد کی جڑ یہی ہیں۔ انہوں نے ہی بابا کو بہکایا ہے۔'' انمول زہریلے انداز میں بولی۔

''اور شاپنگ کے لیے تمہاری منگنی کا چرچا کرتی رہیں۔ کتنی ہوشیار ہیں یہ۔'' ایمل کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ہوشیار نہیں بہت خطرناک ہیں......ایسے لوگ......ایسے لوگ سب کچھ کرسکتے ہیں۔'' انمول کے لب کپکپا سے گئے۔

وہ اب دور تک سوچ رہی تھی اسے آگے کچھ بھی اچھا نہیں نظر آرہا تھا۔ اندیشے اور وہم حقیقت بنتے نظر آرہے تھے۔

''سورہی ہوں گی وہ، کیوں جگا رہے ہو دونوں کو......رات کو بھی دیر سے سوئی ہوں گی وہ......میں دیکھ لوں گی وقار، تھوڑا صبر رکھو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ ہمیشہ کی طرح انہیں سمجھا بجھا کر وہاں سے لے گئیں۔ دروازے کے باہر ایک تکلیف دہ سناٹا چھا گیا جو انمول اور ایمل کے رگ وپے میں اترتا جارہا تھا۔

آندھی آئے، طوفان آئے یا کسی کے دل پر قیامت گزرے وقت کبھی نہیں رکتا......کوئی دنیا سے جائے یا دنیا میں آئے وقت کا کام گزرنا ہی ہوتا ہے......وہ کسی کے لیے نہیں ٹھہرتا......جو اس کے ساتھ دوڑتا جائے وہی کامیاب۔

دن بھی ہولے، ہولے گزرتا گیا۔ صبح کا سماں بیت گیا اور سورج کی تیز کرنیں سب طرف پھیلتی چلی گئیں......یہ سرکتا وقت دونوں پر ہی بھاری تھا لیکن باہر یہ سرکتا وقت معمولاتِ زندگی کے ساتھ کچھ نیا پن لیے نمودار ہوا تھا۔

صائمہ اور وقار آفندی کو پُرتکلف ناشتا کرا کے پھوپی رقیہ اب صائمہ کو لے کر گھریلو نوعیت کی اہم باتیں کررہی تھیں اور وقار آفندی جانے کب چپ چاپ اٹھ کر گھر سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کا دل بہت گھبرا رہا تھا اور وہ بہت زیادہ اداس ہورہے تھے۔

دوپہر ایک بجے تک جب سر درد سے بھاری ہوگیا تو انمول پاؤں پٹختی اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔

''ہم تو اپنے ہی گھر میں قیدی بن گئے......ہم نے کون سا غلط کام کیا ہے جو منہ چھپا کر بیٹھیں......ہمارا گھر ہے جو دل چاہے کریں۔'' وہ نخوت سے بولی۔ اس کے لہجے میں بغاوت اور نفرت تھی۔

''اور ہمیں کوئی بھی نہیں پوچھ رہا......ماما کے جانے کے بعد سب کیسے ہوگئے انمول......'' ایمل کے لہجے میں دکھ تھا۔

''بس ایمل......اب ماما، مامامت کرنا......حقیقت کا سامنا کرنا ہے ہم کو اب...مل کر مقابلہ کرنا ہے۔'' انمول نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''کس سے مقابلہ ہورہا ہے بھئی......؟'' پھوپی رقیہ کی اچانک آواز پر دونوں چونک گئیں۔ جانے وہ کب وہاں آگئی تھیں۔

''ناشتا کرو آکر دونوں اور موڈ ٹھیک کرو اپنے......کوئی ایسی قیامت نہیں آئی جس کا سوگ منا رہی ہو......'' وہ ڈپٹ کر بولیں۔ یہ لہجہ اور انداز دونوں کے لیے ہی نیا تھا۔ آج تک کسی نے ایسے بات نہیں کی تھی ان سے۔

''ناشتا بنا ہوا ہے جلدی آجاؤ۔'' وہ آرڈر دے کر چل دیں۔

''میں تو اپنا ناشتا خود بناؤں گی۔ میں ان کے رعب میں نہیں آؤں گی۔'' ان کے جانے کے بعد انمول نے غصے سے کہا۔

دونوں کچن میں پہنچیں تو وہاں میز پر ناشتے رکھے وہ ان کی منتظر تھیں۔

''آؤ بیٹا......جلدی سے شروع ہوجاؤ......حد

ہوگئی یہ تو دوپہر کے کھانے کا ٹائم ہے اور تم دونوں سوتی رہیں۔'' اس بار ان کے لہجے میں مٹھاس تھی اور وہ ایسے بات کر رہی تھیں جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

انمول چاہتے ہوئے بھی منع نہ کر سکی...... بھوک اور نقاہت سے برا حال تھا اور میز پر سجے لوازمات نے مزید بھوک چمکا دی تھی۔ وہ بلا چون وچرا ناشتا کرنے بیٹھ گئی۔ ایمل نے بھی اس کی تقلید کی۔

''مجھے تم دونوں سے یہ امید نہیں تھی۔ میں تو بہت سمجھدار سمجھتی تھی تم لوگوں کو اور انمول نے مجھے بہت مایوس کیا۔ اپنے بارے میں مت سوچو، اپنے بابا کے بارے میں سوچو۔ وہ کتنے اکیلے ہو گئے ہیں، یہ تبدیلی ان کے لیے ضروری تھی۔'' جب وہ آدھے سے زیادہ ناشتا کر چکیں تو وہ دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''ہم بابا کا خیال بہت اچھی طرح رکھ سکتے تھے۔ آپ نے بلاوجہ ہماری لائف کو ڈسٹرب کیا۔'' انمول تلخی سے بولی۔

''ہمیں کھانا پکانا بھی آتا ہے اور گھر کے دوسرے کام بھی آتے ہیں۔'' ایمل نے انمول کی بات کو مزید آگے بڑھایا۔

''پھر وہی بچوں والی بات کر دی ناں...... بھلے تم اپنے آپ کو کتنا ہی عقلمند سمجھو، تمہارے پاس کتنی ہی ڈگریاں ہوں مگر جو سبق وقت پڑھاتا ہے ناں وہی سب سے بہترین سبق ہوتا ہے۔ جو اس سبق کو سمجھ لے وہی کامیاب ہے۔'' انہوں نے تمہید باندھی۔ انمول کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر آئے۔ وہ اس وقت ان کی نصیحتیں سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''مجھے معلوم ہے تمہیں میری باتیں بری لگ رہی ہیں۔'' انہوں نے جیسے اس کے دل کی بات سن لی تھی۔

''مگر میری بچیو سوچو کہ جب تمہاری شادیاں ہو جائیں گی تو وقار کتنا اکیلا ہو جائے گا۔ اسے بھی سہارے کی اور دکھ سکھ کے ساتھی کی ضرورت پڑے گی۔'' وہ ابھی شروع ہی ہوئی تھیں کہ انمول نے بات کاٹ دی۔

''سوری، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی...... ہم بابا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہے۔'' اس کا لہجہ برا تھا،

یاد کے دریچے

یاد کے دریچے میں
پھول، حسن نغمے ہیں
خوش گلو پرندے ہیں
صد ہزار جلوے ہیں
ہے وہی پزیرائی
دلکشی و رعنائی
الفتوں کے سائے ہیں
چاہتوں کے رستے ہیں
دل کے راز داں سارے
چاند حسن اور تارے
ہے چمکتی افشاں سی
راہ کتنی تاباں سی
کیا دل کو سب بھائے
آنکھ پھر بھی بھر آئے
حسن کے دیاروں میں
شوخ سے اجالوں میں
دل کو کتنی راحت ہے
حسن سے محبت ہے
یاد کے دریچے ہیں
سب حسین تحفے ہیں

کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

انہوں نے بے یقینی سے انمول کو دیکھا۔ چند ثانیے تک وہ کچھ نہ بول پائیں۔

''ایک نہ ایک دن سب لڑکیاں اپنے گھر بار کی ہو جاتی ہیں انمول، تم کب تک بیٹھی رہو گی یہاں...... اور ہر لڑکی کا اصل گھر اس کے خاوند کا گھر ہوتا ہے باپ کے گھر تو وہ مہمان ہوتی ہیں بیٹا۔ صائمہ بھی اب اس گھر کا حصہ ہے، وقار کے حوالے سے وہ معتبر ہے، اس کا اصل گھر اب یہی ہے اور تم کو یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ تم مہمان ہو یہاں پر......'' وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

''اچھا...... تو اب ہم کو ہمارے ہی گھر سے نکال رہی ہیں آپ؟'' ایمل تو بپھر سی گئی۔ اس کی آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔

''بہت جذباتی اور ناسمجھ ہو تم دونوں...... وقت کی چالوں کو اگر نہ سمجھو گی تو بری طرح شکست

کھاؤ گی..... میری عمر اور تجربے کے سامنے تم دونوں کچھ بھی نہیں مگر خود کو بہت عقلمند سمجھ رہی ہو لیکن میں تم دونوں کو یوں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ زیب نہیں ہے تو کیا ہوا..... اب میں ہی تمہارا خیال رکھوں گی۔ صائمہ کا انتخاب میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ وہ کوئی اٹھارہ، انیس برس کی دوشیزہ نہیں ہے۔ اڑتیس برس کی سمجھدار عورت ہے۔ اس نے بھی ایک زمانہ دیکھا ہے۔ وہ بھی ان باریکیوں کو سمجھتی ہے جن کو تم نہیں سمجھتیں..... اور میرا یقین کرو وقار بھی اس شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے تم دونوں کی اب بھی بہت پروا ہے۔ مگر یہ وقت کی ضرورت ہے میں نے وقار کو بھی بہت سمجھایا اب تم دونوں کو بھی سمجھا رہی ہوں دیکھو.....''

ابھی ان کی بات جاری ہی تھی کہ انمول کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہمیں آپ کی کوئی بات نہیں سمجھنی.....'' اس کا انداز جارحانہ سا تھا۔ دونوں آدھا ادھورا ناشتا کر کے وہاں سے چلی گئیں اور ان کو سوچ کے نئے زاویوں میں اکیلا چھوڑ گئیں۔

''ایک مشکل کم تھی کہ دوسری مصیبت گلے آ گئی..... یوسف اب تک نہیں لوٹا۔ مہر آنٹی بھی جا کر واپس آنا بھول گئیں۔ اب یہ صائمہ نامی بلا ہمارے سر پر آ گئی۔'' انمول کمرے میں جا کر بھی چراغ پا ہوتی رہی۔

دونوں نے صائمہ کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ان سے ملنے پر رضامند تھیں..... نہ بات کرنے پر، تسلیم کرنا تو دور کی بات تھی۔ وہ سارا دن بہت کشیدہ سا گزرا..... سرِ شام صائمہ کو وقار آفندی کے ساتھ باہر جاتے دیکھ کر دونوں کو دھچکا سا لگا۔

''یعنی اب ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں۔'' انمول اور ایمل کی ساری امیدیں ہی مر گئیں۔

رات کے آخری پہر کوئی دبے قدموں انمول کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تو وقار آفندی کھڑے تھے۔

''بابا..... آ..... آپ.....'' اس نے الجھے انداز میں دروازے کو دیکھا کیونکہ دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

''میری بیٹیاں مجھ سے ناراض ہیں تو میں کیسے سکون سے سو سکتا ہوں، مجھے معاف کر دو انمول..... میں نے تمہیں دکھ پہنچایا.....'' وہ جیسے مجبور سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے۔

''پاپا.....'' انمول نے تڑپ کر ان کے جڑے ہاتھ کھولے اور ان سے لپٹ گئی..... آنسو خود بخود جاری ہو گئے۔

ایمل خود ان کے شانے سے لگ کر رونے لگی۔

''میرا وعدہ ہے بچیوں کہ تمہاری اہمیت اور حیثیت میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ میرے دل میں تم دونوں کے لیے جو جگہ ہے وہ کوئی اور نہیں لے سکتا۔ صائمہ بھی نہیں، تم لوگوں کی خواہشوں کو میں ہمیشہ مقدم رکھوں گا..... بس میری ایک بات مان لو کہ گھر کا ماحول بنا لو..... صائمہ کو تسلیم کر لو..... وہ تم لوگوں کو مایوس نہیں کرے گی۔ اچھی عورت ہے وہ۔ اس نے بھی بہت سے دکھ سکھ دیکھے ہیں وہ درد کو بانٹنے آئی ہے بڑھانے نہیں.....'' انہوں نے التجائیہ انداز میں کہا۔

اپنے بابا کا یہ روپ دونوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اتنے بے بس، رنجیدہ اور ٹوٹے پھوٹے سے وقار آفندی، وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ وہ بدل گئے..... اور بہت خوش ہیں مگر یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ جو معاملہ حل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا وہ بڑی خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔ اگلی صبح نئی زندگی کا پیام لے کر آئی۔ انمول اور ایمل نے صائمہ کو سلام بھی کیا اور ساتھ بیٹھ کر ناشتا بھی کیا البتہ پھوپی سے کھنچی کھنچی رہیں۔ پھوپی رقیہ گہری نظروں سے دونوں کا جائزہ لیتی رہیں ان کی زیرک نظروں نے انمول کے اندر ابھرتی جارحیت کو نوٹ کر لیا تھا۔ وقار آفندی میز پر بیٹھ کر انمول کو ہی فوقیت دے رہے تھے اور اس کی مرضی سے ہر کام کر رہے تھے۔

اختتامی حصہ ان شاء اللہ اگلے ماہ

اوڑھنی

فرح ریاض چیمہ

''یہ عورت دیکھنے میں تو میرے جیسی ہی لگتی ہے لیکن یہ میرے گھر میں کیا کر رہی ہے......اور اس کی ہمت تو دیکھو......توحید کے پہلو میں کھڑی ہے، مجھے دیکھ کر بھی پیچھے نہیں ہٹتی...... بلکہ جیسے، جیسے ہمارا جھگڑا بڑھتا جارہا ہے توحید کے قریب تر ہوتی جارہی ہے' توحید کو دکھائی کیوں نہیں دیتی یہ۔''

پچھلے چند دنوں سے مہر اور توحید کے درمیان روز ہی نکی سی نوک جھوک ہو جاتی۔ وہ جس کام سے منع کرتا

مہر اسی کی ضد پکڑ لیتی اور نتیجتاً مہر، توحید سے دور اور وہ عورت قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ مہر اس بات سے بے حد .... پریشان رہنے لگی تھی۔ لیکن یہ پریشانی بھی اس کی خود کی پیدا کردہ تھی۔

☆☆☆

اس کی زندگی اپنی رفتار سے بالکل صحیح راستے پر تھی کبھی، کبھی جو دائیں بائیں مڑ جاتی تو دیکھتی کہ آگے راستہ خراب ہے..... پھر واپس اپنی سیدھی راہ پکڑ لیتی اور جب سیدھی راہ پر دوبارہ آتی تو فراٹے بھرتی اور پھر کوئی نیا موڑ اسے اپنی طرف کھینچتا..... وہ وہم بہت کرتی تھی، شاید زندگی اسے حقیقت سے روشناس کراتی تھی جسے اس نے وہم کا نام دے رکھا تھا۔ لیکن کوئی اور تھا جسے اللہ نے روحانی طاقت سے نوازا تھا اور وہ وہم اور حقیقت کا فرق خوب سمجھتی تھی۔ وہ آج بھی مہر کی اندرونی کیفیت کو سمجھ گئی تھی..... ہمیشہ ہی سمجھ جاتی تھی۔

☆☆☆

معمول کی طرح اماں بی بوسیدہ لیکن صاف ٹاٹ کی بوری پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ انہیں یہ بوری بہت پیاری تھی کیونکہ یہ اپنی تھی، وہ اپنی اور پرائی چیز کے فرق کو جانتی تھی۔ شام کے دھندلکے میں ٹھنڈی ہوا کی آمیزش تھی۔ لان میں کھلے رنگ، رنگ کے خوشبو دار پھول آنکھوں کو فرحت بخش رہے تھے۔ اس کی خوشبو سے ہوا معطر تھی۔ ایسے ماحول میں معمولی سے دال چاول کا سواد اماں کو شاہی پکوان جیسا لگ رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اماں برتن بجاتی اور مہر باہر لان میں آکر برتن اٹھالے جاتی..... اور کبھی، کبھی تو اماں بی کے پاس گھاس پر بیٹھ بھی جاتی اور سکھ کی کم اور دکھ کی باتیں زیادہ کرتی..... مہر کے کئی بار کے اصرار کے باوجود اماں کبھی اس کے لان سے آگے نہ بڑھی تھی۔ اس نے اپنی حدیں تک رکھی تھی۔ روز شام کو آتی، کھانا کھاتی اور ڈھیروں دعائیں دیتی اور چلی جاتی..... وہ کہاں سے آتی، کہاں جاتی کوئی نہیں جانتا تھا۔

مہر نے برتنوں کی آواز سنی تو ہاتھ میں کچھ کپڑے اٹھائے فوراً باہر آگئی۔ اس کے ڈگمگاتے قدم اور الجھے خیالات کو اماں بی نے بھانپ لیا اور زیر لب مسکرادی۔ مہر کپڑے گود میں لیے اماں بی کے پاس آبیٹھی۔

''آج کل نمک بہت بڑھا لیا ہے تو نے۔'' اماں بی کی اس بات پر مہر نے کٹورے میں پڑی دال کو اپنی انگلی سے چکھا۔

''اماں نمک تو ٹھیک ہے۔''

''ارے جھلی، کھانے کا نہیں تیرا نمک بڑھ گیا ہے، اسے اعتدال میں رکھ ورنہ دھیرے، دھیرے زہر بن جاتا ہے۔'' اماں بی کی ایسی پُرمغز باتیں مہر کو سمجھ میں نہ آتیں۔

''میرا نمک بڑھ گیا ہے.....؟ کیا مطلب اماں.....؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

جواباً وہ صرف مسکرادی، مہر نے بغل میں دبائے کپڑے اماں کے سامنے رکھ دیے۔

''بیٹا یہ نیا جوڑا کس لیے.....؟'' کپڑوں کو ہر زاویے سے کھنگالنے کے بعد اماں بی نے پوچھا۔

''اماں نیا کہاں..... یہ دیکھو تھوڑا سا پھٹ بھی گیا ہے، میں نے ایک بار بھی نہیں پہنا تھا۔''

''معمولی سی خرابی ہے..... پیوند لگالیتی، دیکھنے میں تو اچھا بھلا ہے۔'' اماں بی نے مہر کے اداس چہرے کو دیکھا تو صلاح دی۔

''بس اماں تم لے جاؤ، مجھے پیوند لگی چیزیں پسند نہیں..... بس یوں سمجھو تمہاری ہی قسمت کا تھا۔'' مہر ابھی یہ کپڑے اماں کی گٹھڑی میں ڈال ہی رہی تھی کہ اس کی خاص سہیلی جو اس کے کپڑے سلائی کرتی تھی، وہ ہاتھ میں نئے سلے ہوئے کپڑے اٹھائے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ مہر کی تمام تر توجہ شمع کی طرف منتقل ہوگئی۔

''لے آئیں میرے نئے جوڑے..... اب کی بار تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا ناں..... امید کرتی ہوں میری پسند کے مطابق ہی سلے ہوں گے۔ پچھلے جوڑے کے دامن پر تم سے چھوٹا سا کٹ لگ گیا تھا، لاکھ کوشش کے باوجود میں اسے پہن نہ سکی..... اور آج مجھے اماں بی کو دینا پڑا۔'' مہر نے اپنے نئے سلے ہوئے جوڑے کھول

کر دیکھنا شروع کر دیے۔

شمع تو جیسے جلتا ہوا کوئلہ بن گئی۔ گھور، گھور کر اماں بی کی گٹھڑی کو دیکھنے لگی۔

''مہر..... یہ تم نے کیا، کیا..... اتنا مہنگا جوڑا، اس اماں کو دے دیا، ارے ذرا سا رفو ہو جاتا تو کٹ کا پتا ہی نہیں چلتا۔ میں کٹ کو رفو کرنے میں ماہر ہوں، تم مجھے دے دیتیں، میں پہن لیتی۔'' اسی دوران مہر کی ہلکی سی چیخ ابھری۔

''ارے یہ کیا..... یہ کیسا داغ ہے؟ بہت برا لگ رہا ہے، شمع آج کل میرا ہر جوڑا تم خراب کر رہی ہو.....'' مہر کا موڈ آف ہو گیا۔ اور شمع کو شرمندگی کے ساتھ ساتھ بے حد خوشی محسوس ہونے لگی کہ ہو نہ ہو اب تو مہر یہ داغدار جوڑا نہیں پہنے گی اور یہ قیمتی لباس بنا کسی حیل و حجت کے شمع کی جھولی میں آن گرے گا۔

اماں بی جو کافی دیر سے دونوں کے تاثرات اور گفتگو کا بخوبی جائزہ لے رہی تھی، دھیرے سے اپنے بوڑھے اور کمزور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی اور آگے بڑھ کر مہر کے ہاتھوں سے وہ داغدار جوڑا پکڑ لیا۔ شمع تو دیکھتی رہ گئی۔ اسے لگا کہ اس کی محنت غارت جائے گی اور اماں یہ جوڑا ابھی لے اڑے گی۔

''ارے اماں تمہیں ایک جوڑا دے تو دیا ہے، وہ کم ہے کیا جو اس پر بھی نیت لگائے بیٹھ گئی ہو۔''

''اپنی زبان اور نیت کو درست کر لڑکی.....'' اماں اس قدر جلال سے بولی کہ شمع ڈگمگانے لگی۔ اماں مہر کی طرف متوجہ ہوئی جو اس وقت روہانسی ہوئی بیٹھی تھی۔

''بیٹا میری بات غور سے سن، چھوٹے، چھوٹے عیبوں کے عوض لباس پھینکے یا بدلے نہیں جاتے اور خاص طور پر تب، جب کچھ حاسد لوگ ایسا چاہتے ہوں۔'' اماں کی اس بات پر شمع تلملا نے لگی۔

''دیکھو بیٹا اسے صرف نیا جوڑا مت سمجھو، لباس کی قدر کرو، بہت جلد تم میری یہ بات سمجھ جاؤ گی..... اس پر داغ لگ گیا ہے ناں..... لاؤ اسے مجھے دو، میں یہ داغ دھو ڈالوں گی اور بہت جلد تمہیں واپس لا دوں گی۔'' یہ سب شمع کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ اور وہ صرف مٹھیاں بھینچتی رہ گئی۔ اماں اپنی گٹھڑی میں مہر کا داغدار جوڑا باندھ رہی تھی کہ پہلے دیے ہوئے جوڑے کے دوپٹے پر نظر پڑ گئی۔

''یہ کیا..... تم نے اپنی اوڑھنی بھی مجھے دے دی، نہ، بیٹا نہ، یہ اوڑھنی صرف تمہاری ہے، تم پر ہی جچتی ہے، اسے تم ہی رکھو.....''

''لیکن اماں اب میں اس کا کیا کروں گی؟''

''کیوں..... کیا اب یہ تمہارا سر نہیں ڈھانپتی؟'' اماں نے مہر کے ننگے سر پر اوڑھنی اوڑھا دی..... مہر اور بھی حسین لگنے لگی۔

''ارے کم عقل اپنے لباس اور اوڑھنی کی حفاظت کرنا سیکھ..... ورنہ لوگ تو اسے تار، تار کر دیں گے..... اچھا میں چلتی ہوں۔'' اماں نے گٹھڑی سر پر رکھی اور باہر کو چل دی..... اور شمع خونخوار نظروں سے اماں کی ڈگمگاتی چال کو دیکھ رہی تھی۔ آج اسی اماں کی وجہ سے تو وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔

''کیسے، کیسے لوگ تمہارے گھر میں آتے ہیں.....'' شمع چڑ کر بولی۔

''کیا مطلب.....؟'' مہر نے پوچھا۔

''میرا مطلب ہے تمہارے معاملات میں کس حد تک دخل دیتی ہے یہ بوڑھی اماں.....'' شمع خاصی تپی ہوئی تھی۔

''اماں نے ایسا بھی کیا کر دیا جو تمہیں برا لگ گیا، وہ میری خیر خواہ ہے اور میں ان کی بہت عزت کرتی ہوں.....'' شمع سمجھ گئی کہ اماں کی برائی یہاں نہیں چلے گی۔

''اچھا..... اب یہیں کھڑا رکھو گی، چائے نہیں پلاؤ گی؟'' شمع نے بات کا رخ بدلا اور دونوں گھر کے اندر چلی گئیں۔ دونوں چائے کی چسکیاں لینے لگیں اور قہقہے شروع ہو گئے۔

''یہ دیکھو..... اس کی فٹنگ کمال کی ہے، تمہارے ماپ سے بھی زیادہ فٹ رکھا ہے میں نے، اور اس کی آستینیں تو اتنی چھوٹی بنائی ہیں کہ جیسے ہیں ہی

نہیں..... بالکل جدید فیشن کے عین مطابق، جب تم یہ جوڑے پہنو گی ناں تو ایک دم سپر ماڈل لگو گی..... اور توحید بھائی تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔''

''یہ کیا، تم نے دوپٹا سر پر اوڑھ رکھا ہے، بالکل بڈھی روح لگ رہی ہو..... ہٹاؤ سر سے اسے۔'' شمع نے مہر کے سر سے دوپٹا کھینچ کے ایک رسی کے مانند لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔

''ہاں..... اب صحیح ہے، بالکل ایسے ہی دوپٹا لیتی ہیں سپر ماڈلز..... بلکہ دوپٹا تو آج کل اُڑ ہی گیا۔ کیا تم دیکھتی نہیں لوگ کیسے دیوانے ہوئے پھرتے ہیں ان کے.....'' شمع بولے جارہی تھی اور مہر کا دل یہ سب چیزیں قبول نہیں کررہا تھا۔

''کیا مجسمہ بنی کھڑی ہو، میں تمہیں فیشن کے نت نئے طریقے سکھاتی ہوں اور تم کنویں کی مینڈک، لُس سے مس نہیں ہوتیں..... مجھے دیکھو، گھر داری ڈھنگ سے ہو نہ ہو لیکن خود کو بے ڈھنگا نہیں ہونے دیتی۔ اپنے شوہر کو اپنی اداؤں سے انگلیوں پر نچاتی ہوں، کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور ایک راز کی بات بتاؤں؟'' شمع رازدارانہ انداز میں بولتے ہوئے مہر کے کان کے قریب ہوگئی۔ ''جب گھر سے نکلتی ہوں تو لوگ پلکیں جھپکنا بھول جاتے ہیں، اتنی معترف نظروں کو خود پر مرکوز دیکھ کر میں اور بھی جوان اور حسین ہوجاتی ہوں۔'' شمع نے ایک ادا سے اپنے چہرے کو چھوا اور لہراتے ہوئے بولی۔ مہر کو اس کی باتوں سے گھن آنے لگی۔

''تم دوسروں کے لیے سجتی سنورتی ہو، جب ہوس بھری نظریں تمہیں تاڑتی ہیں تو تمہیں خوشی ملتی ہے، عجیب ہو، تم چاہتی ہو میں بھی تم جیسی ہو جاؤں..... تمہارے سلائی کیے ہوئے کپڑے میں جب بھی پہنتی ہوں ناں میرے شوہر مجھ سے خفا ہوجاتے ہیں۔ اور تعریف کرنا تو دور کی بات نظر بھر کے دیکھتے تک نہیں..... لیکن تم ایسے لباس میں کیسے اتنی خوش اور مطمئن رہتی ہو؟'' مہر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جدت کے نام پر بے حیائی کے اس لبادے کو اوڑھے یا نہیں..... تبھی شمع نے بڑی ادا سے بولتے ہوئے مہر کی مشکل کو قدرے آسان کرنے کی کوشش کی۔

''ارے بیوقوف..... یہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں، اپنی بیوی کو سات پردوں میں چھپ کر رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور خود باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں..... بے پردگی کے شاہکار دیکھ، دیکھ کر اپنی آنکھوں کو سکون بخشتے ہیں.....'' مہر جو پہلے ہی کچھ دنوں سے عجیب سے خیالوں میں الجھی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی باتوں میں آگئی کہ کہہ تو یہ ٹھیک رہی ہے۔

''اب تم مجھے ہی دیکھ لو..... میاں کو بھی خوش رکھتی ہوں اور خود بھی خوش رہتی ہوں، جو جی میں آئے وہی کرتی ہوں..... مردوں کا دل لبھانے کے لیے نت نئے تقاضوں کو پورا کرنا پڑتا ہے، جدت کو اپنانا پڑتا ہے۔''

''مردوں کا دل لبھانے کے لیے..... کیا مطلب.....؟'' مہر نے شمع کے اس جملے کو حیرت سے دُہرایا۔

''اوفوہ.....! ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو، میرا مطلب تھا، شوہر کا دل لبھانے کے لیے..... اچھا اب میں چلتی ہوں، میرے میاں بھی آنے والے ہیں۔'' شمع نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا اور دوپٹے کو سمیٹ کر گلے میں رسی کی طرح ڈال لیا اور باہر کو چل دی۔

شام کا دھندلکا اندھیرے میں تبدیل ہورہا تھا، گیٹ پر ہی اس کا سامنا مہر کے شوہر سے ہوگیا۔ توحید نے خود کو بمشکل ٹکرانے سے بچایا اور شمع اپنی ادائیں دکھانے وہیں رک گئی۔ توحید کی ایک نظر اس پر پڑی اور اس کا ظاہری حلیہ اور چہرے کے زاویے دیکھ کر اسے سخت ناگواری محسوس ہوئی، اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ شمع متوقع ردِعمل نہ پا کر منہ بسورتی چلی گئی۔

مہر ابھی تک کل کی ہونے والی نوک جھوک میں الجھی ہوئی تھی کہ توحید کی آواز کانوں میں پڑی۔

''السلام علیکم.....''

مہر نے پلٹ کر دیکھا۔

''آ گئے آپ؟'' مہر کا لہجہ ابھی تک خود ساختہ خفگی سے لپٹا ہوا تھا۔ جسے توحید سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''کھانا لگا دوں.....؟''

''نہیں، آج تمہارے لیے وقت نکال کر جلدی آیا ہوں، تمہیں شاپنگ جو کروانی ہے تو واپسی پر کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے، تم بس جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

مہر تو خوش ہو گئی۔

''اچھا پانی تو پی لیں.....'' وہ جھٹ سے پانی لینے چلی گئی۔

''مہر یہ عورت کون تھی جو ابھی، ابھی ہمارے گھر سے باہر نکل رہی تھی۔ کیا بے ہودہ حلیہ تھا اس کا.....'' توحید نے پانی پیتے ہوئے پوچھا۔

مہر کی ساری خوشی ہوا ہوئی اور تیکھی نظروں سے شوہر کو دیکھنے لگی اور دل میں سوچنے لگی، ایک ہی نظر میں اتنے غور سے دیکھا کہ بے ہودہ حلیہ نظر آ گیا۔ شمع سچ کہتی تھی یہ مرد آنکھوں میں ایکسرے مشین لگا کر چلتے ہیں۔ اب میں ایسا ہی تیار ہوں گی کہ بولتی بند ہو جائے گی۔'' اس نے سوچا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں کہ وہ کون تھی؟'' توحید نے دوبارہ پوچھا۔

''میری دوست ہے وہ۔'' یہ کہہ کر ٹھمک سے دروازہ بند کیا اور کمرے میں تیار ہونے چلی گئی۔

''ایسی عورت کو مہر نے دوست بنا رکھا ہے جسے پہننے، اوڑھنے کی تمیز ہی نہیں..... نامحرم کے سامنے پردہ کرنے کی توفیق تک نہیں.....'' مہر تو اپنے شوہر کو شمع کا معترف سمجھ رہی تھی، درحقیقت وہ اس پر تنقید کر رہا تھا، چند ساعتوں بعد مہر اس طرح بن سنور کر کمرے سے باہر آئی کہ توحید دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ مہر نے داد طلب نظروں سے تو اس کی طرف دیکھا اور اپنے انداز بدلنے لگی۔ لیکن اسے اپنے کانوں پر یقین نہ ہوا جب اس نے توحید کے یہ الفاظ سنے۔

''یہ کیا بن کر آ گئی ہو تم.....؟'' توحید کو مہر میں شمع کی پرچھائی نظر آنے لگی۔

غزل

دل میں بسا رہا وہ بھلایا نہیں گیا
بس بھولنے کا وعدہ نبھایا نہیں گیا

رنج و الم کسی کو بھی دینا نہیں قبول
یہ کام مجھ کو گھر میں سکھایا نہیں گیا

اوروں کی بات چھوڑیے اپنا یہ حال ہے
اُس کو بھی رازِ دل سنایا نہیں گیا

مشکل میں جس کا ساتھ نبھاتی رہی سدا
اُس بے وفا سے قول نبھایا نہیں گیا

میں اُن کو جانثار بھلا کیسے مان لوں
جن سے مکاں کو گھر بھی بنایا نہیں گیا

خوشیوں کا دور آئے گا اِک روز دیکھنا
اُمید کا دیا تو بجھایا نہیں گیا

کہتی ہے بس شگفتہ یہ دعویٰ ہے آج بھی
دنیا میں میرے جیسا بنایا نہیں گیا

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

"کیا مطلب، کیا خرابی ہے اس میں؟ آپ کو میرا بنا سنورنا اچھا نہیں لگا، شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے، میں نے ایسا کیا غلط کر دیا" برہنہ کندھے، بے حد چست لباس کہ سانس لینا تو در کنار... جسم ہر زاویے سے نمایاں، جدت کے نام پر بے حیائی کا پرچار..... اور اوپر سے مہر کی ہٹ دھرمی کہ وہ انہی کپڑوں میں بازار جائے گی۔

"تم..... نے یہ سنگار میرے لیے کیا ہے؟ جب تم ایسے بازار میں نکلو گی تو کتنی غلط نگاہوں کو دعوت دو گی....." توحید ابھی تک اسے تہذیب کے دائرے میں رہ کر پیار سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن مہر نے کانوں میں شمع کی سحر گوئی کی روئی ٹھونس رکھی تھی، توحید کا ایک لفظ بھی اس کے کانوں تک نہیں پہنچا تھا۔

"میں ہر کام آپ کی پسند کے مطابق تو نہیں کر سکتی ناں..... آپ کو نہیں پسند تو کیا ہوا مجھے تو پسند ہے ناں..... میں یہی پہنوں گی..... اتنے بڑے مال جا رہے ہیں جہاں دوسری عورتیں اس طرز کے کپڑوں میں نظر آتی ہیں تب تو آپ کو شرم نہیں آتی، مجھے دیکھ کر شرم آ رہی ہے۔"

"مہر....." توحید نے گرج کر اسے پکارا اور وہ فوراً سہم گئی، کچھ دیر کے لیے دونوں طرف خاموشی رہی پھر توحید نے ہی بات کا آغاز کیا۔

"دیکھو مہر، تم بات سمجھ نہیں رہیں، جب تم میرے لیے سجتی سنورتی ہو تو مجھے دل سے خوشی ہوتی ہے لیکن جس طرح کے لباس تم آج کل پہن رہی ہو یہ تو ہمارے دائرۂ اسلام میں بھی نہیں آتے، اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم اس وقت بازار جا رہے ہیں وہاں کتنی بھیڑ ہوتی ہے۔ طرح، طرح کی نظریں تمہارا محاصرہ کریں گی، میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا..... تمہاری حفاظت میری اولین ترجیح ہے۔"

مہر کی توجہ اس کی باتوں پر بالکل نہیں تھی اس کی نظریں تو صرف اس عورت کو گھور رہی تھیں جو کل صرف توحید کے پہلو میں کھڑی تھی لیکن آج وہ توحید کے کندھے پر ہاتھ رکھے، اس سے لپٹنے کی کوشش میں تھی۔ آج وہ کل سے زیادہ حسین لگ رہی تھی، مہر کا دل چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لے، اس عورت میں مردوں کو لبھانے والی ہر ادا تھی، حسین چہرہ، سڈول جسم اور مغربی طرز کا لباس..... مہر آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

"تم کچھ سن رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں..... اگر تمہیں جدید طرز کے لباس اتنے ہی پسند ہیں تو کم سے کم انہیں میری نگاہ تک محدود رکھو، بازار پہن کر جانے کے قابل نہیں ہیں یہ، بہت دیر ہو رہی ہے، ایسا کرو اوپر برقع پہن لو....." توحید اب بہت نرم مزاجی سے بات کر رہا تھا، وہ مشکل معاملے کو ہمیشہ خوش اسلوبی سے ہی سلجھاتا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا....." مہر ایک دم سپاٹ انداز میں بولی۔

"کیا..... میں نے اتنی آسانی کر دی کہ تم برقع پہن لو خود کو ڈھانپ لو..... پھر بھی تم ناراض کھڑی ہو۔" توحید کو اپنی بات کا کوئی جواب نہ ملا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، میں اپنی پسند کی چیزیں خرید لاؤں گا اور کھانا بھی خود ہی باہر کھا لوں گا، کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا۔" اس وقت توحید کو یہی مناسب لگا اور وہ بغیر کسی بحث میں پڑے چلا گیا۔ مہر کی نظریں بیرونی دروازے تک اس کا تعاقب کرتی رہیں اور وہ غائبانہ عورت بھی توحید کی بانہوں میں بانہیں ڈالے فاتحانہ نظروں سے مہر کو دیکھتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"شمع بالکل صحیح کہہ رہی تھی، گھر کی عورت کو پردے میں لپیٹ کر رکھتے ہیں یہ مرد اور باہر کی چکا چوند سے نظروں کو غسل دیتے ہیں، میرے کپڑوں کو بہانہ بنا کر مجھے گھر پر چھوڑ گئے تاکہ باہر اکیلے جا سکیں۔" مہر عجیب، عجیب وہم و گمان سے اپنے دل کو گمراہ کر رہی تھی۔ اور خود کو شک کی آگ میں جلا رہی تھی۔ گھنٹے بھر میں توحید ڈھیر ساری خریداری کر کے واپس گھر آ گیا۔ اب تک مہر کا غبار بھی کافی بیٹھ چکا تھا۔

"مہر کہاں ہو.....؟ مجھے پانی تو پلاؤ..... دیکھو

میں تمہارے لیے کیا کچھ لایا ہوں.....''

وہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے مصنوعی ناراضی دکھاتے ہوئے خراماں، خراماں چلتی آرہی تھی۔ توحید نے مہر کا پھولا ہوا منہ دیکھا تو بے اختیار اس کی ہنسی نکل گئی اور مہر بھی خود کو ہنسنے سے روک نہ پائی..... دونوں خوب ہنسے..... ہنستے، ہنستے مہر کی نظر میں وہ عورت پھر سے آگئی..... لیکن اب وہ پہلے کی طرح دلکش نہیں لگ رہی تھی، وہ کافی بجھی، بجھی سی تھی اور ایک کونے میں کھڑی تھی۔ جیسے، جیسے توحید شاپنگ بیگز کھول کر مہر کو اس کی چیزیں دکھاتا رہا، وہ عورت ایک، ایک قدم دور ہوتی گئی۔ توحید، مہر کے لیے بہت سارے نئے کپڑے لایا تھا جو جدت کی عکاسی بھی کرتے تھے اور ان میں عورت کی حیا اور زینت بھی تھی..... ساری شاپنگ دکھانے کے بعد توحید نے کھانے کا ڈبا کھولا۔

''جلدی سے کھانے کے برتن لے آؤ بہت بھوک لگی ہے۔'' مہر فوراً برتن لے آئی۔

''آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کھانا کھا کر آئیں گے پھر گھر کیوں لے آئے۔'' مہر نے نہایت اتراتے ہوئے پوچھا۔

''اگر میں باہر کھا لیتا تو تم بھوکی رہ جاتی ناں.....'' مہر فرطِ محبت سے شوہر کو دیکھنے لگی۔ اس وقت کمرے میں صرف وہ دو ساتھی تھے، ان کی محبت تھی اور پاکیزہ جذبات تھے۔ نہ شمع کی باتیں تھیں اور نہ وہ عورت..... بس سکون ہی سکون تھا۔

اگلی صبح مہر کی آنکھ دیر سے کھلی۔ جب اٹھی تو توحید آفس کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے رات کا بچا ہوا کھانا ہی گرم کر کے کھا لیا تھا۔ وہ مہر کو کبھی بلا مقصد سوتے سے نہیں جگاتا تھا..... چھوٹے، موٹے کام تو وہ خود ہی نمٹا لیتا..... آہٹ سے مہر کی آنکھ خود ہی کھل گئی تھی۔

''ارے آپ تیار بھی ہو گئے، میں ابھی ناشتا بنا دیتی ہوں.....'' مہر جلدی سے آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی۔

''رہنے دو، میں نے ناشتا کر لیا ہے، تم دروازہ بند کر لو..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' توحید نے نرمی سے اس کے چہرے کو تھپتھپایا اور چلا گیا۔ مہر کی نظر پلیٹ میں رات کے بچے ہوئے کھانے پر پڑی۔ اسے بہت دکھ ہوا کہ وہ جلدی کیوں نہ اٹھ سکی اور اس کے شوہر کو رات کا کھانا کھانا پڑا۔ توحید ان مردوں میں سے نہیں تھا جو بلاوجہ بیوی پر رعب جھاڑنا اور بدکلامی کرنا مردانگی کا خاصہ سمجھتے ہیں..... وہ بے حد محبت کرنے والا اور ہر طرح سے تعاون کرنے والا شوہر تھا۔

گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر مہر نے دوبارہ اپنے کپڑے بغور دیکھنے شروع کیے جو کل رات اس کا شوہر اس کے لیے لایا تھا۔

''جوڑے تو بہت خوب صورت ہیں لیکن کتنے کھلے ہیں، شمع کتنے فننگ کے کپڑے پہنتی ہے اور کتنی اسمارٹ دکھتی ہے، آج ہی شمع کو بھیج دوں گی کہ خوب فننگ بنا دے۔'' برا اثر جلدی کب جاتا ہے شوہر کی سجھائی ہوئی باتیں رات کو مہر کی نیند کے ساتھ ہی خواب ہو گئیں۔ اب نئے دن کے ساتھ وہ پھر شمع کی باتوں کے زیرِ اثر تھی۔ ابھی وہ انہی خیالوں میں تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ادھ کھلے دروازے سے دیکھا ایک بڑی، بڑی مونچھوں والا آدمی منہ سے سگریٹ کا دھواں چھوڑتا ہوا بائیک پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری وجاہت دیکھ کر تو مہر سہم گئی۔

''آپ کون؟'' مہر نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا اور دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

''شمع کا گھر یہی ہے.....؟'' اس آدمی نے نہایت بھاری آواز میں پوچھا۔

''جی نہیں..... یہ شمع کا گھر نہیں ہے.....'' مہر کا کلیجا منہ کو آنے لگا تھا۔ توحید بھی گھر پر نہیں تھا، اس نے جلدی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران وہ غنڈا سا آدمی فوراً بائیک سے اترا اور دروازہ ہاتھ دے کر روک دیا۔ مہر کے تو پسینے چھوٹ گئے۔ وہ تھر، تھر کانپنے لگی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، آپ کیسے میرے گھر میں گھسے چلے آرہے ہیں۔'' وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''دیکھ لڑکی ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں، شمع نے

اپنا گھر یہی بتایا تھا۔ یہ خط ہے اس کے لیے..... جب بھی آئے تو اسے دے دینا، بتا دینا سکندر آیا تھا۔'' یہ کہتے ہی خط دے کر وہ ہنس چلا گیا۔ مہر نے جھٹ سے دروازہ بند کیا..... وہ بالکل ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس کے حواس کام نہیں کر رہے تھے، اس نے کبھی ایسی صورتِ حال کا سامنا نہیں کیا تھا۔ اسے شمع کی اس گھٹیا حرکت پر بے حد غصہ آ رہا تھا، جی چاہ رہا تھا کہ وہ سامنے آئے اور اس کا منہ نوچ لے۔

''اگر کسی نے اس شخص کو میرے گھر کے باہر کھڑا دیکھ لیا تو میرے بارے میں کیا خیال کرے گا..... لوگ میرے کردار پر انگلی اٹھائیں گے۔'' طرح طرح کے خیالات نے مہر کے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔ وہ چکا چوند کی طرف مائل ہونے والی تھی۔ لیکن پاک دامن تھی۔ وہ اس منحوس گھڑی کو کوس رہی تھی جب اس کی شمع سے بول چال بڑھتے، بڑھتے دوستی کی دہلیز تک آن پہنچی تھی۔ اسے اپنے شوہر کی نصیحت بھی یاد آ رہی تھی۔ اس نے کئی بار اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ شمع کا کردار تو اب واضح ہو چکا تھا۔ وہ بے صبری سے اس مکڑی کا انتظار کر رہی تھی جس کا اپنا گھر تو کمزور ہوتا ہی ہے لیکن وہ دوسروں کو پھنسانے کے لیے جالے بنتی رہتی ہے، دروازے پر دستک ہوئی، مہر نے لپک کر دروازہ کھولا وہ شمع کی دستک پہچانتی تھی، وہ شمع کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے کے سے انداز میں اندر لے آئی۔ اور جھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

''کیا بات ہے؟ سب خیریت تو ہے، ایسا لگتا ہے تم میرا ہی انتظار کر رہی تھیں.....'' شمع نے بالوں کی لٹ کو انگلی پر گھماتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے شمع؟'' مہر نے خط اس کے سامنے کر دیا۔

''کیا ہے یہ.....؟'' شمع نے جھٹ سے اس کے ہاتھ سے خط پکڑا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ مہر غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔ شمع کے چہرے پر شرمندگی کی جھلک تک نہیں تھی۔ مہر کا غصہ اس وقت اور بھی بڑھ گیا تھا جب خط پڑھ کر شمع کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ہائے..... سکندر خود آیا تھا.....؟ مجھے تو یقین نہیں آ رہا..... ایک ہی ملاقات میں وہ میرا دیوانہ ہو گیا۔''

شمع کی ایسی باتیں مہر کو طیش دلا رہی تھیں۔

''تم نے ایک راہ چلتے انسان کو میرے گھر کا پتا کیوں دیا.....؟'' مہر جو کہ ابھی تک خاموشی سے اس کی یہ چھچھوری حرکتیں دیکھ رہی تھیں اچانک سے اس پر برس پڑی۔ اور شمع اس کا منہ تکنے لگی۔

''وہ کوئی راہ چلتا نہیں ہے، میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں، ہم دونوں.....'' مہر نے شمع کو بیچ میں ہی کاٹ دیا۔

''بند کرو اپنی بکواس..... میں سب سمجھتی ہوں، تم نے اپنے شوہر سے خود کے کرتوت چھپانے کے لیے اسے میرے گھر کا پتا بتا دیا۔ تم تو بچ گئی ہو لیکن اگر خدانخواستہ یہ خط توحید کے ہاتھ لگ جاتا تو جانتی ہو کیا ہوتا، ہم دونوں کے بیچ شک کی دیوار کھڑی ہو جاتی اور نوبت علیحدگی تک پہنچ جاتی۔'' مہر چیخ، چیخ کر بول رہی تھی مگر مجال ہے جو شمع کے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔

''چھوڑو بھی..... ایک تو تم ڈرتی بہت ہو..... بہادر بنو..... زندگی انجوائے کرو، میری طرح۔'' شمع کی ڈھٹائی قائم تھی۔ مہر کمرے میں گئی اور تمام جوڑے جو شمع نے ایک جدید اور بے باک عورت کے لیے سلائی کیے تھے اٹھا لائی..... اس نے تمام جوڑے شمع کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''یہ جدت اور بے باکی تمہیں مبارک ہو، توحید تم جیسی عورتوں کے بارے میں بالکل صحیح تھا۔ بس میں ہی غلط تھی۔'' مہر کی یہ بات سن کر شمع اپنے اصلی روپ میں آ گئی۔

''یہ کیا بولے جا رہی ہو کون صحیح، کون غلط..... میں کب سے برداشت کر رہی ہوں، ایک بات اور..... اگر تمہیں اپنے پرانے خول میں بند رہنے کا اتنا ہی شوق ہے تو شوق سے بند رہو..... ایک دن تجھے پڑے، پڑے دیمک چاٹ جائے گی اور تجھے پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں تمہیں دنیا کی چکا چوند میں لے جانا چاہتی تھی لیکن نہیں،

تیری قسمت میں اندھیرا ہی ہے۔'' وہ نخوت سے بول رہی تھی۔

''کس کی قسمت میں اندھیرا ہے اور کس کی قسمت میں روشنی اس کا فیصلہ خدا پر چھوڑو شمع..... فی الحال یہ راستہ تمہارے روشن گھر کو جاتا ہے۔'' مہر نے دروازہ کھول دیا اور شمع ذلت ماتھے پر سجائے مہر کو گھورتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ وہ مہر کی دوست کبھی تھی ہی نہیں..... اس نے تو محلے کی معصوم اور خوش لباس لڑکی پر تاک کے نشانہ لگایا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس کے کپڑے سلائی کرتے ہوئے خراب کر دیتی یا داغدار کر دیتی تاکہ پلٹ کر اسی کو مل جائیں اور ایسا ہی ہوتا۔ مہر پیوند لگی چیزیں کبھی استعمال نہ کرتی اور اسی چکر میں شمع کے عیش ہو جاتے۔

دروازہ بند کرنے کے بعد مہر کافی دیر تک دروازے پر ہی آنکھیں موندھے کھڑی رہی، شمع سے چھٹکارا پانے کے بعد اسے قدرے اطمینان ہوا تھا۔ غم و پریشانی کا غبار چھٹ چکا تھا لیکن ابھی اسے بارش کی ضرورت تھی تاکہ دل کی زمین پھر سے صاف اور تازہ ہو جائے۔ دن آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا، آج پہلی بار مہر بے صبری سے اماں بی کا انتظار کر رہی تھی۔ آخر کار ڈگمگاتے ہوئے قدم اس کی دہلیز پر آن پڑے اور بوڑھی اماں لڑکھڑاتی ہوئی اس کے لان تک آ پہنچی۔

''اماں تمہیں چلنے میں اتنی دشواری ہوتی ہے... لڑکھڑاتے ہوئے کسی دن گر گئی تو ان بوڑھی ہڈیوں کو سخت چوٹ آ جائے گی۔ تم لاٹھی کیوں نہیں لے لیتیں.....'' مہر نے پانی کا گلاس بڑھایا، سکون سے پانی پی لینے کے بعد اماں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا..... آج اس چہرے میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی تھی۔

''بیٹا مجھے سہارا لینا پسند نہیں..... خدا کا سہارا ہے ناں..... وہی کافی ہے، میں ڈگمگاتی ہوں..... لڑکھڑاتی ہوں لیکن آج تک خدا نے مجھے گرنے نہیں دیا.....'' اماں بی کی یہ بات مہر کے دل کو لگی۔

''اماں میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں.....'' مہر اٹھنے لگی تو اماں نے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا۔

''نہیں، آج مجھے بھوک نہیں، تو یہاں بیٹھ..... میرے پاس۔'' اماں نے دھیرے، دھیرے اپنی پرانی سی گٹھڑی کھولی اور مہر کا جوڑا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ''یہ دیکھو داغ کا نشان بھی نہیں بچا۔ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔''

''ارے واہ اماں، تمہارے ہاتھوں میں تو جادو ہے، میرا جوڑا تو اور بھی چمکدار اور خوشبو دار ہو گیا ہے۔'' مہر بہت خوش ہو رہی تھی۔

''میری ایک بات یاد رکھنا کپڑوں کے داغ دھل جاتے ہیں کردار کے دامن پر لگے داغ کبھی نہیں دھلتے۔'' مہر، اماں بی کو غور سے دیکھنے لگی۔

''ہاں بیٹا مرد کا دامن سیاہ چادر کی طرح ہے، کوئی داغ نظر ہی نہیں آتا جبکہ عورت کا دامن سفید چادر جیسا ہے، اسے صاف اور روشن ہونا چاہیے، اس پر لگا کوئی بھی داغ چھپ نہیں سکتا۔ یہ دنیا تو ہاتھوں میں کیچڑ لیے کھڑی ہے اپنے دامن کو بچا کر گزرنا تمہارا کام ہے۔'' مہر کو اماں کی باتوں میں توحید کی باتوں کی خوشبو آ رہی تھی اس کی خشک آنکھیں دھیرے، دھیرے نم ہو رہی تھیں۔

''تمہیں پیوند لگا لباس پسند نہیں ہے ناں، میاں، بیوی تو ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں، راحت دیتے ہیں، سوچو اگر کسی ایک لباس میں سوراخ ہو جائے تو پیوند اسے بدنما کر دے گا نا!.....'' اب مہر کی سمجھ میں سب کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

''تیرا شوہر تیرا لباس ہے تجھے ڈھانپتا ہے، بچاتا ہے دنیا کی بری نظروں سے، اسی لباس میں رہ اور اسے اپنے لیے نعمت جان..... بس تو اپنے دامن کو بچا..... اگر یہ چاک ہو جائے تو کوئی پیوند کوئی رفوگری اس کی زینت بحال نہیں کر سکتی..... تو بھی اپنے شوہر کی زینت بن، اس کے لیے ٹھنڈک بن، راحت بن۔'' مہر کی

آنکھیں چھلکنے ہی والی تھیں۔

''ارے یہ کیا تیری اوڑھنی آج بھی رسی کی طرح تیرے گلے سے لپٹی ہے، اسے گلے کا پھندا نہ بنا بچی..... یہ ہمیں ڈھانپنے کے لیے ہوتی ہے۔ تیرا شوہر بھی تیری اوڑھنی کے مانند ہے، تیری زینت بڑھاتا ہے، اس کی حفاظت کر۔'' بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ مہر کی آنکھیں چھم، چھم بارش کی طرح برس پڑیں..... اماں نے اوڑھنی کھول کر اس کو اوڑھا دی۔

''روئے، روئے، اچھی طرح روئے..... میں نے تو کہا تھا، تیرا نمک بہت بڑھ گیا ہے، اب یہ تیرے آنسوؤں کی بارش سے ہی کم ہوگا۔'' جب مہر اپنا سارا غبار نکال چکی تو دل ہلکا ہوگیا۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا سارا نمک آنکھوں کے ذریعے بہہ نکلا..... اس کا دل ایسے دھل گیا تھا۔ جیسے بارش میں سبز پتے، جو زہریلی باتیں شمع نے اس کے دل میں بھری تھیں سب بہہ گئیں۔

''تو آج دیکھنا، تیرے توحید کے ساتھ کسی دوسری عورت کا سایہ نہ ہوگا۔'' اماں بی کی اس بات پر مہر دنگ رہ گئی۔ کیونکہ اس نے کبھی اپنے اس وہم کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔

''ایک عمر گزری ہے انہی الجھنوں میں اور چہرہ تو دل کا آئینہ ہے، تیرے چہرے پر یہ وہم مجھے صاف دکھائی دیتا ہے، ایک بات کہوں..... وہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ تو ہی ہے۔'' مہر سن کر حیرت کا مجسمہ بن گئی۔

''ہاں ہر عورت میں ایک اور عورت ہوتی ہے جو کبھی اسے ورغلاتی ہے، کبھی پھٹکاتی ہے اور کبھی سمجھاتی ہے..... وہ عورت تجھ جیسی ہی تھی ناں.....''

''ہاں اماں..... لیکن تجھے کیسے پتا.....؟'' اماں کے ہر جملے پر مہر کی حیرت بڑھ رہی تھی اس سوال پر تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''ارے جملی وہ تجھے سمجھانے آئی تھی کہ ابھی وقت ہے سنبھل جا..... اپنے شوہر کے لیے نفیس لباس بن کر رہ، ورنہ ہوسکتا تھا وہ بھی تیری طرح پیوند لگے لباس کو قبول نہ کرتا اور نیا لباس لے آتا۔'' اماں مسکرادی۔

اماں کی بات مختصر تھی مگر تھی بہت گہری اور مہر کی عقل کی بنیادوں میں ہمیشہ کے لیے بیٹھ گئی تھی..... وہ بے باکی اور زینت کے فرق کو بخوبی سمجھ گئی تھی۔ اس نے شوہر کے لائے ہوئے جوڑے نکالے اب وہ انہیں ایک نئی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ یہ لباس پرانے انداز کے نہیں تھے بلکہ زینت سے بھرپور تھے۔ اس نے ایک جوڑا چنا اور پورے دل سے توحید کے لیے بناؤ سنگار کیا۔ آج وہ سچ میں حور لگ رہی تھی۔ جب توحید شام کو تھکا ہارا گھر آیا تو مہر کی ایک معصوم جھلک نے اس کی ساری تھکان غائب کردی، وہ بھی اپنی بیوی کے بدلے ہوئے روپ میں محو ہوگیا۔

''ماشاءاللہ آج تو چاند پورے جوبن پر ہے۔'' اس تعریف سے مہر شرما گئی اس نے دیکھا کہ آج توحید کے ساتھ کوئی عورت نہ تھی۔

''آپ کے لیے کھانا لگاؤں.....؟''

''نہیں، ہم باہر کھانے چلیں گے، تمہارے فیورٹ ریسٹورنٹ میں.....''

''آپ فریش تو ہولیں.....''

''نہیں تم بس چلو.....'' توحید نے مہر کا ہاتھ پکڑا اور باہر کو چل دیا۔

''ایک منٹ.....'' مہر ایک لمحے کو رکی..... اپنا لان کا بڑا سا دوپٹا کھول کر اوڑھ لیا اور خود کو ڈھانپ لیا۔ ''اب چلیں۔''

مہر کی یہ ادا توحید کو بہت بھائی۔

جس ریسٹورنٹ میں دونوں کھانا کھا رہے تھے وہاں مہر نے شمع کے شوہر کو کسی اور عورت کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اگر شمع اسے دھوکا دے رہی ہے تو بدلے میں دھوکا ہی پا رہی ہے۔ ہمیں وہی ملتا ہے جس کا ہم گمان کرتے ہیں، جو ہم بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں، اس نے خدا کا صد شکر ادا کیا اور شوہر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

ناسور

سعدیہ ہما شیخ

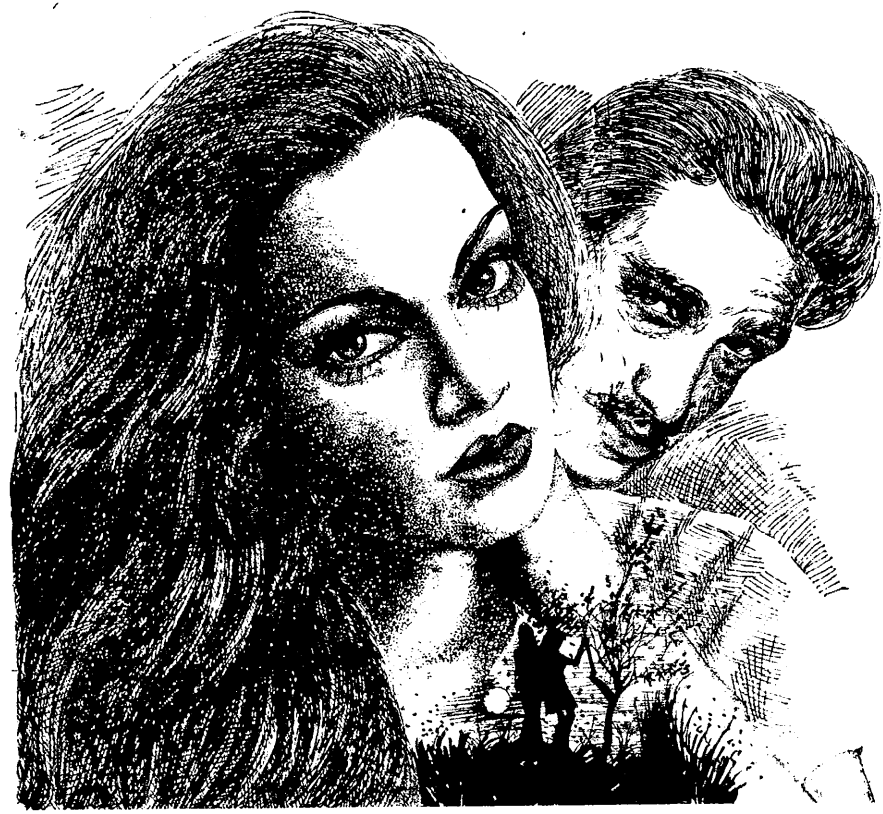

خانم کی اچانک موت کی خبر سب پر بجلی بن کر گری۔ ڈیڑھ ماہ پہلے ہی اس کا شوہر اور جیٹھ ہاتھ پاؤں جوڑ کر وعدے وعید کر کے اسے گھر واپس لے گئے تھے۔ میں نے اسے بہت روکا اس جہنم میں واپس مت جاؤ مگر اس کا یہی کہنا تھا دوسری مرتبہ طلاق کی ذلت میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میرے بھائیوں نے بہت طعنے سن لیے میرا انصاف میرا رب کرے گا اور روتی دھوتی وہ اسی موت کے کنویں میں چلی گئی تھی۔

ساتھ وہ رہا میرے چند روز محبت کرنے کے لیے باعزت لے گیا تھا گھر سے بے عزت کرنے کے لیے

خانم کون تھی.....! حسن کا پیکر، سگھڑاپے کی مثال، جس کے ہاتھ کی لذت انگلیاں چاٹنے پر مجبور کر دیتی، جس کو پھولوں اور بچوں سے عشق تھا۔ بہن اور بھائیوں کے بچوں پر جان لٹاتی، ماں کی دلاری، بھائیوں کی پیاری، اپنے پرائے سب اس کے گرویدہ مگر بنانے والے نے ہر گن دے کر نصیب میں اپنے گھر کا سکھ نہ لکھا۔ ہر ایک کی خدمت گزار اس دنیا سے صرف دکھ اور اپنے پرائے کے طعنے لے کر گئی۔

شادی کے دوسرے مہینے خانم کو باور ہو گیا کہ اس کا شوہر اسے وہ سکھ نہیں دے سکتا جو ایک عورت کو چاہیے ہوتا ہے یا ایک بیوی کا جائز حق ہوتا ہے۔ اس نے اپنا شرعی حق استعمال کرتے ہوئے طلاق مانگ لی۔ بھائی بیرسٹر تھا اس نے بھرپور ساتھ دیا اور خاندان کی مخالفت مول لے کر خانم اپنے گھر آ گئی۔ مگر یہاں اس کا جینا دوبھر ہو گیا۔ طلاق کی بازگشت نے اسے ڈپریشن کا مریض بنا دیا اور اس کا بی پی ہائی رہنے لگا۔ لوگوں کی نظر میں وہ ایک تماشا بن گئی جیسے اس نے کوئی انہونا کام کیا ہے۔ ایک شرعی حق استعمال کرنے پر اتنی رسوائی؟ وقت کے ساتھ عمر بھی ڈھلنے لگی تھی۔ ایسے میں بھابی کے بھائی کا رشتہ خانم کے لیے منظور کر لیا گیا۔ جس کی بیوی 5 سال کا بچہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ خانم اس بے جوڑ شادی پر تیار نہ تھی مگر اس دفعہ بیرسٹر بھائی بھی ساتھ نہ دے سکا اور خانم کے احتجاج کو خاطر میں نہ لایا گیا اور اسے بھابی کے بھائی کے ساتھ بیاہ دیا گیا جو اس کا ماموں زاد بھی تھا اور بہت سے وعدے کر کے اسے نکاح کے لیے تیار کیا مگر پس پردہ کہانی کچھ اور تھی۔ اسے بیوی نہیں گھر کے کاموں کے لیے ایک ملازمہ اور بچے کے لیے آیا چاہیے تھی۔

شادی کی پہلی رات ہی اسے یہ باور کرا دیا گیا کہ وہ بچے کی خواہش نہ پالے کیونکہ اس کے شوہر کو اپنے بیٹے کا شریک پیدا نہیں کرنا تھا اور اسی لیے اس طلاق سے شادی کی گئی تاکہ وہ اس وٹے سٹے کی شادی کو چپ چاپ نبھائے اور اس ظالم کے بچے کی آیا بن کر رہے۔ یوں خانم کی نئی درد بھری زندگی کا آغاز ہو گیا۔ وہ سہاگن نہ بنی صرف بچے کی آیا اور سسرال کی مفت کی غلام بن گئی۔ لاکھوں کا جہیز لانے والی کی زندگی ایک کمرے کے کابک میں گزرنے لگی۔ اکیسویں صدی میں جسے پانی کی موٹر بھی نصیب نہ تھی، آسائشات تو دور کی بات وہ بنیادی ضروریات سے بھی محروم تھی۔ غسل خانہ بھی میسر نہ تھا۔ اسے لوگوں کے گھر جانا پڑتا اور رات کو حاجت نہ ہو اس لیے سرِشام ہی وہ پانی پینا بند کر دیتی۔ کوئی مشکل سی مشکل تھی۔ پہلے مہینے ہی اس کا زیور اتروا لیا گیا جو اس نے آرام سے دے بھی دیا مگر ایک فطری خواہش کی کہ مجھے ماں بننے کے حق سے محروم نہ کرو۔ اس پر اس کی خوب دُھنائی کی گئی جیسے اس نے کوئی گناہ کی بات کی ہو۔ اس کا جیٹھ اسے جتلاتا ہم نے طلاقن کو اپنے گھر لا کر احسان کیا ہے۔

ایسے میں جب بدن کی چوٹیں اس کے بس سے باہر ہو جاتیں تو وہ بھائی کے گھر آ جاتی مگر یہاں بھابی کو یہ فکر کھائے جاتی کہ ان کا بھائی اکیلا ہے اسے کھانا دینے والا کوئی نہیں اور وہ واپس اسی جہنم میں جلنے چلی جاتی۔ صرف مجھے پتا تھا وہ عظیم عورت اپنے بھائیوں کی لاج کے لیے اپنا آپ جلا کر راکھ کر رہی تھی۔ اپنا سامان بیچ کر شوہر اور اس کے بچے کو پال رہی تھی۔ آہستہ آہستہ بینک بیلنس ختم ہونے لگا تو خانم کا وجود بھی سارے خاندان کو کھٹکنے لگا۔ وہ مار پیٹ کر بھائیوں کے پاس پیسے لینے بھیج دیتے مگر اب وہ نہ مانتی اور یوں ہی زندگی کے دن پورے کرتی رہی۔

اس دفعہ خانم گم صم تھی۔ میرے اصرار پر رو پڑی اور آسمان کی طرف جھولی اٹھا کر بولی۔

''میرا انصاف میرا رب کرے گا۔ آخر اس نے میرے نصیب میں کچھ تو لکھا ہوگا۔ مجھے پھول پسند تھے میری شادی کٹر میں ہو گئی، میں پھولوں کی خوشبو سے محروم ہو گئی، مجھے بچے پسند تھے مگر ان ظالموں نے میری جھولی میں ایک بچہ بھی نہ ہمکنے دیا۔ میں اپنے تصور میں

اپنے بچے کے ساتھ زندگی گزارتی رہی۔ ان کے بچے کا گند صاف کر، کر کے ایک ماں کی طرح پالا مگر اس نے کبھی حال بھی نہ پوچھا۔ آج میں تنہا ہوں بھائی کے گھر میں بقیہ زندگی کی سانسیں لے رہی ہوں۔ بھابی کہتی کچھ نہیں مگر اس کی آنکھوں میں بھائی کی محبت ہر پل یہ پوچھتی ہے کہ کب واپس جاؤ گی اور اب جب سے میرے پاس پیسے ختم ہوئے ہیں، گھر کھنڈر بن گیا ہے۔ جہاں جانور بھی چند دن نہ گزار سکے۔''

اس کی روداد پر میں تڑپ کر رہ گئی اور کہا۔ ''ہاں میں تمہیں آزاد کرواتی ہوں اور ان سے ہرجانے کے ساتھ تمہاری ہر شے واپس دلواتی ہوں۔'' مگر اس صبر کی مثال نے بھائیوں کی لاج کے لیے خاموشی کی بکل تان لی اور مجھے بھی لب سینے پر مجبور کر دیا کہ اب اس عمر میں دنیا کا تماشا نہیں بن سکتی۔

☆☆☆

پچھلے چار دن سے خانم کی طبیعت بہت خراب تھی مگر کسی کو کیا سروکار، شوہر کو صرف روٹی چاہیے تھی۔ وہ خود ہی اپنی ڈاکٹر بنی رہی۔ شام کو ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھوئے تو طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ شوہر کو کھانا دینے کے بعد کہا کہ مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ مگر اس نے چپ چاپ سونے کی ہدایت کی کہ صبح دیکھیں گے ابھی سو جا۔ چند کوس دور جیٹھ کے محل میں تین تین گاڑیاں کھڑی تھیں مگر وقت کے فرعون کسی مدد کے لیے تیار نہ تھے۔

شوہر خود موبائل پر مصروف ہوگیا.... ٹھنڈی سانس بھر کر چکراتے سر کے ساتھ خانم اٹھی مگر پیروں پر کھڑی نہ ہوسکی اور گر گئی۔ گرنے سے میز کے کونے سے سر پر چوٹ لگی اور خون ابلنے لگا۔ جب کمرے میں خون پھیل گیا تو اس کے شوہر نے اپنے بھائیوں کو فون کیا جنہوں نے آ کر اسے مردہ قرار دے دیا کہ خون بہت بہہ چکا تھا اور کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی زحمت نہ کی اور یوں ایک جیتا جاگتا وجود ظالموں کی بے حسی سے مردہ بن گیا۔

اس کے گھر والوں کو اطلاع بھی صبح دس بجے دی گئی۔ مجھے بھی اطلاع مل چکی تھی فوراً پہنچی پر میرے واویلے کے باوجود پوسٹ مارٹم نہ کروایا گیا کہ اس کے نتیجے اپنے ماموں کے ساتھ تھے اور کہنے لگے مرنے والی مرگئی ہماری ماں یہ سب برداشت نہیں کرسکتی۔ یوں خانم ''لوگ کیا کہیں گے'' سے بچنے کے لیے اور دنیا داری نبھاتی شوہر کے گھر سے اپنا جنازہ اٹھوا کر بھائیوں کی لاج رکھ کر اپنے دکھوں سمیت منوں مٹی تلے سکون سے سوگئی۔

خانم کی دلخراش داستانِ زندگی نے پتھروں کو بھی رُلا دیا مگر زندگی میں مجھ سمیت کوئی اس کے کام نہ آیا۔ ''میں جو ایک خاتون وکیل ہونے کے ناتے اپنی ہم صنف کو انصاف پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں مگر نہ معلوم کیوں اس بار میں ہی ڈھے گئی بس صرف نصیحت یا شاید استدعا ہی کے قابل رہ گئی کہ خدارا عزت کے نام پر بیٹیوں سے جان کا نذرانہ نہ مانگیں۔ یہ آپ کے آنگن کا پھول ہیں انہیں کھلا رہنے دیں۔ التجا ہے تمام بھائیوں سے کہ بہنیں مان ہوتی ہیں مگر رب کے واسطے اپنی آن بان کے لیے لیے ان کے لہو کا خراج نہ مانگیں۔ درخواست ہے سب شوہروں سے اگر آپ اپنے نبیؐ کے طریقے کے مطابق ایک عورت کو باعزت بیوی کے طور پر نہیں رکھ سکتے تو سنت کے مطابق خود سے الگ کر دیں۔ یہ نازک آبگینے ہیں۔ ان کے ساتھ کھلواڑ ہرگز مت کریں۔ طلاق کا حق اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے اسے عورت کے لیے ناسور نہ بنائیں۔ جیسے خانم کے لیے طلاق سرطان بن گئی اور اس کا ہر ہر طعنہ اس کے لہو میں سرایت کر گیا اور پھر اس کینسر نے اپنے پنجے اس کے بدن میں گاڑ کر اس کی جان لے لی'' یہ کہانی صرف .... بیچاری خانم کی نہیں نہ جانے کتنی خانموں کی ہے جو ان کہی ان سنی رہ جاتی ہے کسی اگلے سال کی آس میں کہ شاید اب کے بہار عورت کے جائز حقوق کی پاسداری کی بھی نوید دے شاید۔

یا حیّ یا قیوم

عالیہ حرا

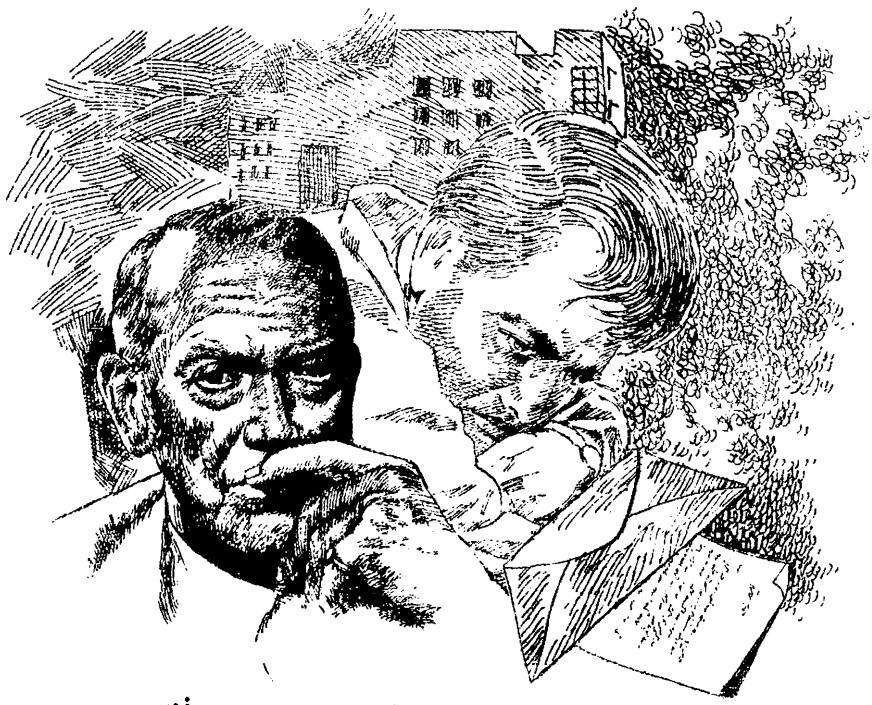

عارب بن عبدالرحمٰن اس وقت سخت برہم، اضطرابی انداز میں اپنی آل اولاد کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

اس میں ان کے بڑے بیٹے لیکچرر راحیل بن...

عبدالرحمٰن کے تینوں بچے، عائشہ، فضل اور آیان تھے۔ چھوٹے بیٹے، شعیب بن عبدالرحمٰن کے دونوں بچے حمنہ اور معیز تھے۔ اور ان کی بیٹی فرحانہ اویس کے تینوں بچے..... لبنیٰ جہانگیر اور اسفند بھی شامل تھے۔

آج انہوں نے یونہی معمول کے انداز میں ان بچوں سے ملاقات کی تھی۔ جانے دل میں کیا بات آئی تھی کہ..... ان کا امتحان لے لیا۔

اسلامی لیکچرر، پروفیسر اور عالمہ فرحانہ اویس مگر ان کے بچے اتنی ناقص، نامکمل دینی معلومات رکھتے ہیں۔ ہائی فائی انگلش اسکول، میڈیا کی یلغار..... نے ان کا کیا حال کیا تھا۔ جتنا بھی ملال و رنج کرتے کم تھا۔

پچھلے دنوں سے طبیعت میں تھکن تھی، وہ گھر پر آرام کر رہے تھے۔ آج انہوں نے نیٹ پر لیکچر دے دیا تھا۔ اور ملاقات کے لیے سب بچوں کے بچوں کو بلایا تھا اور حال احوال پوچھنے کے بعد ان بچوں سے کئی سوال پوچھے تھے۔ مثلاً.....

''وہ کون سی چار چیزیں ہیں جو عرش کے خزانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیں.....؟'' عارب بن عبدالرحمٰن نے سب کی جانب دیکھا وہ اکثر اپنے بچوں کے ساتھ اس کی طرح کی سیٹنگ رکھتے..... اور بچوں کی اسلامی معلومات جانچتے مگر بچوں کے بچوں کی ایک عرصے بعد یہ نشست ہو رہی تھی ویسے بھی مختلف عمروں کے بچے تھے۔

''قرآن پاک!'' آیان بن راحیل نے برجستہ کہا۔

عارب بن رحمٰن نے ملال و تاسف سے اس کی ناقص معلومات پر اسے دیکھا۔

''برخوردار، قرآن پاک نازل ہوا تھا، وقفے، وقفے سے وحی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے.....'' آیان نے سر جھکا لیا۔

''مجھے اس کا جواب درست چاہیے.....'' اطراف میں نگاہ ڈالی..... ''اچھا دوسرے سوال کا جواب دو..... وہ کون سی سنت ہے جس پر عمل کرو گے تو سو شہدا کے برابر اجر ملے گا.....؟'' انہوں نے سب کی جانب دیکھا اور وہ ایک دوسرے کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے۔

پروفیسر عارب بن رحمٰن نے سوال نامے کا تیسرا سوال اپنے بڑے پوتے کی جانب دیکھتے ہوئے کیا تھا۔

''اچھا بروز جمعہ کی کتنی سنتیں ہیں اور کتنا عمل کرتے ہو.....؟ بولو.....'' فضل بن راحیل اپنے پھوپی زاد جہانگیر کی جناب دیکھنے لگا۔

''برخوردار آپ ہی بتائیں.....؟''

''جی..... میں.....'' فضل گھبرا رہا تھا دادا جان کا رعب و دبدبہ ہی بہت تھا۔

''جی وہ..... غسل، نمازِ جمعہ کی ادائیگی.....'' دھیرے سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

''بس.....؟ شرم کرو تم اپنا تعلیمی سال پورا کر چکے ہو اور تمہیں اہم فریضے کی سنتیں نہیں معلوم.....'' فضل نے سر جھکا لیا۔

''دادا جان آسان سوال پوچھیں نا.....'' معیز بن شعیب نے دھیرے سے کہا۔ ان کے کان بہت تیز تھے۔ کھوجتی نظروں سے اپنے اسی چنچل پوتے کو دیکھا۔

''تم بتاؤ معیز عشا میں کتنی سنتیں ہوتی ہیں؟''

حملہ بالکل اچانک ہوا تھا معیز گڑبڑا گیا۔

''فجر کون، کون پڑھتا ہے.....؟'' حاضرینِ محفل پر نگاہ کی صرف ایک ہی ہاتھ اٹھا جہانگیر کا۔

''اور باقی.....؟'' چراغ تلے اندھیرا..... انہیں اپنے اسکالر ہونے پر افسوس ہوا۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کی تربیت ایسی تو نہ کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو کچھ سکھا ہی نہیں پائے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کی صرف دنیاوی تعلیم پر بہت زور دیا تھا۔ راحیل تو اردو کا لیکچرار تھا اور شعیب اسلامی علوم کا پروفیسر اور فرحانہ اویس ان کی بیٹی عالمہ تھی۔

اور ان کا سب سے چھوٹا بیٹا جو لیکچرر تھا نہ مفکر اور نہ جس کی بیوی عالمہ تھی۔ صدام بن عبدالرحمٰن وہ آئی ٹی انجینئر تھا سوفٹ پلیئر میں اس کا نام تھا اور جو پچھلے اکیس سال سے امریکا میں رہائش پزیر تھا۔ اس کی اولاد کا بھلا کیا حال ہوگا؟

''چراغ تلے اندھیرا.....'' انہیں خود پر افسوس ہوا۔

انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھتے بچوں پر نگاہ کی۔ گویا یہ امتحان کا کمرا ہو اور پاس ہونے کی فکر

میں سب ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

''وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟''

''کون سے نمبر کا سوال ہے یہ.....؟'' معیز چہکا۔

''آپ جواب بتایئے، نمبر ہم خود دے دیں گے۔''

''جھوٹ بولنا.....'' معیز بولا۔

''دوسروں کا دل دکھانا.....'' جہانگیر نے راحیل ماموں کی بیٹی عائشہ پر نگاہ کی۔

''نہیں..... درست جواب دو..... یہ آئیں بائیں شائیں نہیں.....'' انہوں نے گھر کا تھا..... وہ ایک تبلیغی مفکر تھے۔ سب کے سر جھک گئے۔

''شرم آرہی ہے مجھے تم لوگوں سے..... اسلام کے بارے میں کیا معلومات ہیں تم لوگوں کی اور حمنہ..... تم بھی تو عالمہ کی بیٹی ہو ناں مجھے بتاؤ ذرا.....''

''جی..... جی..... نانا ابو..... پوچھیے.....''

''پردے کے بارے میں کوئی حدیث سناؤ.....؟''

''جی.....'' عائشہ کو تھوک نگل کر دیکھا، ساتھ ہی سٹی گم..... آثار بتا رہے تھے جواب ندارد۔

معیز اور اسفند منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگے۔

''تم جو اتنا مذاق اڑا رہے ہو کتنی دینی معلومات رکھتے ہو؟'' عارب بن عبدالرحمٰن نے اسفند کو گھورا۔

''ہمارے مذہب میں صفائی کا کتنا درجہ ہے؟'' اسفند کو سیدھا کٹہرے میں کھڑا کیا۔

''نصف ایمان ہے دادا جان...!'' وہ جھٹ سے بولا۔

''صفائی، کہاں، کہاں لاگو ہوتی ہے؟'' وہ صرف جی کہہ کر رہ گیا۔

''دادا جان صفائی، گھر میں، کپڑوں میں، محلے میں، بدن کی صفائی، غسل وغیرہ.....'' اپنے طور پر تفصیل سے جواب دیا تھا۔ عائشہ نے۔

''عائشہ بیگم طہارت اور پاکیزگی، روح سے مراد ہے..... ہمیں اپنے اعمال کو ٹھیک کر کے روح کو پاکیزہ کرنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں اپنے باطن سے لے کر اپنے ماحول تک کی صفائی کا خیال رکھنا ہے۔''

''ادھا جواب درست ہے تمہارا.....'' معیز نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''معیز، جب تک میں گھر پر ہوں، تم عشا کی نماز میرے ساتھ پڑھو گے۔ عشا میں سترہ رکعات ہوتی ہیں اور سنود عائے قنوت یاد کر لینا آج ہی.....''

سب سے پہلے سزا معیز کو ملی..... اس نے تڑپ کر ہمراہیوں کو دیکھا..... سب نظر چرا گئے۔

''روزانہ قرآن پاک کون، کون پڑھتا ہے؟ اور..... سورۂ یسین.....؟ تسبیحات.....؟'' آج ان سب کا امتحان تھا، ہر سوال کا جواب نہ میں آرہا تھا۔

''ظاہر ہے صبح اٹھنے کی فرصت کسے ہے جو رات کو چار بجے سوتے ہوں۔ تم لوگوں کو آغاز بلوغت میں ہی سب سکھایا گیا تھا سب بھول گئے۔'' انہیں غصہ آرہا تھا۔ انہوں نے اہل محفل پر تاسف وملال کی نگاہ ڈالی۔

''تم لوگوں کو شرم نہیں آتی..... یہ کیسی نمازیں پڑھتے ہو تم لوگ..... غافل، نمازیں، غافل، سجدے، غافل عبادت..... یاد رکھو، غفلت میں مبتلا سوز و گداز سے بے بہرہ ایسی عبادتیں کس کام کی..... سکون ملا نہ قرار.....'' وہ اپنے آپ کو بھی ملامت کر رہے تھے۔

''معلوم ہے ناں عبادت کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ اللہ کی نعمتوں، رحمتوں کا دل سے شکر ادا کرنا..... اس کی وحدانیت کو دل سے قبول کرنا..... دماغ سے تسلیم کرنا.....'' وہ ذرا کی ذرا رکے تھے۔

''سارا دین آج ہی انہوں نے گھول کر پلا دینا ہے۔'' جہانگیر نے گہری سانس لی۔ گھڑی پر نگاہ کی اس کا فون آنے والا تھا۔ عائشہ کو خیال آیا اس نے مارکیٹ جانا تھا ضروری چیزیں لینے۔ رشما اسے چھوڑ کر چلی جائے گی۔ معیز کو اٹھنے کی جلدی تھی۔ آیان کو خیال آج تو اہم کرکٹ میچ کی ریکارڈنگ دیکھنی تھی۔

سب نے پروفیسر عارب بن عبدالرحمٰن پر نگاہ کی۔ وہ گلوخلاصی کے موڈ میں نہیں تھے۔ گھڑیال پر نگاہ کی۔ عصر میں ابھی کچھ ٹائم تھا۔

جہانگیر نے جمائی لی..... اسے نیند آرہی تھی۔

پروفیسر صاحب نے حاضرین پر نگاہ کر کے ان کی بیزاری، جلد بازی نوٹ کی۔ انہیں کچھ پلاننگ کرنی تھی۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آرام بھی کرنا تھا۔ اپنی اس آل اولاد کو ایسے ہی نہیں چھوڑ نا تھا۔

''سنو..... مجھے کچھ تھکن محسوس ہو رہی ہے ابھی آرام کروں گا..... عائشہ، مجھے پانی پلاؤ.....'' سب ایک ساتھ محفل برخاست ہونے کے خیال سے بھاگنے لگے..... عارب بن عبدالرحمٰن نے اس جلد بازی پر گھورا..... سب شرمندہ ہو کر بیٹھنے لگے۔ عائشہ پانی لینے نکل گئی۔

''سنو..... مجھے اپنے پہلے دوسرے سوال کا جواب رات کو چاہیے..... اور سب عشا کی نماز آج میرے ساتھ پڑھیں گے۔'' ایک اور فتویٰ جاری کیا۔ سب نے گہری سانس لی۔

''اب جاؤ.....'' سب فوراً اٹھے۔

''دادی کو میرے پاس بھیجنا ذرا.....''

''جی، جی..... ابھی میں بلا کر آتا ہوں۔'' سب بھاگنے والے انداز میں نکلے۔

اور عارب بن رحمٰن انہیں تفکر آمیزی سے دیکھتے رہے۔ کتنا فکر انگیز لمحہ تھا۔

''ہماری اولاد..... اسلامی علوم، دینی معاملات، اسلامی اقدار سے کس قدر بے بہرہ ہے۔'' دلی رنج و ملال سا ہوا۔

وہ تو دنیا بھر کی فکر میں مبتلا تھے۔ درس و تدریس، اسلامی لیکچرز دیتے تھے۔ انہیں فخر تھا کہ ان کی اولاد ان کا پرتو ہے، نمازی، پرہیزگار، عبادت گزار، لیکچرر، پروفیسر..... مگر ان کی تربیت آگے کیوں نہ بڑھ پائی اس لیے کہ بس وہ یہیں تک سمجھے تھے۔ روزِ قیامت اولاد کی بابت سوال ہوگا، اولاد کی تربیت نہیں کی۔ راحیل، شعیب، فرحانہ اور صدام..... بند آنکھیں انہوں نے کھولیں۔

''صدام امریکا میں اس کی اولاد..... کیا حال ہوگا ان کا.....'' ان کے وجود میں بے قراری سرائیت کرتی چلی گئی۔

''اصلاح معاشرہ کی فکر میں مبتلا..... ہم اپنی اولادوں سے کتنے غافل ہیں..... انگریزی تعلیم، انگریزی رہن سہن، انگریزی علوم، انگریزی انداز..... کہاں ہے اسلامی روایات۔ کہاں ہیں مشرقی تہذیبی اقدار.....'' آج وہ سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

صالحہ بیگم دم بخود میاں صاحب کے سامنے کاؤچ پر بیٹھی تھیں منہ کا پان بھی ایک گال میں دبا دیا تھا۔ آنکھیں سنجیدگی اور شکوے لیے ان پر ٹکی تھیں۔ انداز خفگی بھرا تھا۔ عارب بن عبدالرحمٰن کے سوال ہی ایسے تھے۔

''بتائیے آپ کیا کرتی ہیں سارا دن..... کون سے کام ہیں جو آپ گھر سے غافل ہیں.....؟''

''سب بہوؤں پر نظر ہے سب ماشاء اللہ اچھی ٹھیک، ٹھاک فرمانبردار ہیں.....'' اپنے بچاؤ کی راہ نکالی۔

''آپ ان کی فکر مت کریں..... ان کی فکر کرنے کے لیے ان کے شوہر ہی کافی ہیں۔ تحفظ میں ہیں وہ جنتی ہیں یا دوزخی..... یہ ان کے اعمالوں پر منحصر ہے.....'' سنجیدہ اور گہری آواز ابھری۔

''تو.....؟'' وہ سوالیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''بچے..... ان کے بچوں کے لیے آپ نے کیا کیا.....؟'' سیدھا سا سوال کر لیا۔

''تو..... اپنے بچوں کے بعد ان کے بچے بھی..... میری ذمے داری ہیں.....؟'' بچاؤ کی صورت اختیار کی۔

''صالحہ بیگم کیا ہو گیا ہے آپ کو..... دماغ میں خلل ہے یا بوڑھی ہو گئی ہیں آپ..... اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔ آپ زندہ ہیں صحت مند ہیں بقائمی ہوش و حواس ہیں..... اپنے بچوں کو آپ نے اسلامی اقدار سے روشناس کروایا۔ اور ان کے بچے.....؟'' وہ سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''اپنے بچوں کی تربیت سے مجھے کوئی اختلاف نہیں آپ سے ماشاء اللہ..... صوم و صلوٰۃ کے پابند،

دین دار، معاملہ فہم ہیں۔ ان کے بچوں کو آپ نے چھوٹی، چھوٹی باتیں نہیں بتائیں۔'' خفگی سے دیکھا۔

''گھر میں بیٹھی بزرگ خاتون کا کیا انداز ہونا چاہیے۔ بچوں کو نماز کی رکعتیں تک نہیں یاد...... جمعہ کے فرائض کا نہیں پتا...... عام اسلامی تعلیمات سے بالکل بے خبر... ہمارے بچوں کی اسلامی معلومات ناقص ہیں...... اگر اسکول میں اسلامیات کی کتاب پڑھ بھی لی تو بس امتحان دینے تک یاد رکھی پھر بھول گئے۔ صالحہ بی بی ان کی تربیت کے سلسلے میں ہم بھی گناہ گار ہوں گے۔'' سارا نزلہ، زکام، کھانسی صالحہ بیگم پر گر گیا۔ وہ ہار گئیں...... خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''ہر گھر کے بڑے بوڑھوں کا کام ہوتا ہے بچوں کو چھوٹی، چھوٹی باتیں یاد کروانا...... احادیث کا مفہوم یاد کروانا...... چھوٹی سورتوں کا دُہرانا...... سننا...... چھوٹے، چھوٹے اسلامی واقعات کہانی کی شکل میں سنانا...... کیا تم اپنے بچوں کا تربیتی دور بھول گئی ہو......''

انہوں نے بیوی کو دیکھا۔ اچھی خاصی کلاس لے لی تھی۔

''ان بچوں کے متعلق مجھ سے بھی اللہ پوچھے گا۔ کیسے مبلغ اور اسکالر تھے کہ تمہارے بچے بے بہرہ رہے۔''

''ارے یہ سب بچے بڑے افلاطون ہیں۔ ٹی وی اور موبائل نے بگاڑ ڈالا ہے انہیں۔'' وہ بولیں۔

''نہیں صالحہ بیگم...... میڈیا نے نہیں...... ہماری تربیتی نظر نے انہیں بگاڑا ہے۔ ہم نے انہیں شیر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ہم نے ان کی تربیت نہیں کی۔ ان کو وقت نہیں دیا۔ مصروفیت ہمیں ان سے بہت دور لے گئی ہے۔ صرف ہم نہیں ہماری عمر کے سب بزرگ اس میں پیچھے رہ گئے مجھے تو باجی ثریا کے بچوں اور اپنے بچوں کی گفتگو نے چونکا دیا تھا کہ ہمارے بچے بھی فضول قسم کی بحثوں میں پڑے ہوئے تھے۔'' وہ اس دن کی بچوں کی بے سروپا باتیں بتانے لگے تھے۔

''تم نے بہوؤں کو سلائیاں، کروشیا، کڑھائیاں اپنے زمانے کے کھانوں کی ترکیبیں بتا دیں، اچار ڈالنا، چٹنیاں بنانا تو تم نے بہوؤں کو سکھا دیا مگر اُن کے بچوں کو کیا سکھایا؟''

صالحہ بیگم نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

''ہمیں دوسروں پر الزام لگانے سے پہلے اپنی تربیت پر نگاہ کرنی ہے۔ ہمیں ان کو صرف دولت، جائداد میں حصہ نہیں دینا...... اسلامی، اقدار، روایات، عشقِ نبویؐ اور دینی احکامات بھی دینے ہیں۔'' اپنے وقت کے بڑے مبلغ، مفکر عارب بن عبدالرحمٰن بہت اداس اور پریشان ہو گئے تھے۔ فکرِ تربیتِ اولاد نے گھیر لیا تھا۔

''کیا فائدہ ایسی کتب بینی کا...... دینی مطالعے کا احادیث کی تفسیر پڑھنے کا جب بچوں کو تم نے کچھ نہیں بتایا۔'' گہری سانس لے کر اب آنکھیں موند لیں۔ وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئے تھے۔ صالحہ بیگم نے ان پر چادر اوڑھا دی تھی...... چند لمحوں تک انہیں دیکھا...... اور اپنی اون سلائیاں اٹھا کر باہر آ گئیں۔

لاؤنج خالی تھا...... کاؤچ پر لیٹا جہانگیر کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ بہو بیگم شام کی چائے، ناشتا بنانے کچن میں مصروف تھیں کہ اذان بلند ہو رہی تھی۔ وہیں بیٹھ کر سر پر دوپٹا لے کر اذان سنتے ہوئے اذان کے الفاظ ساتھ، ساتھ دُہرانے لگیں۔

کچن میں مصروف سر ڈھانپے نگین بھی یہی عمل کر رہی تھی۔ اذان سن کر الفاظ دُہرا کر دعا مانگ کر انہوں نے لاؤنج میں دیکھا...... جہانگیر اسی حالت میں نیم دراز کتاب پڑھ رہا تھا۔ قریب جا کر دیکھا حدیث کی کتاب تھی۔

''جہانگیر......''

''جی دادی جان......''

''اذان کی آواز سن کر کیوں نہیں اٹھ کر بیٹھے......؟''

''جی......'' چونک کر انہیں دیکھا...... اور فوراً اٹھ بیٹھا۔

''اور یہ...... تم حدیث کی کتاب ایسے پڑھ رہے ہو جیسے کوئی رسالہ یا اخبار...... شرم کرو......'' انہوں نے ٹوکا۔ ''یہ سنتِ نبویؐ ہے، نجات کا رستہ باوضو ہاتھ لگایا کرو اور اگر وضو نہ کر سکو تو ادب و احترام تو کر سکتے ہو یا اس سے بھی قاصر ہو۔''

''جی.....'' اس نے ورطۂ حیرت سے دادی کو دیکھا..... جن کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''کہیں دادی بھی تو دادا حضور کے درس سے فیضیاب نہیں ہوئیں۔'' اس نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

''اتنا مشکل سوال..... کسی معلوماتی کتاب سے جواب نہیں ملا، میں تو فیل.....'' آیان نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔

''تم نہیں ہم سب فیل..... سب باجماعت بے عزتی کے لیے تیار رہیں۔'' معیز ہل، ہل کر دعائے قنوت یاد کررہا تھا۔

عائشہ، کو پردے پر کوئی حدیث مل کر نہیں دے رہی تھی۔

''آہا..... وہ مارا.....!'' جہانگیر چیخا۔

نماز کی کتاب سے اسے جمعے کی سنتیں، مکمل جواب مل گیا تھا۔

''پاکیزہ، اچھا لباس، غسل، خوشبو، عطر لگانا..... مسواک، سرمہ، سورۂ کہف کی تلاوت.....''

''جواب درست.....'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

اذانِ مغرب بلند ہورہی تھی آیان صوفے پر الٹا سیدھا لیٹا تھا۔ حمنہ، لبنیٰ کے سر سے دوپٹا غائب تھا۔ قریبی مسجد سے اذان کی آواز بلند تھی۔ جہانگیر اور سکندر..... اذان سے بے پروا زور وشور سے بحث و مباحثے میں لگے تھے۔ ٹی وی کی آواز بھی بلند تھی۔ معیز ہاتھ میں کتاب پکڑے..... ٹیلی ویژن اور کتاب دونوں کی طرف ایک ساتھ متوجہ تھا۔

ادب، تمیز، احترام مفقود..... لاؤنج کسی مچھلی بازار کی تصویر پیش کررہا تھا۔ اذان کی آواز کسی کو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ عارب بن عبدالرحمٰن، تاسف، ملال، ہمدردی کے تاثرات لیے باہر سے گزرتے، گزرتے رک گئے تھے اندر کے منظر نے انہیں مزید دکھی کردیا۔

''کہیں سے نہیں لگ رہا کہ یہ کسی مبلغ، مفسر، معلم کی آل اولاد ہے۔ کیا یہ لوگ مسلمان بھی ہیں۔'' وہ ایک کرب کی کیفیت میں آگے بڑھ گئے۔

''تربیت کہاں سے شروع کریں..... اصلاح کس کی کریں.....'' طبیعت اور زیادہ مضمحل اور اداس ہوگئی۔

وہ عشا کی نماز پڑھنے مسجد گئے تھے۔ اور سب دادا جان کے ہال نما کمرے میں آئے تو کمرا خالی تھا۔ وہیں بیٹھ کر وہ انتظار کرنے لگے۔ آپس کی بحث، سوالوں کے جواب، دیگر باتیں..... عشا کی ادائیگی کا خیال کسی کو نہیں آیا۔ لبنیٰ، حمنہ، اور اسفند، طوالت سے گھبراتے تھے۔ معیز کے ہاتھ میں نماز کی کتاب بھی وہ کوئی دوسری سزا افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔

کافی دیر بعد وہ گھر لوٹے تھے..... سب کو ہال میں دیکھا تو رک گئے۔

''دادا جان ہم نے ساتھ نماز پڑھنی تھی؟'' جہانگیر نے کہا۔

''میں نے سوال کا جواب تلاش کرلیا ہے۔''

''ایک جواب نہیں ملا.....'' انہوں نے فرداً فرداً سب کو دیکھا۔

''تم لوگوں نے نماز عشا ادا کرلی.....؟'' سب کے سر جھک گئے۔ دادا جان کا جملہ اچانک ہوتا تھا۔

''پہلے سب نماز ادا کریں۔ صبح گیارہ بجے ملاقات کروں گا۔'' اتنا کہہ کر وہیں کاؤچ پر بیٹھ گئے۔ سب نے چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں وضو کرآؤں.....'' پہلے آیان بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔

''سب وضو کرکے فوراً آجائیں۔'' عائشہ جاکر صاف بڑی چادر لائی اور کارپٹ پر بچھادی۔

یوں باجماعت نماز پڑھی گئی۔ ہر رکعت کے اختتام پر پیچھے مڑکر دیکھا گیا۔ عارب بن عبدالرحمٰن تسبیح کے دانے گراتے نظر آئے۔ آخری رکعت کی ادائیگی کے بعد سب دعا مانگ کر مڑے۔ دادا جان کی جگہ خالی تھی۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

گھڑیال، گیارہ کا گھنٹا دے رہی تھی۔

☆☆☆

''تم لوگوں کو معلوم ہے خدا کا پسندیدہ عمل کون سا

ہے؟'' سب پر گہری نگاہ ڈالی۔

''یا اللہ یہ سوال نامہ کب ختم ہوگا.....؟'' آیان نے آنکھیں بند کیں۔ ''ابھی تو ایگزام دے کر بیٹھے ہیں، کتابوں پر کتابیں پڑھیں..... مائی گاڈ..... اور حدیث کی کتابیں.....''

''بورنگ.....'' آیان اور اسفند دونوں مطالعے سے بھاگتے تھے اور گھبراتے تھے۔

''دادا جان نماز پڑھنا'' حمنہ نے برجستہ کہا۔

''ہوں.....'' دبیز سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''کیسی نماز.....؟''

''جی.....'' حاضرین محفل بغلیں جھانکنے لگے۔

''اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے۔ مکمل طہارت، پاکیزگی اور خشوع وخضوع کے ساتھ نا کہ.....'' لمحہ بھر کو رکے۔

''بے رغبتی، عدم توجہی، بیزاری اور جلدی، جلدی ادائیگی کے ساتھ۔ قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا۔ عدم توجہ سے پڑھی گئی نمازیں منہ پر ماردی جاتی ہیں۔ رات تم لوگوں نے عشا کے سجدے کس طرح کیے.....؟'' شرمندگی درشرمندگی' خفت وخجالت سے سر اٹھا نہ سکے۔

''نماز میں کس بات کی جلدی..... ہم سکون سے بیٹھ کر اللہ کی بندگی کی تعریف نہ کریں..... ہمارا دھیان کہیں اور ہو..... نماز کے بعد ہم نے یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے یہاں جانا ہے جو عبادت کررہے ہیں اس کی تعظیم سے بے بہرہ کیوں..... ہے ناں ایسا ہی.....؟ اگر ہے تو ایسا کیوں ہے؟ تم لوگ عاقل، بالغ باشعور ہو۔ دین کے فرائض کی ادائیگی میں جلد بازی کیوں.....؟ اور تم لوگ فرض ادا کرتے ہو سنت چھوڑ دیتے ہو..... بیماری، دکھ، تکلیف میں تو ٹھیک ہے بلا سبب ایسے مت کیا کرو.....'' دھیمے سے کہا۔

''آیان..... خدا کی نظر میں زمین کا سب سے بہتر حصہ کون سا ہے؟''

''خانہ کعبہ.....!''

اولین صفحات

سیاست کے میدان میں ہونے والے کمالات..... ایسی بساط جس کا ہر مہرہ اپنی چالیں کھیلنے کے لیے تیار تھا۔ **غلام قادر** کے قلم سے سیاسی چالیں.....

انا گیر

سنہری ریت کے سرابوں میں بھٹکتے خوابوں کے سوداگر کی دل فگار داستان..... **امجد جاوید** کے زور آور قلم کا امتحان.....

الاؤ

مسیحاؤں کے بھیس میں شاطر مجرموں کا کھیل..... زندہ انسانوں کے لیے دہکتے الاؤ کی صورت موت تیار کی جارہی تھی..... **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم سے نیا سنسنی خیز سلسلہ

سروق کے رنگ

پہلا رنگ

محبت اور نفرت کے کھیل میں خسارے اٹھانے والوں کا انجام۔ سروق کی دلچسپ کہانی

دوسرا رنگ

ہواؤں کے شور میں گھر ہی نہیں انسان بھی بکھر جاتے ہیں۔ تند وتیز ہواؤں کی کارستانیاں

چٹی لکنہ چٹی

آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں

جہانگیر کی جانب دیکھا۔

''روضۂ رسولؐ.....'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

''مسجد..... مسجد خدا کا گھر ہے۔ محترم، پاکیزہ، پسندیدہ جگہ ہے۔ تم لوگ نماز پڑھنے مسجد نہیں جاتے۔ عصر گھر میں، ظہر گھر میں اس قدر کاہلی، سستی، دو قدم نہ اٹھائے جائیں اور فجر کا تو کہنا ہی کیا..... ان مسجدوں کو کون آباد کرے گا۔''

جہانگیر، اسفند، فضل نے خود کو خطاوار سمجھا۔

''اور معیز، تم اور آیان..... مسجد کا ادب اور احترام بھول گئے ہو۔ ہاں قصور ہم والدین کا ہی ہے جو تم لوگوں کو مسجد سے محبت کرنا نہ سکھائی۔ یوں ٹھٹے مارنا، بھاگنا، نل کھلا چھوڑ دینا۔ پنکھے کے نیچے جگہ تلاش کرنا، مسجد گزرگاہ نہیں ہے کہ بے رغبتی اور جلدی، جلدی نکلنے کی فکر ہو.....'' دونوں شرمندہ ہو گئے۔

''مسجد میں نماز کے لیے جانا ایسے ہے جیسے جہاد کے لیے جانا..... مسجد کی جانب اٹھنے والا ہر قدم نیکی کو واجب کرتا ہے۔ اور گناہ کو مٹاتا ہے۔ بہت ساری باتیں تم لوگوں کو دین، قرآن اور حدیث کے حوالے سے نہیں بتائی گئیں کہ خود سیکھ لیں گے۔ مگر ان چیزوں کو خود سیکھنے کے بجائے تم لوگوں نے نظر انداز کر دیا۔'' وہ دکھ سے کہہ رہے تھے۔

''مسجد جایا کرو ادب و احترام کے ساتھ..... جب داخل ہو السلام علیکم کہو..... کوشش کرو باوضو ہو..... نماز، نوافل دلجمعی سے ادا کیا کرو..... اور چاہے ایک صفحہ یا ایک ہی رکوع قرآن پاک پڑھو صحیح ضرور پڑھ کر نکلا کرو..... نوعمری میں تو یہ باتیں بتائی تھیں۔ بڑے ہو گئے ہو تو غافل ہو گئے حالانکہ جوانی کی عبادت کا تو دگنا ثواب ہے۔'' وہ دھیرے، دھیرے بول رہے تھے۔ سمجھا رہے تھے۔ سب سر جھکا کر شرمندگی سے سن رہے تھے۔

انہیں صالحہ بیگم پر تاسف تھا یہ ان کا فرض تھا۔ دین کے معاملے میں چھوٹے، چھوٹے کام کرواتی اور پوچھتی رہتیں۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی میں پڑھ لیے اور اپنے فرائض سے غافل۔ بچوں کو بچپن میں ہی نہیں ہر عمر میں دین کی سمجھ بوجھ سمجھانے اور آگہی دینے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔

وہ جو خود مبلغ و مفکر تھے کس کو سمجھاتے تھے، کس کے لیے لیکچر دیتے تھے، دوسروں کے لیے۔ ایک دنیا ان کا ادب، احترام کرتی تھی۔ ان کے مقالے، لیکچرز توجہ سے سنے جاتے اور ان کی اپنی اولاد کی اولاد.....؟ ان کے اندر ایک دکھ بھرا احساس اجاگر ہوا۔ اب بھی دیر نہیں ہوئی تھی انہوں نے اپنی توجہ اپنے بچوں کی جانب کر لی تھی۔

''آیان..... میری لائبریری سے جا کر آداب زندگی، مولانا یوسف اصلاحی کی کتاب لے کر آؤ اور باری، باری سب مطالعہ کرو اور صرف مطالعہ ہی نہیں کرنا، سرسری پڑھنا نہیں ہے بلکہ از بر کرنا ہے اور ان روزمرہ کی چھوٹی، چھوٹی باتوں کو سیکھو..... پڑھو..... جانو، سمجھو۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

عصر کے وقت انہوں نے معیز اور آیان کو آگے مسجد کی طرف جاتے دیکھا۔ مسجد میں داخل ہوئے تو ''السلام علیکم'' کی دھیمی آواز پر چونک کر سر گھمایا۔ جہانگیر ذرا پیچھے آ رہا تھا۔

جب انہوں نے سلام پھیرا تو عمر صف کے آخر میں کھڑا نظر آیا۔ ان کے دل میں قدرے سکون اترا۔ دیر ہو گئی تھی مگر اتنی نہیں..... قابلِ اصلاح اور سمجھنے والی تھی ان کی اولاد..... نم آنکھوں کے ساتھ انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

☆☆☆

''بیٹا..... اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا غلط استعمال اور اس پر ندامت بھی نہیں..... مثلاً وعدے سے مکرنا، جھوٹ، غیبت، زبان درازی، گالم گلوچ، فحش کلامی، تہمت لگانا، الزام تراشی، چغل خوری اور جانے کیا، کیا..... ہم اپنی چھٹانک بھر کی زبان سے کتنے گناہ کر جاتے ہیں، سوچتے ہی نہیں..... بس بول رہے ہیں۔ غصے میں سب کچھ بول جاتے ہیں۔ اسی زبان کی بدولت، زیادہ تر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ اللہ نے ہمیں صحیح اور غلط کی تمیز سکھا دی۔ فلاح کا راستہ

بتادیا ہے مگر معمولی دنیاوی فائدے کے چکر میں اپنی عاقبت خراب کرڈالتے ہیں۔'' وہ آج چھٹی والے دن پھر بچوں کو لے کر بیٹھے تھے۔

''ذرا سی احتیاط کرلیں تو ہم ان معمولی گناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ ذرا، ذرا سی بات پر جھوٹ نہ بولیں..... کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں.....؟''

''جی، جی.....'' سب نے ایک زبان ہوکر کہا۔

''ہم چھوٹے گناہوں سے بچاؤ کریں گے تو بڑے گناہ سے بچیں گے ناں..... صرف اتنی سی بات ہے کہ ان باتوں کو ہم پسند کرلیں جو اللہ کو پسند ہیں زندگی میں سکون آجائے گا۔'' خاموش بیٹھے جوانوں پر نگاہ ڈالی۔

''ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ کس، کس موقع پر ہم کیسے، کیسے زبان کا غلط استعمال کرڈالتے ہیں مثلاً ٹریفک میں پھنس گئے تو فوری لڑنے مرنے کو تیار..... بحث برائے بحث شروع..... ہم درگزر کرنا، نظر انداز کرنا بھول گئے ہیں۔ کوئی کام ہم سے غلط ہوگیا اسے جھوٹ سے، غلط بیانی سے ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وعدہ کر کے بھول جائیں گے، یہ تو عام بات ہے۔ کیوں..... ایسا ہی ہے ناں..... فضل، اسفند، معیز.....'' سب گڑبڑا گئے..... فضل پر تو اللہ کا خاص فضل تھا بہت حاضر دماغ تھا۔

''جی دادا جان..... رائٹ.....!''

''ہم کیوں اس ابدی جنت کی تمنا نہیں کرتے..... بلکہ نہیں..... تمنا تو ہے مگر اس کو پانے کی کوشش نہیں کرتے۔'' ان کا لیکچر جاری تھا۔ حمنہ سے ملنے آنے والی سہیلی علیزے باہر ہی رک گئی تھی۔

''بتاؤ..... کس چیز میں فلاح ہے؟''

''السلام علیکم.....!'' اسی وقت علیزے اندر آئی واپس نہیں جاسکتی تھی۔ انکل عارب اسے دیکھ چکے تھے۔

حاضرین محفل نے گھوم کر آنے والے کو دیکھا۔

''یہ کیوں آگئی..... تاک، تاک کر جملے مارے گی۔'' لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

علیزے، حمنہ، نبیٰ اور عائشہ کے برابر میں بیٹھ گئی۔

اس کے ہاتھ میں کوئی فائل تھی۔ وہ شاید اکیڈمی سے آرہی تھی۔ تینوں نے مسکرا کر اسے وش کیا تھا۔ عارب بن... عبدالرحمن کی توجہ علیزے وقاص کی جانب تھی۔ وقاص علی انہیں اپنے کاروباری امور کی وجہ سے پسند نہیں تھا حالانکہ بہت پرانا ساتھ تھا ان کا..... پڑوس آباد تھا ان کی وجہ سے..... اس کے چار بچے تھے، چاروں بچوں میں انہیں علیزے اور ابراہیم پسند تھے۔ ارقم اور اجود دنیاوی علوم میں مبتلا..... دین و دنیا دونوں سے غافل تھے۔ ان کے کارنامے انہیں ازبر تھے۔ وہ خاموش ہوگئے۔

''انکل میری وجہ سے آپ ڈسٹرب ہوگئے۔'' مسکرا کر دیکھا۔

''نہیں.....'' وہ مسکرائے..... ''بس نشست برخاست ہونے کو تھی۔''

''سنا ہے آج کل آپ گھر میں درس و تدریس کی محفل رکھ رہے ہیں۔'' شرارت سے فضل اور آیان کو دیکھا۔

''ہاں طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آج کل گھر پر ہی ہوں.....''

''انکل میں بھی شاملِ محفل ہوجایا کروں.....'' ادب سے اجازت مانگی۔

''ہاں..... ہاں ضرور..... بیٹا بلکہ اپنے بہن، بھائی اور دوستوں کو بھی لے آنا..... اجرِ عظیم ہے درس و درود کی محفلوں میں بیٹھنا، سننا اور.....'' حاضرین پر نگاہ کی۔ ''اور کچھ سیکھ کر اٹھنا۔''

فضل اور جہانگیر لاحول پڑھ رہے تھے۔ گھر کی بات گھر میں رہنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ یہ علیزے کی بچی ہر جگہ ان کی بے ادبی کا اور کم علمی کا ڈھونڈرا پیٹے گی۔ فضل کو زیادہ اعتراض تھا۔ بچپن سے ان کی نہیں بنی تھی۔

''انکل سیکھ کر وہ اٹھتا ہے جو سیکھنا چاہے۔ زبردستی گھول کر صرف دوا پلائی جاسکتی ہے۔''

''ہوں.....'' زیرِلب وہ مسکرائے۔ اور سب کی جانب دیکھا۔

''مجھے یقین ہے آپ سب لوگ زبان پر کنٹرول رکھیں گے، اخلاق باختہ گفتگو سے پرہیز کریں گے، بہتر

یہ ہے کہ آپ لوگ باوضو رہنے کی عادت اپنائیں، ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے اور الحمدللہ..... کہنے کی عادت ڈالیے۔ دروغ گوئی اور خلاف شرع باتوں سے خود بخود بچاؤ ہو جائے گا۔'' بات مختصر کر کے انہوں نے نشست ختم کر دی۔ علیزے، حمنہ اور لبنیٰ کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔

''آج کل انکل کے ساتھ تم لوگوں کو خوب مزہ آ رہا ہوگا۔ ویسے تو زیادہ تر وہ دوروں پر ہوتے ہیں۔'' علیزے دوپٹا ایک طرف رکھ کر مزے سے ان کے بیڈ پر کشن لے کر نیم دراز ہوئی۔

''کہاں..... دادا جان تو ٹھہرے اسکالر..... ہر وقت ہمارے ہاتھ میں معلوماتی کتاب ہوتی ہے کب کہاں سوال پوچھ لیں۔'' لبنیٰ نے منہ بسورا۔

''پتا نہیں کب جائیں گے تبلیغی دورے پر.....''

''چہ، چہ..... چہ..... بہت افسوس کی بات ہے، میرے گھر میں میرے دادا ایسے ہوں، ماحول ایسا ہو تو اتنی مذہبی معلومات دیں تو سچ میں، میں تو ان کی محفل سے نہ اٹھوں.....''

''یار ان کی نظر میں ہم ناقص العقل ہیں، نالائق ہیں۔''

''نہیں..... اگر وہ تم لوگوں کو ناقص العقل سمجھتے تو درس دینے نہ بلاتے۔ ابھی تم لوگوں میں عقل و شعور ہے جو تمہیں سمجھا رہے ہیں، دین کے بارے میں اور حمنہ..... دین کے بارے میں سوجھ بوجھ میں ہی ہماری فلاح ہے۔''

''لو..... سونے پر سہاگا.....'' لبنیٰ نے حمنہ کی جانب دیکھا۔ ''یک نہ شد دو شد.....''

عائشہ ان کے لیے سوفٹ ڈرنک لے آئی تھی۔ حمنہ نے ٹاپک چینج کر دیا۔ لبنیٰ اکاؤنٹس کا ایک سوال لے کر آ گئی تھی۔ باتوں کے دوران اذان عصر ہو گئی۔

وہ باوضو تھی فوراً نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمنہ سستی سے لیٹی رہی، لبنیٰ کا بھی ارادہ نہیں تھا مارے باندھے عائشہ وضو کر کے آئی..... نماز سے فارغ ہو کر علیزے، عائشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

''تم بیمار ہو.....؟''

''نہیں.....''

''جسم میں، ہڈیوں میں درد ہے؟''

''اللہ نہ کرے.....'' منہ بنا کر دیکھا۔

''پھر بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی.....؟''

''وہ، وہ.....!''

''کوشش کیا کرو فرض ہی سہی کھڑے ہو کر ادا کرو جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔'' عائشہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

''اور تم..... تم نے اول وقت نماز کیوں نہیں پڑھی.....؟''

''جا رہی ہوں پڑھنے۔'' حمنہ منہ بنا کر بیڈ سے اتری۔

''اور لبنیٰ تم.....؟''

''ٹھہر کر پڑھوں گی..... اور سنو بی بی نماز مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے، اپنے گھر جا کر پڑھو..... دادا جان کا دایاں بازو مت بنو.....'' اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''سنو لڑکی، اذان کی اطلاع ایک اعلان ہے۔ آؤ فلاح کی طرف..... لبیک..... جوابی عمل ہے جو ہمیں فوراً دینا ہے، میں حاضر ہوں.....'' اس نے دوپٹا سر پر لپیٹا..... فائل اٹھائی بیگ لیا اور باہر نکل گئی۔

''کل آؤں گی انکل کے پاس.....'' تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''ہمیشہ سچ بولو..... سچ میں جھجک ہے نہ پکڑ.....''

''یہ کون سی نئی بات ہے۔'' معیز نے دل میں سوچا۔

''بے مقصد باتوں سے گریز کریں، نگراں فرشتے ہر بات نوٹ کرتے ہیں۔ لہجے میں نرمی، حلم، گداز اور متانت اختیار کریں۔'' عارب بن عبدالرحمٰن نرم انداز میں سمجھا رہے تھے۔ ''خواہ مخواہ ایک دوسرے کی برائی نہ کریں۔''

''اور اگر برائی ہو تو.....'' لبنیٰ، فضل کو دیکھ کر مسکرائی۔

''تو بہانگ دہل تذکرہ مت کریں۔ صرف اسی شخص کو سمجھائیں پر مذاق مت اڑائیں۔ اپنی بڑائی مت جتائیں۔ ہمارے لب و لہجے میں ہماری تعلیم، تربیت، وقار، شائستگی اور اسلامی طرز زندگی جھلکنا چاہیے۔ خوشامدی لب و لہجہ اختیار نہ کریں۔'' انہوں

نے خاص طور پر معیز کی جانب دیکھا۔

''جب دو آدمی بات کررہے ہوں تو درمیان میں مت بولیے۔ ٹوکے کر باتیں نہ سنیں.....'' پھر عائشہ کو دیکھا۔ ''اور کوئی کچھ بتا رہا ہو تو غور سے سننے ہوسکتا ہے کہ بتانے والا..... کچھ نیا بتا رہا ہو..... آپ کی معلومات پرانی ہو۔ عمر، مرتبے، تعلق، رشتوں کے لحاظ سے بات کرو..... بہن، بھائیوں والا لہجہ، والدین کے لیے نہیں ہوتا۔ بے جا تکرار مت کیا کرو..... والدین کے لیے ادب وتہذیب اور احترام لازم ہے۔'' پھر انہوں نے جہانگیر کو دیکھا اسے کج بحثی کی عادت تھی۔ وہ ہمیشہ بحث برائے بحث کرتا۔ بات کو طول دیتا چلا جاتا اور تنگ کرنے والے انداز میں بات کرتا۔ وہ باری، باری سب کی جانب نظر کرکے بات کررہے تھے۔

''ہر وقت ہنسی، مذاق سے آدمی کی قدر ومنزلت کم ہوجاتی ہے۔''

''یہ سب باتیں تو ہمیں پتا ہیں.....'' معیز نے دل ہی دل میں سوچا۔

''آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے یہ چھوٹی، چھوٹی باتیں ہمیں بار، بار کیوں بتائی جارہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے یہ سب باتیں پہلے سے آپ کے علم میں ہیں مگر اسے عام زندگی میں روٹین لائف میں، روزمرہ گفتگو میں لاگو نہیں کرتے۔'' معیز گڑبڑا گیا تھا۔

مگر عارب صاحب اپنی دُھن میں تھے۔

''اور دین اسلام کے احکامات ہمیں اپنے ہر معمول میں نظر آنا چاہیے۔ ہمیں ہر آن..... لبیک کی حالت میں رہنا چاہیے۔ آپ سوچیے کیا ہم ایسا کرتے ہیں؟'' حاضرینِ محفل پر نگاہ ڈالی۔ سب کے سر جھک گئے۔ آج کی نشست برخاست ہوگئی تھی۔

''اللہ جانے دادا جان کو یہ سب اب کیوں یاد آرہا ہے۔'' معیز نے پھر دل ہی دل میں سوچا۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے توبہ بھی کرلی تھی۔

☆☆☆

''کون، کون سی سورتیں یاد ہیں حمنہ؟'' صالحہ بیگم نے پوتیوں کے پاس بیٹھنا شروع کردیا تھا۔

''وہ آخر کی دس سورتیں یاد ہیں۔''

''للہٰی تمہیں.....''

''اتنی یاد ہیں بی بی جان کہ نماز پڑھ لیتی ہوں۔''

''عائشہ؟''

''اچھی خاصی یاد ہیں بی بی جان.....''

''اور مجھے تو جناب بہت ساری یاد ہیں..... سورۂ مزمل، سورۂ جمعہ، سورۂ یٰسین، سورۂ رحمٰن اور بی بی جان آج کل تو میں سورۂ واقعہ حفظ کررہی ہوں۔'' بوتل کے جن کی طرح علیزے آگئی تھی۔

''تمہیں گھر میں کوئی کام نہیں؟'' حمنہ جل گئی۔

''الحمدللہ میں سارے کام کرکے آئی ہوں، بی بی جان میں نے آج کل کھانا بنانا شروع کردیا ہے، ہمارے کک بابا بہت اچھے کھانے بناتے ہیں۔ ان ہی سے سیکھ رہی ہوں۔''

''شاباش بچے..... بہت اچھی بچی ہو تم..... لڑکیوں کو ہر کام میں طاق ہونا چاہیے۔ ماشاءاللہ میری بچیاں بھی بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں، میں تو سوچ رہی ہوں اب ان کی ماؤں کو ریٹائر کردوں.....''

''بالکل بی بی جان، آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''تمہاری دادی ٹھیک ہیں؟''

''جی، بڑے بابا کے پاس پشاور گئی ہوئی ہیں۔ میری دادی آپ کی طرح بالکل نہیں ہیں، وہ صرف گھومتی پھرتی ہیں یا ڈانٹتی رہتی تھیں، ویسے اپنا بہت خیال رکھتی ہیں وہ۔''

''اچھا.....'' وہ مسکرائیں۔ ''ہر انسان کو اپنا خیال خود رکھنا چاہیے.....''

''جی بی بی جان!'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

☆☆☆

''خود کو اللہ کی طرف رجوع رکھو..... جیسے بچے اپنی ماں کو راہِ نجات سمجھتے ہیں، ہر دکھ، تکلیف، پریشانی میں ماں کو پکارتے، اس کی جانب بھاگتے ہیں، اس

طرح جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہمارے اندر شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہمیں اللہ سے محبت سیکھنی چاہیے۔ ہر آن اس کی رحمت کو پکارنا چاہیے، اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

''اللہ کو کیسے پکارنا چاہیے؟''

حاضرین پر نگاہ ڈالی جو خاموشی سے انہیں سن رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔

''نماز کے ذریعے، نوافل، ذکر، اذکار، تسبیحات، تلاوت کلام پاک..... اپنے اعمال کو درست کرنا..... آقا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی جانب اور یہ ہی تو رجوع ہے۔ اللہ کی جانب ایک قدم بڑھاؤ وہ دس قدم آگے آکر تمہاری مدد کرتا ہے۔ اب اس سے اللہ کے جسمانی قدم مت سمجھ لینا۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

''انکل، ہم دوسری طرف کیوں دیکھیں گے جب ہمارے اندر یقین ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے، اللہ دے رہا ہے، اللہ موجود ہے۔'' سب چونکے..... وہ کسی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔

عارب بن عبدالرحمٰن زیرلب مسکرائے۔

''یقین..... ہاں..... ہمارے ہاں یقین تو ہے کہ ہم کسی اور طرف نہیں دیکھیں گے اور صرف اللہ سے مانگیں گے۔ مگر عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بے یقینی، جلد بازی، بے صبری ہمیں کسی اور جانب دھکیل دیتی ہے اور پھر عامل بابا، آستانے، بنگالی بابا، بہروپے ان کے در پر جا کر مانگتے رہیں اس لیے کہ یقین پختہ نہیں ہوتا۔'' سب نے ایک دوسرے کو ناگواری سے دیکھا۔

''اگر ہم نے کسی ایک کا بھی شعور بیدار کر دیا۔ اسے پکا مسلمان بنا دیا۔ اللہ سے محبت کرنا، اللہ سے ہی مانگنا سکھا دیا تو اس کا کتنا اجر و ثواب ہے اس کا آپ لوگوں کو اندازہ نہیں اس لیے کہتے ہیں کہ پہلے اپنے دین کو سمجھیں اور پھر دنیاوی علوم کو..... دین ہی راہِ نجات ہے۔ مسلمان کی زندگی ایک سپاہی کی سی زندگی ہونی چاہیے ہر آن تیار، لبیک کہنے والا، اللہ کی راہ میں آگے بڑھنے والا..... آپ کو سمجھانے کا، بتانے کا مقصد یہی ہے کہ زندگی میں تبدیلی لائیں۔ اسلامی احکامات اپنے افعال، کردار اور شخصیت میں نظر آنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ کھایا پیا پہن لیا سو گئے۔ یہ زندگی نہیں..... سنت نبویؐ اور راہِ ہدایت پر عمل کرنا ہی اصل زندگی ہے۔'' انہوں نے اپنی آل اولاد پر نگاہ کی ان کے خود کے لیے لمحۂ فکریہ تھا۔

''شکر ہے کہ اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔'' سب سر جھکائے بیٹھے ان کی ناصحانہ گفتگو سن رہے تھے۔

''کل میں تم سب سے ایک سوال پوچھوں گا؟''

سب چونک گئے۔

''کس نوعیت کا ہوگا سوال.....؟'' علیزے کے اندر اشتیاق جاگا۔

''بہت اہم ہے.....؟'' وہ مبہم انداز میں مسکرائے۔

''اور اسی سے مجھے تم لوگوں کا طرزِ زندگی پتا چلے گا۔''

''اب ہم کون سی کتاب کا مطالعہ کریں.....''

معیز کو فکر لاحق ہوئی۔ اذانِ مغرب بلند ہوئی تو سب اٹھنے لگے..... سب سے زیادہ جلدی معیز، آیان کو تھی۔

''ٹھہرو.....'' آواز میں گونج تھی۔

''اذان کی آواز پر تھوڑا ٹھہر جایا کرو جہاں کہیں بھی ہو، ساتھ، ساتھ اذان کے الفاظ دُہرایا کرو..... لبیک کا جواب دیا کرو..... یہ فلاح ہے اور خدا کا پسندیدہ عمل ہے..... بندہ میری پکار کا جواب دے رہا ہے۔'' سب دوبارہ سے بیٹھے اور پہلے سے بیٹھی علیزے کو دیکھا جس کا سر جھکا ہوا تھا ہاتھ دعا کی صورت میں تھے۔ سب زیرلب کچھ پڑھ رہے تھے۔

☆☆☆

''مجھے تو حیرت ہے تم لوگوں پر چھوٹے بچوں کی طرح برتاؤ کر رہے ہو..... یہ چھوٹی، چھوٹی باتیں تو ہماری ذات کا حصہ ہونی چاہیے، ہر کام سے پہلے... بسم اللہ پڑھو..... الحمد للہ کہو..... شکر گزاری کرو، شکریہ ادا کرو..... تم لوگ واقعی بھلکڑ ہو یا لاابالی یا انکل کو ٹیز کر رہے ہو۔'' علیزے نے حد کر دی۔

''ہم دادا جان کا امتحان لے رہے ہیں کہ وہ بھولے تو نہیں ہیں۔'' آیان جل کر بولا۔

''واہ..... پہلے اپنا اعادہ تو کرلو..... تم لوگ تو واقعی بھول گئے ہو۔ تم لوگوں کے لیے بہترین opportunity ہے فائدہ اٹھاؤ..... انکل گھر پر ہیں، تم لوگوں کی تربیت کررہے ہیں بتارہے ہیں، دین کو آسانی سے سمجھا رہے ہیں، کبھی تم ان کے لیکچرز سنتے جاؤ، ان کو تبلیغی دورے پر دیکھو۔ ان کے تشبیہہ واستعارے سنو..... ان کا درس سنو..... سحر میں مبتلا نہ ہوجاؤ تو کہنا.....''

''اوہو تم تو بڑے سنتی ہو ناں.....''

''میں صرف سنتی نہیں ہوں اپنی یو ایس بی میں لوڈ رکھتی ہوں، میں انکل کی فین ہوں.....''

''تو رہو بھئی منع کس نے کیا ہے۔'' آیان کہتا ہوا وہاں سے جاچکا تھا۔ علیزے بھی اپنے گھر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''پتا نہیں دادا جان کس قسم کا سوال پوچھیں گے۔'' معیز تو لائبریری میں گھس گیا۔

آیان نیٹ پر سرچ کرنے لگا۔ عائشہ اور حمنہ بھی ڈسکس کررہی تھیں۔

''سوالنامے سے کب جان چھوٹے گی؟''

''دادا جان پہلے سے بہتر ہیں..... میرے خیال میں اگلے ہفتے سے دوبارہ تبلیغی دورے پر جائیں گے۔'' عائشہ بولی۔

''اگلے ہفتے.....؟'' معیز نے سر پیٹا۔

''یعنی سات دن..... اور.....''

فضل نے چینل چینج کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کے اندر عقل وشعور بیدار ہورہا تھا۔ معیز، آیان فرسٹ ائیر کے اسٹوڈنٹ تھے۔ کمپیوٹر کا شعبہ تھا۔ ابھی دین کی پہلی سیڑھی پر بھی نہیں آئے تھے۔ فضل اپنے دادا کی بات سمجھ گیا تھا۔ جہانگیر اس کے ساتھ تھا۔ اور اسفند کو ساتھ لے کر چلنا تھا۔ قافلہ بن رہا تھا..... قافلہ بننا ہی تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے صدام کا فون نہیں آیا؟'' سوپ پیتے ہوئے صالحہ بیگم سے انہوں نے پوچھا۔

''ہاں میری بھی کئی دن سے بات نہیں ہوئی، دراصل شعیب گھر پر نہیں ہے ناں، وہ میری بات کروادیتا ہے۔'' تبھی فضل اندر آیا اس نے دادا جان کے پاؤں دبانے تھے وہ ان کے پیروں کی جانب بیٹھ گیا۔

ایک نگاہ اس پر ڈال کر صالحہ بیگم کو دیکھا۔

''یعنی تمہیں صدام سے بات کرنے کے لیے شعیب کا سہارا لینا ہوگا.....؟'' سوپ پینے کے بعد وہ بولے۔

''شعیب نہ سہی..... راحیل کو پکڑ لینا مگر کرنا تمہیں ہی فون ہے ناں.....'' وہ طنزیہ کہہ رہے تھے۔ ''کیسی اولاد ہے ہماری..... ہمارے فرض یاد رکھتی اور اپنے فرض بھول جاتی ہے، اسے احساس ہی نہیں کہ فون کرے ماں کی طبیعت پوچھے..... حال جانے۔''

''مصروف ہوگا.....'' ماں تھیں فوراً طرفداری کی۔

''بی بی جان میں بات کرواؤں چچا جان سے؟'' فضل ان کے پاؤں دباتے ہوئے بولا۔

''کرتو ہم بھی سکتے ہیں مگر اولاد کے فرائض کیا ہوئے۔'' فضل نے سر جھکالیا۔ اس کی جانب نگاہ کی۔

''ایک طرف جہاد میں جانا ہوا اور دوسری جانب والدین کی خدمت..... تو اللہ اور اس کے رسول نے کہا کہ والدین کی خدمت کرو..... جنت کمالو..... جہاد شمار ہوگا جو اولاد والدین کا خیال دھیان رکھتے ہیں، محبت کی نگاہ ڈالتے ہیں بدلے میں خدا ان کو حج مقبول کا ثواب بخشتا ہے۔''

صالحہ بیگم نے انہیں دیکھا۔

''اب کیوں دلگیر ہوتے ہیں، میں تو اس کے جانے کے خلاف تھی..... بس دور سے بچے دادی..... دادی کرتے ہیں آپ بھی ان کی راہ کی رکاوٹ نہ بنے.....'' انہیں پھر بھی ملال تھا۔

''لوگ اپنی اقدار کو بھولتے جارہے ہیں، پرائی تہذیب میں کشش ہے، انہیں احساس نہیں کہ ذرا سی نیکی انہیں دوزخ سے جنت میں لے آتی ہے..... اس کی اولاد بھی اس جیسی ہی ہوگی۔'' تھکی ہوئی سانس لی آج انہیں شاید صدام کی بہت یاد آرہی تھی۔

اگلے روز انہوں نے ہال کمرے میں محفل نہیں

جمائی.....کوئی باز پرس کرنے نہیں آیا۔

دادا جان نے ہال میں نہ جا کر ان کا امتحان لیا تھا کتنے دنوں سے لیکچر، درس، تعلیم دے رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ ان معصوم جانوں کو دین گھول کر پلا دیں۔

''مگر.....مگر دین کوئی دوائی نہیں جو گھول کر پلا دیا جائے۔''

انہوں نے اپنی کتابوں سے بھری الماری پر نگاہ کی.....ان کا اثاثۂ زندگی، ان کے مقالے، لیکچرز..... ان کتابوں کا مطالعہ بار، بار کیا تھا۔ مستفید ہوتے رہے تھے اب ان کی اولاد کی اولاد ان کی قدر کیا جانے گی۔

☆☆☆

''چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی راہ نجات ہے..... اللہ کو یاد ہوتی ہے.....مثلاً سلام میں پہل کرنا، صلح و دوستی میں پہل کرنا..... مریض کی عیادت کے لیے خاص طور پر جانا..... صلۂ رحمی اختیار کرنا۔ جنازے کے ساتھ جانا.....مومن کی دعوت قبول کرنا.....نیکیوں کی تلقین اور برائیوں سے اجتناب کی دعوت دینا۔ مصافحے میں عقیدت اور جوش رکھنا..... ہمیشہ مسکراتے چہرے اور خندہ پیشانی سے دوست احباب، رشتے دار، بہن، بھائی اور والدین سے ملنا.....'' وہ ذرا رکے۔

''آپ مسلمان ہیں اپنے نصب العین کی عظمت اور اہمیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیے.....نیکیاں کیجیے اور نیکیاں پھیلائیے کہ یہی پیغام اسوۂ حسنہ ہے۔'' حاضرین سن رہے تھے، وہ فصیح و بلیغ انداز میں سمجھا رہے تھے۔

علیزے سر جھکا کر پوائنٹ نوٹ کر رہی تھی۔

معیز کی جمائی کو بھی دیکھا، لبنیٰ آنکھیں مل رہی تھی۔

''کوئی جتنا بھی گناہ گار ہو سچی توبہ اور استغفار سے اپنے نفس کو پاک کر سکتا ہے.....خدا بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ بشرطیکہ آئندہ گناہ کرنے سے اجتناب کرے گا۔''

چند ثانیے کو وہ ٹھہرے گہری سانس لی..... پانی کے تین گھونٹ لیے۔

''آج میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں.....''

''اوہ..... پھر سوال.....'' معیز، آیان، حمنہ نے تھوک نگلا۔

''ان سوالوں سے جانے کب پیچھا چھٹے گا.....'' دلوں میں کھد بد ہوئی۔

''آج سارا دن میں تم لوگوں نے کتنی نیکیاں کیں؟''

''جی.....؟'' سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''دن کے کسی وقت، شام میں، رات میں کبھی تم لوگوں نے پورے دن کے کام دُہرائے.....کتنی نیکیاں کمائیں۔''

''آج.....تو میں نے دن میں دو فلمیں دیکھیں، ظہر، عصر، گول.....تو مغرب کون سی پڑھی تھی۔'' معیز نے سوچا۔

''آج تو سارا دن فضل، اسفند سے بحث میں گزرا.....امی کے ساتھ بھی بحث رہی۔''

''نیکیاں.....؟'' لبنیٰ اور عائشہ نے یاد کرنا چاہا۔

''افسوس کوئی نیکی یاد نہیں آئی.....آج تو نماز پڑھی ہی نہیں قرآن پاک کھولا نہیں.....دادی کہتی رہیں ''سر میں تیل ڈال دے لڑکی'' مگر وہ ناول میں گھسی رہی۔

عائشہ اپنا سوٹ سیتی رہی۔

''ہاں نمازیں تو پڑھی تھیں لیکن بس اٹھک، بیٹھک ہی ہوتی۔'' فضل نے یاد کیا۔ اسفند سارے دن کے معمولات میں نیکی ڈھونڈتا رہا۔

''انکل آج میں نے ایک بچے کو سورۂ کوثر یاد کروائی ہے.....اسکول میں ایک بچے کو بھوک لگی تو اسے اپنے بیگ سے بسکٹ نکال کر دیا۔''

''نیکی چھپانے کے لیے ہوتی ہے.....'' حمنہ نے ٹوکا دیا۔

''انکل پوچھ رہے ہیں۔ اور بوڑھی آنٹی کو سڑک پار کروائی.....'' علیزے بولی۔

''پچھلے دو تین دن میں بھی کوئی نیکی کی ہو؟ نماز کے علاوہ.....نماز رکن ہے، اور فرض بھی ہے۔'' تادیبی نگاہوں سے دیکھا۔

سب بغلیں جھانکنے لگے۔

''کتنے افسوس کی بات ہے.....تم لوگ بچے نہیں ہو.....بچوں کی طرح تم لوگوں کو سمجھانا پڑ رہا ہے..... کوئی قابلِ ذکر نیکی نہیں کرتے تم، بھوکے کو کھانا کھلانا..... غریب کی مدد کرنا.....کسی کا بوجھ اٹھانا، کسی کو دل سے

سکھانا، پڑھانا، کسی بیمار کی عیادت کرنا...... بزرگوں سے ادب واحترام سے بات کرنا...... وغیرہ وغیرہ...... کچھ نہیں کرتے تم لوگ...... ٹی وی، موبائل اور رودھو کر پڑھنا...... اور بحث کرنا...... ایسی زندگی گزار رہے ہو تم لوگ......''

ایک بار پھر وہ خود کو ملامت کرنے لگے۔

''رات کو سونے سے پہلے چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھنے کے بعد ضرور سوچا کرو کہ آج ہم نے کتنی نیکیاں کی ہیں، کتنے برے اور کتنے نیک کام کیے...... اچھائی اور برائی کا پیمانہ اپنے اندر ترتیب دو اللہ نے انسان کو بہت مضبوط اور عاقل بنایا ہے۔ بس اس کی اس نعمت سے کس طرح مثبت انداز میں فائدہ اٹھایا، تبھی ایک راسخ اور اچھے مسلمان کہلاتے ہیں۔''

''کیا میں ایک اچھی مسلمان ہوں......؟'' سر جھکائے بیٹھی علیزے نے سوچا۔

''واقعی ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ کل سے میں ضرور ایک نیکی کروں گی۔''

''سوری دادا جان......'' فضل بھی شرمندہ تھا اس نے آج تک یہ سوچا ہی نہیں۔

''کتنی ضروری، اہم باتیں ہم نہیں کرتے جن کا اجر، اجرِ عظیم ہے یعنی کہ بہشت کی نوید......''

جہانگیر کو جھرجھری آگئی۔

عارب صاحب خاموش ہو گئے تھے۔ ماحول میں سوگوار سی خاموشی تھی۔ خفت وخجالت کا احساس ان کے اندر جاگا تھا کہ ہم نے کوئی نیکی نہیں کی کہ گنوا سکیں۔

☆☆☆

سب ڈائننگ ٹیبل پر جمع تھے۔ کھانے میں دال چاول، بھنی بھنڈیاں اور آلو گوشت تھا۔ کھانا آخری مراحل میں تھا۔ دادا جان کی طبیعت آج بہتر تھی۔ وہ ڈائننگ ہال میں آگئے تھے۔ اب ملازمہ پلیٹیں سمیٹ رہی تھی۔ پلیٹوں میں کھانا بچا ہوا دیکھ کر انہوں نے صالحہ بیگم کو دیکھا۔

''تم نے بچوں کو نہیں سکھایا پلیٹوں میں کھانا مت بچایا کریں۔ اور بہو بیگم آپ اور نگین ...... یہ طریقے ہیں۔''

''وہ...... جی...... جی......'' دونوں گڑبڑا گئیں۔

''جتنا کھانے کی طلب ہو اتنا پلیٹ میں نکالا کرو، یہ کھانے کا زیاں ہے، اس کی قدر ان سے پوچھو جن کے پاس کھانے کا ایک ٹکڑا بھی نہیں...... دیکھو یہ آدھی، آدھی روٹی بچائی ہوئی ہے۔ اسے الگ رکھو...... روٹی کے ہر ٹکڑے میں برکت ہوتی ہے بلکہ دسترخوان سے بچا ہوا ٹکڑا کھانا سنت ہے۔'' سبھی نے شرمندگی محسوس کی۔

''یار ہم لوگ کب بڑے ہوں گے۔'' خود کو سرزنش کی۔

وہ صالحہ بیگم اور بہو بیگم سے باتیں کرنے لگے۔ ایک، ایک کر کے سب اٹھنے لگے تھے۔

''شکر الحمدللہ کہنے کی عادت ڈالو......'' دھیرے سے انہیں جاتے دیکھا۔

''اُف میرے خدا...... اشیم...... شیم......'' علیزے اردگرد ہی کہیں مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

اور پھر یوں ہوا عارب بن عبدالرحمٰن گھر کے ہو کر رہ گئے۔ بچوں کو بہت کچھ سکھایا، بتایا، سمجھایا۔ انہیں خود بھی بہت ملال تھا کہ پہلے خبر کیوں نہیں لی۔

اس دن وہ اپنے دوست کے ہاں کئی گھنٹے گزار کر آئے تو لاؤنج کا وہی نقشہ پایا۔ ٹی وی چل رہا ہے، سب آڑے ترچھے پڑے ہیں، ایک طرف بلاوجہ کی بحث جاری ہے۔ اذان ہو رہی تھی اور کسی کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ لڑکیوں کے سر بھی ننگے تھے۔ انہیں بہت ملال ہوا گویا اب تک خوف سے ہر کام کرتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں...... یکا یک خاموشی چھا گئی تو صالحہ بیگم سے ٹکرا گئے جو پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھیں۔

عارب بن عبدالرحمٰن سائڈ سے نکل گئے۔ سب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ سب کو افسوس بھی ہو رہا تھا۔ اپنی ان حالتوں پر......

''کیا کر رہے تھے تم لوگ......؟'' صالحہ بیگم اندر آگئیں۔

''موودی دیکھ رہے تھے۔'' آیان نے معصومیت سے کہا۔

''اور دھینگا مشتی کون کر رہا تھا؟'' معیز نے ٹکڑا جوڑا۔

''اور مار م پیٹی کون کھیل رہا تھا۔''

''اور قل، قل کون کر رہا تھا۔''

چشمے کی اوٹ سے دیکھتی بی بی جان کا ڈرج پر آ بیٹھیں۔

''تم لوگ بڑے ہو گئے ہو..... ایسی حرکتیں بچوں کو زیب دیتی ہیں..... دھیمی آواز سے بات کیا کرو..... اور تم.....'' لبنیٰ، عائشہ، حمنہ کی جانب دیکھا ''مت اتنا اودھم مچایا کرو..... عمر ہے تمہاری کدکڑے لگانے کی، قلانچیں بھرنے کی۔ ابھی تک تم لوگوں کو دوپٹا لینا نہیں آیا۔'' ایک، ایک کو دیکھا۔

''اور جہانگیر، اسفند، تمہارا بڑے ہونے کا کیا فائدہ..... تہذیب اور شائستگی تو تم لوگ فراموش کر چکے ہو۔ میں اپنا خیریت نامہ کہاں جا کر مانگو.....'' انہوں نے ماتھا پکڑ لیا۔

''سوری بی بی جان.....''

''ان کے تیور کڑے ہیں..... خلاصی کی امید نہیں رکھنا۔ انہوں نے کتنے سفر چھوڑ دیے ہیں..... تم لوگوں کی بہتری کے لیے۔''

سب کے سر جھک گئے۔

''ایک حد میں ہر چیز اچھی لگتی ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں۔ انہیں بھی بچوں پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ وہ سمجھ کر نہیں دے رہے تھے۔

☆☆☆

اگلا دن بڑا خاموش اور صبر آزما تھا۔ سب ان کے کمرے میں جمع ہوئے۔ آج وہ ہال میں نہیں آئے تھے۔ آج وہ لیکچر دینے کے موڈ میں بھی نہیں تھے۔ خاموش بیٹھے..... کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہے پھر سب کو دیکھا اور پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

دروازہ کھول کر علیزے بھی اندر آ گئی۔ سب نے گہری سانس لی۔

''معیز دعائے قنوت یاد ہو گئی؟''

''جی.....''

''اب تم پانچواں کلمہ یاد کرو.....''

''جی.....'' تھوک نگلا۔

''پورے چھ کلمے کس، کس کو یاد ہیں۔''

جہانگیر اور اسفند کے سوا سب نے ہاتھ اٹھایا۔

''کل تم پانچواں اور چھٹا کلمہ ترجمے کے ساتھ یاد کرنا۔''

''جی.....'' تعظیم سے سر جھکایا۔

''علیزے کیا ہو رہا ہے بچے.....؟'' آج وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے..... بس اسی کو مخاطب کیا۔

''میرے پیپرز ختم ہونے والے ہیں پھر میں اسلامک سینٹر جوائن کروں گی قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے۔''

''شاباش.....'' وہ خوش ہوئے۔ ''اور..... کیا مشاغل ہیں؟''

''اسٹڈی کرنا..... مطالعے کا بہت شوق ہے اور مختلف اسکالرز کے لیکچرز وغیرہ سننا.....''

''ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ..... بہت خوب..... ہمہ وقت درود پاک کا ورد رکھا کرو اللہ تمہیں کامیاب کرے..... الٰہی آمین..... تمہیں مطالعے کے لیے کسی کتاب کی ضرورت ہو تو یہاں سے استفادہ حاصل کر سکتی ہو.....'' بک شیلف کی جانب انہوں نے اشارہ کیا۔ ''پلیز..... ان کی گرد بھی صاف کر دینا۔''

''جی..... جی..... انکل.....'' علیزے کو بے حد خوشی ہوئی۔ وہاں لڑکیوں پر گھڑوں پانی گر گیا۔

''دادا جان میں کر دوں گا.....'' فضل آگے ہوا۔

مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا..... گویا..... وہ ناراض تھے..... وہ اپنی اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔

عارب بن عبدالرحمٰن اور علیزے آپس میں کسی اسکالر کے لیکچر پر بات کرنے لگے پھر بات مفتی عطا الرحیم کے درس پر سے ہوتی ہوئی فتوے پر آ کر رک گئی۔ سامعین، دم بخود..... حرفوں کی گفتگو جو انتہائی فصاحت و بلاغت سے پر تھی سنتے رہے۔ تعلیم و تربیت کا فرق نظر آ رہا تھا۔ سوجھ بوجھ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ دادا جان کی آنکھوں کی چمک واضح تھی۔

☆☆☆

''صالحہ بیگم میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

رات انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی اور صالحہ بیگم کی جانب متوجہ ہوئے۔

''میں چاہتا ہوں علیزے اس گھر کی بہو بنے.....''
انہوں نے دوٹوک انداز میں بات کی وہ ایسے ہی بات کرتے تھے۔ وہ انہیں دیکھنے لگیں۔

''علیزے اپنے خاندان سے بہت الگ ایک مختلف مزاج کی لڑکی ہے۔ اسے ہمارے خاندان کا حصہ بننا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہم اتنی اچھی لڑکی کو کھو دیں۔''

''کس کے لیے.....؟'' علیزے انہیں بھی پسند تھی۔

''پہلے میں نے اسفند اور جہانگیر کے لیے سوچا تھا۔ مگر یہ زیادہ دین دار نہیں ہیں۔ معیز، آیان چھوٹے ہیں، فضل مجھے پسند ہے اور علیزے کے جوڑ کا بھی ہے..... وہ دین دار بھی ہے اور وہ دکھاوے کے لیے عبادت گزار نہیں بنتا..... اس عرصے میں، میں نے سب کو جانچ لیا ہے۔'' وہ جو سب دادا جان کے کمرے میں معافی، شرمساری اور تلافی کے لیے آرہے تھے ان کی گفتگو نے انہیں اور شرمندہ کر دیا۔

فضل دم بخود رہ گیا۔ اس کی خواہش اور دادا جان کے ہونٹوں پر.....

''تم رشتے کے بات کرو، بہو بیگم کو اپنا عندیہ بتاؤ مشورہ لو، پسند تو مجھے ابراہیم بھی ہے مگر.....'' تذبذب سے صالحہ کو دیکھا۔

''اگر گھر کی کسی لڑکی کو دیکھ لیں.....''

''میرے خیال میں اس کو رہنے دو ابھی لڑکیاں ابھی اتنی سمجھدار نہیں ہوئیں کہ ان کی شادی کے بارے میں سوچیں.....'' گہری سانس لی۔ ''ابھی ان کا بچپنا ختم نہیں ہوا..... ان میں سنجیدگی نہیں آئی۔ انہیں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے اور صالحہ تم ان کی تربیت کرو..... گھر داری، دین داری، دنیا داری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی۔ کیا تم نے اپنی بیٹی کی تربیت ایسی کی تھی۔''
صالحہ بیگم کا سر جھک گیا۔

''آج بھی فرحانہ کس حیا، تمیز، لحاظ سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان میں تہذیب ہے نہ شائستگی.....'' تاسف و ملال نمایاں تھا۔ لڑکیوں کے پاؤں جیسے زمین میں دھنس گئے۔

''یہ دنیاوی تعلیم کوئی معنی نہیں رکھتی، انہیں دین کی سمجھ بوجھ دو.....''

''میرے پاس رہی کب ہیں بچیاں، دو سال کی ہوئیں تو نرسری میں ڈال دیا پھر اسکول، کالج، سہیلیاں چل سو چل.....''

''جو نظر آرہا ہے، ہم وہ تو ٹھیک کر سکتے ہیں ناں.....'' وہ بولے۔ ان کا دل چاہا کہہ دیں۔

''یہ نسل ہی ہے بے بہرہ جب تک انہیں ٹھوکر نہ لگے، ٹھیس نہ پہنچے، منہ کے بل نہ گریں اور جب تک کسی دکھ، پریشانی، تکلیف کا سامنا نہ کریں، ان کی عبادت میں رغبت ہوگی اور نہ دعاؤں میں اثر..... انہیں خدا سے مانگنے کا سلیقہ آئے گا نہ طریقہ..... گداز کیسے پیدا ہوگا..... جب دل ہی نہ لگے.....'' وہ محض سوچ کر رہ گئیں۔

''اور آپ.....'' نگاہ اٹھا کر پروفیسر صاحب کو دیکھا جن کی نظر غیر مرئی نقطے پر تھی۔

''آپ چاہتے ہیں صاحب میں انہیں تمیز و ادب گھول کر پلا دوں..... یہ کیسے ممکن ہے، آپ نے اپنی سی کوشش کر لی ہے ناں.....'' اب بھی انہوں نے صرف دل ہی دل میں کہا تھا۔ پس دھیرے، دھیرے تسبیح کے دانے گراتی رہیں۔

اندر آنے والے سب بچے دروازے سے ہی واپس مڑ گئے۔

لمحۂ فکریہ..... وہ لمحہ شاید ان کی زندگی میں آنا ہی تھا۔ شعور کی آنکھ بیدار ہوگئی تھی یا ہونے والی تھی۔

☆☆☆

''دیکھو بچو..... اپنی زندگی سے دکھاوے کو..... خود نمائی کو نکال دو۔ یہ امر انسان کو راہ سے بھٹکا دیتا ہے..... دکھاوے کی محبت دکھاوے کی عبادت، دکھاوے کا ادب مت کرو..... اور یہ سب میرے کہنے میں آکر مت کرو..... عبادت آپ کا اپنا ذاتی فعل ہے، ہم ناصح ہیں، استاد ہیں، عبادت اللہ کے لیے ہے اور دکھاوا اللہ کو پسند نہیں ہے..... ایسے لوگوں سے بھی اللہ نظر پھیر دیتا ہے جو ریاکاری، دکھاوا کرتے ہیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے زندگی کا سلیقہ طریقہ

سیکھنا چاہیے اور یہ جب ہوسکتا ہے جب آپ خود سیکھنا چاہو..... ایک مومن اور مومنہ کی زندگی میں اسلامی رموز کی پاسداری مقدم ہونی چاہیے..... توکل، خدا ترسی، پرہیز گاری، بے غرضی، ہمدردی، خیر خواہی، نرم خوئی، شیریں کلامی، اعلیٰ ظرفی، تواضع وانکساری کو اپنی زندگی کا وصف بنائیں..... زندگی سہل ہوجائے گی اور اللہ کے احکامات کے مطابق ہوگی۔ انسان ہی آپس میں ایک دوسرے کے غم گسار، غم خوار اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ ایک متکبر، نک چڑھے، خود پسند انسان کو کوئی پسند نہیں کرتا..... میں تبلیغی دورے پر جارہا ہوں، جانے کب واپسی ہو..... ہو یا نہ ہو..... واللہ عالم..... آپ سب کو اپنے فرائض وعبادات سچے دل سے اور صرف اللہ کے لیے ادا کرنے ہیں۔ میرے بچوں، میرا جانے کب آنا ہو..... مگر اب میں اپنے بچوں کی تربیت سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ میری ذمے داری ہے مجھ سے..... پوچھ گچھ ہوگی، سوال ہوگا گھر والوں کو کیا سکھایا۔ کیا بتایا۔ زندگی اللہ کی امانت ہے، اس کو ایسے گزاریں جیسا کہ اس رب نے گزارنے کا حکم دیا ہے۔ خیر اندیش..... عارب بن عبدالرحمٰن۔''

یہ خط تھا، لیکچر تھا کیا تھا ختم ہوگیا..... لفظوں کا سحر باقی تھا۔ عارب بن عبدالرحمٰن تبلیغی سفر پر جاچکے تھے۔ کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ یہ خط.....؟ سب کے دل دھک دھک کررہے تھے۔ کیا وہ ناراضی، خفگی، ملال لے کر گئے ہیں، خط دے گئے تھے۔

''دادا جان روٹھ کر گئے ہیں۔'' سب کے ذہن میں آیا۔

سب دل گرفتہ وملول ہوگئے۔ وہ تو معمول کا درس سننے آئے تھے۔ انہیں علم تھا کہ دادا جان ناراض ہیں۔ رات بھی آئے تھے۔ مگر اندر کی گفتگو نے اندر آنے نہ دیا۔ سب ظہر کے بعد آئے تھے۔ کمرا خالی تھا۔ اور بی بی جان نے سفید رقعہ ان کی جانب بڑھایا۔

جس کو بے تابی نگاہ سے فضل نے کھول کر پڑھا تھا اور ڈھے گیا تھا۔ سب شرمندہ تھے۔ انہوں نے دادا جان کو ناراض کردیا تھا۔ ان سے رابطے کا سلسلہ موقوف تھا۔ سیل آف تھا۔ بی بی جان اداس تھیں۔

گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ لان کی ہریالی میں پھیکا پن آگیا تھا ہر سو زردی گھل گئی تھی۔ کسی کام میں کسی کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ پروادی نے اپنا مشن جاری رکھا تھا۔

☆☆☆

''انکل عارب کب آئیں گے؟'' علیزے نے حمنہ سے پوچھا۔

اس کا تو خود اسے بھی پتا نہیں تھا۔

''کتنی اداسی ہے ناں گھر میں۔''

''ہوں.....''

''تم لوگوں کے پیپرز ختم ہوگئے؟''

''بس رزلٹ کا انتظار ہے۔''

''چلو اسلامک سینٹر جوائن کرلو.....'' حمنہ، عائشہ، لبنیٰ اس کی بات پر چونک گئیں۔

''اور کیا فارغ رہنے سے بہتر ہے کہ انسان کچھ سیکھے..... میں بھی اکیلی جاتی ہوں ساتھ ہوجائے گا۔''

''فضل، اسفند اور جہانگیر کی تو جاب اسٹارٹ ہوگئی ہے، معیز اور آیان فارغ ہیں۔ ان کو بھی لے لیں۔'' عائشہ نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے.....''

تبھی معیز آگیا۔

''کہاں غائب ہو برخوردار۔'' وہ ہنسی۔

''ایک مووی دیکھ رہا تھا۔''

''تم لوگ کرکٹ کھیل رہے تھے روڈ پر..... عصر کی پھر مغرب کی اذان ہوئی کوئی نہیں ہلا..... کتنی شرم کی بات ہے، میں بالکونی سے سب نوٹ کررہی تھی۔ انکل کے سامنے تو بہت ادائیگی ہورہی تھی۔''

کھسیانی سی ہنسی ہنستا وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔

''اچھا تم یہ سب نوٹ کررہی تھیں۔''

''جی ہاں.....''

''ایک بات یاد رکھنا معیز اپنے دل میں اللہ کی محبت اور نماز کی محبت پیدا کرو..... اذان کی آواز پر تمہارا دل فوری کہے لبیک، میں حاضر ہوں..... کیا تم صرف انکل کو

دکھانے کے لیے نماز پڑھتے تھے؟ اگر ایسا کرتے تھے یا کرتے ہو تو بہت برا کرتے ہو۔'' وہ کچھ تلخ ہو گئی تھی۔

''نماز ہمارے اور اللہ کا معاملہ ہے کسی دوسرے کا اس سے واسطہ نہیں ہے۔'' وہ بمشکل بولا۔

''ہو سکتا ہے اسی لیے انکل تم لوگوں سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔''

''کیا......؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''ان کے دونوں فون بند ہیں۔'' دھیرے، دھیرے اداسی سے کہا اور جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''کل دو بجے میں باہر انتظار کروں گی پانچ منٹ، جس نے جانا ہو اسلامک سینٹر وہ آجائے۔'' وہ جانے کے لیے مڑی اور پھر رکی۔

''کوئی زور زبردستی نہیں ہے...... تم لوگ اپنی مرضی کے مالک ہو......'' گہری سنجیدگی سے کہا۔ اور...... گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ سب...... چپ چاپ خاموش اسے جاتا دیکھتے رہے۔ اندر کہیں ان کے دل میں ملال و پشیمانی کے زرد رنگ اتر رہے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن علیزے وائٹ گیٹ کے سامنے قدرے فاصلے پر کھڑی تھی۔ گیٹ کے اردگرد سبزے کا راج تھا، شش و پنج میں مبتلا وہ داخلی دروازے کے کھلنے کی منتظر تھی۔ کون آتا ہے اور کون نہیں...... پانچ منٹ اوپر ہو گئے۔ دروازہ بند تھا کوئی نہیں آیا...... مایوس ہو کر وہ آگے بڑھ گئی۔

''رکو، رکو...... علیزے!'' پیچھے سے حمنہ کی آواز آئی۔

''یار رکو علیزے......'' لبنیٰ بھی گیٹ سے نکلی...... اس کے پیچھے عائشہ، آیان...... معیز...... علیزے کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''انکل آپ مایوس مت ہوں اپنی اولاد سے...... میں ہوں ابھی آپ کا مشن آگے بڑھانے کے لیے۔'' ہاتھ بڑھا کر حمنہ کا ہاتھ تھام لیا۔

سب جمع ہوئے، آٹو روکے گئے اور یہ چھوٹا سا قافلہ اسلامک سینٹر کی جانب رواں ہو گیا۔

☆☆☆

''دیکھو میں تم لوگوں کو پھر سے سمجھا رہی ہوں......

چھوٹے چھوٹے کام

اٹلی میں مسٹر کلاؤ بڑا سخت قسم کا یہودی تھا۔ اس کی کوئی تیرہ چودہ منزلہ عمارت تھی۔ صبح جب میں یونیورسٹی جاتا تو وہ رات کی بارش کا پانی وائپر سے نکال رہا ہوتا اور فرش پر ''ٹاکی'' لگا رہا ہوتا تھا یا سڑک کے کنارے جو پڑی ہوتی ہے، اسے صاف کر رہا ہوتا تھا۔ میں اس سے پوچھتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، اتنے بڑے آدمی ہو کر، اس نے کہا یہ میرا کام ہے، کام بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ انبیا کی صفت ہے جو انبیا کے دائرے میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ چھوٹے کام ضرور کرے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بکریاں چرائی تھیں اور ہم یہودیوں میں بکریاں چرانا اور اس سے متعلقہ نیچے لیول کا کام کرنا موجود ہے۔ اس نے کہا کہ آپ اپنا جوتا خود گانٹھتے تھے۔ قمیص کا پیوند یا ٹانکا خود لگاتے تھے، کپڑے دھو لیتے تھے، راستے سے ''جھاڑ جھنکار'' صاف کر دیتے تھے۔ تم کرتے ہو؟ میں نے کہا مجھے تو ٹانکا لگانا نہیں آتا، مجھے سکھایا ہی نہیں گیا۔

اقتباس: (زاویہ از اشفاق احمد)
پسند: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

یہ راہ کسی کو خوش کرنے کے لیے نہیں...... انکل کو متاثر کرنے کے لیے استعمال نہیں کرنا، اپنے لیے...... اپنے اور اپنے اللہ کا معاملہ سمجھ کر اختیار کرنا ہے۔ دنیا والوں کے لیے نہیں یا راہِ نجات کے طور پر اس صراطِ مستقیم پر آنا......'' علیزے نے بڑے مدبرانہ، تفکرانہ انداز میں سمجھایا۔

''اس لیے کہ دین و مذہب کے کام دکھاوے کے لیے نہیں ہوتے۔ دکھاوے کرنے والے سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے چاہے وہ نمازی ہوں، سخی ہوں یا مفتی ہوں......''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے......'' سب نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ دادا کی نظروں میں اور خوار نہیں ہو سکتے تھے۔ علیزے نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ اور لیکچر...... سمجھانے

لگی۔اپنے ضمیر کی عدالت بھی ایک عدالت ہوتی۔

☆☆☆

''سنو.....'' وہ جو سحر خیزی کے بعد پارک سے نکل رہی تھی چونک کر مڑی۔

''ذرا فاصلے پر بلیو ٹریک سوٹ پہنے فضل کھڑا تھا۔

''جی.....'' ایک قدم پیچھے ہوئی۔

''ایک بات کہنی تھی علیزے.....''

''جی بولیے.....'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی..... دل کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔

فضل اسے اچھا لگتا تھا مگر اپنے کسی خیال کا عکس اس پر پڑنے نہیں دیا تھا اور شادی کے لیے قسمت کا بھی ہونا ضروری ہے۔ زندگی میں اگر من پسند بندہ مل جائے تو کیا کہنے۔

''میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟'' علیزے کا دل دھڑکا..... فضل سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اس ٹریک سوٹ میں بہت اچھے..... دراصل تقریباً چھ فٹ کی ہائٹ پر سب اچھا لگتا ہے، شلوار سوٹ، ٹو پیس، ڈریس پینٹ.....'' وہ مسکرائی..... وہ بھی ہنس دیا۔

''نہیں..... بطور شخص میں تمہیں پسند ہوں؟''

دوسری ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔

''میں نے کبھی کسی خاص نیت سے نہیں دیکھا بس جیسے سب ہیں ویسے آپ ہیں.....'' دل کا چور اچھلنے لگا۔ فضل نے گہری سانس لی۔

''نہیں..... اسی لحاظ سے نہیں.....'' اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''اگر میں آپ کو پرپوز کروں، میرا مطلب ہے میری خواہش ہے کہ آپ میری لائف پارٹنر بنیں تو.....؟'' علیزے سے ساکت رہ گئی۔

''مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں، بچپن سے..... اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو دادا جان سے بات کروں.....'' بہت گہری نگاہ ڈالی۔

علیزے کی نگاہ جھک گئی۔

''بولیں، جواب دیں، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔آپ کی کوئی اور پسند.....؟''

''بڑوں کی رضامندی کے ساتھ مجھے کوئی اعتراض نہیں.....'' اس نے بمشکل کہا اور آگے بڑھی۔

''بس..... میری ایک خواہش ہے۔''

''کیا.....؟''

''حق مہر میں مجھے.....'' وہ لمحہ بھر کو رکی۔ ''عمرہ و حج چاہیے.....'' اس نے نگاہ جھکا لی۔

''میں تو ڈر ہی گیا تھا.....'' اس نے گہری سانس لی۔ علیزے کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

''شکریہ.....'' علیزے نے قدم بڑھا دیے۔

اور فضل دیکھتا رہا کچھ کام کتنے مشکل لگتے ہیں مگر کتنی آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔

فضل خدا کے اس فضل و کرم پر کھڑا دیر تک تا حدِ نگاہ اسے دیکھے گیا۔

☆☆☆

''بی بی جان آپ کے شوہر اتنے دنوں سے لاپتا ہیں آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔'' معیز ان کے پاس آ بیٹھا۔

''آجائیں گے، ان کا کام ہی ایسا ہے۔''

''پتا تو کریں کہیں عقدِ ثانی نہ کر لیا ہو.....''

''لاحول ولا قوۃ..... اس عمر میں.....'' انہوں نے گھرکا۔

''عقد کے لیے عمر کی ضرورت نہیں ہوتی، مرد ہر عمر میں جوان ہوتا ہے۔'' وہ چہکا۔

''مجھے ان پر بھروسا ہے..... جب موقع تھا جب نہیں کی تو اب چہ معنی دارد.....''

''ہوں..... پھر بھی نظر رکھا کریں..... کہاں ہیں محترم نامدار صاحب سن گن لینے کی کوشش کی کچھ آنے کا اتا پتا ملا۔''

''ہاں ہاں فون پر بات کرتی ہوں۔ شعیب سے بھی بات ہوئی تھی ان کی، اس دفعہ کہیں دور گئے ہیں۔ آجائیں گے۔ تم لوگ اپنا قبلہ و کعبہ درست رکھو..... بچوں بہت ناراض اور مایوس ہو کر گئے ہیں، زندگی میں احساسِ بندگی بہت ضروری ہے۔''

پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''اللہ کی رضا کو اپنا دنیاوی رعنائی کو نہیں۔ سچ دل سے مومن کی راہ اپناؤ..... سچائی کو اوڑھنا بچھونا بناؤ..... صراط مستقیم پر چلو، اپنا ہر لمحہ درود وسلام کی عبادت میں گزارو..... جانے کب آنکھ بند ہو جائے۔ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے..... زندگی..... رضا میں گزاری یا بناوٹ میں ریاکاری میں..... سجدے تو اللہ منہ پر مار دیتا ہے۔''

''پتا نہیں ہمارے سجدے..... ہماری عبادتیں قبول بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔'' وہ آبدیدہ ہوئیں۔ معیز کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔

''آپ ہمارے لیے دعا کریں..... بی بی جان.....'' اس نے گھٹنے پر سر رکھا۔

''میں، اپنے سب بچوں کے لیے راہِ ہدایت کی دعا کرتی ہوں.....''

''اور..... یہ بھی کہ دادا جان مان جائیں..... ناراضی ختم کر کے واپس آ جائیں.....'' معیز کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''ان کی خفگی بجا ہے بچے..... ان کی ذرا سی تو خواہش ہے کہ ان کے بچے دل سے دین دار بنیں..... ان کے نقشِ قدم پر چلیں..... بس.....'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''تم اپنا ہوم ورک پورا رکھو..... اس لیے نہیں کہ دادا چیک کریں گے اپنے لیے، اپنے رب کے لیے، جس نے صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی جانب ایک قدم بڑھاؤ تو وہ دس قدم آگے آ کر تمہاری مدد کرتا ہے۔''

معیز بغور سن رہا تھا۔ آیان بھی اس کو ڈھونڈتا ہوا وہیں آ گیا تھا۔

''جی بی جان..... بس آپ بھی ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیے.....'' اس نے بھی سر جھکا لیا۔

''امی، پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... انہیں جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

رات کو راحیل بن عبدالرحمٰن کہہ رہے تھے۔

''بہت تیز بخار ہے..... کھانسی بھی ہے میں نے اسحاق انکل کو کال کی تھی۔ انہوں نے ہی بتایا ہے۔''

سب کے کان کھڑے ہو گئے۔

''ڈاکٹر دیکھ بھال کر رہے ہیں مگر ابھی وہ سفر کے قابل نہیں ہیں۔''

''ہم انہیں جہاز سے لے آتے ہیں۔'' فضل بے چین ہوا..... ''کہاں ہیں وہ؟''

''ایبٹ آباد میں کے کسی گاؤں میں ہیں۔''

''اُف..... وہاں تو اتنی سردی ہوگی۔'' جہانگیر کانپا۔

''دادا جان بھی ناں.....''

''میں کل ہی جاؤں گا..... دادا جان کو لینے۔'' فضل نے فیصلہ کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' سب کے دل بے چین ہو گئے تھے۔

''آپ فون تو کریں انہیں.....''

''وہ ابھی آنا نہیں چاہیے۔''

''کیوں.....؟''

''کہہ رہے تھے شاید یہ میرا آخری دورۂ قرآن ہو.....''

''ہائے..... اللہ نہ کرے..... انہیں فوری لے کر آئیں پاپا.....'' عائشہ، بابا کے شانے سے لگ کر رو دی۔

''ابھی تو ہم نے ان سے معافی مانگنی ہے، انہیں سبق سنانے ہیں بہت کچھ سیکھنا ہے ان سے۔'' حمنہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اب وہ سسک رہی تھی۔

راحیل بن عبدالرحمٰن سب کو دیکھنے گئے۔ صالحہ بیگم آنچل سے آنسو صاف کرنے لگیں۔ بہو بیگم نے ہاتھ تھام لیا۔

''اماں حوصلہ کریں۔'' راحیل نے اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا۔

''حوصلہ رکھیں امی..... انہیں کچھ نہیں ہوگا آ جائیں گے کل جا رہا ہے فضل.....'' تسلی آمیز انداز میں کہا۔

''سب نے ان کی صحت کے لیے نفل مانے اور خیریت سے گھر آنے کے الگ سے نفل مانے۔

دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔

سنا ہے نم پلکوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے بہت

دسمبر جب بھی آتا ہے

دسمبر جب بھی آتا ہے کسی کے چہرے پر لاتعداد خوشیاں، رونقیں اور مسکراہٹیں لاتا ہے تو کسی کے چہرے پر اداسی، پریشانی اور بے بسی لاتا ہے۔

دسمبر جب بھی آتا ہے تو یادوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ وہ یادیں جو ہم نے اپنے پیارے اور چاہنے والوں کے ساتھ مل کر دسمبر کے ساتھ منائی ہوتی ہیں۔ وہ خوشیوں بھرے لمحے دل و دماغ پر قابض ہوجاتے ہیں جو اپنوں کی سنگت میں گزرتے ہیں۔ جب ہم خوش ہوتے ہیں اور ہر طرف خوشیاں نظر آتی ہیں تو گنگنانے کو دل کرتا ہے۔ وہ الفاظ، وہ محبت بھرے لہجے، وہ دلکش مسکراہٹیں اور وہ دل فریب نگاہیں ہماری آنکھوں میں سما جاتی ہیں۔ دسمبر جب بھی آتا ہے، وہ دھوپ میں بیٹھ کر کالج کے گارڈن میں دوستوں کے ساتھ مالٹوں اور سنگتروں سے لطف اندوز ہونے والی دوپہریں یاد آتی ہیں۔ وہ راتیں جب گرم نرم رضائی میں بیٹھ کر بھائی بہنوں، ماں باپ اور کزنز کے ساتھ تیز مسالے والی مچھلی تو کبھی گرما گرم مونگ پھلی کھاتے تھے، کبھی وہ دن یاد آتے ہیں جب دسمبر کی سرد صبح میں روتے بسورتے اور نخرے کرتے اسکول نہ جانے کی ضد کرتے تھے۔

دسمبر جب بھی آتا ہے تو کبھی کسی کے عہدِ وفا یاد آجاتے ہیں۔ کسی کی گزشتہ بے وفائیاں، بے جا نفرت کے سرد رویے یاد آجاتے ہیں تو آنکھوں کے دریا میں موجود پانی سے چند قطرے دسمبر کے سرد موسم میں ہمارے چہرے کو گرما دیتے ہیں۔ کبھی کسی کی نادانیاں، شوخیاں یاد آتی ہیں تو بے اختیار روتے ہوئے کبھی ہم

دیر تک مانگا جائے تو دعا قبول ہوتی ہے۔

☆☆☆

صبح ائر پورٹ جانے کے ارادے سے فضل جلدی اٹھا اور تیار ہو کر باہر آیا۔ کچن میں ہلچل تھی۔ امی ناشتا بنا رہی تھیں..... اور..... اور وہ ایک دم سے چونکا۔ علیزے کچن سے نکل رہی تھی۔ ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ وہ حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"علیزے تم..... اور یہاں..... اس وقت خیریت.....؟" یہ اس کے عقب سے حمنہ کی آواز بلند ہوئی۔

"ہاں میں....." وہ مسکرائی اور آگے بڑھی۔

"کہاں.....؟"

"انکل کے کمرے میں....."

"مگر وہ تو....." فضل گنگ ہوا۔

"ہاں میں اور ابراہیم جا کر انہیں لے آئے ہیں۔ ہم ایبٹ آباد گئے ہوئے تھے۔ ہماری پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سو انکل سے بات ہوئی۔ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ ہم انہیں بھی زبردستی لے آئے۔" وہ آگے بڑھ گئی تفصیل بتا کر..... وہ جیت گئی تھی، دادا جان کو لے آئی تھی۔

"دادا جان.....!" دونوں چونکے..... اور پلٹ کر تقریباً بھاگ کر ان کے پاس پہنچے۔

دادا جان کے کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ علیزے انہیں ناشتا کروا رہی تھی۔ بی بی جان پاس بیٹھی تھیں۔ فضل نے آگے بڑھ کر ان کو گلے سے لگا لیا۔ حمنہ ان کے شانے سے لگ کر رو دی۔

علیزے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی۔

☆☆☆

نمازِ ظہر کے بعد سب دادا جان کے کمرے میں جمع تھے۔ عارب بن عبدالرحمٰن مسکرا کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

"معیز میں نے تمہارا میسج پڑھ لیا تھا۔"

"کون سا..... کون سا.....؟" سب سوالیہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔ جو میں نے سوال پوچھا تھا اور تم لوگوں کو جواب نہیں ملا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے ڈھونڈ لیا۔"

"کون سا سوال.....؟" علیزے نے بھی دلچسپی لی۔

ہنس پڑتے ہیں۔ جب دسمبر آتا ہے تو وہ میز یاد آجاتی ہے جس پر صفحات رکھ کر اپنے دلی جذبات منتقل کرتے تھے۔

دسمبر جب بھی آتا ہے تو پورے سال میں ملنے والی وہ خوشیاں اور غم یاد آجاتے ہیں جو ہم پر اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ وہ روشن چہرے، وہ زندہ دل لوگ یاد آجاتے ہیں جو ہمیں رواں سال اس دنیا کو چھوڑ کر وہاں چلے گئے جہاں ہم نے بھی اپنے وقت پر جانا ہے۔ کبھی اپنی کامیابیاں یاد آتی ہیں جو اپنی محنت، لگن، کوشش اور خدا کی عطا سے حاصل کی ہوتی ہیں۔ کبھی وہ ناکامیاں یاد آتی ہیں جو ہم جانے انجانے میں کرتے ہیں۔

دسمبر جب بھی آتا ہے تو اپنی سرد اور ٹھنڈی ہواؤں اور شبنم کے مانند برستی بارشوں کے ساتھ ہر سال ہمارے دل و دماغ پر کچھ نہ کچھ نقش ہو جاتا ہے۔ اس کی بے تابیاں، کھلکھلاہٹیں، مسکراہٹیں، سرد رویوں کے مانند سرد ہوائیں اور کبھی اداسیاں ہم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ خوب صورت دسمبر جب بھی آتا ہے تو بارش اپنی سُریلی بوندوں سے ہمارا آنگن سیراب کرتی ہے۔ وہ سُریلی بوندیں جب ہمارے چہروں پر گرتی ہیں تو اطمینان بھری ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ دل کرتا ہے ہر طرف خاموشی ہو، صرف بارش کی بوندوں کی آواز ہو۔ جھولنے والی کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں آنگن میں بارش کو برستا دیکھ رہی ہوں اور کندھے پر نرم گرم شال ہو۔ ایک ہاتھ میں گرما گرم کافی کا کپ ہو اور دوسرے ہاتھ میں پڑھنے کے لیے اپنا پیارا پاکیزہ ہو۔ پھر تو دسمبر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

تحریر: فہمیدہ جاوید.....ملتان

''وہ کون سی چار چیزیں ہیں جو عرش کے خزانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیں.....؟''

''اچھا وہ کون سی چیزیں ہیں.....؟'' سب ہمہ تن گوش ہوئے۔

''معیز بتائے گا۔'' وہ فوراً بولے۔

''سورۂ فاتحہ..... آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور سورۂ کوثر.....''

''واؤ.....''

''ان سورتوں میں اسم اعظم بھی ہے ان کے توسط سے مانگا جائے، درود شامل کیا جائے تو دعاؤں کو قبولیت کی سند ملتی ہے..... مگر سچے دل سے مانگیں، بے غرض ہو کر، بے لوث ہو کر..... آس کے دربار میں جھک کر.....'' عارب بن عبدالرحمٰن دھیرے، دھیرے کہہ رہے تھے۔

''جب ہم اس سے مانگ رہے ہیں ہوں تو بے رغبتی و ریاکاری کیسی ایسی عبادتیں بے تکان محنت ہے۔ فائدہ نہیں ایسی عبادت کا.....''

سب ہمہ تن گوش تھے۔

''مطالعے کو معمول بناؤ..... بہت کچھ ہے پڑھنے کو، سیکھنے کو عمل کرنے کو، کوشش تو کرو..... اپنے عمل سے قول و فعل سے دوسروں کو متاثر کرو کہ وہ بھی راغب ہو جائے۔ صرف اپنی ستائش کے لیے نہیں۔'' ''رات کو سوتے ہوئے اپنی نیکیوں کا اپنے گناہوں کا اعادہ کیا کرو..... اور خود کو خود ہی نمبر دو۔ نیکیاں زیادہ ہیں یا گناہ..... میرے بچو!..... یہ ہی راہِ بقا ہے اور یہ ہی راہِ نجات ہے سنت نبویؐ پر عمل کرو، لوگ سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ صرف باتیں کرتے ہیں۔''

سب بے انتہا رغبت و دلچسپی سے سن رہے تھے۔ وہ اس تبدیلی کو نوٹ کر رہے تھے..... محسوس کر رہے تھے۔

پھر وہ لوگ دیر تک دادا سے باتیں کرتے رہے..... انہیں مزہ آنے لگا۔ سیکھنے کا عمل جاری تھا۔ پھر سب نے ان سے باقاعدہ معافی مانگی، گلے لگے، پیار کیا، وعدہ ایفا کیا۔ رات ایک بار پھر سب..... ان کے کمرے میں

جمع تھے۔ وہ بے حد خوش تھے۔ سچے دل سے ان سے معافی مانگی گئی تھی۔

''نہیں..... مجھ سے معافی تلافی نہیں..... اپنے رب سے مانگو جنت و دوزخ اس کی ہے، میں راستہ بتانے والا ہوں۔ عبادت اس کے لیے رغبت سے کرو دل سے کرو کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ کسی سنت پر عمل کرنے میں شرمندگی کیسی۔'' حاضرین پر نگاہ کی۔

''دعا..... دعا کو اپنی زندگی کا خاصہ بناؤ، دعا جلدی، جلدی نہیں مانگتے..... سکون، اطمینان، رجوع قلب سے مانگتے ہیں اور صبر سے قبولیت کا انتظار کرتے ہیں۔ اور ایک بات اور بچو..... تم لوگ جو بھی کام کر رہے ہو اس پر ہی توجہ دو..... چاہے وہ عبادت ہو..... ہوم ورک ہو..... گھر کا کوئی کام ہو..... مکمل توجہ، یکسوئی اور دلچسپی کو قائم رکھو..... جان لو کہ پہلے دینی فرائض یعنی واجبات ادا کرو۔ یہ نہیں کہ جلدی، جلدی نماز پڑھ لوں پھر فلاں کام کرنا ہے۔ اس سے کوئی کام بھی ٹھیک سے انجام نہیں پاتا۔'' سب بغور سن رہے تھے۔

''اچھا ایک بات بتاؤں.....'' وہ دھیمے سے مسکرائے۔ ''تم لوگوں سے مایوس ہو کر میں زرتاشیہ، اجود اور عثمان کی جانب متوجہ ہوا.....'' سب چونک گئے۔

''میں نے سوچا کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو تو تم لوگوں یہ حال ہے وہ تو ایک دوسرے ملک میں رہ رہے ہیں۔ اس کے بچوں کا کیا حال ہوگا بس اسی چیز نے مجھے اندر سے مضطرب اور بیمار کر دیا..... تم بچے ہی تو ہمارا اثاثہ ہو.....'' ان کی آنکھیں نم ہوئیں۔

فضل اور جہانگیر پاؤں دبا رہے تھے اور معیز شانے..... لڑکیاں پہلو میں دم بخود بیٹھی تھیں اور صالحہ بیگم زیر لب مسکراتے اپنے اس حسین گلدستے کو دیکھ رہی تھیں۔

''مگر انہیں دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سائرہ انتہا کی نیک و عبادت گزار لڑکی ہے۔ اس ملک میں رہتے ہوئے صدام کے بچے، عبادت گزار ہیں اجود اور زرتاشیہ تو حافظ قرآن ہیں۔ عثمان کو مفتی بننا ہے، اس نے میرے نقش قدم پر چلنا ہے۔'' عارب بن عبدالرحمن کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''بچوں کی تربیت عورت پر منحصر ہوتی ہے۔ تہجد گزار، سنت نبویؐ پر عمل کرنے والے تمیز دار، تہذیب و شائستگی کے ساتھ بات کرنے والے..... انہوں نے تو اپنے باپ کو نماز کا پابند بنا دیا۔ میں نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی ہے۔ چھٹیوں میں آئیں گے۔'' وہ بہت خوش تھے اپنی نسل کو یوں برسر پیکار دیکھ کر ان کی بیماری دور بھاگ گئی تھی۔

ان کی آل اولاد ان کا فخر بن کر ان کے ساتھ تھی۔ ''ابھی دیر نہیں ہوئی تھی اور دیر کبھی نہیں ہوتی اگر ہم اپنی ذات کو مضبوط رکھتے ہوئے استقامت و صبر سے اپنی اولاد کی تربیت کریں تو پھل دونوں جہانوں میں ملتا ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت نسلوں کو سنوارتی ہے اور نسل سنورنے کا مطلب ہے نسلوں کی عاقبت سدھر گئی اور ایک اچھے عمل سے کس، کس کی عاقبت سنورتی ہے۔'' انہوں نے اپنے گلدستے کو مسکرا کر دیکھا۔ سب انہیں دیکھ کر مسکرا دیے۔ دادا جان میں ان کی جان تھی۔ انہوں نے تشکر آمیز انداز میں آنکھیں موند لیں۔ ''بے شک ان سب کی عاقبت سنور جاتی ہے جو راہِ ہدایت پا لیتے ہیں۔ اور راہِ ہدایت پانا مشکل تو نہیں بس ثابت قدمی ضروری ہے۔'' ان کی نئی نسل کو یہ بات سمجھ آ گئی تھی۔ انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

آنکھیں کھولیں مسکرا کر سب کو دیکھا وہ سب بھی انہیں دیکھ کر مسکرا دیے۔

علیزے بہو کے روپ میں ایک خوب صورت اثاثہ نظر آ رہی تھی۔ ابراہیم بھی نیک فطرت تھا۔

اسفند اور حمنی، لبنیٰ اور آیان..... اور..... جہانگیر اور عائشہ کی جوڑی خوب رہے گی۔

دل میں پلاننگ جاری تھی۔ انہیں یقین تھا کہ ان رشتوں پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا..... وہ ان کے دادا تھے، بچوں کے میلان و رجحان سے آگاہ ہو چلے تھے، خوشیاں ان کے در پر دستک دے رہی تھیں۔

❁❁❁

ہمیں بھی تو جینے دو

عطیہ ہدایت اللہ

"مجھے نہیں رہنا سلمان کے بغیر ایک بار کہہ تو دیا ہے آپ سب سے..... آپ لوگ ایک سال کی بات کر رہے ہیں، میں تو ایک مہینے کے لیے بھی اسے تنہا نہیں چھوڑوں گی..... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" ہاتھ میں پکڑی آریان کی فیڈر کو پلنگ پر پٹخ کر غصے میں بل کھاتی حمدہ لاؤنج کا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھول کر باہر نکل گئی۔ کمرے میں سب لوگ یک دم خاموش ہو گئے۔ تایا جان نے حمدہ کے ساس، سسر اور ماموں کی

طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نانی بی چند لمحوں تک سوچتی رہیں پھر سر اٹھا کر غصیلے انداز میں بولیں۔

''دیکھ لی اس ہٹ دھرم لڑکی کی بدتمیزی..... تم ہی نے سر چڑھایا ہے منیر..... اب بھگتو، بس اب اسے چلے جانے دو چھوٹے بچے کے ساتھ تنہا ڈربے نما فلیٹوں میں رہ کر چند ہی دنوں میں ساری اکڑفوں نکل جائے گی۔''

''اماں آپ بھی حد کرتی ہیں، بن ماں، باپ کی بچی پھر اپنا خون لاڈ نہ اٹھاتا تو کیا کرتا..... اسے تو میں نے بہت سمجھایا، پر اس نے تو جانے کی رٹ ہی لگالی ہے۔ ایک سال کی تو بات تھی۔ گرمیوں میں دو ماہ کے لیے چلی جاتی..... درمیان میں سلمان چھٹی لے کر آجاتا۔ سال تو اب پلک جھپکتے گزر جاتا ہے۔ اب وہ بیوی بچے کو سنبھالے گا یا پارٹ ون کی تیاری کرے گا۔''

''تو پھر فیصلہ یہ رہا کہ حمدہ، سلمان کے ساتھ انگلینڈ جارہی ہے..... کیوں حسن شاہ اور مشرف باجی، کیا خیال ہے آپ دونوں کا.....'' حمدہ کے چچا صادق صوفے سے اٹھ کر چند لمحوں کے لیے حمدہ کے ساس، سسر کے قریب جا ٹھہرے۔

''بھئی ہم دونوں کیا کہہ سکتے ہیں..... ہم تو ایک دم تنہا رہ جائیں گے..... اب وہ رکنے والی کہاں ہے۔'' حمدہ کی ساس نے تاسف سے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔

حمدہ کی ماں اسے جنم دے کر دو تین گھنٹوں کے اندر ہی ختم ہوگئی تھی۔ پھر سولہ دن کی بچی کو نانی اور ماموں منیر نے اس کے دادا، دادی سے جھولی پھیلا کر انہیں بخشنے کی استدعا کی۔

''جوان جہاں بیٹی کو تو اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔ اگر اس کی یہ نشانی میری گود میں ڈال دیں تو میرے سینے میں ٹھنڈک پڑ جائے گی، میں اسے چھوٹی دلشین سمجھ کر سینے سے لگالوں گی۔'' نانی نے جب رندھی ہوئی آواز میں منت وزاری کی تو دادی نے ایک نظر غور سے جھولے میں لیٹی نحیف ونزار پوتی کو دیکھا اور کچھ سوچنے لگیں۔ وہ خود شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ بیٹے نے یہ بچی جھولی میں ڈال دی تھی لیکن اس کی دیکھ بھال وہ عمر رسیدہ خاتون کیسے کرسکتی تھیں۔ بس بیٹے سے اجازت لے کر حمدہ کو اٹھا کر انہوں نے نانی کی گود میں ڈال دیا۔

''اسے دیکھنے ہم لوگ ہر ہفتے آیا کریں گے۔ اس بچی سے ہم دو خاندانوں کا بندھن بندھا رہے گا۔'' دادی نے جھریوں بھرے چہرے پر سے آنسوؤں کے دھارے پونچھے۔ نانی نے مرغی کی طرح حمدہ پر اپنے پر پھیلا کر ہر سرد وگرم سے محفوظ رکھا۔ انگلش میں ایم اے کیا تو انہوں نے اسے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنے نواسے سلمان کے ساتھ بیاہ دیا۔ باپ نے تو غیروں کی طرح حمدہ کی شادی میں شرکت کی، بیٹی کو ساس کے حوالے کر کے برسوں پہلے انہوں نے سکون کی سانس لی تھی اور سال بھر بعد ہی دوسری شادی کر کے بیرون ملک چلے گئے۔ حمدہ کی ایک نند صائمہ تھی جو بیاہ کر کینیڈا چلی گئی۔ حمدہ کی ساس نے بڑی بہن کی نشانی کو سینے سے لگا کر رکھا۔ دو تین ماہ بعد جب خوشی کی خبر سنی تو ساس نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنالیا۔ صبح ناشتے میں قسم، قسم کے جوس، پراٹھے، انڈے، دس بجے دودھ کا گلاس، کھانے میں گوشت مرغی، سبزی سب ہوتا۔ شام کی چائے میں کباب، سموسے، اس کی پسند کی چاٹ، رات کو سوتے وقت بڑا سا گلاس دودھ اوولٹین کے ساتھ..... کسی کام کو ہاتھ بھی لگاتی تو خالہ بھاگی آتیں۔

''کتنی بار کہا ہے ان دنوں بڑی احتیاط کرنی چاہیے..... تم بالکل کوئی کام نہیں کروگی..... ستارہ او ستارہ کہاں مرگئی، تمہیں کہا تھا دلہن کے آس پاس رہو..... اس کا خیال رکھو، پر تم تو ہو ہی کام چور..... خبردار جو میں نے اب اسے کام کرتے دیکھا ہو.....''

مشرف بیگم اسے زبردستی کمرے میں بھیج دیتیں۔ ان کے اکلوتے بیٹے کے ہاں ننھے مہمان نے آنا تھا، کیسے، کیسے سپنے دیکھنے لگی تھیں وہ۔ سلمان بیچارے نے ہاؤس جاب ختم کیا ہی تھا جب ماں نے اسے بھانجی کے پلے باندھ دیا۔ سال بھر بعد ہی وہ ایک گول مٹول بیٹے آریان کا باپ بن گیا۔ ایک سال میں اس نے

رجسٹریشن کے امتحانات پاس کر لیے اور اب اسے اسپیشلائزیشن کے لیے انگلینڈ جانا پڑ گیا۔ خالہ مشرف، خالو حسن شاہ اور ماموں کی رائے تھی کہ سلمان اکیلا چلا جائے اور جب پارٹ ون کلیئر ہو جائے تو اسے نوکری مل جائے گی پھر وہ بے شک بیوی بچے کو لے... جائے لیکن وہ حمدہ ہی کیا جو مان جاتی...... والدین جیسے عزیز از جان رشتے تو وہ کھو چکی تھی۔ لیکن اب سلمان کو کسی گوری میم کی زلفوں کا اسیر ہو کر کھونا اسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا، رشتوں نے اسے بے اعتبار کر دیا تھا۔ یوں اس کی ضد کے آگے سب نے ہتھیار ڈال دیے۔

اب اتنے بڑے گھر میں مشرف بیگم بوکھلائی سی پھرتیں...... زندگی جیسے رک سی گئی تھی۔ صبح کا وقت تو گھر کی دیکھ بھال میں گزر جاتا لیکن شام کا وقت کاٹے نہ کٹتا...... دل کو کوئی مٹھی میں بند کر کے مسلتا رہتا...... آریان کے چھوٹے، چھوٹے کپڑے اپنے سامنے بچھا کر ان سے باتیں کرتیں...... کبھی ٹی وی دیکھنے لگتیں...... کبھی فون کرنے بیٹھ جاتیں...... حسن شاہ تو مرد تھے ضبط کا یارا رکھتے تھے، کتابیں پڑھتے، پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتے یا پھر دوستوں کے ہاں نکل جاتے۔

''مشرف بیگم تمہیں تو کسی زمانے میں پینٹنگ کا بڑا شوق تھا۔ میں تمہارے لیے اسٹور سے سلمان بیٹے کا اسٹینڈ اور کنوینس نکال لاتا ہوں۔ کل بازار جا کر پینٹنگ برش اور رنگ لے آئیں گے۔ چلو کسی دن دریا کے کنارے یا سبزہ زاروں میں نکل جاتے ہیں۔ ہمارے اس شہر میں کیا نہیں ہے، اونچے، اونچے پہاڑ دریائے سندھ کا نیلگوں پانی، کئی سو سال پرانے قلعے، تاریخی مقامات، پھرتے رہیں گے، یوں سمجھو اب ہنی مون کا سیکنڈ راؤنڈ شروع ہو گیا ہے۔ اب تو ڈر بھی نہیں لگے گا۔ بچوں سے...... ویسے بھی تم عورتوں کی شادی ایک مرد سے ہوتی ہے۔ پھر تم آہستہ، آہستہ اتنے بہت سے رشتوں میں ڈھل جاتی ہو کہ جس کے ساتھ رشتے کی ابتدا کی تھی... وہ تو کہیں بیچارہ دھند میں کھو جاتا ہے۔ چلو ایک بار پھر سے دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہی کبھی زندگی کا لطف اٹھائیں۔'' اداس بیٹھی مشرف بیگم کو دیکھ کر حسن شاہ نے ان کا دل بہلانا چاہا۔

حسن شاہ کو اپنی بیوی سے از حد محبت تھی۔ وہ بھی ان کا بہت خیال رکھتیں۔ پورے خاندان میں ان کا پیار مشہور تھا۔ حسن شاہ کہیں جاتے تو بیوی کو یہی فکر لاحق ہو جاتی کہ وہ آرام سے ہوں گے۔ کھانا وقت پر تو کھایا ہو گا یا نہیں، پُرسکون نیند میں تو کسی نے خلل نہیں ڈالا ہو گا۔ کافی سال پہلے انہیں انجائنا کا ہلکا سا اٹیک ہوا تھا۔ تب سے تو مشرف بیگم ان کے لیے باؤلی ہوئی پھرتی تھیں۔ چکنائی اور زائد کیلوریز کے بغیر کون، کون سا کھانا پکایا جاتا ہے۔ کئی کتابیں منگوا کر رکھ لیں۔ میٹھی چیزیں بہت کم...... شام کو چائے کے بعد جاگرز...... جھاڑ پونچھ کر سامنے رکھ دیتیں۔ چھوٹا تولیا گلے میں لٹکا کر واک کے لیے بھیجتیں۔ سرکاری ملازمین کے لیے بنی ہوئی اس خاموش، سرسبز الگ تھلگ کالونی میں گلی در گلی پکی سڑکیں...... صاف ستھرے پانی کی نہر، پیپل، املتاس اور مختلف پھلدار درخت دونوں طرف اِستادہ تھے۔ بڑے، بڑے چمن زاروں کے چاروں طرف کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول اگائے گئے تھے۔ شور و غل سے دور اس آبادی میں دور، دور سے لوگ واک کے لیے آتے۔ مشرف بیگم بھی کبھی کبھار میاں کا ساتھ دینے چلی جاتیں۔ لیکن ان کا جسم تھوڑا بھاری تھا۔ ایک دن واک کرتیں تو تین، دن ٹانگوں کی رگیں کھنچ جاتیں اور وہ درد سے بے حال پڑی رہتیں۔ اب ان کی بیزاری اور خاموشی بڑھتی جا رہی تھی۔

''مشرف دیکھو آج تو ستارہ بیگم نے تمہاری پسندیدہ ڈش کریلے گوشت بنائے ہیں۔ ساتھ میں کھیرے.... کا رائتہ اور کٹلس بھی ہیں...... اب چلی بھی آؤ...... مجھ سے مزید بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔'' اور وہ ان کے بلانے پر نزدیک آ کر بیٹھ جائیں اور کھانے لگتیں۔

''ارے تم نے کھانا کھایا ہے یا اسے چکھا ہے، اتنا کم کھانا آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟'' حسن شاہ نے بیوی کو پلیٹ کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر کہا۔

''سلمان کے ابا، میری طبیعت بہت بوجھل ہے، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا..... پیٹ میں ہلکا، ہلکا سا درد بھی ہے۔''

''تمہیں پتا ہے مشرف بیگم ہاضمے کی خرابی کا اسّی فی صد تعلق ٹینشن سے متعلق ہوتا ہے۔ تم اس خول سے نکلنے کی کوشش کرو.....'' پھر وہ ملازمہ کو آواز دینے لگے۔ ''ستارہ او ستارہ اپنی بی بی کو اسپغول پانی میں ڈال کر پلاؤ.....'' ستارہ پانی کے گلاس کے ساتھ پرچ میں کوئی سفوف ڈال کر لائی۔

''بی بی جی یہ پھکی ہے، بڑی زبردست چیز ہے، میری نانی اِدھر سوات میں ہتھ چکی میں ساری چیزیں پیس کر بناتی تھیں۔ آپ اکثر پیٹ درد اور تیزابیت کی شکایت کرتی ہیں ناں میں نے تازہ بنوا کر رکھی ہے۔''

''کیا ہے اس میں، کوئی الٹی سیدھی چیز نہ کھلا دینا۔''

''نہیں بی بی جی، یہ عام سی جڑی بوٹیاں ہیں، اِدھر شہر میں بڑے پنساری سے لائی ہوں۔ بی بی بس اس میں نوشادر، طباشیر ہے، نرکچور، خشک دھنیا ہے اور سفید زیرہ اور کالا نمک بھی ہے۔ یہ پیٹ کی ہر بیماری کے لیے اکسیر ہے۔''

''اچھا بس کر تعریفیں، لا کھلا دے ایک چٹکی.....'' مشرف بیگم نے نقاہت سے جواب دیا۔ دو تین ماہ تو گھر کے ٹوٹکے، ہومیو پیتھک علاج اور پھر ماہر ڈاکٹر سے علاج ہونے لگا۔ لیکن پیٹ کا درد بڑھتا ہی چلا گیا۔ آخر کار سلمان نے انگلینڈ سے فون کر کے باپ کو مجبور کیا کہ وہ ماں کو وہاں بھیج دیں۔ بڑے بحث و مباحثے کے بعد مشرف بیگم جانے پر راضی ہوئیں۔ ویزے کے مراحل طے ہوئے اور وہ جانے کی تیاریوں میں لگ گئیں۔

ڈیپارچر لاؤنج سے جب وہ جانے کے لیے اٹھیں تو انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''حسن شاہ، تم نے زندگی بھر بڑا سکھ دیا۔ کوئی ارمان دل میں نہ رہنے دیا، میں انسان ہوں، کبھی کوئی غلطی، کوئی گستاخی، کوئی کوتاہی، فرائض کی ادائیگی میں آڑے آئی ہو تو دست بستہ معافی کی طلب گار ہوں۔''

''پاگل ہو تم تو..... ارے یہاں کے ڈاکٹر بھی ناں غلط سلط تشخیص کر کے مرض کو بڑھا دیتے ہیں۔ دیکھنا پوتے کو دیکھتے ہی تمہاری بیماری یک لخت غائب ہو جائے گی۔''

''حسن شاہ تمہیں تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔ آنکھیں چرا کر کیوں دلاسے دے رہے ہو، تم نے مجھے خوش رکھنے کے لیے ہمیشہ مجھ سے بہت کچھ چھپا کر رکھا..... اور میں جانتے ہوئے بھی انجان بن گئی..... تم اب بھی مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔ اور میں بھی کچھ نہیں پوچھوں گی، میں آؤں نہ آؤں، تم اپنا خیال رکھنا، وقت پر کھانا کھا کر آرام کرنا، واک اور پرہیز ضرور کرنا..... اور یہ جو تم فریج میں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر میٹھی چیزیں نکال لاتے ہو اسے اب ختم کر دو..... اس عمر میں میٹھا صحت کا دشمن ہوتا ہے۔''

''تمہارا جہاز انگلینڈ پہنچ جائے گا پر تمہاری نصیحتیں ختم نہ ہوں گی۔''

حسن شاہ نے مسکرا کر بیوی کا ہینڈ بیگ اٹھایا، وہیل چیئر پر بیٹھے، بیٹھے مشرف بیگم پھر گویا ہوئیں۔

''ستارہ کو دو تین دن کی چھٹی دے دینا..... سوات جا کر اپنے بوڑھے باپ اور بھائی کو لے آئے گی۔ تھوڑی سی تنخواہ بڑھا دینا، سب مل کر گھر کی دیکھ بھال کریں گے..... ستارہ کا خیال رکھنا بہت اچھی اور محنتی عورت ہے۔ بیچاری بیوہ نہ ہوتی تو یوں خوار تو نہ ہوتی.....''

''مشرف بیگم سب یونہی چلتا رہے گا..... بس تم صحت مند ہو کر گھر آ جاؤ..... یہ گھر بھی تمہارا، میں بھی تمہارا اور راجدھانی بھی تمہاری.....'' حسن شاہ کی آواز گلے میں رندھ سی گئی تھی۔ اور وہ فوراً وہیل چیئر کے ہینڈل پر جھک گئے۔

لندن پہنچ کر ہفتہ بھر ان کے... مختلف اقسام کے ٹیسٹ ہوتے رہے۔ پھر ایک دن سلمان نے گلوگیر آواز میں باپ کو بتایا۔ ''پاکستان میں ڈاکٹروں کی تشخیص درست تھی۔ امی کو معدے کا کینسر ہے۔ آپریشن کی

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

پھلبہری

سفید داغ قابلِ علاج مرض

Steroids Free Most Progressive Treatment

کے ممتاز معالج اجمل ذیدی کے صاحبزادے

اقدس ذیدی

کے دورہ پاکستان کا مستقل پروگرام

ہر ماہ 6 تاریخ	قیام: ہوٹل امین	
	0300-8566188 :موبائل	
11 تا 20 تاریخ	قیام	
	0300-8566188 :موبائل	
10 تاریخ	قیام	
	KFC	
	021-7012068-69 :فون	
	0300-8566188 :موبائل	
12 تا 17 تاریخ	قیام	
	061-4518061-62 :فون	
	0300-8566188 :موبائل	
25 تا 25 تاریخ	G-8-1	
	051-2331725 :فون	
	0300-8566188 :موبائل	

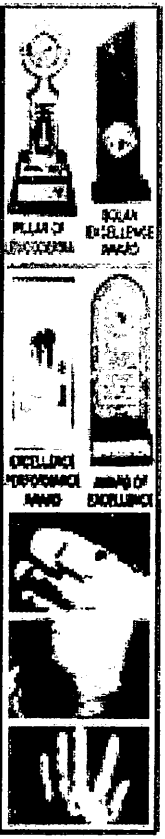

Ad No

تاریخ لے لی ہے۔ چھمو پھپھو اور ان کے شوہر جو کافی سینئر سرجن ہیں ان کے ساتھ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ بابا مسجدوں میں ختم قرآن کروائیں۔ ستارہ سے کہیں گھر میں بھی قرآن مجید پڑھنے کا اہتمام کرے۔ دعا کریں بابا..... امی کا آپریشن کامیاب ہوجائے۔''

''ہاں بیٹا الٰہی آمین۔ سب دعا کریں گے۔''

حسن شاہ اپنے بیڈروم میں سامنے دیوار پر لگی مشرف بیگم کی بڑی سی تصویر کے سامنے کھڑے ہوکر سسک اٹھے۔ بیوی نے دیوتا سمجھ کر شوہر کی پرستش کی تھی۔ محبت نہیں عبادت کی تھی۔ کیسے رہیں گے وہ ان کے بغیر.....

''صاب جی یہ پانی پی لیں۔ روئیں مت.... ان شاءاللہ بی بی جی صحیح سلامت گھر واپس آجائیں گی۔''

حسن شاہ نے ان شاءاللہ کہتے ہوئے گلاس پکڑ لیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ستارہ کے باپ اور بھائی بھی آگئے۔ انہوں نے اتنے دلاسے دیے کہ ان تینوں کے ساتھ سے حسن شاہ کو ڈھارس سی مل گئی۔ آپریشن والے دن آیت کریمہ کا ورد رکھا تھا۔ خاندان والے سب جمع ہو کر اس میں حصہ لے رہے تھے۔ شام ڈھلنے لگی کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

''ہیلو بابا..... امی ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں..... آپریشن ناکام ہوا، کینسر بہت پھیل گیا تھا۔'' روتے، سسکتے سلمان کی آواز تھی۔

''مشرف تم بہت بے ایمان نکلیں، تم تو کہتی تھیں زندگی کی آخری، سانس تک تمہاری خدمت کروں گی۔ ہمارا ساتھ کبھی نہ چھوٹے گا۔ میں بوڑھا، بیمار شخص اکیلے رہ کر کیا کروں گا۔'' حسن شاہ کے بین لوگوں کے دلوں میں چھید کر رہے تھے..... کینیڈا میں بیٹھی بیٹی ساتویں مہینے میں سفر نہیں کرسکتی تھی سو وہ فون پر ہی بلبلاتی، چیختی رہی..... سلمان اکیلا چوتھے دن ماں کی لاش کے ساتھ آگیا تھا۔ حمدہ اس ڈر سے نہیں آئی کہ اکیلے گھر میں سسر کے ساتھ کچھ عرصہ رہنا نہ پڑے۔ بڑھاپے میں میاں، بیوی میں سے کسی ایک کا بھی ساتھ چھوٹ جائے تو زندگی بارِگراں بن جاتی ہے۔

لیکن زندگی تو کسی طور گزارنی ہی پڑتی ہے۔ سو حسن شاہ بھی آہستہ، آہستہ ڈرتے سہمتے، پیچھے مڑ، مڑ کر دیکھتے آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے ستارہ کی مدد سے گھر کا سارا قیمتی سامان، برتن، ڈیکوریشن پیس، بڑی، بڑی پینٹنگز پیک کروا کر ایک کمرے میں اکٹھی کردیں۔ گیسٹ روم، ایک بیڈروم اور ڈرائنگ روم کھلا رہنے دیا۔ کہتے ہیں کہ قربِ قیامت میں سال گزریں گے مہینے کی طرح..... مہینہ، ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی مقدار برابر گزرے گا۔ اور شاید اب ایسا ہی وقت آگیا ہے۔ سلمان نے ایم آر سی پی پارٹ ون کرلیا تھا۔ اسے ایک اچھے اسپتال میں نوکری مل گئی۔ نئے گھر اور نئے شہر میں شفٹ ہونے سے پہلے حمدہ، آریان کو لے کر پاکستان آئی تھی۔ سونا، سونا گھر، ایک دم شور اور آوازوں سے بھر گیا۔ زندگی آنکھیں ملتی جاگ گئی۔ حمدہ تو آریان سے بالکل فارغ ہوگئی۔ وہ دادا کی گود میں چڑھا ہوتا یا ستارہ کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ ستارہ نے تو حمدہ کو پلنگ پر بٹھادیا۔ وہ سارا دن اپنی دوستوں، رشتے داروں کے پاس یا بازاروں میں شاپنگ کرتی نظر آتی۔

''حمدہ بی بی، بڑے صاحب بہت اکیلے ہوگئے ہیں..... ہر وقت بی بی جی کی تصویر کے سامنے روتے رہتے ہیں، اگر آپ یہیں آجاتیں..... تو.....''

''نہیں، نہیں ستارہ میں اپنے شوہر کو چھوڑ کر کیسے آسکتی ہوں ابھی تو سلمان کا دوسرا پارٹ رہتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کون کرے گا، اِدھر خالو کے کتنے ہی رشتے دار اور دوست ہیں پھر سب سے بڑھ کر تم، تمہارے بھائی اور والد ہیں۔ بوڑھے آدمی ہیں، کپڑا، لتا، کھانا پینا، وقت پر مل جاتا ہے اور کیا چاہتے ہوں گے۔'' حمدہ نے سٹپٹا کر جواب دیا۔

اگلے دن خالو اور حمدہ ناشتا کرنے بیٹھے۔

''چھوٹی بی بی آپ کے لیے اسپیشل پوریاں، حلوا اور چھولے بنائے ہیں، کب سے نہیں کھائے ہوں گے۔''

''ستارہ تم مجھے گول گپا بنا کر چھوڑو گی..... روز

ہی ایسا بھاری ناشتا اور قسم قسم کے کھانے سلمان تو دیکھ کر گھر سے نکال دیں گے۔'' حمدہ نے ہنس کر کہا۔

''بھئی، تمہارے ساتھ ہم بھی منہ کا ذائقہ بدل لیں گے۔ ورنہ اس ستارہ نے تو ہمارا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ یہ کھائیں، یہ نہ کھائیں...... اس میں چکنائی ہے، یہ میٹھا ہے، اوپر سے ہر وقت رنگ برنگی گولیاں ہتھیلی پر رکھ کر کھلانے کو تیار...... اور پھر رات کو یہ بڑا سا دودھ کا گلاس لے کر کسی جن کی طرح سر پر سوار رہتی ہے۔''

حمدہ کو ایک نوکرانی کی تعریف اور پھر سسر کا پُرشفقت بلکہ پیار بھرا اظہار بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ ایک مہینے میں حمدہ نے خاموشی سے لیکن بغور گھر کے مکینوں کا جائزہ لیا۔

ستارہ کے جسم میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ حسن شاہ کی ایک آواز پر دوڑی آتی۔ صبح وہ غسل خانے جاتے، پیچھے سے منٹوں میں صاف ستھرے استری شدہ کپڑے بستر پر بچھا کر جوتے، جرابیں نکالتی، ان کا پرس، موبائل، قلم، رومال سامنے ٹی وی پر رکھ دیتی۔ تاکید کر کے ناشتا کھانا کھلاتی، رات کو ایک گھنٹا اس کا بھائی ان کے پیر دباتا۔ باہر سے آتے تو الہ دین کے جن کی طرح جوس کا گلاس حاضر ہوتا۔ ان کے بیڈروم فریج میں ابلا ہوا پانی ٹھنڈا کر کے رکھتی، فروٹ دھو کر رکھتی، شوگر فری جوس کے ڈبے چیک کرتی۔ حمدہ جب بھی باہر سے رات کو گھر لوٹتی تو لاؤنج میں ستارہ خاندان اور خالو کی چوکڑی جمی ہوتی۔ بھائی پاؤں دبا رہا ہوتا، ستارہ اور اس کا باپ فلور کشن پر بیٹھے قہوے کی چسکیاں لیتے یا پھل کھاتے ہوئے کیبل پر فلم دیکھ رہے ہوتے...... ساتھ، ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ بھی لگی رہتی۔ حمدہ کو دیکھ کر آہستہ، آہستہ سب کھسک جاتے۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس گھر کی مالکہ فوت ہو چکی ہے۔ خالو کی زندگی لگتا تھا چین و سکون سے گزر رہی ہے۔

اس دن وہ نہا دھو کر باہر لان میں آ بیٹھی...... ساتھ والے پروفیسر نثار کی بیوی مختصر سی باؤنڈری وال پر سے کھڑی بات کر رہی تھیں۔ صاف ستھری، مسکراتے چہرے کے ساتھ ستارہ اس کے لیے چائے لائی تھی۔

''حمدہ بھئی کب واپس جا رہی ہو...... ایک دو دن میں فائزہ اپنی سسرال سے آ جائے تو تمہیں کھانے پر بلاؤں گی۔''

''بس آپی دن تو جیسے پر لگا کر اڑ گئے ہیں، اگلے ہفتے جا رہی ہوں۔''

''حسن شاہ صاحب تو بہو اور پوتے کے ساتھ بہت خوش ہوں گے۔''

''ہاں، آپی، خالو کا دل کافی حد تک بہل گیا۔ کیا کریں بعض اوقات مجبوری دامن تھام لیتی ہے۔''

''برا نہ ماننا...... پر دل تو اُن کا ضرورت سے زیادہ بہلا رہی ہے یہ ستارہ اور اس کا خاندان...... ایسی بن سنور کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک اچھلتی کودتی رہتی ہے۔ اکثر اس کے خاندان کے اور لوگ بھی آ جاتے ہیں، تمہارے خالو کی گاڑی تو اس کا بھائی بھگاتا رہتا ہے... کچھ کرو بی بی، ورنہ پچھتاؤ گے تم لوگ......'' پروفیسر کی بیوی نے دائیں بائیں دیکھ کر ہلکی آواز میں کہا۔

اس دن خالو کسی سے ملنے باہر گئے ہوئے تھے۔ حمدہ نے ان کا کمرا اور الماری ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا۔ بیڈروم میں سلمان کی بنائی خالہ کی پورٹریٹ سامنے والی دیوار سے غائب تھی۔ وارڈ روب کھولی۔ خالو کے کپڑے تہ در تہ سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔ چھوٹی، چھوٹی ٹوکریوں میں رومال، بنیانیں، جرابیں، اور ضرورت کی اشیا علیحدہ، علیحدہ دھری تھیں۔ پالش شدہ جوتوں کی قطار تھی۔

''ستارہ، خالہ کی تصویر کہاں گئی یہاں سے؟''

''وہ چھوٹی بی بی اس کے فریم کی پالش اکھڑ گئی تھی۔ صاب بولے سے اسے اتار دو، بھائی سے کہہ کر پالش کروا دو آپ کے آنے کی وجہ سے فرصت نہیں ملی۔ ابھی گاڑی میں پڑی ہوگی۔'' ستارہ نے سادگی سے جواب دیا۔ حمدہ کو صاف لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

''کہتی ہوگی صاب جی اب اس بڑھیا کے لیے کیا رونا دھونا کریں۔ اب میں جو ہوں، آپ کی

خدمت گزار.....''

''کل مجھے دینا میں بازار لے جاؤں گی۔ یہ گھر خالہ کا تھا اور ان کا ہی رہے گا۔ اگر کسی کی آنکھوں میں کوئی خواب جاگ گئے ہوں تو انہیں کھرچ کر پھینک دے۔'' حمدہ کے دل کو بھاری بادلوں نے ڈھک لیا تھا اور اب وہ برسنے کو تیار تھے۔ ستارہ ہونق سی کھڑی اس کا منہ تکنے لگی۔ تیسرے دن حمدہ جانے کو تیار تھی۔

''خالو، ستارہ نے بہت ہاتھ پاؤں نکال لیے ہیں، اسے اتنا سر پر نہ چڑھائیں۔ اپنی اوقات بھول جائیں گے یہ لوگ۔''

''ارے نہیں بیٹی ستارہ اور اس کے گھر والے بڑے بھلے مانس لوگ ہیں، دل و جان سے میری خدمت کررہے ہیں۔ گھر کا خیال رکھ رہے ہیں۔ بھائی کو میں نے سیکریٹریٹ میں ڈرائیور لگادیا ہے۔ فالتو وقت میں میری گاڑی میں مجھے لاتا لے جاتا ہے، سارے گھر کو انہوں نے سنبھالا ہوا ہے، یہ نہ ہوتے تو مجھ بوڑھے اور بیمار شخص کا جانے کیا بنتا، انہوں نے تو مجھے دوبارہ زندگی بخش دی ہے۔'' خالو نے سادگی سے جواب دیا۔

''پر نوکروں کو اتنا با اختیار بنانا اچھی بات نہیں..... ان کی ہر چیز پر نظر ہوتی ہے۔'' حمدہ اپنے لہجے میں چھپی نفرت کو دبا نہ سکی..... حسن شاہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ بہر حال حمدہ واپس چلی گئی۔ حمدہ نے جا کر سلمان سے کیا کہا کہ سلمان کا فوری فون آیا۔

''سنا ہے ستارہ اور اس کا خاندان آپ کی اچھی طرح دیکھ بھال کررہا ہے۔ اچھا ہے بابا آپ کا دھیان بٹا رہے۔ میں تو انتظار کررہا تھا کہ گرمیوں میں آپ اِدھر آئیں گے پر لگتا ہے آپ وہاں ہی خوش ہیں۔'' سلمان کی باتوں میں چھپے طنز کو حسن شاہ اچھی طرح سمجھ گئے لیکن اور برداشت کرگئے۔

مشرف بیگم کے انتقال کے چھ ماہ بعد بیٹی صائمہ باپ سے ملنے آئی، بچے کی پیدائش اور چھلے کے چکر میں آنہیں سکی تھی۔ دو تین دن تو روتے بلکتے ماں کو یاد کرتے گزر گئے جب آنکھوں پر سے آنسوؤں کا پردہ ہٹا تو اس نے محسوس کیا کہ ستارہ نے تو ہر شے کا خلا بھر دیا ہے۔ چمکتا دمکتا گھر، خوشگوار ماحول، مطمئن و خوشحال باپ کچھ بھاوج نے بھی اشارتاً بتایا تھا۔ وہ بے طرح چونک اٹھی۔ ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔ ان کے کچن کا پرانا فریج ستارہ کے کوارٹر میں چلا گیا تھا۔ روم کولر فکس تھا۔ گیسٹ روم کے پرانے بیڈز مع فوم کے اس کے باپ اور بھائی کے تصرف میں تھے۔ گیس کے چولھے بھی لگے تھے۔ اس کا بھائی حسن شاہ کے بیڈ روم میں نیچے فرش پر سوتا... اے سی کی ٹھنڈک سے لطف اٹھاتا۔ صائمہ نے ستارہ کو چھوٹے موٹے تحائف دیے۔ اگلے دن جب وہ حسن شاہ اور ستارہ بازار گئے تو ستارہ اس کے بچے کو سینے سے لگائے دکانوں پر ساتھ چلتی رہی۔ کپڑے کے ایک بہت بڑے اسٹور میں جب وہ کھسی تھان پر تھان کھلنے لگے۔ ستارہ ساتھ، ساتھ مشورے دیتی گئی۔

''بی بی جی پتا ہے آج کل قمیص پھر سے لمبی ہوگئی ہیں، لان کے دوپٹوں کی جگہ جارجٹ کے بڑے، بڑے دوپٹے آگئے ہیں۔''

''ستارہ تم جا کر گاڑی میں بیٹھو کیا ضروری ہے کہ تم ہر جگہ ساتھ، ساتھ بھاگتی رہو۔'' صائمہ نے ڈپٹ کر کہا تو حسن شاہ کے چہرے پر تاریک سایہ سا منڈلایا۔

''بیٹے ایسے نہیں ڈانٹتے، دیکھو کیسے بچے کو اٹھا کر پھر رہی ہے اور یہ دیکھو کتنی مخلص ہے وہ ہم سب کے لیے.....''

''نہیں بابا مجھے اس کی دخل اندازی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ آپ نے اسے بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ خود کو گھر کی مالکن سمجھنے لگی ہے۔'' حسن شاہ اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ آخری دکان سے نکلتے ہوئے حسن شاہ نے ایک ریشمی جوڑا اٹھا کر دام لگوائے۔

''بابا اس کے رنگ بہت شوخ اور پرنٹ پرانا ہے۔ کوئی سوبر سا رنگ چنیں۔''

''بیٹا ستارہ کو ایسے ہی رنگ پسند ہیں۔''

''ہونہہ تو یہ ستارہ کے لیے لے رہے ہیں۔ میں

سمجھی شاید ہم میں سے کسی کے لیے.....'' صائمہ نے نفرت سے سوٹ سامنے سے پرے دھکیلا۔

''بیٹی اتنی دیر سے ہمارے ساتھ پھر رہی ہے اس کا بھی من چاہتا ہوگا۔ تم جو بھی لینا چاہو لے لینا، میرے پاس جو کچھ ہے تمہارا ہی تو ہے۔'' انہوں نے بیٹی کے غصے کو محسوس کرتے ہوئے بھی نظر انداز کر دیا۔

''لو تم اسے اپنی طرف سے دے دینا..... تمہاری اور اس کی کیا برابری ہے۔'' بابا نے اسے پچکارا۔

''آپ ہی دے دیں، میں اسے بہت کچھ دے چکی ہوں، ضروری نہیں کہ ہر بات میں ہمارا مقابلہ کرے.....'' صائمہ نے جھلاتے ہوئے دکان کا بیرونی دروازہ زور سے بند کیا۔ سارے راستے صائمہ کا موڈ اخراب رہا..... ستارہ کی طرف تو اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا۔ شام ساری اس نے اپنی شاپنگ اور بقیہ سامان پیک کرنے میں گزاری..... ستارہ کچن میں رات کے کھانے کا انتظام کر رہی تھی۔ حسن شاہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹی کے رویے اور تنک مزاجی پر غور کر رہے تھے۔

''یہ آخر ان لوگوں کو ہوا کیا ہے۔ حمدہ بھی ستارہ سے کھنچی، کھنچی رہتی تھی بلکہ اچھا خاصا اس کے پیچھے پڑی رہتی تھی۔ اور اب یہ صائمہ۔'' اتنے میں دروازہ کھول کر صائمہ اندر آ گئی۔

''بابا آپ نے پرسوں کے لیے فلائٹ کنفرم کرا دی ہے ناں۔''

''ہاں بیٹا وہ رہے تمہارے ٹکٹ.....''

''میں کچھ دن مزید رک جاتی پر دانش نے جلد آنے کو کہا ہے۔ فیکٹری میں ڈیزائننگ کا کام متاثر ہو رہا ہے۔ آپ کی طرف سے فکر لگی رہے گی۔ بس آپ اپنا خیال رکھیے گا۔''

''تم لوگ میری فکر نہ کرو..... اللہ تعالیٰ جب بوجھ دیتا ہے تو سہارنے کی طاقت بھی مرحمت فرما دیتا ہے۔ میری زندگی کا ایک خوب صورت باب تمہاری ماں کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ آہستہ، آہستہ اس نئی زندگی کے ساتھ بھی سمجھوتا ہو ہی جائے گا۔ ویسے مجھے ستارہ اس کے باپ اور بھائی سے بڑی ڈھارس رہتی ہے۔ آدھی رات کو بھی میری خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔''

''بابا، تیار کیسے نہیں ہوں گے سارا گھر اور سب کچھ تو اُن کے تصرف میں ہے، تنخواہ الگ سے۔'' صائمہ کوشش کرتے ہوئے بھی لہجے کی تلخی کو دبا نہ سکی۔

''تم ویسے ہی ان لوگوں سے چڑ گئی ہو..... یہ لوگ نہ ہوتے تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔'' حسن شاہ کا لہجہ اب بھی متفق تھا۔

''بہر حال ان لوگوں کو اتنا بھی منہ نہ لگائیں کہ گھر کے مالک ہی بن جائیں..... ستارہ کا تو گھر میں

کُن فیکون

سب راستے کھو رہے ہیں
کیوں دیے بجھ رہے ہیں
دل کا سہارا کوئی نہیں
جان کو پیارا کوئی نہیں
اب کشتیاں طوفاں کی زد میں ہیں
اور روشنائی تیرگی کی زد میں ہیں
بس آنکھوں کے جام چھلک رہے ہیں
مگر..... مگر
''کن فیکون'' کہنے والے تیری ایک کُن کے سہارے
امید کا دیا جلا بیٹھا ہوں
تو میرا سب سامان سلامت رکھنا
میرے مالک کہ ترے کرم کی آس باقی ہے

کاوش: رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

چڑیا کا گھونسلا گرنے پر

میرے نینوں سے ساون کی جھڑیاں لگیں
میرے دل سے محبت کے سوتے جگے
میرے ہاتھوں سے پھول کپکپا کے گرے
ڈگمگا، ڈگمگا میرے پاؤں گئے
جس گھڑی چڑیا دیکھا تیرا اجڑا گھر

شاعرہ: ہما علی، اسلام آباد

بڑا ہی عمل دخل ہے۔''

''تو اس کے علاوہ دوسری کون سی عورت ہے جو میرے کام بیٹیوں کی طرح کرے۔'' صائمہ کچھ دیر کو خاموش ہوگئی۔

''بس بیٹی تم اپنا گھر سنبھالو، مرنے والے واپس نہیں آتے، اللہ تعالیٰ تمہیں آباد خوش رکھے۔ بس مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اکیلا کردیا ہے۔ جینے کی کوشش کروں گا۔ تمہاری ماں نے قدم، قدم پر میری زندگی میں اتنی آسانیاں بکھیر دی تھیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کیسے سب مینج کر پاؤں گا۔ ویسے بیٹی اللہ تعالیٰ نے ستارہ اور اس کے خاندان کو میرے لیے وسیلہ بنادیا ہے۔ اس دن یہ تینوں گاؤں گئے تھے میرا چائے پینے کو دل چاہا۔ چائے پتی کی جگہ سیاہ زیرہ دم کردیا۔ منہ میں بڑے آرام سے بڑا سا گھونٹ بھرا تو سر چکرا اٹھا۔'' حسن شاہ نے خود اپنا مذاق اڑایا اور ہنسنے لگے۔ صائمہ بھی مسکرانے لگی۔

''بابا ایک بات کہوں، برا نہ مانیے گا، حمدہ جب سے یہاں سے گئی ہے جانے سلمان کو آپ..... اور..... اور..... ستارہ کے بارے میں کیا پٹی پڑھائی ہے۔ سلمان بھی مجھ سے فون پر شکایت کررہا تھا۔ اور حمدہ بھی چڑی ہوئی اور کچھ ڈسٹرب سی تھی۔ کہہ رہی تھی ''باجی اس گھر سے خالہ کی یادیں اور نام مٹنے جارہا ہے۔'' میری مجال نہیں تھی جو آپ سے کچھ کہتی یا ان کی باتوں کو سچ مان سکوں۔ لیکن یہ دنیا کے لوگ بڑے خودغرض اور ڈرامے باز ہوتے ہیں بابا، یہ لوگ دیواروں اور دہلیز سے بھی کان لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ بس بابا آپ تھوڑے محتاط رہیں۔''

''بیٹی کس بات پر احتیاط کا مشورہ دے رہی ہو، حمدہ کیوں چڑی ہوئی ہے۔ سلمان کیوں الجھا ہوا ہے۔ اگر لوگ بکواس کررہے ہیں تو کرنے دو۔ تمہاری ماں کے مرنے کے بعد کیا کسی نے آکر پوچھا کہ میں اتنے بڑے گھر میں اکیلا کس طرح رہتا ہوں۔ میں بوڑھا ہوں، دل کا مریض ہوں، تم باہر ہو بیٹا، بہو باہر ہیں۔ یقین نہیں کہ سلمان کے کامیاب ہوجانے پر بھی حمدہ یہاں آنے کو تیار ہوگی۔ گرم سوئیٹر، جرابیں یا چاکلیٹ بھیجنا، اس سے تنہائی تھوڑی بٹ جاتی ہے بیٹی۔ مجھے پونڈز یا ڈالر بھی نہیں چاہئیں۔ مجھے تم لوگوں اور تمہارے بچوں کا خوشبوؤں بھرا ساتھ چاہیے۔ کون یہ قربانی دے سکتا ہے یا مجھے ہی اپنے ساتھ برداشت کر کے خدمت کرسکتا ہے۔ کوئی نہیں..... کوئی نہیں، تم بچے والدین کے لیے اتنے تنگ نظر اور خودغرض کیوں ہوجاتے ہو۔ ان پر اپنا قبضہ اور انہیں اپنے طریقے سے چلاتے رہتے ہو۔ تم لوگوں کو اپنی عزت بے عزتی، بدنامی و نیک نامی، نفع نقصان کی فکر لگی رہتی ہے، تم لوگ والدین کو مٹی کا مادھو یا اپنے لیے ترقی اور کامیابیوں کی سیڑھی کے طور پر سمجھتے ہو تمہاری خوشیوں، تمہارے قہقہوں، تمہارے عیش و آرام میں ہمارا کوئی حصہ نہیں..... ہاں بس کسی مشکل میں پھنس جاؤ تو والدین یاد آجاتے ہیں۔ والدین بڑھاپے میں کس طرح زندگی گزاریں۔ یہ ایجنڈا تو تم بچے اپنے پاس رکھتے ہی نہیں۔ تم لوگ کیسے زندگی گزارو، وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ میں تم لوگوں کے رویے اور انداز کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کیا میں جیتا جاگتا انسان نہیں..... مجھے اس عمر میں کیا خدمت کی ضرورت نہیں اور اس خدمت کو میں اگر پیسے اور کچھ سہولتیں دے کر خرید لوں تو اس پر تم لوگوں کو کیوں اعتراض ہے۔ اگر تم لوگ باہر بیٹھے، بیٹھے مجھے اور اس گھر کو چلانے کی کوشش کروگے تو یہ غلط ہے۔ اگر ایسا ہے تو بھول جاؤ کہ مشرف کے بعد کوئی اور رشتہ باقی ہے۔'' حسن شاہ جو ان منفی سوچ اور رویوں کو دیکھتے اور سنتے ہوئے ادب چکے تھے۔ بیٹی کے سامنے پھٹ پڑے۔

''ہونہہ..... تو بابا آپ ہم دونوں بہن، بھائی کو نظر انداز کردیں گے۔ وہ بھی ایک نوکرانی کے لیے۔'' صائمہ کے لہجے میں طنز اور افسردگی تھی۔

''نہیں بیٹی کیسی باتیں کررہی ہو..... میرے دل میں رشتوں کا تقدس اسی طرح مقدس ہے جس طرح ماں، باپ کے دل میں بچوں کے لیے ہوتا ہے۔ افسوس

تم لوگوں کی سوچ کتنی چھوٹی ہے۔'' صائمہ کو گلے لگا کر حسن شاہ کی چندھی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو ٹپک پڑے۔ ''میں کل بھی تمہارا تھا اور آج بھی ہوں......''

ڈیڑھ سال گزر گیا تھا۔ سلمان دوبارہ آ کر چلا گیا لیکن ستارہ اور اس کے خاندان کے لیے ان کے ماتھے کے بل ہموار نہیں ہوئے۔ حسن شاہ سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے رہے، اپنے پرایوں کی باتوں سے اب وہ تنگ آ گئے تھے۔ اس دن وہ پوری رات سوچتے رہے اور صبح تڑکے وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ اظہر ان کا بہت پرانا دوست تھا۔ وہ اب بھی حسن شاہ کا مہینے آدھ میں پوچھنے آ جاتا تھا۔ کبھی کبھار حسن شاہ کو اپنے ہاں بلاتا یا ان کے گھر رک بھی جاتا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بیوی بچوں کے ساتھ پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔

''اظہر......تم سے ایک بات کرنے آیا ہوں۔ دل چاہے تو جواب دے دینا، پر مجھ سے کسی صورت ناراض نہیں ہونا میرے بڑھاپے، اکیلے پن، اپنے پرائے کی باتوں اور اولاد کی بے وجہ تہمتوں نے مجھے اب توڑ کر رکھ دیا ہے۔ تمہاری بہن ڈاکٹر فرزانہ نے بیوگی کے بعد شادی نہیں کی ناں اب اگر تم اسے تیار کرلو تو میں اس سے نکاح کر لیتا ہوں۔''

''حسن شاہ اس کی عمر پچپن سال ہے۔ ریٹائرمنٹ میں چار، پانچ سال رہتے ہیں اب وہ کیوں شادی کرے گی۔''

''اظہر ہماری عمروں میں لوگ چاہتوں کے لیے شادیاں نہیں کرتے بلکہ سہارے، ضرورت اور تنہائی بانٹنے کے لیے شادی کرتے ہیں۔ میں تمہیں ساری بات بتا دیتا ہوں پھر تم فیصلہ کرلو۔'' پھر انہوں نے اپنے دل کا حال دوست کے گوش گزار کر دیا۔

''چلو میں بات کرلوں گا...... اگر اس کا بڑھاپا سنور جائے تو مجھے کیا اعتراض ہوگا۔'' اظہر نے آرام سے جواب دیا۔ ہفتہ، دس دن بعد اظہر نے حسن شاہ سے بات کی۔

''فرزانہ کے کچھ خوف، کچھ تسلیاں، کچھ ڈسکشن والی باتیں ہیں۔ تم اگر آ کر فرزانہ کی تسلی کرلو تو اچھا ہوگا......'' تمام معاملات جھٹ پٹ خوش اسلوبی سے طے ہو گئے تھے۔

''ستارہ بھئی آج رات کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں، دس بارہ لوگ ہوں گے۔ اچھا سا کھانا بنا لینا۔ بھائی کو بھجوا کر شام کو گلاب کے دو تین ہار منگوا لینا۔ اور ہاں ڈرائنگ روم وغیرہ اور میرا کمرا اچھی طرح صاف کر لینا۔'' ستارہ نے تمام ہدایات پر دل سے عمل کیا۔

اسی شام کو ڈاکٹر فرزانہ کا نکاح حسن شاہ سے انجام پایا۔ حسن شاہ کی خواہش پر ڈاکٹر فرزانہ اور چند رشتے داروں کو بھی بلا لیا تھا۔ نکاح کے بعد سب نے کھانا کھایا اور سب دعائیں دیتے چلے گئے۔

''ستارہ یہ تمہاری مالکن ہیں۔ انہیں سارا گھر دکھا دینا۔'' ستارہ کا چہرہ مارے خوشی کے لال سرخ ہو گیا۔ حسن شاہ نے فرزانہ کو ستارہ سے ملوایا۔

''بیگم صاحبہ اس گھر میں آنا مبارک ہو۔ میں ستارہ آپ کی خدمت گار ہوں۔ آپ کا ہر طرح سے خیال رکھوں گی۔''

''ارے نہیں، گھر تو تم ہی چلاؤ گی۔ میں تو سارا دن مریض سنبھالتی ہوں۔'' ڈاکٹر فرزانہ نے ہنس کر کہا تو ستارہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''سلمان تمہاری نئی امی گھر آ گئی ہیں۔'' حسن شاہ نے فون پر سلمان کو اطلاع دی۔

''ک......ک......کون......؟ ستارہ......'' سلمان گھگیانے لگا۔

''نہیں بیٹا ستارہ تو ہماری ملازمہ ہے۔ کیا تم لوگوں نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ لیا ہے، بیٹا تم لوگوں کا اتنا اونچا اسٹینڈرڈ ہے اور میں ایک ملازمہ سے...... وہ میرا... دوست اظہر ہے ناں ان کی بہن ڈاکٹر فرزانہ ہے۔ حمدہ اور صائمہ کو بھی بتا دینا۔''

''لیکن......لیکن...... بابا......'' اور حسن شاہ کی طرف سے ٹیلی فون ڈس کنیکٹ ہو چکا تھا۔

❁❁❁

سلسلے وار ناول

میں عشق ہوں

نایاب جیلانی

عشق، محبت، الفت، چاہت، انسیت، لگاؤ، پیار، اپنائیت . . . اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حسین جذبے . . . کہیں یہ پھول بن کر ساتے ہیں، زندگی مہکاتے ہیں، سانسوں کو معطر کرتے ہیں، لبوں کو ترنم بخشتے ہیں، تاریک راہوں کو منور کرتے ہیں اور کبھی، کبھی یہ مردہ ہوتے وجود میں زندگی کی نئی لہر بھی دوڑاتے ہیں . . . غرضیکہ انسانی حیات انہی جذبوں کی مرہونِ منت ہے . . . لیکن یہی جذبے کبھی عمر بھر کی تلاش کا حاصل ہوتے ہیں اور کبھی ریت کے ذروں کی طرح ہاتھ سے پھسلتے چلے جاتے ہیں اور انسان تہی داماں رہ جاتا ہے . . . اسی حاصل اور لاحاصل کے گرد گھومتی حساس جذبوں کی آئینہ دار ایک دلکش و دل پزیر تحریر

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبتوں میں ہمیں وہ مثال ہونا ہے

وصی یقین ہے مجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

عمائم عالمہ بن رہی تھی، وہ اور عالی جامعہ میں ایک ساتھ پڑھتی تھیں عالی کی باتوں میں ہمیشہ ''وہ'' موجود ہوتا۔ وہ ایسا ہے..... وہ ایسا ہے لیکن عمائم نے کبھی اس کا نام بھی نہیں پوچھا تھا۔ عالی بہت حسن پرست تھی شاید اسی لیے وہ عمائم کے ساتھ تھی۔ عمائم، حریم سے لیپ ٹاپ مانگتی ہے تو ایمان وہیں کھڑا تھا اور احتشام باہر سے آیا تھا جب حریم واپس لیپ ٹاپ لینے آتی ہے تو عمائم کہتی ہے کہ ایمان کو شکریہ کہنا تو وہ بتاتی ہے کہ لیپ ٹاپ احتشام کا ہے اس پر عمائم حیرت زدہ رہ جاتی ہے، عمائم کو آج کل کچھ کال اور ایس ایم ایس آرہے تھے جو اس کی زندگی میں آنے والے ہر حادثے کی پیشگی اطلاع دے دیتے تھے، عمائم بچپن سے دیکھتی آئی تھی اُسے دو لوگوں سے چھپایا جاتا تھا۔ بابا صاحب اور اموجان اور تیسری شخصیت دادی پھپو۔ وہ بچپن سے اپنے ساتھ ایسا سلوک ہوتے دیکھ رہی تھی مگر اس بات کی وجہ سے ناواقف تھی۔ بابا صاحب کا گھرانا مشترکہ خاندانی نظام کے تحت چل رہا تھا۔ ثریم، عمائم کو اپنی بہن کی شادی پر بلاتی ہے۔ نورس، عمائم کے ذمے نمائش کا کام کرتی ہے اس کی کامیابی سے ملنے والے پیسے سے یتیم لڑکیوں کی شادی ہوگی۔ امو، عمائم سے کہتی ہیں کہ ایمان کبھی اس کا نہیں ہوگا۔ امی، احتشام اور اذان میں دوریاں چاہتی تھیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ وہ چاہتی ہیں کہ باہم کا رشتہ احتشام کے لیے مانگ لیں لیکن وہ کہتا ہے کہ ضرور مانگیں مگر اذان کے لیے۔ بسمہ چاچی، عمائم کو کہتی ہیں کہ تمہیں دیکھ کر اپنے خسارے یاد آتے ہیں۔ بسمہ چاچی بعد میں عمائم سے معافی مانگتی ہیں کہ یہ دن ہی ایسا ہے شاید تو وہ پوچھتی ہے آج کیا دن ہے تو بسمہ چاچی کہتی ہیں جیل والوں کی ملاقات کا دن۔ جس پر عمائم دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ جیل میں کون ہے۔ عمائم، نورس کے ساتھ ثریم کے گھر تقریب میں جاتی ہے تو نورس اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ ایک لڑکی عمائم کو ایک پارسل دیتی ہے کہ یہ نوٹس ہیں تم نورس کو دے دینا۔ پولیس راستے میں گاڑی روکتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں ایس پی اذان کی کزن ہوں تو آفیسر اس سے معذرت کر لیتے ہیں۔ گھر واپس آتی ہے تو اس کے پاس میسج آتا ہے کہ منع کیا تھا ناں جانے سے۔ صبح عمائم کے کمرے سے وہ پیکٹ غائب تھا۔ صبح وہ امی کو بتاتی ہے کہ میرے ڈاکومنٹس چوری ہوئے ہیں جو امانت تھے۔ ثریم، عمائم کو بتاتی ہے کہ پیکٹ میں نوٹس نہیں تھے کچھ اور تھا اور اگر وہ نہ ملا تو تمہارے اور میرے لیے تباہی ہے۔ عمائم جامعہ جانے لگتی ہے تو اس کے پاس میسج آتا ہے جہاں جارہی ہو بے فائدہ ہے واپس آجاؤ۔ عالی کا اس کے پاس میسج آتا ہے کہ نورس نے اسے اسٹرک آف کر دیا ہے۔ عمائم، نورس کو کال کرتی ہے تو وہ اٹینڈ نہیں کرتی میسج کرنے پر کال کرتی ہے تو کہتی ہے مجھے وہ پیکٹ ہر صورت میں چاہیے۔ عالی، احتشام کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ عالی کہتی ہے کہ اس نے احتشام سے بات کی ہے اس کی اپروچ بہت اوپر تک ہے، بات بڑھ گئی تو نورس نہیں چھوڑے گی۔ عمائم کے پاس میسج آتا ہے احتشام اور عالی کے ڈرامائی ملاپ سے پریشان ہو تو وہ حیران رہ گئی۔ نورس کہتی ہے وہ پیکٹ تمہارے گھر سے غائب ہوا ہے تم کو وہ پیکٹ گم ہونے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اس نے عمائم کے گھر فون کر دیا تھا کہ وہ آج جامعہ میں رہے گی۔ عمائم سے اصلی بات جاننے کے لیے نورس، ثریم کو عمائم کے پاس بھیجتی ہے۔ انتظامیہ کی ہیڈ اسے کھانے کی ٹرے میں چھپا کر ایک پرچہ بھی دیتی ہے جس پر محمد غوری کا تاریخی واقعہ لکھا تھا۔ عمائم کو اس کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔ کرن، عمائم کو بتاتی ہے کہ جب وہ مہندی کی رات عمائم کو پیکٹ دے کر واپس آئی تو ٹیرس پر اس نے نورس کو دیکھا تھا وہ کسی ضروری کام سے نہیں گئی تھی۔ اذان کی کسی غلطی سے ان کے کوڈ ڈی کوڈ ہو جاتے ہیں تو احتشام اس پر بہت غصہ کرتا ہے۔ امو، حریم کو بتاتی ہیں کہ عمائم کی وجہ سے ایمان ان سے بات نہیں کر رہا، ان کی یہ بات ماہم سن لیتی ہے اور کہتی ہے کہ آج ایمان تو کل کوئی اور بھی عمائم کے لیے کھڑا ہوگا۔ ثریم بتاتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی ہے، عمائم، نورس سے کہتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی۔ وہ بے قصور تھی تو نورس کہتی ہے کہ تمہیں کیا پتا کہ وہ بے قصور تھی یا گناہ گار..... عمائم، ام رومان کو جو اسے کھانا دینے آتی ہے باتھ روم میں بند کر کے باہر نکلتی ہے اور ایک لڑکی سے بات کر کے اپنا گاؤن اور کارڈ چینج کر کے جامعہ سے باہر نکل آتی ہے۔ عمائم کے پاس میسج آتا ہے تو وہ اپنی الماری میں دیکھتی ہے تو کپڑوں کے نیچے سے وہ پیکٹ مل جاتا ہے۔ عمائم اس پیکٹ کو کھول کر دیکھتی ہے لیکن ان عجیب سی چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ عمائم جامعہ جانے کے لیے نکلتی ہے تو پورچ میں کوئی گاڑی نہیں ہوتی۔ حریم، عمائم کو رکنے کا کہہ کر احتشام سے کہتی ہے کہ وہ عمائم کو چھوڑ دے۔ عمائم، احتشام کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتی ہے تو اس کا ایک دوست بھی گاڑی میں موجود ہوتا ہے۔ وہ دونوں کچھ مرغی اور انڈے کی بابت بات کرتے ہیں جو سن کر عمائم کو اپنی ہنسی روکنا محال تھا اور وہ سوچتی ہے کہ جلد جامعہ آجائے۔ عالی، عمائم کو جامعہ کے گیٹ پر ملتی ہے اور اسے احتشام کی جیپ سے اترتا دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ عمائم، نورس سے

ملنے جاتی ہے تو نورس اس کی بہت تعریف کرتی ہے اور اسے آفر کرتی ہے کہ اگر وہ نورس کے ساتھ کام کرے گی تو وہ اسے جامعہ کی ایڈمنسٹریٹر بنادے گی اور اس کو وہ کلپ دکھاتی ہے کہ کس طرح وہ جامعہ سے بھاگ نکلی تھی۔ عائم کہتی ہے میں اتنی بھاری ذمے داری نہیں اٹھا سکتی..... عائم، نورس کو بتاتی ہے کہ وہ پیکٹ مل گیا ہے لیکن پیکٹ سے برآمد چیزیں دیکھ کر وہ کہتی ہے کہ یہ سامان بدل گیا ہے۔ عائم کہتی ہے کہ میں نے نہیں کیا تو وہ اسے خبردار رہنے کو کہتی ہے اور کہتی ہے کہ راشن ڈپو میں جا کر راشن اتروائے۔ اسٹور کا ہیڈ عائم کو کہتا ہے کہ ڈیلر نے نیا ڈرائیور بھیجا تھا جس نے ایکسیڈنٹ کر کے سارے انڈے توڑ دیے ہیں۔ عائم، ڈرائیور کو دیکھ کر الجھن کا شکار ہوتی ہے اور اسے چھپ کر نورس کی تصویریں لیتے دیکھ کر ساکت رہ جاتی ہے۔ عالی، عائم کو بتاتی ہے کہ حریم کی کزن کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ روشان کوڈورڈ میں احتشام کو بتاتا ہے کہ مرغی کی تصویریں لیتے ہوئے اسے دیکھ لیا گیا ہے۔ احتشام کہتا ہے کہ چوزی نے دیکھا ہے تو کوئی پریشانی نہیں۔ عائم جامعہ سے واپس جانے کے لیے نکلتی ہے تو احتشام اسے لفٹ دیتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ برطانوی نژاد کرن کی لاش ان کی جامعہ کے بیک سائڈ گٹر سے ملی ہے۔ عائم، کرن کے گھر تعزیت کرنے جانا چاہتی ہے تو احتشام تائی امی سے کہتا ہے کہ وہ بھی ساتھ چلی جائیں۔ ماہم، کرن سے دوستی ہونے پر عائم کو باتیں سناتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ عالی، کرن کی والدہ سے سوالات کرتی ہے اس رات کے بارے میں تو پتا چلتا ہے کہ کرن نے شاید راستے میں کسی کو لفٹ دی تھی۔ صوفی صالح کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جس میں سے دو بیٹے اور ایک بیٹی حافظ قرآن تھی۔ عمامہ، شام سے ملنے آتی ہے تو وہ اسے واپس جانے کو کہتا ہے صوفی صاحب اسے دیکھ کر سوچتے ہیں کہ کہیں جانے کے لیے شام کو کہنے گئی ہوگی۔ طاہرہ، ساس کے پوچھنے پر کہتی ہیں کہ وہ چاہتی ہیں کہ عمامہ ان کی نظروں کے سامنے رہے جس پر وہ کہتی ہیں کہ شام کا رشتہ ان کی بہن نے فیقہ کے لیے دیا تھا۔ لیکن عمامہ اپنی پسند سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ شام کی غیر موجودگی میں اس کا رشتہ فیقہ سے طے پا کر کارڈ بھی چھپوا کر بانٹ دیے اس پر عمامہ، شام کو طیش دلانے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے تمہارے باپ کے سر پر رکھے عمامے اور اپنی عزت سے بہت پیار ہے۔ تم واپس لوٹ جاؤ۔ فیقہ اور عمامہ کی رخصتی ایک ساتھ طے کر دی تھی۔ طابہ (بھاوج) عمامہ کو کہتی ہے کہ شام بھی تمہیں بہت چاہتا ہے، تم اسے مجبور کرو... گی تو وہ ضرور بولے گا۔ عمامہ، طابہ کے ذریعے شام کو بلاتی ہے اور اس کو سول میرج کے لیے راضی کرتی ہے ساری بات فیقہ سن لیتی ہے۔ عمامہ آنے والے فون پر کہتی ہے صوفی صالح کی بیٹی عمامہ حادثاتی موت کا شکار ہوگئی ہے۔ آپ بارات مت لائیے گا۔ عمامہ کو یہ بات کرتے طاہرہ سن لیتی ہیں، وہ اس پر غصہ کرتی ہیں وہ صوفی صالح سے کہتی ہیں ہم نے جلد بازی کر لی۔ فرخ (منگیتر عمامہ) اور اس کے بہنوئی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس میں بہنوئی کی ڈیتھ ہو جاتی ہے، دونوں شادیاں نامعلوم مدت کے لیے کینسل ہوگئیں۔ شمسہ بھابی، عمامہ کو کہتی ہیں کہ طابہ سے دور رہو وہ تمہیں نقصان پہنچائے گی۔ عمامہ کالج میں ایڈمیشن ہوتا ہے تو دادی کہتی ہیں کہ وہ کوئی چاند چڑھائے گی۔ طابہ اپنے شوہر تقی سے کہتی ہے کہ فیقہ کو شام اور عمامہ کے حوالے سے کچھ شبہات ہیں تو تقی کہتا ہے کہ شام جس سے بھی بات کرے وہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ عمامہ کو کالج چھوڑنے شام جاتا ہے تو گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو جاتا ہے اور ایک آدمی ملتا ہے جو عمامہ کے لیے گھٹیا الفاظ استعمال کرتا ہے اور شام کے پوچھنے پر خود کو اس کا باپ بتاتا ہے۔ منصور سیال، شام کو بتاتا ہے کہ وہ فیکٹری گیا تھا اور وہاں تقی نے اس کی پٹائی کر دی تھی۔ منصور سیال پھر فیکٹری جاتا ہے اور منیجر سے شام کی تنخواہ مانگتا ہے تو وہ اسے منع کر دیتا ہے۔ لیکن وہ شام سے دس ہزار لے کر ہی جاتا ہے۔ عمامہ، منصور سیال کے بارے میں تصدیق کرتی ہے تو شام اسے جھڑک دیتا ہے۔ کالج میں جانے سے عمامہ گھبراتی ہے تو وہاں اسے سونیا ملتی ہے۔ سونیا کے ساتھ عمامہ کالج میں جلد ایڈجسٹ ہو جاتی ہے۔ سونیا جب عمامہ کے ساتھ گھر آتی ہے تو دادی کو وہ بالکل پسند نہیں آتی۔ عمامہ، سونیا کو بتاتی ہے کہ فیقہ کا یہ حشر کیسے ہوا وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔ دادی، شام کو عمامہ کی ذمے داری اٹھانے سے منع کرتی ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے صالح بھیا نے کہا تھا وہ منع کریں گے تو میں اسے لے کر نہیں جاؤں گا۔ عمامہ، سونیا کو بتاتی ہے کہ فیقہ پھپھو بہت پیاری تھی ان کی دوست نے ان کے منہ پر کوئی کریم لگا دی جس سے ری ایکشن ہوا اور گھر والوں نے ان کا صحیح علاج نہیں کرایا جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی کہ چہرہ عجیب سا ہی مائل ہو گیا تھا..... سونیا، عمامہ سے کہتی ہے کہ وہ فیقہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے کہ وہ نارمل ہو جائے۔ منصور سیال کا فون آتا ہے تو عمامہ، شام کو بلانے جاتی ہے تو وہ اسے ڈانٹتا ہے کہ تم نے یہ کال کیوں سنی۔ تقی، شام کو بتاتے ہیں کہ فیکٹری کے سامنے پلاٹ کا جو کیس تھا وہ ہار گئے ہیں اور وہ پلاٹ منصور سیال نے لیا ہے اور اب وہ ان کے مقابل آ کر بدلہ لینا چاہتا ہے کیونکہ صوفی صالح نے رابعہ (شام کی ماں) کے ساتھ منصور سیال کے سلوک کی وجہ

سے اسے جیل کی شکل دکھائی تھی۔ اور شام کو خود لے آئے تھے۔ تاج بیگم (دادی) شام سے کہتی ہیں کہ وہ تین مہینے کے بعد فیقہ سے اس کی شادی کردیں گی وہ تیار رہے۔ طاہر وکیل کے پاس جا کر پوچھتا ہے کہ اس نے یہ کیس کیوں ہارا تو وہ بتاتی ہے کہ آج تک وہ کوئی کیس جیتی ہی نہیں۔ فیقہ سوچتی ہے کہ اماں اور بھیا نے اس کے لیے شام کا انتخاب کیا ہے تو عمامہ اس کے رستے سے ہٹ کیوں نہیں جاتی۔ طاہر، عمامہ سے کہتی ہے کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کیونکہ شام اس حوالے سے اس کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتا تھا۔ سونیا، عمامہ کو فون کر کے کہتی ہے وہ فیقہ کی برین واشنگ کر کے اس کو صحیح اور غلط فیصلے کی پہچان کروا کر اس کی دوسری جگہ شادی کروا دے گی۔ وہ ابھی بات کر رہی ہوتی ہے کہ فون کٹ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد فون پھر بجتا ہے تو فون پر سونیا کے دھوکے میں شام کے باپ منصور سے کہہ بیٹھتی ہے کہ وہ شام کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ منصور یہ راز جان لینے کے بعد اپنے ذہن میں صوفی صالح کو زچ کرنے کے منصوبے بناتا ہے اور عمامہ کو تسلی دیتا ہے کہ وہ اس کا ساتھ دے گا۔ سونیا، عمامہ کو کہتی ہے کہ وہ فیقہ کو بدلنے کے لیے کچھ بھی کرے گی۔ طاہر، عمامہ کو بتاتی ہے کہ اس نے منصور اور اس کی باتیں سن لی تھیں۔ سونیا، عمامہ کے گھر ایک جوکر کے روپ میں آتی ہے اور پھر کچھ کرتب دکھا کر سب کو خوش کرتی ہے اور پھر اپنا آپ ظاہر کر کے فیقہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے.....

قسط نمبر 12

سونیا سلیم ایک سو چالیس میل فی گھنٹا کی رفتار سے عمامہ کی طرح فقیہہ صحبانی کی زندگی میں بھی جوتوں سمیت گھس گئی تھی گو کہ فقیہہ نے بڑے بڑے بند باندھے تھے، بہت روکنے کی ناکام کوشش میں ہلکان ہوئی تھی۔ اماں کا غصہ برداشت کیا تھا، ان کی ناگواری سہی تھی پھر بھی وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔

ایک ایسی ''بہروپن'' جو دوسروں کی زندگیوں میں مسکراہٹ بکھیرنا چاہتی تھی۔ اس کے آدرش کتنے بلند تھے۔ اور اس کے الفاظ پھینک دینے والے نہیں تھے۔ فیقہ بھی نظر انداز نہیں کر سکی تھی۔

''میں دریچے کھولنے کے لیے آئی ہوں، مرگِ گل سے پیشتر۔'' کوئی اس کے کان میں گنگنا رہا تھا۔ نئی زندگی کی امید دے رہا تھا۔ آس کے جگنو مٹھی میں دبا رہا تھا۔ راہوں کو روشن کر رہا تھا۔

حالانکہ اماں کو سونیا ایک نمبر کی فراڈ لگتی تھی۔ اس سہ پہر کے بعد جب فیقہ، سونیا کی دی ہوئی بدصورت چہرے والی ڈول کو اٹھا کر کمرے میں لے آئی تھی تب اماں بھی چیل کی طرح اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ فیقہ کو گڑیا سنبھالتے دیکھ کر چیخ پڑیں۔

''فیقہ، تمہارا دماغ چل گیا ہے، کل کی چھوکری تمہیں بیوقوف بنا گئی۔ ادھر گڑیا دو، میں اس کا کباڑا کروں یا بچوں کو کھیلنے کے لیے دوں..... نامراد، کوئی جادو ٹونا بھی ہو سکتا ہے۔'' دادی نے گڑیا کھینچ کے توڑی مروڑی اور زمین پر پٹخ دی۔ فیقہ کا دل مٹھی میں بھینچ گیا تھا۔ پھر بھی ماں کی آخری بات میں وزن لگا تھا۔ وہ کچھ حیران سی ہوئی تھی۔

''جادو ٹونا.....؟''

''ہاں..... سحر پھونکا ہوگا..... تجھے خبر نہیں، مٹی کے پتلوں اور اس طرح کے عورت جیسے بتوں پر ''ٹونے'' کمال کے چلتے ہیں۔'' دادی نے اپنا ماتھا پیٹا..... ''اور تم اس کو سنبھال رہی تھیں۔ تجھے کب عقل آئے گی۔ یہ جادو کی گڑیا ہے۔ اس پر عمل پڑھا کر تمہیں دے دیا۔ تاکہ تمہاری شادی میں ''بندش'' ہو۔'' اماں کے اگلے الفاظ فیقہ کو حیران کم خوفزدہ زیادہ کر گئے تھے۔ وہ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

''عمامہ کی چالاکی دیکھو، کتنا بڑا ''شو'' لگا کر مجھ بڈھی کو ہاتھ دکھا گئی۔'' دادی نے مٹھیاں بھینچ، بھینچ کر کہا تھا۔ اُن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''عام حالات میں اس گڑیا کو کیسے تم تک پہنچاتی؟ اسی لیے سہیلی کو بیچ میں ڈال کر اپنا کام دکھا دیا۔ جانے کس

جادوگر سے سفلی عمل کروایا ہوگا۔ ہائے، اللہ خیر کرے..... پھر سے کوئی رکاوٹ نہیں آجائے۔'' دادی نے سینے پر دو ہتڑ مارے تھے۔ ان کے اضطراب کا کوئی انت نہیں تھا۔ وہ گھبراہٹ میں ہاتھ مل رہی تھیں۔

''اس نے تم پر کالا علم پڑھایا ہے۔ دیکھ لینا، شادی میں پھر سے کوئی رکاوٹ آئے گی۔'' دادی کا بس نہیں چل رہا تھا۔ بستر میں گھسی عمامہ کی گردن دبوچ کر مزہ چکھا آئیں۔

''یہ کالج میں پڑھنے نہیں..... جادوگروں کے آستانوں پر جاتی ہے۔'' دادی نے غیظ بھرے لہجے میں کہا۔

''صبح ہوتو لینے دو، طاہرہ کو اس کے سارے کرتوت بتاتی ہوں۔'' انہوں نے خود سے فرض کرلیا تھا۔ اب تردید کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ دادی اپنے مزاج، دماغ اور سوچ کے تابع رہتی تھیں۔ اپنی مرضی کے مطلب سوچتی اور اخذ کرتی تھیں۔

''دیکھ فیقہ! یہ تیرا ہی بت بنا کر بھیجا ہے۔'' اچانک دادی اچھل کر سیدھی ہوئیں۔ گویا کوئی مین پوائنٹ ہاتھ آگیا۔ ''تیری شکل، تیرا ہی جسم۔'' دادی نے شدید بے چینی سے فیقہ کو جھنجوڑ دیا تھا۔ فیقہ بھی حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ یہ بت فیقہ کا لگتا تھا۔ نیچے سے خوب صورت تن والا پتلا اور منہ فیقہ جیسا سیاہ..... بلیک اینڈ وائٹ کے امتزاج والی گڑیا فیقہ کا دماغ کھول گئی تھی۔ اسے اماں کی بات پر سو فیصد یقین آگیا۔ اب تو شک کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ فیقہ کے دل میں امڈتے نرم، نرم سونیا کے لیے جذبات اپنی موت خود ہی مرگئے۔ سہ پہر والی ترنگ، ساری خوشی اور جوش کافور ہوگیا تھا۔ اس کا دل لمحوں میں بجھ گیا۔ وہ جو سونیا کی باتوں کے اثر میں تھی ایک دم ہی نڈھال ہوگئی۔ اس دنیا میں کوئی مخلص دوست ہے نہ ہمراز..... اسے اپنی وہ سہیلی یاد آئی تھی جس نے محض اس کی خوب صورتی سے حسد کھا کر عمر بھر کے لیے اس... کی صورت کو بدنما داغ لگا دیا تھا۔ فیقہ کا دل رونے لگا۔

''تم دونوں نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا..... اللہ بھی تم دونوں کے ساتھ بہت برا کرے سونیا اور عمامہ.....!'' ساری رات فیقہ کے آنسو گرتے رہے اور اس کا تکیہ بھیگتا رہا۔

''عمامہ نے ایسا کیا کردیا؟'' طابہ جو ماں، بیٹی کی باتیں سن چکی تھی اچانک کمرے میں در آئی اور تجسس دبا کر اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ ورنہ ساری حسیات تو ایک دم بیدار ہوگئی تھیں۔ آنکھوں میں اشتیاق در آیا۔

''اس نے مجھ پر جادو کروادیا۔'' فیقہ کا دل بھر آیا۔

''مگر کیسے؟'' طابہ دھک سے رہ گئی تھی۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ بے چینی کا عنصر کچھ اور بڑھ گیا۔

''اس گڑیا کے ذریعے.....'' فیقہ نے ٹوٹی پھوٹی گڑیا کی طرف اشارہ کیا تھا۔ طابہ اچھل کر رہ گئی تھی۔ ایک دم خوف سا آیا۔

''ہائے..... تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''اماں نے بتایا ہے، دیکھو تو، میرا بت بنا کر لے آئی۔'' اس نے سیاہ چہرے والی گڑیا کی طرف اشارہ کیا۔ طابہ کو اب کی دفعہ غور کرنا پڑا تھا۔ پھر وہ حیران ہی رہ گئی تھی۔ فیقہ نے ٹھیک کہا تھا، گڑیا کا بت فیقہ سے مختلف نہیں تھا۔ چہرہ بلیک، جسم سفید، طابہ کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ باقی تفصیل فیقہ نے بتادی تھی۔ طابہ مارے تجسس کے سنتی رہی تھی۔ عمامہ اور سونیا کی چالاکی پر سیلوٹ کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

''عمامہ سے ایسی امید نہیں تھی۔ تمہاری شادی تڑوانے کے لیے کیسے، کیسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے۔ سچی بات ہے، بڑی بے حیا لڑکی ہے۔ پھوپی کے منگیتر پر نگاہ رکھ کر ریکارڈ توڑنے والی ہے۔ ہمارے خاندان میں پہلے ایسا کچھ ہوا نہیں..... بلکہ ''تاریخ'' میں ایسا آج تک سنا نہیں۔'' طابہ نے فیقہ کے خدشات کو اور بھی ہوا دی تھی اس کا دل مٹھی میں بھر گیا۔

''طابہ! میں کیا کروں؟ جادو کے تو بڑے بداثرات ہوتے ہیں۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''بات تو ٹھیک ہے لیکن تم پروانہ کرو.....'' طابہ نے اسے تسلی دی۔ ''بلکہ یوں کرو.....'' وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی تھی۔

''سونیا اور عمامہ کو ''جتا'' دو، تم ان کی سازش کو جان گئی ہو۔ پھر دیکھنا، دونوں کی کیا حالت ہوگی۔ بڑی آئی جادو ٹونے کے ذریعے شام کو قابو کرنے والی۔'' طابہ نے چبا، چبا کر کہا۔ فیقہ چپ رہ گئی تھی۔ اسے طابہ کی بات میں وزن لگا تھا۔ وہ عمامہ کی آنکھیں کھولنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

ان کی دوسری اتفاقیہ ملاقات ''انبالہ'' میں ہوئی تھی۔ یہ میٹھی خطائی بنانے والوں کی بڑی مشہور مٹھائی کی دکان تھی۔ یہاں کی خطائیاں نہایت نرم، خستہ اور مزیدار مشہور تھیں۔ منہ میں ڈالتے ہی گھل سی جاتیں۔ سونیا کو خطائی بڑی مرغوب تھی۔ اس کا ناشتا خطائی کے بغیر نامکمل تھا۔ سو سونیا کی وجہ سے باقی دو لوگ بھی خطائی اور چائے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

جب وہ خطائی کا ڈبا پیک کروا کر باہر نکلی تو سامنے سے آتے خوش شکل، اسمارٹ سے نوجوان سے بری طرح ٹکرا گئی۔ یہ تصادم خاصا خطرناک تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچ گئے تھے۔ حواس کچھ ٹھکانے آئے تو اسے سامنے موجود شخصیت کے ''لتے'' لینے کا خیال آیا۔

''بے تھنے سانڈ کی طرح ڈول رہے ہو، آنکھیں کیا جیب میں ڈال رکھی ہیں؟'' وہ تلملا کر ناک دباتی چیخی تھی۔ مقابل خود کو ''سانڈ'' کہلوانے پر غش کھانے لگا۔

''مجھ جیسی حسین چیز کو ''سانڈ'' جیسے جانور سے ملانا کہاں کا انصاف ہے؟ آپ پر ہتک عزت کا مقدمہ نہ دائر کروا دوں؟'' شوخ سی مسکراتی آواز پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ مقابل کی ''شوق نظر'' کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ اسے دو سو واٹ کا کرنٹ لگا۔ کیسا بھیانک ''اتفاق'' تھا۔ جس شخصیت سے وہ بچنا چاہ رہی تھی۔ اسی سے ٹکراتی پھر رہی تھی۔ اسے خفقان سا ہونے لگا۔ مقابل کی چمکتی آنکھیں گھائل کرنے کا فن جانتی تھیں۔

''مقدمہ شوق سے دائر کرواؤ تاہم وکیل مجھے ہی ہائیر کرنا۔'' اس نے بڑی مسکینیت سے کہا تھا۔ طاہر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ بیچاری کا کاروبار مندی میں جا رہا تھا۔

''کوئی الو کا..... پھنسا نہیں؟'' طاہر نے بڑی رازداری سے پوچھا۔

''آپ کے علاوہ کوئی ''الو'' جو نہیں۔'' اس نے معصومیت کے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ طاہر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مس حواس باختہ اتنی بھی ''بدحواس'' نہیں تھی۔ بڑی حاضر جواب اور چالاک تھی۔ مسکین صورت بنا کر آدھی فیس بھی بخشوالی تھی ورنہ طاہر تو پوری فیس واپس لینے بلکہ حلق سے نکلوانے کے لیے اس کے چیمبر گیا تھا۔ خالی ہاتھ اور ''خالی دل'' لوٹ آیا۔ لینے کے لیے گیا تھا۔ دل تک لٹا آیا۔ اس سانا دان ''سوداگر'' کون ہوگا۔

''ویسے تم نے ہمارے پلاٹ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔'' طاہر کو پھر سے ملال نے آگھیرا۔ وہ جلدی سے نگاہ چرا گئی تھی کیونکہ یہ خاصا کمزور پہلو تھا۔

''اب دل کا پلاٹ ٹھونک بجا کر پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ اس پر ہار نہیں جیت کے جھنڈے گاڑنے ہیں۔'' اس نے بڑے نرم انداز میں اپنا مدعا پیش کر دیا تھا۔ وہ کچھ سمجھ کر ذرا سا مسکرائی۔ خاصی شرمیلی مسکراہٹ تھی۔

''آنکھیں کھول کر کارروائی کرنا، پلاٹ پر شفعہ کا مقدمہ نہ آجائے۔'' اس نے بھی طاہر کو سمجھا دیا تھا۔ وہ جیسے کھل کر مسکرا دیا۔

''کسی مائی کے لال کی جرأت نہیں......'' طاہر نے اکڑ کر کہا......اس کا استقلال بہت کمال کا تھا۔گویا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔اب عمل داری کی ضرورت تھی۔

''ہم دل کی زمین پر تسلط کسی، کسی کو کرنے دیتے ہیں۔'' طاہر کی آواز کچھ اور دھیمی ہو گئی تھی۔

''غلبہ پانے والوں کی بھی کمی نہیں......'' وہ مسکرا کر نرمی سے باور کروا گئی تھی۔گویا محتاط رہنے کی طرف اشارہ تھا۔

''او کے اسٹرابیری! تمہارا حکم سر کے بالوں پر۔'' طاہر اس کے بے انتہا سرخ چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

وہ اسے اسٹرابیری کے میوہ دار درخت کے مانند لگتی تھی جس کا پھل جو بھی دانہ ہے مشابہ ہوتا ہے۔حالانکہ وہ اسٹرابیری کی کمزور سی جھاڑی تھی۔

''اب ایک ہی دفعہ ملاقات ہوگی۔چیمبر میں نہیں، تمہارے گھر پر......'' طاہر دلکشی سے مسکرا کر بولا تھا۔وہ اس کا اشارہ سمجھ کر بلش کر گئی تھی۔

''اچھا سنو......'' معاً اسے خیال آیا۔''تم سونیا کو مت بتانا۔'' وہ قدرے سنجیدہ ہوا تھا۔

''کیا نہیں بتانا؟'' مس ہمدانی نے ہونق پن سے پوچھا۔وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھی تھی۔

''یہی کہ بحیرۂ اسود کو 'تاریک سمندر' کیوں کہتے ہیں؟ دیٹس وائے سردیوں میں اس پر کہر کی تاریک چادر تنی رہتی ہے یا پھر پاکستان کے لغوی طور پر معنی 'پاکیزگی کا وطن' ہیں۔وغیرہ، وغیرہ۔'' وہ جانے کیا، کیا کہتا رہا۔''تحفہ نیل مصر کو کہتے ہیں۔موتیوں کا جزیرہ بحرین ہے اور کیک کی زمین اسکاٹ لینڈ کو کہتے ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولتا چلا گیا تھا۔مس ہمدانی کے ماتھے پر پسینہ چمک آیا۔اس کا طنز اس نے سمجھا تھا یا نہیں تاہم آخری بات پر وہ حیران ضرور ہو گئی تھی۔

''کیا اسکاٹ لینڈ میں کیک دریافت ہوئے تھے؟ یا دنیا کا سب سے بڑا کیک وہاں پایا جاتا ہے؟'' اس نے انتہائی احمقانہ انداز میں سوال کیا۔طاہر کا جی چاہا اس کے ہاتھ سے نان خطائی کا ڈبا چھین کر اپنے سر پر دے مارے۔

''کاش کے وکالت میں دماغ کھپانے اور عمر ضائع کرنے کے بجائے تم نے تاریخ پڑھی ہوتی۔'' طاہر چڑ کر رہ گیا۔

''تاریخ تو میں ہر روز پڑھتی ہوں۔مطلب دیکھتی ہوں، آج سات تاریخ ہے ناں......!'' وہ گڑبڑا کر بولی۔

''آج سات نہیں، تیس تاریخ ہے، قمری مہینے کا آخری دن......اور اماوس کی رات......جو خیر سے میری پوری زندگی پر پھیلنے والی ہے۔'' طاہر دانت کچکچا کر رہ گیا۔''میرا دماغ پلپلا دیا ہے۔بھیجا اڑا دیا ہے۔اب باداموں والی کافی پلاؤ......ایسے تمہیں نہیں جانے دوں گا۔'' اس کے تیور بگڑ گئے تھے۔مس ہمدانی کو مانتے ہی بنی......کچھ دیر بعد وہ دونوں قریبی ریسٹورنٹ میں موجود تھے۔طاہر کافی کی چسکیاں بھر رہا تھا۔مس ہمدانی ڈبے سے ایک خطائی نکال کر کھا رہی تھی۔اسے شدید بھوک لگی تھی۔تھی تو یہ ندیدوں والی حرکت تاہم بندے کو کچھ ڈھیٹ ضرور ہونا چاہیے۔

طاہر کی نظریں محسوس کر کے وہ جلدی سے بولی۔

''تم بھی کھاؤ گے؟''

''جی نہیں......آپ کو مبارک ہو، مجھے کافی ہی بھلی......'' طاہر نے جتا کر کہا۔

''ویسے لگتا ہے۔وکالت 'مندی میں' جا رہی ہے۔'' طاہر کا انداز شرارتی تھا پھر اس نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا بل پے کیا اور مسکرا کر بولا۔''تم نے اپنا نقصان کیا ہے......کچھ کھا لیتیں تو فائدے میں رہتیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔اس نے بھی اٹھنے کی کوشش بے ساختہ کی۔طاہر کی چالاکی پر تاؤ آ رہا تھا۔مجال تھی جو پہلے بتاتا تا کہ وہ طاہر کے خرچ پر پیٹ پوجا کر لیتی۔

''وکیل تو میں ہوں......لیکن چالاکی کے قانون تمہیں ازبر ہیں۔'' وہ بھنا کر رہ گئی تھی۔

''بسمہ ہمدانی.....! ہمارے ساتھ رہو گی تو چالاک ہو جاؤ گی۔'' طاہر اس کے برابر چلتا باہر نکل رہا تھا۔ پچھلی ٹیبل پر بیٹھے منصور نے اس منظر سے بڑا لطف اٹھایا تھا۔ صوفی صالح کو بلیک میل کرنے کا ایک اور ترپ ہاتھ آ لگا۔ منصور (شام کا باپ) مکاری سے سوچتا رہا۔

☆☆☆

کالج کے بیرونی گراؤنڈ میں امرود کا ایک ہی درخت تھا۔ اللہ کی مہربانی سے اس پر پھل لگ جاتا تو کچا ہی لڑکیوں کے معدوں میں اتر جاتا۔ چوکیدار اس امرود کے درخت کی بڑی حفاظت کرتا تھا۔ کیونکہ اس کا پھل بڑا ہی میٹھا اور مزیدار قسم کا تھا۔ ویسے تو الہ آباد اور دلی کے امرود بڑے مشہور تھے۔ لیکن یہ امرود بھی ''الہ آبادی'' امرودوں سے کم لذیذ نہیں تھے۔

اسی الہ آبادی نسل کے امرود کی شاخوں سے ایک زرد رنگ کی بیل بھی لپٹی تھی۔ جسے اکاسن بیل یا امربیل کہا جاتا تھا۔ کبھی، کبھی عمامہ کو اپنا آپ اسی اکاسن بیل کی طرح لگتا۔ زرد، ویران، اداس اور تنہا..... وہ اکثر گھانس پھونس کے قطعے میں بیٹھ کر اس بیل کو پہروں تکا کرتی تھی۔ سونیا کو اس کی محویت کبھی پسند نہیں آتی تھی۔ کیونکہ عمامہ کا محور امربیل کی زردیاں اور امرود کا درخت ہوا کرتا تھا۔ سونیا کا بس چلتا تو امرود کے درخت کو کاٹ دیتی اور اکاسن بیل کو مروڑ آتی۔ کیونکہ عمامہ کی محویت اور نظروں کا ''محور'' اس کی کمزوری نہیں چڑ بنتی جا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ عمامہ کا بازو دبوچ کر کینٹین کی طرف لے آئی تھی۔

''للچائی نظروں سے کچے امرود دیکھنے سے بہتر ہے، اپنی حق حلال کی کمائی سے سموسے کھالو.....'' سونیا سموسوں کی دو پلیٹیں اٹھا کر لے آئی۔ گرم، گرم چنے، املی کی چٹنی اور دہی کے ساتھ سموسہ چاٹ اس کالج کی بڑی مشہور سوغات تھی۔ سونیا عموماً لنچ گول کر کے یہاں سے چاٹ کھا کر جاتی تھی۔

''اپنی کمائی نہیں، اپنے باپ اور بھائیوں کی کمائی۔'' عمامہ نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''وہی..... تم تو وکیلوں کی طرح نکتے پکڑتی ہو.....'' سونیا نے بھنّا کر کہا۔

''حالانکہ نکتے پکڑنے میں مہارت سونیا سلیم رکھتی ہے۔'' اس نے مسکراتی نظروں سے سونیا کو دیکھا تھا جو سرخ ناک پر ہاتھ رکھے، بہتی آنکھوں کے ساتھ دھڑا دھڑ سموسے چٹنی کے ساتھ کھا رہی تھی۔

''گھر میں دو وکیل ہیں، کچھ وکالت کا ''بخار'' اور نکتے پکڑنے کے جراثیم میرے اندر بھی ضرور موجود ہیں۔'' سونیا نے ٹشو نکال کر بہتی ناک پونچھی۔ معاً اسے خیال آیا تھا۔

''طاہر نے میرے بارے میں کچھ اور تو ارشاد نہیں فرمایا؟ کوئی اور پیغام.....؟'' سونیا مسکرا کر گویا ہوئی۔

''تمہیں تو ''کبوتروں'' کے ہاتھ پیغام لینا پسند نہیں.....'' وہ اسے ''جتا'' کر بولی تھی۔ سونیا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ وہ گزشتہ کسی بات کا طنزیہ حوالہ دے رہی تھی۔

''کبھی، کبھار کبوتر سے کام چلا لینے میں بھی حرج نہیں۔'' سونیا نے اسے چڑایا۔ ''ویسے تو میں ڈائریکٹ ڈیلنگ کو زیادہ پسند کرتی ہوں..... لیکن پیغام رسانی کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔''

''بکو نہیں، میرا بھائی ایسا ویسا نہیں۔'' عمامہ نے خفگی سے کہا۔ وہ پلیٹ کا صفایا کر کے سوڈے کی بوتل سے لطف اندوز ہوتی بولی تھی۔

''ایسے ویسے سے مراد کیا ہوئی؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ عمامہ نے بھنّا کر اسے دیکھا۔

''نظر باز، پیغام رساں قسم کا.....'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''واضح لفظوں میں لفنگا نہیں۔'' سونیا نے اچھی ''تشریح'' کی تھی۔ عمامہ کو ہنسی آ گئی۔ پھر اچانک اسے یاد آیا تھا۔

''تمہارا ''بلاوا'' آیا ہے۔'' عمامہ نے بچی کھچی پلیٹ سونیا کو پکڑا دی تھی۔ مرچوں کا یہ ڈھیر عمامہ سے اندر اتارنا مشکل تھا۔ سونیا نے اطمینان سے عمامہ کی بچی پلیٹ کا بھی صفایا کر دیا تھا۔

''میرا اوپر جانے کا ابھی کوئی ارادہ نہیں۔'' اس نے چاٹ کی خالی پلیٹ گھاس پر رکھ کر ناک اچھی طرح صاف کی تھی۔ پھر آنکھیں پونچھ کر عمامہ کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے بری طرح گھور رہی تھی۔

''اوپر سے نہیں، میرے گھر سے۔'' عمامہ نے چڑ کر کہا۔

''میرے ایسے نصیب کہاں؟'' سونیا نے آہ بھری۔ ''ویسے طاہر کو میں اتنا بے تاب، بے شرم یا بے قرار نہیں سمجھتی تھی۔'' اس نے شرمانے کی بوگس اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''بکو نہیں.....'' عمامہ نے اسے گھورا تھا۔

''ویسے تمہارا بھائی بڑا اسمارٹ ہے، اگر چانس بن جائے تو.....؟'' اس نے آنکھ دبا کر شرارتی انداز میں عمامہ کو چھیڑا تھا۔ جو خواہ مخواہ لال ٹماٹر ہو گئی۔

''تمہاری زبان کے آگے خندق ہے، صد شکر، طاہر بھائی نظر میں آیا۔ شام نہیں.....'' وہ بھنا کر رہ گئی تھی۔

''شام کا نام لے کر میں نے اپنی زندگی کی شام نہیں کروانی.....'' سونیا مصنوعی خوفزدگی کا مظاہرہ کرتی رہ گئی۔

''پھر کیا ارادے ہیں؟'' اس کی بے سروپا باتوں سے تنگ آ کر عمامہ نے پوچھا۔

''بڑے نیک ارادے ہیں، تم ہاتھ پاؤں تو ہلاؤ.....'' سونیا بے تابی سے چہکی تھی۔

''سونیا!'' وہ گھورتی رہ گئی۔

''اچھا..... سیریس ہوں، بتاؤ کس نے بلایا ہے؟'' اس کی خفگی کو محسوس کر کے وہ سرعت سے مخاطب ہوئی تھی۔ مبادا عمامہ خفا ہو کر چلی جائے۔ کیونکہ اس حسینہ کو روٹھنے کی بڑی بیماری تھی۔

''فیقہ نے۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں سونیا کو حیران کر دیا تھا۔

''کیا واقعی.....؟'' سونیا نے چیخ ماری۔ ''دیکھا، جس مٹی میں سونیا ہاتھ ڈالے وہ سونا اگلنے لگتی ہے۔'' سونیا کی اتراہٹ کا انت نہیں تھا۔

''آخر پہلے ٹریلر میں کامیابی ہوئی کہ نہیں.....؟'' سونیا نے بڑے غرور سے کہا۔ عمامہ کو ماننے ہی بنی تھی۔ پھر وہ دونوں بریک کے بعد کلاس لینے چلی گئیں۔ سونیا نے کہا تھا وہ رات کو چکر لگائے گی۔ سو عمامہ بھی گھر چلی آئی تھی۔ شام اسے گیٹ پر چھوڑ کر واپس فیکٹری چلا گیا تھا۔

جب وہ لاؤنج میں آئی تو سارا گھر بھاں، بھاں کر رہا تھا۔ بھابیاں حسبِ معمول آرام فرما رہی تھیں۔ آج تو دادی بھی اپنا مورچہ چھوڑ کر کمرے میں غروب تھیں۔ فیقہ بھی کھڑکی میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اندر جا کر پہلے یونیفارم تبدیل کیا پھر ہاتھ منہ دھو کر نیچے آ گئی تھی۔ طاہرہ کچن میں تھیں۔ عمامہ کو دیکھ کر انہوں نے توا چولھے پر رکھ لیا تھا۔ پھر گرما گرم پھلکا بنا کر اس کے سامنے رکھا۔ ترکاری پلیٹ میں نکالی تو عمامہ نے براسا منہ بنا لیا۔ اسے عام روٹین میں بھی ترکاری سالن کی شکل میں پسند نہیں تھی۔ ابھی تو بھوک بھی بہت لگی تھی۔ کیونکہ کالج میں سموسہ چاٹ اس نے برائے نام ہی کھائی تھی۔

''میں ترکاری نہیں کھاؤں گی۔'' اس نے پلیٹ پیچھے کھسکا دی تھی۔ طاہرہ نے عمامہ کو خفگی سے دیکھا پھر بغیر کچھ کہے آم رس کا جار نکال لائی تھیں۔ گرما میں بنائی جانے والی سوغات تھی۔ کچے آموں کو پکا کر طاہرہ نے حریرا بنا رکھا تھا۔ جو ساری سردیاں آرام سے چلتا۔ عمامہ کو پسند بھی بہت تھا۔ اس کے منہ میں پانی بھر، بھر آیا۔ یہ اپنے ''امریاں'' (باغ) کے تازہ آموں سے بنایا گیا تھا۔ ذرا اکھٹا، ذرا پتلا۔

''عمامہ ایک بات بتاؤ بیٹی.....'' جب وہ چمچہ بھر، بھر کے حریرا کھا رہی تھی تب طاہرہ نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔
''جی اماں! پوچھیے.....'' اس کی تمام توجہ آم رس کے حریرے پر تھی۔
''تم خوش تو ہو میری جان.....؟'' انہوں نے کچھ جھک کر بمشکل کہا۔
''کالج جانے پر.....؟'' اس نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔
''نہیں.....'' وہ کچھ جز بز سی ہوئیں۔
''تو پھر.....؟'' عمامہ چونکی۔
''منگنی پر.....؟'' جانے کیوں طاہرہ نے نظر چرائی تھی۔ عمامہ کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا تھا۔ اسے طاہرہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ یا پھر وہ اپنی نام نہاد منگنی کو یکسر بھلا چکی تھی۔ اب اچانک بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ منگنی بھی فرخ بھی.....اور بھی جانے کیا، کیا.....اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ پلکیں جھک گئیں۔ چہرے پر اضطراب چھا گیا تھا۔ بھوک اچانک مٹ گئی تھی۔ اس نے حریرے کی پلیٹ پیچھے کھسکا دی۔
''پتا نہیں.....'' عمامہ نے ماں سے نگاہ چرائی اور جلدی سے باہر نکل گئی۔ دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی زینہ چڑھنے لگی۔ طاہرہ بے دم سی کچن سے نکل کر تخت پر بیٹھ گئی تھیں۔ عمامہ کا کھانا چھوڑ کر کچن سے نکل جانا ان کے اندر وسوسوں کا بیج بو گیا تھا۔ ان کا دل بھی بجھنے لگا۔ کئی مرتبہ دل میں یہ احساس چٹکیاں بھرتا رہا تھا کہ عمامہ خوش نہیں.....عمامہ کی خوشی کیا تھی؟ اس سے انجان بھی نہیں تھیں وہ.....جانتے بوجھتے نگاہ چرانے پر مجبور تھیں کیونکہ عمامہ کی خواہش پوری کرنا کم از کم ان کے بس میں نہیں تھا۔ وہ آنکھوں کے کونے پونچھتی سوچتی رہ گئی تھیں کیونکہ تقدیر سے لڑنے کا ان میں حوصلہ نہیں تھا اور نہ ہی ایسی جرأت تھی۔
عمامہ کا دل اس قدر اچاٹ ہوا کہ وہ منہ سر لپیٹ کر بستر میں گھس گئی تھی۔ اچانک فرخ کے ذکر نے اندر تک اسے اداس کر دیا تھا۔ شام ایک سراب تھا اور فرخ ایک حقیقت.....پھر بھی وہ حقیقت سے نگاہ چراتی پھر رہی تھی۔ شاید کسی معجزے کی امید.....اسے یہ خبر نہیں تھی کہ معجزے عظیم لوگوں کے لیے ہوتے ہیں۔
جانے کب تک وہ بستر میں پڑی رہتی۔ معافون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔ سلیپر پہن کر نیچے آنے تک طابہ نے چونگا اٹھا لیا تھا۔ عمامہ آخری زینے پر ٹھٹک کر رک گئی۔ طابہ کسی سے بہت ہنس، ہنس کر بات کر رہی تھی۔ عمامہ سنتی رہی۔
''بڑی خوشی ہوئی، کیوں نہیں.....ارے، برا کیوں لگے گا.....ہمارے بابا ایسے تنگ خیال نہیں.....آپ کو تو جلدی خیال آنا چاہیے تھا۔ پھر بھی دیر آئد درست آئد'' طابہ کی ہنستے، ہنستے عمامہ پر نگاہ پڑی تھی۔ اس نے اشارے سے عمامہ کو بلایا تھا۔ وہ الجھی، الجھی سی چلی آئی۔ طابہ نے زبردستی ریسیور عمامہ کو پکڑا دیا تھا۔
''کون ہے؟'' اس نے دبی آواز میں پوچھا۔
''خود دیکھ لو.....'' طابہ نے معنی خیزی سے کہا تو وہ اور الجھ گئی تھی۔ طابہ اسے گال پر پیار کرتی اندر چلی گئی تھی۔
عمامہ نے الجھتے ہوئے ہیلو کہا تھا۔ دوسری طرف سے اجنبی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔
''زہے نصیب.....تو کیا آپ عالم بالا سے تشریف لے آئی ہیں؟'' آواز میں استعجاب نمایاں تھا۔ دھیمی پُرکشش آواز اور لہجے میں پرانی کسی بات اور حوالے کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ اور یہ بات کوئی ایسی پرانی نہیں تھی جو عمامہ کے ذہن سے محو ہو جاتی یا وہ آرام سے اسے بھول جاتی۔ اس کا دل مارے پشیمانی کے دھڑکنا بھی بھول رہا تھا۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر رہا تھا۔ اسے اپنی ہی بازگشت اجنبی سی لگی تھی۔
''صوفی صالح کی بیٹی عمامہ حادثاتی موت کا شکار ہو گئی ہے۔ آپ کل بارات نہ لائیے گا۔'' کانوں میں سیسہ

اتر رہا تھا۔ اسے عجیب سی شرمندگی نے گھیر لیا۔

''بھول گئی ہیں؟ کیا یاد کروادوں.....؟'' دوسری طرف سے ذومعنی آواز آئی تھی۔ عمامہ بے ساختہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ یہ کیفیت اس کے اضطراب کو ظاہر کررہی تھی۔

''عمامہ! آپ لائن پر ہیں؟'' ہوا کے دوش پر آواز لہرا رہی تھی۔ عمامہ چونک کر سنبھل گئی تھی۔ ایک دم اسے طابہ پر شدید غصہ آیا تھا۔ بھلا طابہ نے عمامہ کو فون پر کیوں بلایا.....؟ پھر فرخ کی دیدہ دلیری دیکھنے کے لائق تھی۔ کیسے منہ اٹھا کر فون کرلیا تھا۔ اگر بابا کو پتا چل جاتا؟ ان کے گھرانے میں شادی سے پہلے ایسی بے تکلفی کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ پھر فرخ سے عمامہ کی کون سا کوئی جذباتی وابستگی تھی جو اس کے فون پر شادیانے بجاتی۔ شادی رکنے کے اتنے ہفتے بعد نہ جانے فرخ کے ذہن میں کیا سمائی تھی جو اچانک فون گھما ڈالا تھا۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد عمامہ نے سنبھل کر کہا۔

''آپ نے یہاں فون کیوں کیا ہے؟'' وہ چاہ کر بھی لہجے کی تلخی چھپا نہیں پائی تھی۔

''بات کرنے کے لیے.....'' فرخ برجستگی سے بولا۔

''کیا بات کرنی ہے؟'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔ وہ جلد سے جلد فون بند کردینا چاہتی تھی۔

''باتیں تو بہت سی کرنی ہیں۔ پہلے شکووں کی چارج شیٹ تو سن لیں.....'' فرخ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''میں سمجھی نہیں.....'' اس کی پیشانی پر ناگوار سلوٹ سی امڈی تھی۔ لہجہ اور بھی کٹیلا ہوگیا۔

''میں سمجھاؤں گا تو آپ سمجھیں گی۔'' دوسری طرف مسکرا کر کہا گیا تھا۔ عمامہ کو لگا وہ بلاوجہ گفتگو کو طول دینا چاہتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ عمامہ کا لب ولہجہ اور بھی کھردرا ہوگیا۔

''آپ صاف، صاف بات کہیں۔''

''کہنا تو بہت کچھ ہے۔ فی الحال اتنا بتادیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی احوال پرسی کرنی چاہیے یا نہیں.....'' فرخ نے گھما پھرا کر بالآخر عمامہ کو جتا ہی دیا تھا۔ اسے اچانک طاہرہ کی بات یاد آئی تھی۔ انہوں نے دو تین مرتبہ اسے قدسیہ (ساس) کو فون کرنے کے لیے یاد دہانی کروائی تھی۔ جسے عمامہ جان بوجھ کر نظر انداز کردیتی تھی۔ جس گلی جانا نہیں تھا وہاں کے رستے کیوں پوچھتی؟

''یہ تو رشتے کی نزاکت اور ''قرابت'' پر منحصر ہے۔'' عمامہ تلخی بمشکل چھپا کر بولی تھی۔ ایک دفعہ پھر طابہ پر تاؤ چڑھا تھا۔ کیا ضرورت تھی اسے فون پکڑانے کی؟ طابہ کوئی بہانہ بھی تو کرسکتی تھی۔

''یہاں رشتہ باریک بھی ہے اور قریب بھی.....'' وہ ذومعنی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''ضروری نہیں.....'' عمامہ جز بز ہوئی۔

''کیا ضروری نہیں.....؟'' وہ چونکا۔

''کچھ نہیں.....'' عمامہ ذرا گڑبڑا گئی تھی۔ کیا ضرورت تھی فضول بحث کرنے کی۔ اب وہ فون رکھنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ وہ شاید اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔

''فون بند مت کیجیے گا۔'' اس نے سرعت سے کہا..... گویا وہ اس کی بیزاریت کو سمجھ رہا تھا۔ اور اندازہ بھی کر رہا تھا کہ عمامہ فون بند کردے گی۔

''سوری.....'' عمامہ روکھے پن سے بولی۔ ''میرے بابا کو پسند نہیں، میں آپ سے بات نہیں کرسکتی۔ آج غلطی کی ہے آئندہ احتیاط کیجیے گا۔'' اس نے بڑے سبھاؤ کے ساتھ جتا دیا تھا۔ دوسری طرف لحظہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔ عمامہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر فون رکھنا چاہا تھا جب دوسری طرف سے آواز آئی۔

''آپ کے بابا سے اجازت لے کر کال کی ہے۔'' فرخ کے اگلے الفاظ نے عمامہ کو شاکڈ کر دیا تھا۔ اسے یہ تو خیال نہیں آیا تھا۔ فرخ، بابا سے پوچھ کر بھی فون کر سکتا ہے۔ کیا وہ ایسا دیدہ دلیر تھا؟ عمامہ گم صم رہ گئی تھی۔ کچھ پل کے لیے اس کے ذہن سے سارے الفاظ محو ہو گئے تھے۔

''آپ نے کوئی ضروری بات کرنا تھی؟'' عمامہ جتلا کر چیخی۔

''کیوں نہیں.....'' فرخ نے گلا کھنکھارا تھا۔ عمامہ تھوڑا چونک سی گئی۔ کیا وہ عمامہ کی آخری فون کال کے متعلق تو بات کرنا نہیں چاہتا تھا؟ اگر اس نے پوچھ لیا؟ وضاحت مانگ لی؟ سوال اٹھایا؟ تو عمامہ کیا جواب دے گی؟ اس کے پاس کوئی جواب تھا؟ اپنے مرنے کی اطلاع تو فرخ علیم کو دے دی تھی اب اگر اس نے پوچھ لیا۔ ''تم مری نہیں.....؟'' تو وہ کیا جواب دے گی؟ ایک دم اس کی پیشانی پر بوندیں سی ابھر آئی تھیں۔

''آپ نے تب کہا تھا۔ صوفی صالح کی بیٹی عمامہ حادثاتی موت کا شکار ہو گئی ہے۔ میں بارات نہ لاؤں..... اس کے بعد آپ نے فون بند کر دیا۔ تب میں بہت مضطرب ہوا۔ بے چین ہو کر گھر سے نکل پڑا۔ میرا بہنوئی بھی ساتھ تھا۔ ہم کار میں سوار ہوئے۔ آپ کو تو خبر بھی نہیں..... میری ذہنی حالت بہت پسماندہ تھی۔ کوئی بھی سوچ یکجا نہیں تھی۔ اسی کنڈیشن میں ایکسیڈنٹ ہوا۔ میرا بہنوئی جاں بحق ہو گیا۔ میں آج بھی ٹوٹی ٹانگوں سمیت اسپتال میں پڑا ہوں۔ آپ کا جھوٹ کھل جانے کے باوجود اتنے دن اسی انتظار میں رہا کہ شاید ذرا سی ندامت کے باعث آپ کم از کم عیادت کے لیے تو فون کریں گی۔'' فرخ نے دھیمی نرم آواز میں بھگو، بھگو کر اسے ماری تھیں۔ عمامہ کو اب خیال آیا تھا۔ فرخ بہت نرم اور دھیما بولتا تھا۔ اتنی نرم اور آہستہ آواز تھی کہ عمامہ بمشکل سن سکی تھی۔ اس کے الفاظ نے عمامہ کو بہت شرمسار کیا تھا۔ وہ ہونٹ کاٹتی اتنی شرمندہ ہوئی کہ اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔ اس بات کا عمامہ کے پاس کیا جواب تھا؟ اور اگر فرخ اس کے گھر والوں کو عمامہ کی کال کے متعلق بتا دیتا تب عمامہ کی کیا حالت ہوتی؟ بھائیوں اور بھابیوں کی نگاہ میں اس کی کیا عزت رہ جاتی.....؟ اماں اور بابا کے سر جھک جاتے اور دادی تو عمامہ کو کسی پل چین نہ لینے دیتیں..... طعنے مار، مار کر اس کا بھرکس نکال دیتیں۔ عمامہ کو اپنی جذباتیت پر اس وقت بہت غصہ آ رہا تھا۔ شادی نے تو رکنا ہی تھا کسی بھی بہانے رک جاتی۔ کم از کم اسے اتنا بولڈ اسٹیپ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ ذہن اتنا پراگندہ ہو رہا تھا۔ سوچیں منتشر تھیں اور ضمیر بھی خاصے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ مارے ندامت کے ہاتھ مسلتی باہر آ گئی۔ صحن میں شدید دھند نے اس کا استقبال کیا تھا۔ خنک ہوا سے گھبرا کر وہ واپس چلی آئی۔

گول کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ طاہرہ ''دیوٹ'' میں چھوٹی، چھوٹی لکڑیاں جوڑ رہی تھیں۔ شدید سردی میں اچانک اضافہ ہو گیا تھا۔ سو آتش دان میں لکڑیاں جلنے لگی تھیں۔ کوئلے دہک رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر میں کمرا... خوب گرم ہو جاتا اور گھر کے سب افراد یہیں تشریف لے آتے۔ رات کا کھانا بھی گول کمرے میں کھایا جاتا تھا۔ دھند کے دن اور راتیں بڑی پُررونق گزرتی تھیں۔ گول کمرے میں محفل سی سج جاتی۔ دادی بھی گول کمرے میں پہنچ چکی تھیں۔ اب اپنی زنبیل نکال کر سلیمانی منکوں کی گنتی کر رہی تھیں۔ یہ دو رنگے چمکدار پتھر دادی کو بہت پسند تھے۔ شاید سیاہ اور سفید منکوں کی تسبیح بنانے کا ارادہ تھا۔

کچھ ہی دیر میں گیٹ کے قریب ایک گاڑی آ رکی تھی۔ عمامہ چونک گئی۔ یقیناً سونیا کی ''بادِ بہاری'' پہنچ چکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے ہنستی مسکراتی فریش سی سونیا چلی آئی۔ اس نے کھلے پائنچوں کی پینٹ اوپر اونی پوستین پہن رکھی تھی۔ سر پر بھی فر والا گرم ٹوپا چڑھایا ہوا تھا۔

فیقہ بھی سونیا کی اطلاع پاتے ہی پہنچ گیا۔ دادی منکوں کی گنتی بھول کر گرم نگاہوں سے سونیا اور عمامہ کو دیکھنے لگی تھیں۔ عمامہ کو ان کی نگاہوں سے لپکتے شعلوں کی خبر نہیں تھی۔ طاہرہ، سونیا سے مل کر اس کی خاطر مدارات کے لیے کچن میں چلی گئیں۔ اکلوتی بیٹی کی اکلوتی سہیلی کو طاہرہ بڑا پروٹوکول دیتی تھیں۔

جب وہ گاجر کا حلوا اور گرم، گرم چائے بنا کر لائیں تو گول کمرے کا ماحول ''دہک'' رہا تھا۔ دادی گرج رہی تھیں۔ فیقہ زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ عمامہ کا سر جھکا ہوا تھا اور سونیا ہکا بکا دادی کی شعلہ فشانی کے انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔ وہ جو پہلی، پہلی کامیابی پر اتراتی ہوئی یہاں پہنچی تھی، دادی اور فیقہ کی صورتِ حال سے ہل کر رہ گئی۔ اوپر سے الزام در الزام کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسی گولہ باری کی اسے توقع ہرگز نہیں تھی۔ ورنہ گھر سے کچھ تیاری کر کے آتی۔

اس نے فیقہ کے لیے اپنی ناقص عقل کے مطابق جو کہانی ترتیب دے کر ایک ڈرامے کا سیٹ تیار کیا تھا۔ اس کا ڈراپ سین انتہائی بھیانک ثابت ہوا۔ بلکہ پورا ڈراما ہی فلاپ ہو گیا۔

فیقہ اس گڑیا کو اٹھا کر سونیا کے پاس لے آئی۔ جو بقول دادی کے جادو پھونکی گڑیا تھی۔

''بڑی چالاکی سے تم نے مجھے بیوقوف بنایا ہے۔ دوستی کی آڑ میں دشمنی دکھائی ہے۔'' فیقہ کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو گرتے رہے۔ کبھی وہ سونیا کو تو کبھی عمامہ کو کھری، کھری سنا رہی تھی۔

''میں نے سوچا بھی نہیں تھا، عمامہ تم اس قدر گر جاؤ گی، اپنی سہیلی کے ساتھ مل کر مجھے برباد کرو گی۔'' فیقہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔ اپنے ملائم خوب صورت ہاتھوں کو بار، بار چہرے پر رگڑتی فیقہ کی آواز سن کر طاہرہ، رافعہ بھاگی چلی آئی تھیں۔ گول کمرے میں تو بڑا مزیدار سا سین چل رہا تھا۔

''تمہاری حیا ختم ہو گئی۔ اس ''پتلے'' پر سفلی عمل کروا کر کیا تم میری شادی رکوالو گی؟'' فیقہ نے خون رنگ آنکھوں سے عمامہ کی طرف دیکھا تھا۔ دادی نے اسے خوب پمپ کر رکھا تھا۔ وہ انہی کی زبان میں کڑک رہی تھی۔

''بتاؤ عمامہ! شام کی خاطر اور کتنا اپنے مقام سے گرو گی.....؟'' اس نے عمامہ کی روح کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ طاہرہ کے ہاتھ سے حلوے کا ڈونگا گر گیا۔ وہ فق چہرے کے ساتھ کبھی عمامہ اور کبھی سونیا کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی رنگت دھجی، دھجی ہو رہی تھی۔

''جادو، ٹونا، عملیات، شام، شادی.....'' طاہرہ کے حواس بکھرنے لگے۔ ''یہ کیا بکواس تھی؟''

''سارا قصور اس نوٹنکی کا ہے۔'' دادی نے گرج کر انٹری ماری تھی۔ ان کی توپوں کا رخ سونیا کی طرف تھا۔

''یہ عمامہ کو جادوگروں کے آستانوں پر لے کر جاتی ہے۔'' دادی کے اتنے بڑے الزام پر طاہرہ نے دل پکڑ لیا تھا۔ طاہرہ کی آنکھیں ابل پڑیں۔ عمامہ کو چکر آنے لگے تھے۔ اور سونیا بے ساختہ چیخ پڑی تھی۔ وہ اور خاموش رہ کر اپنے خلوص کا مزید تماشا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ پھر وہ خاموش کیوں رہتی؟ وہ سونیا تھی، عمامہ نہیں تھی۔ اسے حق بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ پھر اب تو بات الزام پر آ چکی تھی۔ سارے گیس بھرے خلوص کے غبارے سے ہوا نکل چکی تھی۔ اب تو محض ان دونوں عورتوں کی عقل ٹھکانے لگانے اور آنکھیں کھولنے کی باری تھی۔

سونیا کو فیقہ کی چالاکی پر تاؤ آ رہا تھا۔ بہانے سے اسے بلا کر ذلیل کر دیا..... پھر اپنی ماں سے بھی بے عزتی کروا دی تھی۔ اوپر سے جادو ٹونے کا الزام بھی لگا دیا تھا۔ سونیا، فیقہ کے خاموش ہوتے ہی نپے تلے قدم اٹھا کر اس کے قریب آئی تھی۔ پھر اس نے فیقہ کے گہرے سانولے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں آگ اگل رہی تھیں۔

''یہ جو تمہارے چہرے پر بدگمانی کی بدصورتی ہے..... اسے اتار کر دیکھنا، تمہیں خلوص کی پہچان ہو جائے گی۔'' سونیا کا انداز گہرا کاٹ دار طنزیہ تھا۔ ابھی وہ خاموش نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ دو منٹ کے وقفے کو طول دے کر مزید بولی۔

''میں سونیا سلیم ہوں..... کوئی دو ٹکے کی لڑکی نہیں..... جسے گھر بلا کر تم بے عزت کر دو..... نہ میں پروفیشنل شعبدہ باز ہوں، نہ جوگر ہوں، نہ جادوگر ہوں۔ لیکن تمہاری ذات پر مجھے ترس آ گیا تھا۔ تمہاری تنہائی پر مجھے رحم آ گیا تھا، تمہاری بیماری پر مجھے افسوس ہوا تھا۔ میں تمہیں اس نفسیاتی اثر سے باہر نکالنا چاہتی تھی جو تمہیں دو، دو شخصیتوں میں بدل رہا تھا۔ میں نے اتنا طویل پیپر ورک کیا۔ لائبریری کی ہر کتاب کو چاٹا، سارے زمانے سے معلومات اکٹھی

کی تھیں۔ ماہر نفسیات سے رابطے کیے۔ اور اپنی عقل کے مطابق ایک چھوٹا سا ''سٹ کام'' لکھا۔ جس میں ایکٹ بھی میں نے خود ہی کیا۔ اپنے آپ کو جوکر بنایا، صرف اس لیے کہ تمہیں بتا سکوں..... کسی خالی ڈبے میں پتھر رکھ کر کبوتر بنانا آسان نہیں ہوتا۔ زندگی میں اس سے زیادہ کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس طرح ڈبے میں پتھر رکھ کر کبوتر اُڑا کر نظروں کو دھوکا دینا آسان ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی وجود کو ''خودترسی'' کے ملبے سے الگ کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ میں تو تمہیں اس خودترسی کے احساس سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ تمہاری شخصیت کو بدلنا چاہتی تھی۔ تمہارے چہرے پر رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ میں تو تمہاری شخصیت نکھار رہی تھی۔ لالہ کے اس پھول کی نزاکت پر بکھرے داغ مٹا دینا چاہتی تھی۔ میں نے تمہیں یہ گڑیا دی تھی تاکہ تم اسے دیکھ کر غور کرو۔ سوچو پھر اس کے وجود کی کجیاں تلاش کرو..... اس کے چہرے پر لگی سیاہی کو خود صاف کرو نا کہ گڑیا کو توڑ مروڑ کر پھینک دو۔ مجھے تمہاری بیمار سوچ پر ترس آرہا ہے فیقہ اور یہ عمامہ بھی اپنے مقام سے گرے گی نہیں..... اسے جتنا میں جان گئی ہوں اتنا تم لوگ اسے آئندہ دس سالوں میں بھی نہیں جان سکو گے۔ بڑے افسوس کے ساتھ جارہی ہوں..... میرے خلوص اور نیک نیتی کا تم لوگوں نے مذاق اڑایا ہے.....'' سونیا نے جھک کر قالین سے اپنا پرس اٹھایا۔ اور عمامہ کے روکنے، بلانے، پیچھے بھاگنے اور آوازیں دینے کے بعد بھی نہیں رکی تھی۔ اس بیچاری کا سارا ایڈونچر فلاپ ہوگیا تھا۔

اُدھر طاہرہ نے بڑی تیکھی نظروں سے شرمندہ، شرمندہ نند کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بغلیں جھانکتی ساس کو دیکھا..... دونوں ماں، بیٹی انتہائی شرمسار سی کھڑی تھیں۔ خاص طور پر فیقہ..... اس کی حالت نہایت پتلی تھی۔ طاہبہ اور رافعہ ''ڈراپ سین'' پر بے مزہ کھڑی تھیں۔ دادی کو ناک نیچی تو گوارا نہیں تھی اسی لیے سونیا کے جاتے ہی ہاتھ جھاڑ کر بولیں۔

''خس کم جہاں پاک.....''

☆☆☆

شام کی لالی ہر طرف پھیل رہی تھی۔ پکھیرو اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا۔ فضا میں آج بھی بلا کی حبس تھی۔ اور دھند کا لامحدود کارواں بھی پھیل رہا تھا۔ اس دفعہ کا سرما گزشتہ سال کے سرما سے خاصا شدید ثابت ہوا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے دھوپ چہرہ نہیں کرا رہی تھی۔ ٹھنڈ ہڈیوں کے گودے میں گھستی چلی جاتی تھی۔ سرما کی شامیں بھی خاصی اداس ہوتی ہیں۔

وہ سارا دن مختلف کاروباری افراد سے ڈیلنگ کرتا رہا تھا۔ لمحے بھر کی بھی فرصت نہیں ملی تھی۔ پھر اسٹینوگرافر سے لسٹیں تیار کروائی تھیں۔ وہ خرید و فروخت کا سارا حساب کتاب تحریری صورت میں فائل اپ کرنے کے بعد گھر جانے کے لیے اٹھ رہا تھا۔ جب منعم (گماشتہ) کمرے میں چلا آیا۔

''شاہ میر صاحب..... آپ سے کوئی ملنے آیا ہے؟''

''کون.....؟'' وہ اٹھتے، اٹھتے بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے میٹنگ پر وپرائٹرز کی کال آئی تھی۔ کیا خبر، وہ خود چلا آیا ہو؟ یہی سوچ کر شام نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''اپنا نام نہیں بتا رہے..... آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' محاسب نے شائستگی سے بتایا۔

''اچھا..... تو بھیج دو.....'' کچھ سوچ کر شام نے سر ہلایا تھا۔ محاسب باہر نکل گیا پھر اس نے صوفی صالح کو کال کر کے دن بھر کی ساری تفصیل فراہم کی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے دفتر میں تھے۔ تاہم تقی وغیرہ گھر جا چکے تھے۔ شام کے انڈر جو ڈپارٹمنٹ تھا وہاں کلوزنگ چل رہی تھی۔ بیشتر ورکر جا چکے تھے۔ بلڈنگ کی لائٹس وغیرہ بھی آف کی جارہی تھیں۔ وہ بھی اٹھنے کے قریب تھا جب کسی کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔ سو اب انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر شام بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر ناگواری کے بل پڑ گئے تھے۔

''آپ.....'' اس نے بمشکل لب بھینچ کر کہا..... اعصاب ایک دم کشیدہ ہو گئے تھے۔ منصور چہرے پر بڑی محبت بھری مسکراہٹ سجا کر بولا۔

''بڑے دن ہوئے، میں آ نہیں سکا..... دل بڑا اداس تھا۔'' منصور کی چاہت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے سالوں سے اس کی صورت کو ترس رہا ہو۔

''کم از کم میں اداس نہیں تھا۔'' اس نے بمشکل ناگواری دبائی تھی۔

''اولاد کو کہاں والدین کی پروا ہوتی ہے۔ یہ تو بڈھے والدین ہیں جو اولاد کی محبت میں بار، بار بے عزتی کروانے پہنچ جاتے ہیں۔'' منصور نے ٹوٹ پڑتی رنجیدگی سے کہا۔

''جب والدین اولاد کا احساس نہ کریں تو اولاد کے اندر سے بھی ہر احساس مٹ جاتا ہے۔'' شام کے اندر غبار بھرنے لگا تھا۔ منصور کو دیکھ کر اسے اپنے نقصان یاد آ جاتے تھے۔ نہ جانے یہ کیسا باپ تھا۔ جسے دیکھ کر فخر کرنے کو نہیں بلکہ مر جانے کو دل کرتا تھا۔

''تمہارے شکوے بجا ہیں۔'' منصور آنکھوں میں نمی بھر کر بولا۔ ''اور مجھے بھی اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے۔''

''صد شکر، آپ نے تسلیم تو کیا.....'' شام کا دل بھر آیا۔

''میں تم سے معافی کا طلب گار ہوں.....'' اسے لمبی، لمبی چھوڑنا بہت آسان کام لگتا تھا۔ مطلب کے وقت کسی کے بھی پیر پکڑ لیتا تھا۔ یہ تو پھر اپنا لختِ جگر تھا۔

''آپ کام کی بات کریں.....'' شام نے بے دلی سے کہا۔ جانتا تھا کہ منصور بغیر مطلب کے کسی کو منہ نہیں لگاتا۔

''کچھ پیسوں کی ضرورت تھی بیٹا.....'' اس نے ہاتھ مسل کر کہا..... شام نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''اتنا مہنگا پلاٹ خرید لیا ہے اور ہوا تک لگنے نہیں دی۔ پیسوں کی کیا ضرورت آن پڑی.....؟'' وہ پچھلا غصہ نکالتا ہوا بولا تھا۔ منصور نے بے ساختہ نظر چرائی تھی۔ پھر وہ کچھ دیر کی ''بچار'' کے بعد گویا ہوا۔

''کس نے ''ہوائی'' اڑا دی؟'' وہ مکرنے کا صاف ارادہ رکھتا تھا۔

''بڑے باوثوق ذرائع سے پتا چلا ہے۔'' شام لب بھینچ کر چبایا..... اپنے باپ کے جھوٹ، فراڈ اور دو غلے پن سے اسے شدید نفرت تھی۔

''پھر بھی کہوں گا..... غلط اطلاع تھی۔'' اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''کیسے.....؟'' شام کو اچنبھا ہوا۔

''ایسے کہ سیٹھ نے پلاٹ خریدا ہے، پے منٹ اسی کی تھی۔ میں تو سیٹھ کا منشی ہوں صرف.....'' وہ بڑے سلیقے سے بات بنا کر بولا تھا۔ یوں کہ شام بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔ منصور کی باتوں پر اسے کم ہی یقین آتا تھا۔

''میں کیسے مان لوں.....؟''

''ثبوت دکھا دوں گا.....'' منصور مضبوطی سے بولا۔ پھر اس کے ہاتھ لجاجت سے پکڑ لیے تھے۔ ''بیس ہزار دے دو..... دو مہینے نکل جائیں گے آسانی سے پھر سے قرض سانس روکے کھڑا ہے۔'' اب وہ منتوں پر اتر آیا تھا۔ شام کا اس دفعہ منصور کی مدد کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن ہمیشہ اس کی چکنی چپڑی باتوں کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔ اب بھی پندرہ ہزار نکال ہی دیے۔ جو بھی تھا۔ منصور اس کا باپ تھا اور شام کی طرف سے صلۂ رحمی کا مستحق بھی تھا۔ منصور جتنا بھی کٹھور بن جاتا شام کے لیے سنگدلی دکھانی ہمیشہ مشکل لگتی تھی۔

''جیو میری جان.....'' پیسے گن کر جیب میں سنبھالنے کے بعد منصور جون میں لوٹ رہا تھا۔ ایک مرتبہ تو اٹھ کر دروازے کے پاس چلا گیا تھا۔ شام بھی چیزیں سمیٹنے لگا تھا پھر اسے پلٹتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ منصور جلدی سے کرسی پر جم گیا۔ گویا شام بیٹھنے پر بھی پابندی نہ لگا دے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو..... ''اب کیا ہوا؟''

''میں نے ایک بات سنی تھی میری جان.....! سمجھو تو رات بھر نیند نہیں آئی.....'' منصور کی آواز رقت آمیز ہوگئی تھی۔ لہجہ بھرانے لگا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شام کا دل سکڑ گیا۔

''اللہ خیر کرے.....'' اس نے دہل کر سوچا تھا۔

''کیا؟'' منصور نے خفقان زدہ لہجے میں اپنی بات مکمل کی تو شام نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''اللہ کرے جھوٹ ہو.....'' اس نے مزید آواز میں رقت بھری۔

''ہوا کیا ہے؟'' شام کا ضبط جواب دینے لگا۔

''میں نے سنا ہے..... تمہارا رشتہ صالح کی بہن سے طے ہوگیا.....'' منصور نے قدرے جھک کر گہرے کرب بھری رازداری سے بات مکمل کی تھی یوں کہ شام بھونچکا رہ گیا تھا۔ یہ اتنی گھریلو قسم کی سیکرٹ بات منصور تک کیسے پہنچ گئی۔ اسے اچھا بھلا دھچکا لگا تھا۔ حالانکہ دور کہیں اسے کچھ یاد آرہا تھا۔ منصور پہلے سے ''باخبر'' لگتا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' بہت دیر بعد شام کچھ بولنے کے قابل ہوسکا تھا۔ حالانکہ اس کا دماغ گول، گول گھوم رہا تھا۔ جب بھی منصور سے ملاقات ہوتی تھی۔ اس کے اچھے بھلے اعصاب بکھر جاتے تھے۔

''تم نے تو چھپا رکھا تھا۔ پھر بھی دیکھ لو، خبر تو ہوگئی مجھے..... لیکن دل بڑا دکھا ہے، تم نے تو غیروں سے بڑھ کر کیا۔ زندگی کے اتنے اہم موقع پر مجھے نہیں بلایا۔ چھپ چھپا کر منگنی کرلی۔'' منصور بے دلی سے شکوؤں کے رجسٹر کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ شام کی کنپٹیاں جلنے لگیں۔ ایک تو باپ کو پتا چل جانے کا غصہ اور دوسرا فیقہ کے حوالے سے اس کے طنز برداشت کرنا بڑا تکلیف دہ مرحلہ تھا۔

''مجھے تو صالح پر حیرت ہے۔'' منصور دل جلے انداز میں بولا۔ ''خالہ تمہاری تو عمر بھر کی خودغرض ہے۔ اپنے مطلب کے لیے زمین آسمان ایک کردیتی ہے۔ تاہم صالح کو تو ہوش کے ناخن لینے چاہیے تھے۔'' اس کا لہجہ بلا کا کھردرا اور طنزیہ تھا۔

''اپنی بہن کے بجائے بیٹی کا رشتہ دیتا۔ عمامہ کے ساتھ تمہارا جوڑ بنتا تھا ناں کہ فقیہہ کے ساتھ۔'' منصور نان اسٹاپ شروع ہوچکا تھا..... شام کو خیال آیا۔ منصور پہلے بھی ایک مرتبہ اسے فقیہہ کے حوالے سے ''جتا'' چکا تھا۔ تب بھی وہ سوچتا رہ گیا تھا کہ منصور کو کس نے اطلاع دی؟ اسے شام کے رشتے کا کیسے پتا چلا؟ اب بھی وہی صورت حال تھی۔

''پھر اس صورت میں جب معصوم عمامہ کے جذبات کو مجروح کرکے اسے بے موت مارنے کا ارادہ کرلیا۔'' منصور کی اگلی بات نے شام کو اچھلنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ عمامہ کے دل کی اسے خبر کیسے ہوگئی تھی؟ شام سچ مچ حواس باختہ رہ گیا۔

''اور تم کیوں اپنے دل، جذبات اور زندگی کے ساتھ کھیل رہے ہو؟'' منصور نے اسے بھی آڑے ہاتھوں لیا..... جس کا مطلب تھا وہ شام کے دل کی بدلتی کنڈیشن، جذبات اور محبت سے بھی بے خبر نہیں..... آخر اتنا بڑا مخبر کون تھا؟ اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ آنکھوں میں تحیر پھیل رہا تھا۔

''کسی بے احسان اتارنے کا یہ نہایت بھونڈا طریقہ ہے۔ اپنی زندگی کو گروی رکھ دینا۔'' منصور اپنے تئیں لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کر رہا تھا۔

''احسان کے بوجھ اتارنے کے اور بھی بہتیرے طریقے ہیں۔'' وہ کسمسا کر بولا۔ ''تمہیں خود کو کنویں میں لٹکانے کی ضرورت نہیں .....'' منصور اسے سمجھا رہا تھا۔ پھر اس کا بازو ہلا کر بولا۔

''میری بات سمجھ رہے ہو ناں.....؟'' اسے گم صم دیکھ کر منصور کو اپنی تقریر بیکار جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ بہت دیر بعد شام سنبھل کر سیدھا ہوا تھا پھر بکھرے اعصاب کو مجتمع کرکے بھینچی آواز میں چیخا۔

''آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟'' اس کا خون کھول اٹھا۔

''جس نے بھی بتایا۔ تمہیں اس سے کیا غرض..... ساری دنیا سے چھپا کر بیٹھے ہو، خود کو قربان

کر لینا..... احسانوں کے پیچھے.....'' منصور نے ناگواری سے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''فقیہہ کے ساتھ رشتہ طے ہونے کی مجھے پہلے سے خبر تھی۔ نئی بات تو اب پتا چلی ہے۔''

''کون سی نئی بات.....؟'' شام جھنجلا کر رہ گیا۔

''تمہاری محبت والی..... عمامہ تمہیں چاہتی ہے۔ تم عمامہ کو..... پھر کیا ضرورت ہے احسان کا ڈھول بجانے کی۔''

وہ چڑ کر بولتا چلا گیا تھا۔ شام کی آنکھیں کھل گئیں۔

''ایسا کچھ بھی نہیں..... آپ کیا واہی تباہی بول رہے ہیں۔'' اس نے غصے میں جھنجلا کر وضاحت کی۔

''جاؤ میاں.....! کام کرو..... اور کتنا مکر کر اپنا نقصان کرو گے..... باپ ہوں تمہارا..... زندگی جلاتے تمہیں نہیں دیکھ سکتا.....'' وہ تنک کر بولتا چلا گیا تھا۔ ''اب دیکھنا، میں کیا کرتا ہوں.....'' اس نے اپنے خطرناک ارادے ظاہر کیے تھے۔ شام پھر ہل کر رہ گیا۔

''کیا کریں گے آپ.....؟'' وہ چیخا۔

''صوفی صالح سے بات کروں گا..... اپنی بیٹی کا رشتہ دینا ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اس کی بہن کے لیے گنجائش نہیں.....'' منصور نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا تھا۔

''ہرگز نہیں.....'' وہ چلّا اٹھا تھا۔ ''آپ کوئی بات نہیں کریں گے۔ مجھے فیقہ کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' اس کی جان پر بن آئی تھی۔ منصور سے کچھ بعید نہیں تھا۔ ہر قسم کی توقع اس سے رکھی جا سکتی تھی۔

''جھوٹ نہ بولو.....'' منصور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں کیوں جھوٹ بولوں گا.....'' وہ چڑ کر رہ گیا۔ ''آپ ایک لفظ نہیں کہیں گے۔ ورنہ میں عمر بھر آپ کو شکل نہیں دکھاؤں گا.....'' اس کا انداز صاف دھمکانے والا تھا۔

''یہ ممکن نہیں..... صاف بتا رہا ہوں..... تم میں تو عقل نہیں، گھاٹے کے سودے کرتے ہو۔'' منصور نے اسے بری طرح جھاڑا تھا۔ شام غصے سے کھولتا رہ گیا۔ تاہم اس نے سختی سے باپ کو باور کروا دیا تھا کہ وہ کم از کم شام کے معاملے میں زیادہ چالاکی مت دکھائے۔ وہ ایک حد تک منصور کو اپنی زندگی میں مداخلت کی اجازت دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں..... اسے شدید غصہ تھا۔ سو وہ اسی غصے میں کھولتا ہوا اٹھ کر چلا گیا تھا۔

''صوفی صاحب.....! غصہ تھوک دیں..... بڑے عظیم مقصد کے لیے یہاں حاضر ہوا ہوں۔'' وہ زہر کا گھونٹ بھرتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں بولا۔ ترپ کے پتے پھینکنے اسے خوب کھیلنے آتے تھے۔ اب وہ صوفی صالح کے دفتر میں تھا جسے دیکھ کر ان کا پارا چڑھ گیا تھا۔

''مجھے تمہاری کوئی بکواس نہیں سننا..... میری نظروں سے دور ہو جاؤ..... نکل جاؤ یہاں سے۔'' صوفی صالح ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہے تھے۔ ورنہ منصور کو تو شوٹ کرنے کو دل چاہتا تھا۔

''دھیرج..... دھیرج، غصہ نہ کریں جناب..... میری عرضداشت سن لیں.....'' اس نے تھوڑا جھک کر مکارانہ عاجزی سے کہا تھا۔ صوفی صاحب سرخ چہرے پر ہاتھ پھیرتے بمشکل بولے۔

''ایک سیکنڈ ہے تمہارے پاس..... اپنی بکواس کرو اور نکلو.....'' انہوں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''صرف ایک سوال ہے..... مجھے اتنا بتا دیں..... میرے بیٹے کا جرم کیا ہے؟ اسے کیوں فقیہہ کے پلے باندھ رہے ہیں.....؟ یہ قطعاً بے جوڑ رشتہ ہے۔ شام کا باپ ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ رشتہ منظور نہیں.....'' منصور کی بات ان کی توقع کے برخلاف تھی۔ وہ جو دانت بھینچے سن رہے تھے لمحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گئے۔ اپنی تمام تر کمینگی کے باوجود وہ شام کا باپ تو تھا۔ اس حقیقت سے انکار کرنا ناممکن سی بات تھی۔ پھر اسے اپنے بیٹے کی ہمدردی میں بولنے کا پورا، پورا حق تھا۔ خاص طور پر شام کے رشتے اور شادی کے متعلق..... لیکن کیا وہ فرض شناس باپ رہ چکا تھا؟ جو اسے

اب حقوق و فرائض یاد آ رہے تھے؟ آخر اس کی جرأت کیسے ہوئی۔ شام کی زندگی میں مداخلت کرنے کی۔

''لیکن شام کو منظور ہے..... اسے اعتراض ہوتا تو انکار کر دیتا۔'' انہوں نے خاصے تحمل سے نگاہ چراتے ہوئے کہا۔ منصور تو ایک دم چمک اٹھا تھا۔ صوفی صالح کی نرمی پا کر اسے مزید بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

''انکار کیسے کرتا.....؟ میرا بیٹا احسان فراموش نہیں.....'' وہ جتا کر رہ گیا تھا۔

''ہاں، شام کم از کم تم سے تو بہت مختلف ہے۔'' انہوں نے بھی اس کے منہ پر ماری تھی۔

''پھر بھی بہتر یہ ہے کہ آپ اس نام نہاد رشتے کو توڑ دیں۔ کیونکہ میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ آخر شام کا باپ ہونے کے ناتے اس کا اتنا حق تو بنتا تھا۔

''یہ ممکن نہیں.....'' انہوں نے تنفر سے کہا۔

''کیوں ممکن نہیں..... پسند کی شادی کیا گناہ ہے؟'' منصور نے ترپ کا پتا آخر پھینک ہی دیا تھا۔ صوفی صالح ایک دم خاموش ہو گئے تھے جیسے منصور کی بات سمجھنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ وہ اتنا ذلیل اور خبیث تھا بغیر کسی لاجک کے بات نہیں کرتا تھا۔ ادھر منصور نے لوہے کو نرم پا کر پھر سے ضرب لگائی تھی۔ وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ صوفی صالح کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ کچھ بجھ سے گئے تھے۔

''دیکھیں صاحب.....! میرا بیٹا عمامہ کے قابل تو ہو سکتا ہے فقیہہ کے نہیں..... دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ دو دلوں کو جدا کرنے کا گناہ نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ عمامہ اور شام کا نکاح کر دیں۔'' اس نے مکاری سے اپنی بات مکمل کی تھی۔ صوفی صالح کا رنگ آگ کی طرح تپنے لگا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ ہماری اولاد ایسی منہ زور نہیں..... اپنی گندی زبان کو لگام دو.....'' وہ شیر کی طرح دہاڑے تھے۔

''یہ بھی خوب کہی..... آپ کا بیٹا طاہر اپنی ''پسند'' کو بغل میں دبا کر لور، لور پھر لیتا ہے۔ میرا بیٹا عمامہ سے محبت کرے تو گناہ ہوا۔'' اس نے بڑے قرینے کے ساتھ صوفی صالح کا منہ بند کروا دیا تھا۔ وہ جیسے ہل کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ ہو بہو نورس ہی تھی..... سر سے پیر تک نورس..... ویسی ہی سفید پوش، خوش پوشاک، خوش لباس، خوش گفتار تھی۔

نورس کو دیکھ کر عمائم چونک گئی تھی۔ نور ٹھٹک گئی تھی۔ جبکہ عالی الجھ گئی تھی۔

نورس کا کرن کے گھر میں دکھائی دینا بڑا حیران کن واقعہ تھا۔ یقین واثق تھا کہ وہ تعزیت کے لیے آئی ہے لیکن تعجب یہ تھا کہ نورس ہر اسٹوڈنٹ کے گھر ان کی موت فوت پر افسوس کرنے جاتی تھی اور نہ صرف اسٹوڈنٹس بلکہ ان کے بھی آگے رشتے داروں کے گھروں میں تعزیت کرتی ہے؟ تھی ناں حیران کن بات.....!

یہی حیرت عمائم، نور کی آنکھوں میں بھی دیکھ رہی تھی۔ عالی کے چہرے پر بھی پڑھ رہی تھی۔

پھر جب وہ تائی امی کو ڈراپ کر کے واپس جامعہ آئیں تو بلڈنگ سے کچھ فاصلے پر ہی گاڑی سے اتر گئیں۔

اب وہ درختوں کی دو رویہ قطار کے سائے تلے چل رہی تھیں۔ درختوں کا یہ سلسلہ لامحدود تھا۔ جامعہ سے کہیں آگے جا کر بھی ختم نہیں ہوتا تھا۔

فٹ پاتھ کے کنارے پر ایک بزرگ پٹھان بھی بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ بظاہر تو بزرگ ہی دکھائی دے رہا تھا۔ عمائم غور نہیں کر سکی تھی۔ وہ سر کنڈوں کی تیلیوں سے چھتیں بنا رہا تھا۔ گرمیوں میں بالکونیوں اور برآمدوں کے سامنے لگانے والی چلمنیں..... وہ تینوں اپنے ہی دھیان میں سر جھکائے وہاں سے گزر رہی تھیں جب اچانک ہی عمائم کو کچھ احساس ہوا تھا۔ ایسے ہی غیر ارادتاً اس نے نگاہ ترچھی کیے پلکیں اٹھائیں تو لمحہ بھر کے لیے بھونچکی رہ گئی۔ عالی بظاہر نظر آتے اس بزرگ کے قریب سے گزرتے ہوئے گول مول سا ایک کاغذ اس کی طرف اچھال کر آگے بڑھ گئی

تھی۔ یہ کام اتنے محتاط انداز میں کیا گیا تھا کہ اگر عمائم اپنے دھیان میں ہوتی تو کبھی نہ محسوس کرسکتی۔ اس نے... غیرارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بزرگ نما بابا گول مول پرچی کو کھول کر پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے عجیب سا چغہ اور وگ اتار دی تھی۔ لمحوں میں اپنا سامان سمیٹا...... ایک بڑے زنبیل نما تھیلے میں سب کچھ گھسایا اور تیزی سے جامعہ کی سامنے والی بلڈنگ میں روپوش ہوگیا۔ یہ کام لمحوں میں ہوا تھا۔ عمائم ہکا بکا رہ گئی تھی۔ پھر وہ تیز، تیز چلتی عالی تک بمشکل پہنچی تھی۔ جو جامعہ کی عمارت میں گھس رہی تھی۔ نور اس سے پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔ عمائم نے آگے بڑھتی عالی کا بازو دبوچ لیا۔ وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ ”عالی! وہ کون تھا؟“ حواس باختہ عمائم نے بے ساختہ کہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا غصہ تھا جیسے عالی کی چیپ حرکت نے اسے متوحش کیا ہو...... عالی ایسے بھی گر سکتی تھی؟ اتنے سطحی انداز میں ”رقعہ بازی“ کا شغل فرما رہی تھی۔ دور ہونے کی وجہ سے عمائم اس کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی تاہم وگ اترنے کے بعد اتنا اسے ضرور پتا چلا تھا کہ وہ آدمی کوئی بزرگ نہیں نوجوان سا لڑکا ہے۔

”کون......؟“ عالی نے حیرانی کے سارے ریکارڈ توڑ کر بے ساختہ پوچھا تھا۔ وہ اس کی زرد رنگت کو دیکھ کر حیران کھڑی تھی۔ ارے اسے کیا ہوا؟

”وہی جسے تم نے ”خط“ دیا۔“ عمائم نے چبا، چبا کر کہا۔ عالی اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی...... جیسے عمائم کا دماغ چل گیا ہو...... اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات کم از کم اسی قسم کے تھے۔

”خط؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟“ عالی نے بہت غصے میں عمائم کی طرف دیکھا تھا جو پہلے ہی خشمگیں نظروں سے عالی کو گھور رہی تھی۔ دونوں نے گھوریوں کا یہ سلسلہ برقرار رکھا تھا۔

”اپنے میٹر کی ریڈنگ چیک کرو...... لگتا ہے، الٹا گھوم رہا ہے۔“ عالی نے اس کی کھوپڑی کو نشانہ بنا کر طنز کیا تھا۔ وہ سلگ کر رہ گئی تھی۔

”تم مکر نہیں سکتیں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“ عمائم نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تھا۔ عالی نے ایک مرتبہ پھر اسے گھورا تھا۔

”ربش......“ وہ تلخی سے بولی۔ ”میں نے اس بزرگ آدمی کو دس روپے کا نوٹ دیا ہے۔ بیچارہ غریب آدمی تھا۔ ایسے محنت کشوں کو لگتا ہے جو سوال نہیں کرتے۔“ عالی بھنا کر تفصیل بتا رہی تھی۔ عمائم چپ سی رہ گئی تھی تاہم وہ گول مول اس پرچی کو کیسے بھول جاتی؟ پھر اس بزرگ کا وگ اور چولا اتارنا...... حالانکہ عالی اس تفتیش پر چڑ کر اندر چلی گئی تھی۔ عمائم کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی تھی پھر اندر جانے کے بجائے ایک مرتبہ پھر باہر چلی آئی۔ تیز، تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ دوبارہ اسی جگہ پہنچ گئی تھی۔ جہاں وہ بزرگ چقیں بنا رہا تھا۔ اس فٹ پاتھ پر کوئی نہ کوئی محنت کش دکھائی دے ہی جاتا تھا۔ سو حیرانی کی کوئی بات نہیں تھی اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ عمائم نے اس آدمی کو وگ اتارتے دیکھ لیا تھا۔

وہ ”جائے وقوعہ“ کا اچھی طرح جائزہ لے رہی تھی۔ کم از کم اس صاف ستھرے فٹ پاتھ پر کوئی سراغ نہیں ملنے والا تھا۔ وہ بد دلی ہو کر سامنے والی بلڈنگ دیکھنے لگی۔ جہاں وہ بہروپیا روپوش ہوا تھا۔

سیکنڈ فلور کی بالکونی میں ایک سایہ تو کھڑا تھا تاہم عمائم زیادہ غور نہیں کرسکی تھی۔ اسے چلتے، چلتے ایک ننھے کنکر سے ٹھوکر لگی تھی۔ عمائم بمشکل سنبھلی۔ پھر اس نے جھک کر ذرا دیکھا تھا۔ وہاں گول مول سا وہی کاغذ پڑا تھا جو عمائم نے عالی کو اس آدمی کی طرف پھینکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے سرعت سے کاغذ اٹھایا۔ ہاتھوں کی مدد سے اس کی سلوٹیں نکالی تھیں۔ وہ دس روپے کا نوٹ تھا۔ عمائم کا سارا تجسس ہوا ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ نوٹ وہیں پر مروڑ کر پھینک دیتی۔ اسے ٹھٹکایا ان دو الفاظ نے تھا جو نوٹ پر تحریر تھے۔

”میدان خالی ہے۔“ عمائم الجھ کر رہ گئی۔ اس نوٹ پر کیا لکھا تھا؟ اور کیوں لکھا تھا؟ وہ سمجھنے سے قاصر رہی۔

تاہم اس کی چھٹی حس کچھ اشارے تو دے رہی تھی۔ وہ بے خیالی میں جامعہ کی طرف دیکھنے لگی۔ معاً اس کی آنکھیں کچھ پھیل کر سکڑ رہی تھیں۔ گیٹ کے قریب گارڈ کے پاس ایک الیکٹریشن ٹائپ بندہ کھڑا تھا جو گارڈ کو بتا رہا تھا۔

''میڈم کے دفتر کی وائرنگ خراب ہے۔ صبح استاد کو کال آئی تھی۔ میں وائرنگ کو چیک کرنے آیا ہوں..... تاکہ خرابی کا اندازہ کرسکوں.....'' اس نے گارڈ سے اجازت لے کر اجڈ انداز میں کہا تھا۔ وہ حلیے سے بھی کوئی چھوٹا موٹا الیکٹریشن لگ رہا تھا۔ اس نے انتہائی میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ چہرے پر گریس اور کالے نشان تھے۔ ایک میلا کچیلا اوزاروں والا تھیلا بھی اٹھا رکھا تھا۔ گارڈ نے ایک بچے کو الیکٹریشن کے ہمراہ اندر بھیج دیا تھا۔ عمائم کے من میں جانے کیا آئی تھی۔ وہ بھی الیکٹریشن کا پیچھا کرتی اندر چلی گئی۔ حالانکہ یہ کام وہ بڑے طریقے سے کر رہی تھی۔ دبے قدموں الیکٹریشن کے پیچھے جانا..... تاہم اسے تین مرتبہ ضرور لگا تھا کہ الیکٹریشن نے مڑ کر عمائم کو دیکھا ہے۔ بچہ الیکٹریشن کو اس رستے سے دفتر کی طرف لے جا رہا تھا۔ جس طرف چہل پہل نہ ہونے کے برابر تھی۔ خاموشی بھی لبستا بہت زیادہ تھی۔ سو عمائم کی طرف الیکٹریشن کا دھیان جانا بنتا تھا۔ جب چوتھی مرتبہ کاریڈور سے مڑتے ہوئے الیکٹریشن نے پیچھے دیکھا تو عمائم سرعت سے کامن روم میں گھس گئی۔ پھر وہ الیکٹریشن کے دفتر میں داخل ہو جانے کی تسلی کر کے دوبارہ نورس کے آفس آئی تھی۔

دروازے سے اندر جانے کے بجائے اس نے دوسری طرف سے ہو کر بالکونی کا دروازہ کھولا تھا پھر محتاط انداز میں گلاس وال کی طرف آگئی۔ آنکھ چپکا کر اندر کا جائزہ لیا تو الیکٹریشن سوئچ بورڈ مہارت سے کھول کر چیک کر رہا تھا۔ بچہ اب بھی وہاں موجود تھا۔ انتظامیہ کا ایک اور بندہ بھی آگیا۔ اپنی زیرنگرانی سارے بورڈ دکھا کر پھر وہ الیکٹریشن کے کہنے پر شاید کوئی اوزار لینے باہر گیا تھا۔ کچھ دیر بعد الیکٹریشن نے بچے کو اشارہ کر کے باہر بھیج دیا۔

عمائم جو بددل ہو کر واپس مڑنے لگی تھی ایک انجانی طاقت کے زیر اثر رک سی گئی۔ حالانکہ کوئی غیر معمولی پن کہیں نہیں تھا پھر بھی عمائم کو دھڑکا سا لگ رہا تھا۔ جیسے کچھ سوچنے قریب تھا۔ اس کے وسوسے بے بنیاد نہیں تھے۔ جو آدمی جامعہ میں گھس کر نورس کی تصویریں لے سکتا ہے اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس کی وفاداری کا تقاضا یہ تھا کہ وہ وہیں کھڑی رہتی۔ نورس نے اپنے دفتر میں کسی انجان بندے کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ یہ تو کوئی الیکٹریشن تھا جو آگیا۔

کچھ ہی دیر میں عمائم کی آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا تھا۔ اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ الیکٹریشن نے دروازہ لاک کیا۔ اپنے میلے کچیلے تھیلے میں سے ایک نقشہ نکالا۔ یقینی طور پر وہ نقشہ ہی تھا اب وہ عمارت کے فرش کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیواروں کا مسالا اور اندرونی رنگ و روغن چیک کیا۔ بالکل اسی روغن کی مناسبت سے پینٹ کی بوتل نکالی۔ پھر اس نے حفاظتی نگہبانوں کے آنے سے پہلے ہی ایک دیوار کا جائزہ لیا جس کے غیر معروف کونے میں ایک تیز رفتار مگر آواز نہ دینے والے برمے سے سوراخ کیا تھا۔ پھر اپنی پی کیپ اتار کر اندر سے برقی لہروں کا ایک آلہ نکالا اور اسے دیوار میں نصب کر دیا۔ آلہ لگانے کے بعد توڑ پھوڑ کی مرمت فوری سوکھنے والے پلستر سے کر دی گئی تھی۔ بعد میں دیواروں کا ہم رنگ روغن اوپر جما دیا..... ایک منٹ کی کم مدت کے بعد وہ بورڈ کی طرف متوجہ ہوا۔ تاروں کے ساتھ معمولی سی چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ پھر اندر آنے والے انتظامیہ کے آدمی سے مخاطب ہوا۔

''بادشاہوں کو بتا دینا۔ اپنے روگ کی بات نہیں..... کسی اور الیکٹریشن سے رابطہ کرو جی.....'' اس نے تھیلا کندھے پر ڈالا۔ اور ماتھے کا نادیدہ پسینہ پونچھ کر باہر نکل گیا۔ عمائم کا دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آرہا تھا۔ پورے وجود کی حالت غیر تھی۔ اس پر کپکپی کی کیفیت طاری تھی۔ اسے چکر آرہے تھے۔

یہ سب کیا ہوا تھا؟ کیوں ہوا تھا؟ کس نے کیا تھا؟ عمائم کچھ..... بھی نہیں جانتی ہوتی تو پھر بھی اسے اتنا تو پتا چل گیا تھا نورس کے دفتر میں کوئی خفیہ حساس سسٹم نصب کیا گیا ہے۔ یہ کام کس کا تھا؟ کس دشمن عناصر کا تھا؟ کون تھا جو

داغ تو اچھے ہوتے ہیں

راحم مٹی سے بھرا سامنے کھڑا تھا۔ اشمان کے ہاتھ سالن سے لتھڑے ہوئے تھے اور وہ انہی ہاتھوں سے شرٹ پر دھبے لگا رہا تھا۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟'' میں غصے میں بھر گئی۔ ''مما! ہم کھیل رہے ہیں۔'' ان کی مصروفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ''ساری گندگی کردی ہے کپڑوں کا ستیاناس کر دیا۔ غصے نے مجھے آگ بگولہ کیا۔ مگر سامنے چھ سال کے میرے دونوں جڑواں بچے تھے کہ جو... کچھ سہم گئے تھے۔ میں نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔ ''بیٹا! کپڑے گندے کرنا اچھی بات نہیں ہے اور آپ اشمان، سالن میں ہاتھ ڈبو دیے۔ ''میں بھائی کے لیے بریانی بنا رہا تھا۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔ چاول کی پلیٹ پر کوفتے اور آلو ڈال کر پیاز کے لچھے ڈال کر اپنے تئیں کوشش کی تھی۔ ''تو آپ کپڑوں کو صاف رکھ کر احتیاط سے بھی تو کر سکتے تھے ناں..... سب داغ پڑ گئے۔ آپ کو پتا ہے ناں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''صفائی نصف ایمان ہے۔'' دونوں نے بیک زبان کہا۔ ''مگر مما..... ٹی والے تو کہتے ہیں کہ داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔'' راحم نے سوال کیا۔ ''نہیں بیٹا کوئی داغ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ چلو شاباش کپڑے بدلو اور صاف کرو اپنے ہاتھ پاؤں..... بالکل گندے بچے لگ رہے ہو۔'' میں نے بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''اچھا مما.....'' وہ بے دلی سے بولے۔

''راحم..... ٹی وی والی مما اچھی ہیں..... داغ لگ جاتے ہیں بچے جان بوجھ کر کپڑے گندے کرتے ہیں اور مما smile دیتی ہیں۔ اور ہماری مما تو فوراً صاف کرو، صاف کرو کہتی ہیں۔ داغ بھی نہیں لگانے دیتیں۔'' اشمان کا شکوہ مجھے ساکت کر گیا تھا۔ ''ہاں اشمان..... وہ تو یہ بھی کہتی ہیں داغ تو اچھے ہوتے ہیں.....'' ٹی وی پر جہاں دن بھر بچوں کو بدتہذیبی سے کپڑے گندے کرنا سکھایا جا رہا ہو تو وہاں ایک ماں کس طرح اپنے بچوں کو یہ سمجھائے۔ ''کہ صفائی نصف ایمان ہے۔''

برائی کسی بھی شکل میں ہو جلد اثر کرتی ہے اور معصوم ذہنوں کو الجھا دیتی ہے۔ ایک واشنگ پاؤڈر کے اشتہار میں دکھائی جانے والی بدتہذیبی کس طرح ذہنوں کو برین واش کرتی ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کیونکہ ''داغ تو ہرگز اچھے نہیں ہوتے، داغ، داغ ہی ہوتے ہیں۔'' کپڑے کے ہوں یا کردار کے۔

مرسلہ: نیئر فہیم خان۔ کراچی

نورس کے ساتھ دشمنی کر رہا تھا؟ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

''میں نورس کو بتا دوں.....؟'' اس نے مٹھی میں دبایا موبائل کھولا..... اسکرین روشن کی اور پھر گھبرا کر پرس میں ڈال لیا۔

''نہیں..... مجھے پرائے پھڈے میں نہیں گھسنا چاہیے۔'' وہ خوفزدہ ہوگئی۔

''پھر بھی انسانیت کے ناتے.....'' اس کے اندر سے آواز آئی۔

''مجھے خود کو مشکل میں گرفتار نہیں کرنا.....'' عمائم کا دماغ صلاح دے رہا تھا۔

''مشکل کیسی؟'' کسی نے سوال اٹھایا۔

''وہی جس میں کرن گرفتار ہو کر مر گئی.....'' اس کا دل لرز اٹھا تھا۔ گویا فیصلہ ہو گیا..... اسے کسی کو کچھ بھی نہیں بتانا تھا۔ وہ کرن جیسا رسک لے کر اپنی زندگی مشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔ جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی تھی، لازم تھا کہ تین دن ضرور بخار میں پھنکتی..... اگلے دو دن تک وہ بالکل بھی جامعہ جانے کے قابل نہیں تھی۔ خوف کے مارے ساری رات اسے نیند نہیں آتی تھی۔ عجیب و غریب خوفناک سوچیں بے چین رکھتی تھیں۔ نہ اسے کرن بھولتی نہ نورس..... کرن جو نامعلوم اسٹریٹ کرمنلز کا شکار ہو چکی تھی اور نورس شکار ہونے والی تھی؟

عمائم کو لگ رہا تھا۔ کوئی ایسا گینگ ضرور ہے جو نورس کو سرچ کر رہا ہے۔ اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اس گینگ کی ہاٹ لسٹ پر نورس کا بھی نام یقیناً ہے۔ کیا خبر، کوئی مذہبی تنظیم اس کا پیچھا کر رہی ہو؟ آخر ایک عورت ہو کر اس نے اتنا بڑا جامعہ سنبھال رکھا تھا جس کی شہرت دور دراز تک تھی۔ لوگ حسد اور نفرت میں نہ جانے کس، کس حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ عمائم کو نورس سے بہت ہمدردی تھی۔ اور عام منتظم اعلیٰ سے ہٹ کر نورس نہایت مہربان، انسان دوست واقع ہوئی تھی۔ اسے جامعہ کی ہر یتیم، لاوارث اور تنہا لڑکی کا احساس تھا۔ وہ ان کی دینی، دنیاوی تعلیم کا

خیال رکھتی تھی۔ ان کے اچھی جگہ رشتے کرواتی، حسبِ توفیق جہیز دے کر رخصت بھی کرتی۔ شادی کے سارے اخراجات بھی برداشت کرتی..... بعد میں بھی ان لڑکیوں کی خبر گیری رکھتی۔

نورس بلاشبہ ایک مکمل انسانی پیکر تھی۔ جس کا دل انسانیت کے احساس سے دھڑکتا تھا۔ وہ ہر اسٹوڈنٹ کو خاص اہمیت دیتی تھی۔ ان کے گھروں میں ہونے والی اموات پر تعزیت تک کر کے آتی تھی۔ نخرہ تھا نہ غرور تھا۔ بس انسانیت کے لیے جیے جا رہی تھی۔ نورس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ اپنی زندگی خلقِ خدا کے لیے وقف کر دی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں مگن اور خوشحال تھی۔

بس پچھلے دنوں ہونے والی غیر معمولی گڑبڑ پر نورس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔ اس کے بعد راوی نے چین ہی چین لکھ رکھا تھا۔ نورس نے دوبارہ عمائم پر غصہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے روڈ بی ہیوئیر کی معافی تک مانگ لی تھی تب عمائم کا دل اندر تک صاف ہو گیا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ نورس نے بلاوجہ ایک رات اسے اپنے دفتر میں بند رکھا تھا۔ اور وہ بھی نورس جیسی عظیم شخصیت کو چکمہ دے کر بھاگ گئی تھی۔ بہت ساری چیزوں کو بھول جانا ہی مناسب ہوتا ہے۔ سو عمائم بھی بھول گئی تھی۔ تاہم اندر سے نورس کے لیے وہ سخت ہراساں ہو چکی تھی۔ وہ نورس کو باخبر بھی کرنا چاہتی تھی تاہم اپنا نام بیچ میں لائے بغیر..... بخار اترنے کے اگلے دن بھی وہ پچھلے صحن میں کسل مندی سے پڑی رہی تھی۔ احتشام کا وہاں سے گزر ہوا تو رک گیا۔ حریم نے اسے عمائم کی خرابی طبیعت کا بتا رکھا تھا۔ اب عمائم پر نگاہ پڑی تو وہ سیدھا وہیں آ گیا۔

''کیسی طبیعت ہے عمائم.....!'' اس کا انداز خاصا دوستانہ اور نرم تھا۔ وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ پھر جلدی سے دوپٹا سیدھا کیا تھا۔ کم از کم احتشام کی توقع وہ یہاں نہیں کر رہی تھی۔ تبھی: رابو کھلا گئی۔

''آہ..... تمہیں بھی خبر ہو گی۔ ایسی مشہور و معروف ہستی تو نہیں ہوں میں.....'' اس نے ذرا طنزیہ کہا تھا۔ اچانک سے اسے احتشام کا چمکتی آنکھوں والا دوست یاد آ گیا۔ جس نے جامعہ میں گھس کر اس کی اور نورس کی چوری چھپے تصویریں بنالی تھیں۔ اس کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

''یہ تو مجھ سے پوچھو کہ کیا ہو تم.....؟'' وہ زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا۔ آواز دھیمی تھی سو عمائم نہیں سن سکی تھی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا تھا.....'' عمائم بات طویل ہونے سے پہلے ہی مطلب کی گفتگو پر آ گئی تھی۔ احتشام نرمی سے مسکرا دیا۔

''زہے نصیب.....'' وہ کورنش بجالایا..... عمائم کا منہ بن گیا۔ وہ ان اداکاریوں سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔

''وہ جو تمہارا دوست روشان ہے اس کے متعلق بات کرنی تھی مجھے.....'' عمائم نے تلخی بھرے لہجے میں کہا تو احتشام بری طرح سے چونک گیا۔ اس کی ساری حسیات لمحوں میں الرٹ ہو گئی تھیں۔ اس کے کانوں میں روشان کی آواز آئی تھی۔

''مرغی کی دستِ راست نے دیکھ لیا تھا۔'' روشان کی آواز میں تب خدشہ لپک رہا تھا وہ اب بھی مجسم کھڑا دکھائی دینے لگا۔ احتشام نے گہری سانس کھینچ کر خود کو سنبھال لیا تھا۔

''کیا بات کرنی ہے تمہیں.....؟'' اس نے بڑے سرسری انداز میں پوچھا۔

''روشان نے جامعہ میں گھس کر ہماری تصویریں بنائی تھیں۔'' عمائم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے بتایا۔ وہ اس بات پر شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔ احتشام اس کا ایک، ایک تاثر نوٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کے تفکر کی وجہ سمجھ رہا تھا۔

''کس، کس کی.....؟'' وہ سابقہ ملائمت سے بولا۔

''میری اور میڈم کی.....'' عمائم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا دل شدید ہراس کا شکار تھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ روشان نے ایسی گندی اور گری ہوئی حرکت کیوں کی تھی؟ روشان کو یہ سوچ کر بھی شرم نہیں آئی کہ عمائم اس کے دوست کی رشتے دار ہے۔

''ایسا کیوں کرے گا روشان.....! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' احتشام نے گہری سانس کھینچ کر وکالت کا عہدہ سنبھالا تھا۔ اب اسے مزید دلائل دے کر عمائم کے ذہن پر لگے سارے جالے ہٹانے تھے۔

''میں اندھی نہیں ہوں.....'' اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ ''میں اس ''بہروپیے'' کو پہچان سکتی ہوں..... خاص طور پر اس کی چمکتی آنکھیں.....'' وہ تنک کر بولتی چلی گئی تھی۔ غصے میں جل کر وہ کوئی بھوت بن جاتی تھی۔ احتشام اس کے تیور ملاحظہ کرتا رہا۔ اس کے تاثر دیکھتا رہا۔ اس کا غصہ سمجھ رہا تھا۔

''میں مان ہی نہیں سکتا، روشان میں ایسی ''خو'' نہیں.....وہ کیوں ایسی چیپ حرکت کرے گا؟'' احتشام سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''وہ نورس کے لیے آیا تھا۔ اس کا پیچھے کر رہا تھا۔ پھر اس نے آنکھوں میں جوتوں سمیت گھس کر تصویریں بنالیں۔'' وہ لب بھینچ کر بتاتی چلی گئی تھی۔ احتشام کی پیشانی پر سلوٹ سی ابھری تھی جو اس کی گہری سوچ کو ظاہر کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ قدرے نرمی سے بولا۔

''ہوسکتا ہے وہ نورس کا پیچھا نہ کر رہا ہو..... بلکہ کسی اور کے لیے آیا ہو.....'' اس نے عمائم کی سوچ کو بھٹکانا چاہا۔

''کس کے لیے.....؟'' وہ چونک اٹھی۔

''کسی بھی لڑکی کے لیے..... جامعہ کی کچھ لڑکیوں کے سامنے بلڈنگ کے لڑکوں سے افیئر چل رہے ہیں۔'' احتشام نے سنجیدگی کے ساتھ اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ عمائم کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''تو آپ کا مطلب ہے جامعہ کی لڑکیاں اچھی نہیں ہیں؟ جامعہ کا ماحول برا ہے؟ در پردہ تم ہمارے جامعہ کو بدنام کر رہے ہو۔'' وہ غصے میں پھٹ پڑی تھی۔ ''اسے غلط جگہ سمجھ کر اپنے گندے عزائم کا نشانہ نہ آپ لوگ نہیں بنا سکتے۔ یہ ایک دینی مدرسہ ہے، یہاں کی لڑکیاں ایسی نہیں جو افیئر چلاتی پھریں۔ اگر کوئی سروے کرنا ہے تو کرلو، تمہیں کم از کم اس جامعہ میں کوئی ''جھوک'' دکھائی نہیں دے گا۔''

''عمائم.....! ایسا کچھ بھی نہیں..... نہ میں تمہارے دینی مدرسے پر چوٹ کر رہا ہوں..... میں نے تو ایک حقیقت بیان کی ہے۔ کیا تین سال پہلے ایک لڑکی یہاں سے بھاگی نہیں تھی؟ اس لڑکی کو بھگانے کے بعد اس کا ناکام عاشق کرتوت چھپانے کے لیے اسے قتل کر کے پچھلے گٹر میں پھینک گیا تھا۔ پچھلے دنوں کرن نامی لڑکی کا مڑدہ ہوا۔ لاش گٹر سے برآمد ہوئی۔ تفتیش میں تو جامعہ بھی شامل ہوئی ناں یہاں کی ایڈمنسٹریٹر تفتیش کے لیے کوئی سرا نہیں پکڑاتی۔ چلو وہ تو ایک الگ بات ہے۔ ابھی فی الحال روشان والا معاملہ زیر بحث ہے۔ میں مانتا ہوں، کیا خبر وہ روشان ہو..... لیکن تمہیں بھی تسلیم کرنا ہوگا..... اس نے نورس اور تمہاری نہیں، عائلہ کی تصویریں بنائی ہوں گی۔ اگر وہ جامعہ میں آیا تھا تو صرف عائلہ کے لیے..... تمہاری دوست سے اس کا ''افیئر'' چل رہا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ جامعہ کے اندر گھسا کیسے؟ وہاں تو شدید سکیورٹی ہے۔ کوئی چڑی تک پر نہیں مار سکتی۔'' احتشام نے بہت سنجیدگی کے ساتھ عمائم کے ہوش اڑا دیے تھے۔ اس کا دماغ جھنجنا اٹھا تھا۔ کم از کم یہ بات اس کے تصور میں ہی نہیں تھی۔ احتشام کا انکشاف اسے ''ہلا'' چکا تھا۔ عمائم کو اچانک عالی کا ''وہ'' یاد آیا۔ کافی عرصے سے عالی نے اپنے lover کا ذکر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اس معاملے میں وہ عمائم کو بن چاہے بہت کچھ بتاتی رہتی تھی۔ اس کی دلچسپی نہ دیکھ کر بھی وہ اپنی عادت سے مجبور تھی۔ عمائم کو بتائے بغیر اسے چین نہیں پڑتا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ عالی نے اپنے عاشق صادق کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا؟ آخر کیوں.....؟ شاید عمائم کو ناپسندیدگی کی وجہ سے؟

پھر روشان سے چکر نے تو عمائم کا دماغ گھما ڈالا تھا۔ اسے فٹ پاتھ پر بیٹھا بابا یاد آیا تھا۔ جو چٹیں تیار کرنے کا ڈراما کر رہا تھا۔ عالی وہاں سے گزری، اس کی طرف نوٹ پھینکا تب روشان مطلب وہ بہروپیا سامان سمیٹ کر سامنے والی بلڈنگ میں گھس گیا تھا۔ پھر نوٹ میں لکھے الفاظ میدان صاف ہے..... تو گویا عالی نے اپنے عاشق

کو کوئی ہنٹ دیا تھا؟ وہ سوچتی رہ گئی تھی۔ دماغ سے دھواں نکل رہا تھا۔ عالی کی بے غیرتی نے اسے احتشام کے سامنے شرمندہ کر دیا تھا۔ آخر وہ کیا سوچتا ہوگا.....؟ جامعہ کی لڑکیاں کیا ایسی کردار کی کچی ہیں؟ اور خود عمائم نے کیسی نیچ لڑکیوں سے دوستی کر رکھی تھی۔ وہ احتشام کے سامنے سر اٹھا ہی نہیں سکی۔ ادھر احتشام گہری سانس بھر رہا تھا۔

ایک بوجھ تھا جو ذہن سے ہٹ گیا۔ اس نے بڑے سلیقے سے عمائم کی توجہ مین پوائنٹ سے ہٹا دی تھی۔

عمائم اس کی شاطرانہ چال کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ دشمن کو بغیر اسے پتا دیے مار گراتا تھا۔ اس کے زرخیز دماغ میں بیک وقت ہر نئی چال، ہر بدلتی چال، ہر نئے مہرے ہر بدلتے مہرے، ہر پلاننگ کے اتار چڑھاؤ، آگے پیچھے، اوپر نیچے تبدیلی کرنے کے ہنٹ موجود رہتے تھے۔ وہ کسی بھی وقت پوری چال الٹنے کا فن رکھتا تھا۔ تبھی تو اسے سپہ سالار کہتے تھے۔

کچھ دور موجود آک کے ڈوڈوں سے روئی نکالتی دادی ان دونوں پر نگاہ جمائے کچھ سوچ رہی تھیں۔ ان کی سوچ کا محور احتشام اور عمائم تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے بہت اپنے، اپنے لگ رہے تھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ''سج'' رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک خواب سا اترا تھا۔ جو پھیلتا ہوا دور بہت دور تک بکھر گیا۔ وہ اپنی سوچوں پر حیران در حیران تھیں۔

☆☆☆

کرنوں کی آنکھ مچولی سے تنگ آ کر اس نے پٹ سے ونڈو کے سلائڈ بند کر دیے تھے۔ اب وہ ساس پین کی طرف متوجہ تھا جس میں اس کی اسپیشل ڈش اپنے آخری مراحل میں داخل تھی۔ اس نے ناک سکیڑ کر کھانے کی لذت اور خوشبو کو سونگھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن خوشبو نے گویا قسم کھا رکھی تھی کہ اس کھانے میں سے نکلنا ہی نہیں۔ وہ خفیف سا ہو کر دوبارہ سے چمچہ ہلا، ہلا کر کھانا بھوننے لگا تھا۔ ماتھے پر آیا نادیدہ پسینہ پونچھتے ہوئے اس نے لاؤنج پر اِک جلتی سُرتی نگاہ ڈالی تھی۔ اس کا دل جل کر کباب ہو گیا تھا۔ میزبان اور مہمان دونوں ہی کوئی انگلش نمبرا نجوائے کر رہے تھے۔ ویسے تھا تو وہ بھی مہمان ہی..... تاہم اس کو مہمان تسلیم نہ کر کے روشان نے اسے کچن میں گھسا دیا تھا۔ نتیجتاً وہ لنچ کی تیاری کرتا ہانپ رہا تھا۔

''کاش، کوئی مرد اتنا کٹھور بھی نہ ہو۔'' اپنی تعریف کرتے ہوئے وہ جل کر سوچ رہا تھا پھر گردن موڑ کر دوبارہ ان دو ''بے غیرتوں'' کو دیکھا تھا جو اسے یکسر بھلا کر جانے کس کے بخیے ادھیڑ رہے تھے۔

''نہ جانے کس میٹنگ میں مصروف ہیں؟'' وہ مکلس کر رہ گیا تھا پھر روتے دھوتے رشین سیلڈ بنانے لگا۔ کچھ دیر بعد سالن کو ''دم'' پر رکھ کر وہ گھنٹی کی آواز سنتا باہر کی طرف لپکا تھا۔ ان دونوں کو گالیوں سے نوازتے ہوئے وہ دروازے تک پہنچا۔

''ڈھیٹو! کوئی تم سا بہرہ بھی ہے یہاں! کب سے دروازہ بج رہا ہے۔ اب تو ٹوٹنے کی کسر رہ گئی۔'' وہ دہاڑتے ہوئے بولا تھا۔

''تم ہی کھول دو۔ آخر کس مرض کی دوا ہو۔ صبح سے کچن میں گھسے پیٹ پوجا کر رہے ہو۔ کھا، کھا کر نکلتے بھی نہیں۔ اتنا نہیں ہو سکا دروازہ ہی کھول دو۔'' احتشام نے آلکسی سے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا تھا۔ اذان اسے گھور کر رہ گیا۔

''بس کر یار! نہ ڈیلوں کو اتنا کھول، کھول کر دیکھ۔ کہیں ابل کر نیچے ہی نہ گر جائیں پھر فٹ کروانے مشکل ہو جائیں گے۔'' روشان نے اسے پچکارا تھا۔ اذان بل کھا کر رہ گیا۔

''نہ اتنے بل کھا، کہیں نازک سی کمر لچک نہ جائے۔'' احتشام چیخ کر بولا۔

''ویسے یار! تیری پتلی کمر کا سائز کیا ہوگا؟'' روشان نے معصومیت سے پوچھا۔
''کیوں؟ تو نے مجھے ساڑی بنوا کر دینی ہے۔'' اذان پھاڑ کھانے کو دوڑا۔
''ہو تو تم ساڑی کے لائق..... جینز، شرٹ تو عادتاً پہنتے ہو۔ چونکہ اپنے ''قبیلے'' سے دور ہو۔'' احتشام نے اسے نازیبا طور پر ''ہیجڑوں'' کی نسل سے ملا دیا تھا۔ اذان اس ''توہین'' پر کانپ کے رہ گیا۔
''دیکھ تو بچہ شرم سے کانپ رہا ہے۔'' روشان نے پُرجوش انداز میں کہا۔ اذان کا چہرہ بلا کا سرخ ہو گیا۔
''اور بلش بھی کر رہا ہے۔'' احتشام بھی چہکا۔
''بلے او بلے۔'' روشان جھوم کر رہ گیا۔ ''ایسا کر میری ممی کی پرانی ساڑی پہن کر ذرا اٹھ کا لگا کر دکھا اور یاد سے باہر نکلنے کی غلطی مت کرنا۔ سامنے دینی مدرسہ بھی ہے۔ سیکیورٹی والے ''دھنائی'' کر کے رکھ دیں گے کہ یہ ''ناس پٹی'' کھسری کہاں سے آ گئی۔'' اس نے بڑا مزیدار قسم کا نقشہ کھینچا تھا۔ دونوں نے خود ہی چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا۔
''ویسے اذان! تو آج کل لیو پر ہے۔ میرا مشورہ مان تو آج سے لے کر اگلے چار دن تک اچھی سی ''دیہاڑی'' لگا لے۔ بلڈنگ کے اوپر والے فلیٹس میں دو نومولود بھی دنیا میں آ چکے ہیں۔ تیری جیب خاصی بھاری ہو جائے گی۔'' روشان نے بڑا بھلے کا مشورہ دیا تھا۔ اذان نے وہیں کھڑے، کھڑے چپل اتار کر روشان کی طرف پھینکی تھی جسے وہ کیچ کر کے اچھل پڑا۔
''اور یہ اذان آؤٹ ہوا۔'' اس نے چپل پکڑ کر بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ اذان نے تپ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ایک طرح دار ماڈرن سی لڑکی ایک ہاتھ میں پیکٹ پکڑے بھنائی سی کھڑی تھی۔
''یہ کرکٹ میچ پھر کبھی رکھ لیتے۔ مجھے دو گھنٹے انتظار کروانا ضروری تھا۔'' وہ پیتی ہوئی اندر آئی تھی۔ گرما گرم روغنی نان میز پر رکھے تھے جن کی خوشبو سے بھوک ایک دم چمک اٹھی۔
''ایسی ہوائی؟ توبہ، توبہ، دو گھنٹے کے بجائے دو سال کہتی تو مانتے۔'' روشان نے آنے والی کے سفید جھوٹ پر کانوں کو ہاتھ لگائے۔ وہ بری طرح ڈھیٹ بن کر مسکرانے لگی تھی پھر کچن کی طرف دیکھ کر بے تابی سے بولی۔
''بریانی پک گیا؟'' اس کی آنکھوں میں خاصا اشتیاق تھا۔ بھوسا کہنے پر اذان اور روشان کو کرنٹ لگا تھا۔ وہ دونوں اسے گھور کر چیخے تھے۔
''بھوسا نہیں، بوغرا۔'' اذان نے چبا چبا کر پکنے والی ڈش کی وضاحت کی تھی۔
''تو نام کیوں بگاڑ رہے ہو؟ آرام سے ''مرغا'' ہی کہہ لو۔'' لڑکی نے شیگی کٹ بالوں کو جھٹکا دیا۔ اس کے انداز میں خاصی نخوت تھی۔ اب کے تینوں ہی اچھل پڑے۔
کچھ دیر کی مزید اراوٹ پٹانگ باتوں کے بعد اب وہ تینوں الرٹ ہو کر سنجیدہ گفتگو کی طرف آ گئے تھے۔ تینوں کے چہرے سنجیدہ اور سپاٹ تھے۔ وہ ممکنہ بریفنگ کے لیے تیار تھے لیکن اس سے بھی پہلے اس نے ان دونوں کی ''خوب'' کلاس لی تھی۔
''کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہ کرنا، تم سے تو مجھے اچھی امید نہیں تھی۔'' اس نے کان دباتے ہوئے روشان کو جھاڑا تھا پھر توپوں کا رخ اس لڑکی کی طرف کیا۔ ''اور تم بھی خاصی مایوس کُن کارکردگی دکھا رہی ہو۔''
''میں نے تو کوئی گڑبڑ نہیں کی۔'' روشان نے فوراً صفائی دینی چاہی۔
''اور میں نے بھی۔'' وہ لڑکی بھی منمنائی۔
''تم لوگ ''کسی'' کو چونکا رہے ہو۔'' اس نے تیکھے انداز میں دونوں کو جتایا تھا۔ دونوں ہی قدرے گڑبڑائے۔ کیونکہ ''کسی'' سے مراد کون تھا؟ وہ دونوں ہی باخبر تھے۔

''کسی میں ایسی ''عقل'' نہیں جو بہت ساری چیزوں کو سمجھ سکے اور یہی تمہارے پاس ایک پلس پوائنٹ ہے۔'' احتشام نے دونوں کو اکٹھے گھورا تھا۔ انہوں نے منہ بنا کر سر جھکا لیے تھے۔

''یہ تو میں ہوں، جو اسے ''کور'' کر لیتا ہوں۔ ورنہ اب تک سارا پلان چوپٹ ہو جاتا۔'' اس نے آخری گھُرکی دے کر دونوں کو باری، باری دیکھا تھا۔ دونوں سمجھ کر سر ہلا گئے تھے۔ تاہم روشان بولے بغیر نہیں رہ سکا۔

''تمہیں ایسی لیے اس کے قریب چھوڑا ہے تاکہ اسے کور کر سکو۔'' اس کی زبان پر بے ساختہ کھجلی ہوئی۔

''اور وہ بھی تمہیں خاصی ''کوریج'' دے رہی ہے۔'' لڑکی کا انداز بھی معنی خیز ہو گیا۔

''ہنی.....!'' احتشام بے ساختہ غرایا تھا۔ دونوں ہی سنبھل کر سنجیدہ ہو گئے۔ تاہم روشان بگڑ کر بولا ضرور تھا۔

''کبھی تو سراہ دیا کرو، میں نے اتنی جانفشانی سے مشن سکسیس فل کیا ہے۔'' روشان نے روہانسا ہو کر تازہ، تازہ کارنامے کو جتایا تھا۔

''سو تو ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''لیکن ابھی تک خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس ٹیپ کی ریکارڈنگ زیرو ہے۔''

''جس کا مطلب ہے، دشمن بہت چوکنا اور چالاک ہے۔ آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا۔'' روشان کا انداز سنجیدہ تھا۔

''لیکن ہمیں محتاط ہونا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا... کسی انسانی جان کا زیاں ہو۔ خاص طور پر ہمیں ایڈمنسٹریٹر کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔'' احتشام انہیں لائحہ عمل سمجھا رہا تھا۔

''اس کے لیے ہنی کی گراں قدر خدمات سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔'' روشان نے مسکرا کر کہا۔

''ہنی پہلے بھی خاصی خدمات سرانجام دے چکی ہے۔'' احتشام نے جتایا۔

''یہ تو میں تسلیم کرتا ہوں۔'' روشان ٹھونک بجا کر بولا۔

''لیکن اس کو سمجھا دو..... یہ مشن میں جھوک چھوڑ دیتا ہے۔'' ہنی نے بگڑ کر روشان کو جتلایا تھا۔ وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

''کب؟'' اس نے غصے میں کہا۔ احتشام کے سامنے بہت سُبکی محسوس ہوئی تھی۔

''چھکیں بناتے ہوئے۔'' سابقہ بگڑے انداز میں ہنی بولتی چلی گئی تھی۔ ''نوٹ پکڑ کر دیکھا اور وہیں پھینک دیا پھر سامان سمیٹ کر خود نو دو گیارہ ہو گئے۔ کم از کم وہاں سے گزرتے تین کے ''ٹولے'' کو جامعہ میں گھس جانے دیتے۔'' ہنی نے بھنا کر اس کی غلطی کو جتلایا تھا۔

''اور رزلٹ کیا نکلا؟'' احتشام نے ایک بھوں اچک کر ہنی سے پوچھا۔ روشان بے ساختہ بغلیں جھانکنے لگ گیا تھا۔

''عمائم نے دیکھ لیا۔'' ہنی بگڑ کر بولتی چلی گئی۔

''مائی گاڈ۔'' احتشام نے سر تھام لیا۔ پھر روشان کی گردن مروڑ ڈالی۔

''غدار! تجھ سے مجھے یہی امید تھی۔'' احتشام نے اس کی دُھنائی کر ڈالی تھی۔ تب گرما گرم کھانا ڈش میں نکال کر روغنی نان لاتا اذان ہنس، ہنس کر بے حال ہو گیا۔ روشان کی درگت پر اس کے سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ اس نے گوشت اور آٹے سے بنی ڈش سینٹرل ٹیبل پر رکھی۔ پانی، سلاد اور نانی بھی رکھے پھر روشان کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''تمہاری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ لنچ کا بائیکاٹ کر دو۔'' وہ اسے اکسا کر چڑا رہا تھا۔

''میری غیرت کو منہ خور نہیں آیا ہوا، کھانے کے وقت یہ الرٹ رہتی ہے۔ کھا، پی کر للکارتی ہے۔'' روشان نے اسے زور کا مکا مارا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ باقی لوگوں کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی جسے چھپا کر انہوں نے کھانے کی طرف توجہ کر لی تھی۔ بہر حال یہ کام بھی خاصا ضروری تھا۔

☆☆☆

جامعہ میں دولڑکیوں کی تقریب نکاح تھی۔ سوآج عام تعطیل کا دن تو نہیں تھا پھر بھی کلاس روم سارے بند تھے۔ مقامی لڑکیوں کی چھٹی تھی تاہم باقی سب نکاح کی تقریب کے لیے انتظامات میں مصروف تھیں۔

عمائم نے دیکھا تھا۔ جامعہ کی لڑکیوں نے بڑا خوب صورت اسٹیج بنا رکھا تھا۔ کاغذی پھولوں سے سجاوٹ اور آرائش بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ پنڈال کو بھی خاصا سجا رکھا تھا۔ لان میں چیئرز کو ترتیب سے لگایا گیا تھا۔ پہلی نگاہ میں ہی یہ کوئی شادی کی تقریب لگتی تھی۔

کھانے کا انتظام بھی بلاشبہ بہت بہترین تھا۔ قورمہ، نان، ٹھنڈی بوتل اور میٹھے میں زردہ...... سارے اخراجات نورس برداشت کر رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح نورس نے ایک پُروقار تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ دونوں لڑکیوں کو جہیز بھی دیا۔ کپڑے، فرنیچر اور زیور بھی دیا۔ کچھ سماجی شخصیات نے بھی شمولیت کی تھی۔ جاتے سمے انہوں نے جامعہ کے لیے خاصے فنڈز کا اعلان کیا تھا۔ عموماً ایسی امداد پورا سال چلتی رہتی تھی۔ تقریب بہت خوشگوار انداز میں اختتام کو پہنچی تھی۔ دونوں لڑکیاں اپنے گھروں کو رخصت ہوگئیں۔

نورس نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا تھا۔ اس کے چہرے پر بھرپور طمانیت تھی۔ اب وہ دوبارہ سے ان لڑکیوں کی لسٹ تیار کروا رہی تھی جن کی اگلے ماہ نکاح کی تقریب تھی۔

ہر مہینے دولڑکیوں کا نکاح کیا جاتا تھا۔ یوں سال میں چوبیس لڑکیاں اپنے، اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں۔ عمائم کے لیے پورے سال میں یہ منظر بڑا روح پرور ہوا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں جو بے نشان تھیں، لاوارث تھیں۔ اچھے خاندانوں کا حصہ بن جاتیں۔ انہیں معاشرے میں ایک نام، ایک مقام مل جاتا۔ وہ گھر آئی تو اسی خوشی کے زیرِ اثر تھی۔ تائی امی اس کی خوشی دیکھتے ہی محسوس کر گئی تھیں۔ ان کے پوچھنے پر عمائم نے بتا دیا تھا۔

''نورس نے آج بھی دو یتیم لڑکیوں کا نکاح کیا۔'' اس نے بہت جوش بھرے لہجے میں بتایا۔ وہ چہک سی رہی تھی۔

''پتا ہے امی، میرا ایک خواب ہے۔'' وہ سابقہ کیفیت میں سرشاری بتاتی چلی گئی تھی۔ تائی امی نے مسکرا کر اس کا روشن چہرہ دیکھا۔ وہ آج کے دن ہمیشہ بہت خوش ہوتی تھی۔

''صرف ایک خواب؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ہاں، صرف ایک ہی خواب۔'' وہ ان کی شرارت سمجھ کر مسکرائی تھی پھر بڑے جذب کے ساتھ بولی۔

''امی! میں نورس جیسا ایک عظیم جامعہ بنانا چاہتی ہوں۔ میں دینی اور دنیاوی تعلیم کا بڑا وسیع نیٹ ورک بنانا چاہتی ہوں۔ میں انسانیت کے لیے کوئی ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دوں گی۔ جو رہتی دنیا تک نہ سہی، میرے مرنے کے بعد بھی لوگوں کو میری یاد دلا سکے۔'' اس کی آنکھوں میں ننھے، ننھے سے جگنو تیر رہے تھے۔ ستاروں سے بھری آنکھوں کی چمک کا شمار کوئی نہیں تھا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اس کا روشن چہرہ دیکھتی رہیں۔ ان کے دل کی کیفیت عجیب تھی۔ انہیں عمائم کی آنکھوں میں کچھ اور دکھائی دے رہا تھا۔ ایک جذبہ، ایک لگن، ایک شوق، ایک چاہت، ایک جنون، ایک نیا اور الگ سا جہان نظر آ رہا تھا۔ وہاں ولولہ تھا، جوش تھا، روشنی تھی، رنگ تھا، نور تھا۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ انہیں عمائم کے چہرے کی چہار جانب نور کا ایک ہالہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا نور جس کی تابنا کی کا انت کوئی نہیں تھا۔ ایسی روشنی جو خاتمے سے کوسوں میل دور تھی۔ ایسے جگنو جو بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے والے تھے۔ ایسا عزم جو پختگی کی سرحد پر کھڑا تھا۔ ایسا استقلال جس کے سامنے سارے ارادے ہیچ تھے۔ ایسی مضبوطی جسے کوئی توڑ نہیں سکتا تھا۔

''عمائم!'' تائی امی نے اس کا بازو ہلا کر خواب کے لمبے اثر سے باہر نکالا۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''مرنے کی بات آئندہ کبھی نہ کرنا۔'' ان کی تنبیہ نے عمائم کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''ارے.....آپ بھی ناں۔'' تائی امی کی آنکھوں میں اتری نمی نے عمائم کو بری طرح ہنسا دیا۔ انہوں نے ہنستی عمائم کو سینے میں بھینچ لیا تھا۔

''تم تو میری جان ہو عمائم! ہزاروں سال جیتی رہو۔'' انہوں نے اس کی روشن بھیگتی پیشانی چوم لی۔

''یہ دعا تو نہیں ناں بددعا ہوئی۔ اتنا جینے کا کیا فائدہ؟'' وہ ہنس پڑی۔ ''میں بوڑھی ہو کر بدصورت ہو جاؤں گی۔'' عمائم کی شرارت محسوس کر کے وہ بھی مسکرا دی تھیں۔

''میری بیٹی ہمیشہ خوب صورت رہے گی۔'' انہوں نے یقین سے کہا۔

''یہ تو آپ کا حسنِ نظر ہے امی!'' اس کا انداز بلا کا سادہ تھا۔ کچھ پل کے لیے وہ ساری گزشتہ الجھنوں کو بھول گئی تھی۔ ایک جامعہ بنانے کا خواب اس کے اندر روشنیاں بھر دیتا تھا۔ معاً عمائم کو دیکھتے ہی انہیں خیال آیا تھا جو بات وہ کرنے کے لیے آئی تھیں۔ وہ ذہن سے نکل گئی۔ ابھی خیال آیا تو چونکیں۔

''آج ایمان کافی دیر میرے پاس بیٹھا رہا۔'' ان کا طرزِ تخاطب ہی کچھ چونکا دینے والا تھا پھر ایمان کا ذکر اس کی تمام حسوں کو بیدار کر گیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی۔

''پھر.....؟'' عمائم تھوڑی بے چین ہوئی تھی۔ ''کیا اس نے پرانی بات دُہرائی؟''

''ہاں، لیکن انداز کچھ اور ہی تھا۔'' انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔

''کیا بات ہوئی؟'' عمائم نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''اس نے کہا'' تائی امی! زندگی میں انسان ایسی بہت سی خواہشات پالتا ہے جو پوری نہیں ہوتیں۔ پھر بھی انسان ان خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگتا ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ منزل یا رستہ اس کے لیے نہیں ہے۔ میں نے اپنی پریکٹیکل لائف میں خوابوں اور سرابوں کا کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ ہمیشہ ایک فیصلہ کر کے اس پر ڈٹا رہا ہوں۔ بابا صاحب اور تایا ابا کے کہنے پر وقتی طور پر خاموش بھی ہو جاؤں تو میری ''خواہش'' اپنا مدعا نہیں بدل رہی۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ امو کی لاکھ نفرت سہی لیکن میں اس نفرت کا سبب جانے بغیر اپنے ارادے سے نہیں ہٹوں گا۔ یہ بات میں نے امو سے بھی دوٹوک کہی ہے۔ ان کا ردِعمل وہی ایک بھیانک ''فیز'' جیسا تھا۔ تاہم وہ خاموش ضرور ہو گئیں۔ گویا میری بات نے انہیں سوچنے پر مجبور ضرور کر دیا تھا۔ عمائم کو امو کی ایک نفرت کے سبب میں کبھی نہیں ریجیکٹ کر سکتا۔ یا تو مجھے نفرت کا پروف دیا جائے یا ریزن؟ یا کوئی ایسی لاجک لائیں جو مجھے مطمئن کر سکے۔ میری ریکویسٹ اب بھی وہی ہے۔ میں عمائم سے دھواں دھار عشق نہیں کرتا۔ میں محبت کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ اگر خوش قسمتی سے میرا فیوچر میں عمائم سے کوئی تعلق بنتا ہے تو میں اس تعلق کے سبب عمائم کو ویسی ہی عزت اور مان دوں گا جس کی وہ حق دار ہوگی اور شادی کے عرصے تک اگر محبت ہو جائے تو یہ ایک اضافی بونس ہوگا۔'' وہ آخر میں شرارتی ہو گیا تھا۔ اس کی مضبوط باتوں نے میری سوچ کو تھوڑا وسیع کر دیا۔ اتفاقاً ایمان کی گفتگو بابا صاحب نے سن لی تھی پھر انہوں نے تمہارے بڑے ابا اور تایا ابا سے بھی ذکر کر دیا۔ وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بعد ازاں ایک طویل بحث و مباحثہ ہوا۔ ایک لمبی میٹنگ کے بعد گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اور بابا صاحب نے مجھے کہا کہ تم عمائم کی رائے جانو۔ اگر تو عمائم کی طرف سے مثبت جواب ملے، محض امو جیسی ذہنی مریضہ کی خاطر ایمان جیسے بہت اچھے گھر کے لڑکے کو ٹھکرانا مناسب نہیں۔ اب بتاؤ میری جان! تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے بابا صاحب سے کہہ دیا۔ مجھے عمائم کی خوشی عزیز ہے جو بھی وہ کہے۔ بابا صاحب نے جواب دیا۔ عمائم کی خوشی مقدم ہے۔'' تائی امی نے اس کا ہاتھ ملائمت سے دباتے ہوئے اتنی روانی سے سب کا لفظ لفظ نظر واضح کر دیا کہ عمائم سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

(جاری ہے)

ستار الغیوب ۲

خولہ سعید جاوید

موبائل اسکرین پر ''شایان کالنگ'' بار، بار جل بجھ رہا تھا۔ وہ بے بسی سے دیکھتی اور سوچتی رہی کہ وہ اس قابل ہے کہ فون سن سکے۔ شایان کا مخمور لہجہ محبتوں میں انفرادیت لیے مسحور کن جملے ذہن کے پردے پر آ کر مٹ رہے تھے۔

''ڈیئر کالے بادلوں میں ایک انار کلی اٹکا دوں اوہنوں تم تو خود انار کلی ہو چلو سفید گلاب سب سے انوکھا اور مختلف رہے گا۔''

''تمہاری محبت سے ہی زندگی کی ڈور بندھی ہوئی ہے۔'' رومانس اپنا سحر پھونک رہا تھا۔ نازو ادا سے پوچھا گیا۔

''کس کی زندگی کی؟''

''تمہاری ساس کی۔'' شایان نے شوخی دکھائی، دوسری طرف ہنوز مان تھا۔

''اچھا، میں سمجھی تمہاری۔''

''تم میرے لیے کیا ہو دنیا کا ہر لفظ چھوٹا پڑ رہا ہے۔'' سحر دوبارہ پھونکا گیا۔

''تم شاید دنیا کی واحد لڑکی ہو جس پر شوہر سے زیادہ ساس فدا ہے۔''

''تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟'' یہ سوال نہیں مکمل استحقاق تھا۔

''سوائے تارے توڑنے اور دودھ کی نہر بنانے کے ہر کام کر سکتا ہوں۔'' بڑی سادگی سے کہا گیا۔

''تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو؟''

''تمہاری جان تائی جی میں ہے اگر وہ پانی کی نہر میں چھلانگ لگانے کو کہیں تو لگا دوں گی کیونکہ آج کل دودھ کی نہر کا کوئی سین نہیں۔'' حاضر جوابی دونوں پر ختم تھی۔ اب اسی شایان کی کال اٹھانا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ فضا میں معلق تھی یا نہیں اب اس بات کا اندازہ لگانے کی بھی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ابھی فجر میں بہت وقت باقی تھا۔ اندھیروں سے ڈرنے والا وجود دعا گو تھا کہ اب روشنی کبھی نہیں پھیلے..... وہ کسی کو نظر نہ آئے ذہن ماضی میں گم ہو رہا تھا۔

☆☆☆

سعد اور اسد صرف ایک سال کے فرق سے تھے لہٰذا بھائیوں کی نسبت دوست زیادہ تھے دونوں ہی امن پسند تھے لہٰذا کسی تیسرے کی ضرورت نہیں تھی، ایک ہی اسکول ہر وقت ساتھ حقیقتاً یک جان دو قالب والا معاملہ تھا۔ اماں جی اور ابا جی لاہور شہر سے ذرا پرے شاہدرہ کے علاقے میں رہائش پزیر تھے۔ حیثیت میں باقی لوگوں سے اچھے تھے سو عزت دار ٹھہرے دل کے غنی اور ہاتھ کے کھلے تھے سو پیسے کی کمی اور روپوں کی... بدصورتی سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ دونوں بھائی اچھا پڑھ لکھ کر مختلف اداروں میں اچھی جاب سے لگ گئے بڑے سعد کو ایک بڑے ایکسپورٹر سے واسطہ پڑا جن کا بزنس کئی ملکوں میں پھیلا ہوا تھا اور آفسز ملک کے ہر بڑے شہر میں، چھوٹے اسد کو بہترین سرکاری جاب مل گئی۔ اماں جی نے سال بھر تو دونوں کی کمائیوں سے اپنے وہ ارمان پورے کیے جو ابا جی کے نزدیک فضول ترین تھے پھر بہوؤں کی تلاش شروع کی۔ قبل اس کے کہ سعد کے لیے کوئی لڑکی فائنل کی جاتی سعد نے اپنے باس کی بیٹی کے لیے پسندیدگی ظاہر کی۔ ابا جی تو ہتھے سے اکھڑ گئے۔ ماں، بیٹے کی آنکھوں کے رنگ سے واقف تھیں جہاں التجا نہیں بلکہ فیصلہ درج تھا۔

''چلیں دیکھنے جانے میں تو کوئی حرج نہیں کئی لڑکیاں دیکھی جاتی ہیں۔'' اماں نے امن کا جھنڈا لہرانے کی کوشش کی۔

''میں کیا پاگل ہوں جو پچھلے چھ مہینے سے بیٹے کی ترقی پر ترقی ہوتے دیکھ رہا ہوں۔'' اماں مدد کو آتیں۔

''میرا بیٹا ہے اتنا محنتی اور ذہین..... ایسے لوگوں کے بہت قدر دان ہوتے ہیں۔''

''بہت نہیں صرف اور صرف ایک۔'' ابا جی جلالی انداز میں تھے۔ اب تو پوں کا رخ سعد کی طرف تھا۔

''برخوردار، یہ بتاؤ پہلے بیٹی قدر دان بنی تھی یا باپ؟'' اس وقت سعد باپ سے بگاڑ نہیں چاہ رہا تھا اس لیے کان دبا کر سنتا رہا۔

''اس دن کے لیے اتنا قابل بنایا تھا ایک سال کی کمائی نے اسے میرے مقابل کھڑا کر دیا ہے۔'' ابا جی کی دنگر فقلی عروج پر تھی۔ چند دن گھر میں بحث بھی ہوئی، گرما گرمی بھی لیکن وہی ہوا جس کی طالب نئی نسل تھی۔ بے دلی سے اماں جی اور ابا جی باس کے محل میں پہنچے جہاں میزبانوں نے عزت و تکریم دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہاں ابا کی تھوڑی تسلی ہوئی کہ خاندانی لوگ ہیں، اماں جی کو لڑکی اور اس کی امی بہت فیشن زدہ تو محسوس ہوئیں لیکن شکر ادا کیا کہ بے حجابی نہیں تھی۔

رسمی تکلفات کے بعد شگن کے نام پر قیمتی تحائف کی بھرمار ہوئی۔ اماں جی کو صبا کی ماں کی مروت اور عاجزی کچھ زیادہ ہی بھا گئی۔ ابا جی دنیا کا ہر رنگ دیکھے ہوئے تھے۔ ہر وقت بڑبڑاتے رہتے۔

''چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات.....''

اب چھوٹے اسد کو اڑان بھرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اماں جی زیرک خاتون تھیں، ابا جی کو خوش کرنے کے لیے انہی کی بھانجی عابدہ پسند کرلی گئی جو نہایت حسین تھی۔ دونوں شادیاں نہایت دھوم دھام سے ہوئیں۔ ولیمے ایک روز ہی تھے۔ دعوتوں کے سلسلے کے بعد صبا اور سعد ہنی مون کے لیے ملک سے باہر چلے گئے کیونکہ ٹکٹ صبا کے والدین کی طرف سے تھے لہٰذا عابدہ اور اسد شمالی علاقہ جات گھوم پھر کے واپس آگئے۔ عابدہ نے آکر گھر کا کام کاج سنبھال لیا اور صبا نے اپنا بیڈ روم، دوپہر کے کھانے سے ذرا پہلے وہ اٹھتی، دودھ یا جوس کا گلاس پی کر اماں جی اور ابا جی سے گپ شپ لگاتی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر پھر شام کو ہی کمرے سے برآمد ہوتی، شام کی چائے بنا کر گھر والوں کو پلاتی پھر سج بن کے سعد کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر نکل جاتی کبھی میکے اور کبھی ہوٹل سے کھانا کھا کر آتی اگر زیادہ کام نہیں کرتی تھی تو تکلیف بھی کسی کو نہیں دیتی تھی۔ اماں جی نے بڑا کنٹرول کیا ساس والے جذبات ابلے جاتے تھے۔ دو مہینے بعد پریشر ناقابل برداشت ہوگیا۔ صبا حسب معمول گپ شپ لگا رہی تھی عابدہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اماں کا لہجہ ذرا سخت ہوا۔

''صبا بہت ہوگئی تھوڑی عابدہ کی مدد کروا دیا کرو اور نہیں تو کم از کم سعد کو ناشتا تو بنا دیا کرو۔''

''اماں جی عابدہ کو گھر کے کاموں کی عادت ہے، مجھے نہیں اور سعد میرا شوہر ہے، آپ ہم دونوں کے درمیان نہ آئیں بلکہ ہمارے ہر معاملے سے دور ہی رہیں اگر عابدہ کو ناشتا بنانا مشکل لگتا ہے تو آفس میں ڈیڈی اسے کروا دیا کریں گے مجھے روک ٹوک اور ایسے لہجے کی عادت نہیں۔'' الفاظ زیادہ خراب تھے یا انداز میں بدتمیزی زیادہ تھی اماں جی فیصلہ نہ کرسکیں۔ اس دن صبا نے دوپہر کا کھانا نہ کھایا۔ عابدہ کے دستک دینے پر بھی دروازہ نہ کھلا۔ رات کو سعد اور صبا ہنستے مسکراتے معمول کے مطابق لانگ ڈرائیو پر نکل گئے۔

اگلے دن وہی روٹین تھی اماں جی نے اطمینان کی سانس بھری۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں لیکن پندرہ دن بعد سعد کا ٹرانسفر دوسرے شہر کی برانچ میں ہوگیا۔ صبا ہنستے مسکراتے بغیر لڑائی جھگڑے کے دوسرے شہر چلی گئی اور اماں کے اندر سناٹے اتر گئے۔ اب عید تہوار کا ملنا تھا اور بہت اچھا ملنا تھا۔ عابدہ کے پاس تھوڑے وقفے میں دو بیٹیاں تھیں اور صبا کے پاس شایان، صبا ہنستے مسکراتے کبھی، کبھی پوچھتی۔ ''عابدہ کتنے اسکور کا ارادہ ہے اور کتنا ٹائم درکار ہے۔'' عابدہ کو غصہ تو بہت آتا لیکن نامی کی ہدایت تھی کہ میں تمہیں بہت جان سے لے کر آتی ہوں۔ بیٹی بنا کر کبھی بہو یا دیورانی نہ بننا لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی پی جاتی۔ صبا ہر دفعہ جاتے ہوئے معذرت کرتی۔

''اگر ہنسی مذاق میں کوئی بات بری لگ گئی ہو تو پلیز معاف کردینا چھوٹی بہن سمجھ کر مذاق کرلیتی ہوں۔'' چلو جی قصہ ہی ختم..... انہی باتوں کی وجہ سے تیسری بیٹی زری ذرا وقفے سے آئی پھر فوراً ہی بیٹا ہوگیا۔ فیملی مکمل سعد اور اسد کی ملاقاتوں میں بھی طویل وقفہ آنے لگا سعد کا ایک پاؤں ملک میں ہوتا دوسرا باہر لیکن پیار میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔ بلکہ دوری پیار کو بڑھانے لگی۔ شایان اکلوتا تھا ماں کے مزاج کا مکمل عکس..... رکھ رکھاؤ سعد کا سا اس لیے تکلف خود بخود پیدا ہونے لگا۔ صبا نے شایان کو جو بنانا چاہا وہ وہی بن گیا۔ ابا جی بڑے بیٹے بہو اور پوتے سے بہت محتاط طریقے سے ملتے۔ ماں، باپ دونوں دو چار دفعہ سعد کے اصرار پر اس کے گھر رہنے بھی گئے۔ ابا جی، اماں جی آگے پیچھے دونوں دوسرے جہاں سدھارے تو عید تہوار پر آکر رہنے والا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ سعد بھائی سے ملنے آتا لیکن صبا اور شایان کے بغیر ہی صبا کو اگر اپنی سسرال میں کسی سے لگاؤ تھا تو وہ زری تھی، وہ سورج کی پہلی کرن جیسی سنہری اور بے حد معصوم بچی تھی۔

ابا جی کے بعد سعد نے بھی جانے میں جلدی کی اور یوں عید ملاقات بھی ختم ہوگئی۔ صبا کبھی، کبھار موڈ میں ہوتی تو شایان کو چچا سے ملوانے لے آتی۔ بہت سال گزرنے کے بعد جب عابدہ اپنی دو بیٹیوں کی شادی کرچکی تو صبا اپنے بیٹے کے ساتھ آئی۔ اب اس

میں نزاکت کے ساتھ کمزوری بھی شامل تھی۔ شایان جب میرے چچا جان کہہ کر گرمجوشی سے اسد سے ملا تو چچا کی ساری ناراضی جاتی رہی باقی کا دل شایان کے اس جملے نے پانی بنا دیا۔

''آپ میں سے ڈیڈ کی خوشبو آتی ہے، آپ کے گلے مل کر یوں لگ رہا ہے جیسے ڈیڈ سے مل رہا ہوں۔'' یہ جذباتی جملہ اسد نہ سہہ سکے جواباً انہیں شایان میں سعد نظر آنے لگا۔ اتنے سالوں کا میل دونوں طرف سے رونے کے بعد ڈھل گیا۔ صبا نے بتایا کہ وہ مستقل پاکستان آکر رہنے لگی ہیں البتہ شایان اپنے بزنس کی وجہ سے آتا جاتا رہتا ہے۔ بڑی دیر ایک دوسرے سے گلے شکوے ہوتے رہے۔ صبا اب بدل چکی تھی۔ بڑھاپے میں انسان ویسے بھی اپنے اصل کی طرف آتا ہے۔ اب وہ مذہبی بھی ہوگئی تھی اور اسد سے نیا تعلق شایان اور زری کی شادی کی شکل میں جوڑنا چاہتی تھی۔ عابدہ مشکوک تھی کہ اتنے سالوں بعد ایسی محبت کہ بیٹے کی شادی پر تیار لیکن اسد کے سامنے مجبور تھی لہٰذا جلد ہی بہت دھوم دھام سے شادی کردی گئی۔ زری کی آنکھوں کے چمکتے ستارے سب بہت اچھا ہے کی نوید دیتے اور شایان اور صبا کا رویّہ بھی بہت اچھا تھا۔ ہفتے میں ایک دن شایان، زری کو امی کی طرف چھوڑ دیتا اور رات کو لے لیتا۔ اس کے بزنس کے فارن ٹورز بھی چلتے رہتے۔ شایان کا مستقبل میں باہر رہنے کا ارادہ تھا۔ دونوں نے باہمی رضامندی سے باہر سیٹ ہونے پر فیملی بڑھانے پر اتفاق کیا۔ تائی جی (صبا) کی حالت روز بروز بگڑتی جارہی تھی۔ جگر کا کینسر تشخیص ہوا مرض آخری اور لاعلاج مرحلے پر تھا۔ زری جی جان سے خدمت کررہی تھی۔ تائی جی ہر وقت روتی اور دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ عابدہ اور سعد جلدی، جلدی چکر لگانے لگے۔ صبا ان سے ہاتھ باندھ کر اپنی ہر زیادتی کی معافی مانگتی اور تو اور زری سے بھی معافی مانگنے لگتی۔ پہلے تو زری حیران ہوتی کہ میرے ساتھ کیا زیادتی کی ہے۔ شایان یہ سب دیکھ کر بہت دکھی ہوتا اور زری کو سمجھاتا کہ......

''رونے سے ممی کی حالت اور خراب ہوجاتی ہے۔ فوراً انہیں معاف کردیا کرو۔'' لہٰذا جونہی تائی جی ہاتھ باندھتیں زری فوراً سے پیشتر انہیں معاف کردیتی۔ تائی جی بہت رقیق القلب ہوچکی تھیں ہر وقت شایان سے زری کی خوشیوں کی بات کرتیں۔ ایک دن تو حد ہوگئی جب چوبیس گھنٹوں کی مسلسل تکلیف میں زری نے ایک لمحے کے لیے بھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا تو شایان کے آنے پر تائی جی ہاتھ باندھ کر بیٹے کے سامنے زری کی خوشیوں کی بھیک مانگنے لگیں۔

''تم وعدہ کرو، میرے بعد کبھی زری کو اکیلا نہ چھوڑوگے۔ نہ کوئی دکھ نہ دوگے......اگر میری کوئی سگی بیٹی بھی ہوتی تو شاید اتنی خدمت وہ بھی نہ کرتی۔'' شایان نے ان کے بندھے ہاتھ کھولے۔

''میں وعدہ کرتا ہوں، زری کے معاملے میں کوئی زیادتی نہیں کروں گا۔''

''میں زیادتی کی بات نہیں کررہی، خوشیوں کی بات کررہی ہوں۔ میرے مالک مجھے معاف کردے۔ شایان اپنا وعدہ پورا کرنا کہیں قیامت کے دن مجھے زری گریبان سے نہ پکڑ لے۔'' یہ ان کے آخری الفاظ تھے جو زری نے سنے......رونے سے سانس اکھڑنے لگی فوراً اسپتال شفٹ کرنا پڑا۔ ایک رات ICU میں رہ کر وہ اپنے اگلے سفر پر روانہ ہوگئیں۔ شایان کا سارا ننھیال باہر ہی تھا چند قریبی رشتے دار جنازے میں شامل ہوئے جن کے انداز واطوار دیکھ کر زری دل ہی دل میں تائی جی کی اور احسان مند ہوئی جنہوں نے شایان کے لیے اس کا انتخاب کیا۔ زری کو چند مہینوں میں ہی تائی جی سے اتنی محبتیں اور دعائیں ملی تھیں کہ وہ بھی شایان جتنی ہی دکھی ہورہی تھی۔ ہفتہ دس دن بعد شایان کی باہر کی سیٹ بک تھی۔ بزنس ڈیل کے لیے جانا ضروری تھا۔ بہت سی تسلیوں اور دلاسوں کے ہمراہ وہ رخصت ہونے کو تھا۔ صبح چار بجے کی فلائٹ تھی۔ جاتے ہوئے وہ بھی نہایت دکھی تھا اور تائی جی کے انداز میں اس سے معافی طلب کرتے ہوئے دو لفافے آگے بڑھائے۔

''مجھے واپسی میں کچھ ٹائم لگے گا میرے جاتے ہی انہیں کھول لینا تاکید ہے بہت ضروری کاغذات ہیں اور

ہاں چچا جان اور چچی کو یہیں بلا لینا کہیں وہاں نہ چلی جانا۔ ان کو یہیں اپنے ساتھ رکھنا۔'' زری دل ہی دل میں نازاں ہوئی اسے میرا کتنا خیال ہے ڈرائیور کے گاڑی باہر نکالتے ہی اس نے بے چینی سے پہلا لفافہ کھولا جس میں پنک چیک بکس اور گھر کی رجسٹری کے کاغذات تھے جو عابدہ کے نام تھے شایان کی محتاط طبیعت پر اسے بے اختیار پیار آ گیا۔ دوسرا لفافہ کھولتے ہی زمین اپنی جگہ سے ہٹ کر اسے فضا میں معلق کر گئی۔ طلاق نامے کے ساتھ شایان کی تحریر تھی۔

''ڈیئر زری..... میں ساری عمر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ ممی کا لاعلاج ہونا اور انہیں تنہا چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اکیلے ہونے کی وجہ سے بزنس بھی لمبے عرصے تک نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ممی آخری خواہش کے طور پر پاکستان میں ڈیڈ کے ساتھ ہی دفن ہونا چاہتی تھیں۔ آ کر چچا جان سے ملنے گئیں تو بے اختیار ہی تمہیں مانگ بیٹھیں۔ مجھے ان کے جذباتی فیصلے سے بہت اختلاف تھا لیکن ان کی قسم کے آگے مجبور ہو گیا کیونکہ میری خالہ زاد منگیتر پہلے ہی امریکا میں موجود ہے۔ بعد میں، میں ممی کی ذہانت کا قائل ہو گیا تم بہترین بہو ثابت ہوئیں آخر میں ممی کے اتنا جذباتی ہونے پر یہ گھر تمہارے نام کر رہا ہوں چیک بکس میں جتنی چاہے رقم بھر لینا۔ تم نے ممی کا آخری ٹائم آسان کیا۔ اللہ تمہاری زندگی بھی آسان بنائے گا۔ اس شاندار گھر اور پنک بیلنس کے ساتھ کسی کی بھی بہترین رفاقت تمہیں میسر ہو جائے گی۔ چچا جان کو پرانے محلے سے نکال کر اپنے ساتھ رکھ لینا۔ مجھے معاف کر دینا۔''

''شایان تم ایک دفعہ کہتے شایان میرے ماں، باپ غیر مشروط طور پر ہی تائی کو آخری وقت میں سنبھال لیتے، اتنے بڑے ڈرامے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔'' زری کے دل سے بار، بار صدا نکل رہی تھی۔

اچانک گیٹ زور و شور سے بجایا جانے لگا چوکیدار نے کھولا تو ماں روتی پیٹتی نظر آئی۔

''ماؤں کے دل بیٹیوں سے اتنے جڑے ہوتے ہیں۔'' زری کے دل کو کچھ ہوا۔ عابدہ نے قریب آ کر زری کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

''بیٹی قیامت گزر گئی۔ ہم تمہاری تنہائی کی وجہ سے جاگ رہے تھے تمہارے ابو نے وقت گزاری کے لیے ٹی وی چلایا۔'' یہ کہہ کر عابدہ دھاڑیں مار، مار کر رونے لگی۔

''پھر کیا ہوا؟'' زری کے دل نے سرگوشی کی نظر اٹھا کر باپ کو دیکھا جو برسوں کے بیمار نظر آ رہے تھے اور بیٹے کے سہارے سے چلے آ رہے تھے۔

''پھر یہ روح فرسا خبر چلی کہ شایان والی فلائٹ اڑنے کے چند منٹ کے اندر، اندر فنی خرابی کی وجہ سے فضا میں ہی پھٹ گئی جس کی وجہ سے کسی مسافر کے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہیں۔'' امی کیا کہہ رہی تھیں زری کا دماغ اب سوچنے کے قابل ہو رہا تھا۔ ابو نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ زری کے سر پر رکھ دیا۔ زری نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں پردہ رکھنے والی ذات نے رات کی سیاہی کو سر کا کر نور کا پردہ اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' زری کے منہ سے بے اختیار نکلا اور دونوں لفافے ہاتھ میں اٹھا کر فوراً اندر کی طرف چلی۔ عابدہ نے حیران ہو کر بیٹی کو دیکھا۔

''کہاں جا رہی ہو اور کیا کہہ رہی ہو؟''

''جی دو رکعات نوافل شکرانہ پڑھنے جا رہی ہوں۔'' عابدہ نے بے اختیار سر پر ہاتھ مارا۔

''میرے مالک رحم کر میری بیٹی حواسوں میں نہیں رہی۔'' زری نے اندر جا کر سب سے پہلے گھر کی رجسٹری اور چیک بکس الماری میں رکھیں۔ پھر طلاق نامہ ٹکڑے، ٹکڑے کر کے باتھ روم میں جا کر فلش کر دیا۔ وضو کر کے باہر نکلی اور رب کے حضور جھک گئی۔

''اے میرے رب بے شک تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ تو ذرہ برابر بھی نیکی رائگاں نہیں جانے دیتا۔ تائی جی اور شایان کی مغفرت فرما..... اے ستار العیوب تیری رحمتیں بے شمار..... بے شک تو عیب چھپانے والا اور پردہ رکھنے والا ہے۔''

عابدہ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جس کا دماغ شدید صدمے کے باعث خراب ہو چکا تھا۔

بوجھ

روحیلہ خان

دوسرا حصہ

''کیا اتنی ہی بے عزتی لکھی تھی قسمت میں..... وہ بھی ایک دوسرے ملک میں..... ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا..... کیوں..... کاش ایسا نہ ہوا ہوتا..... اب اس کمپنی کے ساتھ مزید کام کرنا شاید ممکن ہی نہیں..... شاید کیوں..... یقیناً.....''

''ایکسکیوزمی میم.....!'' اس کے نزدیک کھڑی ایک خاتون نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ اپنے خیالات کے سمندر سے نکلی۔ اس نے دیکھا سامنے گاڑی

میں شرجیل احمد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مسکراتا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ خاتون نے اسے اشارے سے بتایا کہ وہ اسے بلا رہا ہے، وہ ایک روبوٹ کے مانند چلتی ہوئی گئی اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ وہ حیران سا اسے دیکھتا رہا..... ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسے اسٹاپ پر کھڑا دیکھ کر اس کے ذہن میں شرارت ابھر رہی تھی لیکن نہ ہی وہ چڑی اور نہ ہی اس نے کوئی احتجاج کیا..... بلکہ حیرت انگیز طور پر خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ اس کے اندر کی اذیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا..... اس نے خاموشی سے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی..... منظر بدل رہے تھے ارد گرد گاڑیاں زن، زن کر کے گزر رہی تھیں۔

''کیسی ہیں آپ.....؟'' خاصی دیر سے خاموشی کی چادر تنی تھی، مجبوراً اسے ہی پہل کرنا پڑی لیکن وہ ایک ٹک شیشے کی اور دیکھتی رہی..... آج ایسا کیا ہوا کہ وہ اس طرح بی ہیو کر رہی ہے..... اسے ٹینشن سی ہو رہی تھی۔

''قرۃ العین..... پلیز کچھ تو بولیے..... مجھے..... مجھے ٹینشن ہو رہی ہے۔'' وہ پھر بھی خاموش رہی اور پھر اس کے شانے پر سر ٹکا کر بری طرح رونے لگی۔ اسے اس طرح روتا دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گیا، گاڑی ڈرائیو کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو نارمل کیا۔ وہ اس اچانک کی دھواں دھار بارش پر حیران، پریشان تھا لیکن اس کے اپنائیت بھرے رویے نے اسے بہت حوصلہ دیا۔ اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور ایک محفوظ مقام پر گاڑی روکی..... وہ ابھی تک اس کے شانے سے لگی بچوں کے مانند سسک رہی تھی۔

''قرۃ العین..... پلیز اس طرح تو نہ روئیں..... مجھ سے آپ کے آنسو دیکھے نہیں جا رہے.....'' اس نے نرمی سے اسے دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ وہ بہادر، بے باک سی لڑکی بچوں کی طرح یوں روتی بہت خوب صورت دکھائی دی۔ اس کے کہنے کا اس پر کچھ اثر ..... ہوا اور اس نے اپنے رونے کو ذرا کنٹرول کیا۔ غالباً اسے خود اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری..... شرجیل صاحب..... بس مجھے رونا آ گیا.....'' اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

''کوئی کسی کے شانے پر اپنا سمجھ کر ہی سر رکھ کر روتا ہے..... اور آپ نے مجھے اس قابل سمجھا..... اب پلیز مجھے بتائیں کہ ایسا کیا ہوا کہ جس نے ایک بولڈ اینڈ بریو گرل کو یوں رونے پر مجبور کر دیا۔'' اس نے نہایت ملائمت سے پوچھا اور وہ اسے سب کچھ بتانے لگی۔ شرجیل احمد کے ماتھے پر سلوٹیں سی پڑ گئیں..... غصے سے اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں اور پھر وہ چپ ہو گئی۔

''کیا کوئی اس قدر بھی گری ہوئی حرکت کر سکتا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

''میں، میں بہت پریشان ہوں.....'' ایک بار پھر اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا..... اب مزید پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا..... یہ پاکستان نہیں ہے قرۃ العین..... قانون کی گرفت بہت مضبوط ہے یہاں لیکن پھر بھی..... پھر بھی لوگ کہیں باز نہیں آتے..... آپ فکر نہیں کریں۔ آپ کی دوسری جاب بس یہ ہی مسئلہ ہے ناں.....؟ ایک آدھ دن میں وہ بھی حل ہو جائے گا.....''

''میں صبا سے کیا کہوں..... وہ کیا سوچے گی میرے بارے میں.....'' اسے صبا کی بھی فکر لاحق تھی اور پھر اس کا شوہر عماد..... وہ پھر اندیشوں میں گھر گئی۔

''آپ صبا سے بہانہ بنا دیجیے گا.....'' وہ سوچتا ہوا بولا..... ''ہاں، آپ کہہ دیں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے..... سر میں درد..... بلکہ..... ٹینا کی طرح ہی پیر میں موچ.....'' ٹینا کا نام آتے ہی اس نے ایک گہری سانس بھری۔

''اس ٹینا کی بھی کوئی اور ہی اسٹوری ہے..... خیر..... دیکھ لیں گے۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

''شرجیل صاحب..... سب ٹھیک ہو جائے گا

ناں.....'' اس نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے اس کی جانب بڑی امید سے دیکھا جیسے اس کا اقرار اس کی تقدیر بدل دے گا۔

''بالکل..... آپ یوں سمجھیے جیسے سب کچھ ٹھیک ہوگیا..... اور پلیز مجھے شرجیل صاحب کہہ کر تو نہ مخاطب کریں..... آپ یقین جانیں میری عمر اتنی نہیں ہے..... میں بہت ننھی عمر کا ہوں..... ابھی تو میرے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔'' اس کے اس اندازِ گفتگو پر وہ بے اختیار مسکرا اٹھی۔

''چلیے..... کسی بہانے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی..... ویسے آپ روتی ہوئی بھی اتنی بری نہیں لگتیں.....'' وہ پھر سے پرانے ٹریک پر چل پڑا لیکن اس بار اسے بالکل بھی چڑ نہیں ہو رہی تھی وہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔

''مسٹر شرجیل.....'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

''نہ..... یہ مسٹر بھی میرے نام کے ساتھ سوٹ نہیں کرتا۔ صرف شرجیل..... یعنی یاد رہے گا ناں.....'' اس نے تصدیق چاہی۔

''اوکے..... دیکھتے ہیں.....'' وہ ذرا اترا کر بولی۔

''اجی دیکھتے کیا ہیں ابھی تو مجھے سخت بھوک لگی ہے..... تو چل کر کچھ کھانا ہے..... آپ کو کیا پتا کہ میں کتنی لمبی میٹنگ اٹینڈ کر کے آرہا تھا..... بچی کو کھڑا دیکھ کر سوچا کہ ذرا بچی کو چھیڑ لیا جائے.....''

''بچی..... کون بچی.....؟'' اس کو ذرا حیرت ہوئی کہ یہ آخر کس بچی کی بات کر رہا ہے وہ۔

''یہ ہی بچی جواب میرے برابر میں بیٹھی ہے۔'' اس نے ذرا شوخی سے کہا تو بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھا۔

''شرجیل کے بچے.....'' پھر اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ وہ اس صورتِ حال سے بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

''شرجیل کی تو شادی بھی نہیں ہوئی ابھی..... اور آپ نے یہاں میرے بچے بھی کرا دیے۔''

''اونو.....'' اسے خفت سی ہوئی اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

وہ ایک خوش باش، زندہ دل انسان تھا جسے زندگی کے رنگوں سے جی بھر کر کھیلنے کا گُر آتا تھا واقعی اس نے چھوٹی سی عمر میں بہت ترقی کر لی تھی۔ پچھلے پانچ سالوں سے وہ یہاں اپنا بزنس چلا رہا تھا۔ قدرت اس پر مہربان تھی اس نے اپنی خوش مزاجی سے اس کے دکھے دل پر مرہم سا رکھ دیا تھا۔ اسے اس کی سنگت میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تیز چمکدار دھوپ سے نکل کر سایہ دار درخت کی چھاؤں میں چلی آئی ہو..... وہ اس کی زندگی کی ایک خوب صورت یادگار شام تھی جس دن کا آغاز ٹینشن اور دکھ تکلیف سے ہوا تھا اب اس کے سر پر مہربان، محفوظ شام اسے زندگی کی دھیمی، دھیمی ٹھنڈی چھاؤں کی تھپکیاں دے رہی تھیں۔

جب اس نے اپارٹمنٹس کے باہر اسے ڈراپ کیا تو اس وقت وہ ایک مسکراتی نارمل سی قرۃ العین تھی۔ جس نے زندگی کی بلندیوں کو تسخیر کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟'' شرجیل احمد کی نظروں میں التجا سی تھی اس کا دل موم کے مانند پگھلنے لگا۔

''کل..... لیکن.....؟''

''لیکن ویکن کچھ نہیں..... تم مجھ سے کل مل رہی ہو..... تیار رہنا، میں شام کو تمہیں پک کروں گا..... اور ہاں لڑکیوں کی طرح تیار... رہا کرو..... تم سے کسی نے غلط کہا ہے کہ میک اپ کر کے تم عورت لگتی ہو.....''

''شرجیل کے بچے.....'' اس کا مکا فضا میں اٹھا۔

''لو جی..... پھر سے بچے..... یار ابھی تو میں کڑی پٹانے کی کوشش کر رہا ہوں..... پہلے یہ اسٹیپ پار کر لوں پھر شادی بھی کر لوں گا..... یہ تو بہت بعد کا.....'' اس کے مسکرانے پر وہ شرم سے پانی، پانی ہوگئی۔

''اچھا میں چلتی ہوں.....'' وہ جانے کو مڑی تو اس نے بلند آواز سے کہا۔

''آئی لو یو عینی.....'' وہ ذرا رکی غالباً اس کے کان بج رہے تھے کہ آواز پھر ابھری۔

''رئیلی آئی لو یو.....'' وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ٹیک لگا کر اس کے

جواب کا انتظار کرنے لگا۔ وہ حیران سی اس کی جانب مڑی..... شرجیل احمد کی نگاہوں میں محبت کے دیپ روشن تھے۔ شاید وہ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھا کہ اسے پا کر کھو دینے کا تصور ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

''وہاٹ.....؟'' اس کے حیران لبوں سے اتنا ہی نکلا۔

''ہاں عینی.....! مجھے خود بھی نہیں پتا کہ مجھے کب تم سے محبت ہوگئی شاید پہلی ہی ملاقات میں..... یا آج.....'' وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

''مجھ سے شادی کروگی.....؟'' اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''شادی.....'' وہ گومگو کی سی کیفیت میں تھی..... پہلے محبت اور پھر اچانک ہی شادی کا پیغام اسے شرجیل احمد کا اس کے ہاتھ کو تھامنا ناگوار محسوس نہیں ہوا..... یہ سب کیا تھا، فرسٹ سائٹ لو یا کچھ اور.....

''ہاں عینی..... ہم..... ہم شادی کرلیں گے.....'' ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبت کے اقرار کے لیے لفظوں کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی شاید ان دونوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔

''لیکن شرجیل.....'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''ہاں عینی..... کیا تمہیں میرے دل کی، میرے جذبوں کی صداقت پر یقین نہیں آرہا..... کیا تمہیں میں جھوٹا..... میں جھوٹا لگتا ہوں تمہیں.....'' وہ حد سے زیادہ ایموشنل ہو رہا تھا۔

''نہیں شرجیل..... ایسا نہیں ہے..... لیکن شادی کا فیصلہ بہت بڑا ہوتا ہے، آپ جھوٹ نہیں بول رہے..... میں آپ کے دل کی سچائی کو محسوس کرسکتی ہوں.....'' اسے سچ بولنا ہی پڑا کیونکہ اس کی بڑی، بڑی آنکھوں میں سچائی صاف نظر آرہی تھی۔

''پھر..... پھر کیا عینی..... ہم دونوں میچورڈ ہیں..... شادی کا فیصلہ کرسکتے ہیں.....'' وہ اپنے بے قرار دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کرایا۔

''پھر بھی شرجیل.....! پلیز مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت تو چاہیے..... یوں چند گھنٹوں کی ملاقات میں زندگی کا اتنا اہم فیصلہ میں نہیں کرسکتی.....''

''اوکے..... ٹیک یور ٹائم..... لیکن یاد رکھنا..... تمہاری ہاں میں میری زندگی ہے۔'' اسے اپنے آپ سے الگ کرنا اس کے لیے وبال ہی تو تھا محبت نے اسے جیسے مفلوج کردیا تھا۔

''اوکے..... کیا اب میں جاؤں.....!'' وہ اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ مسکرا دیا۔

''اوکے..... جاؤ..... ٹیک کیئر.....'' وہ اسے بڑی امید سے جاتا دیکھتا رہا اور وہ اس عجیب و غریب شخص کی محبت کے بارے میں سوچتی لفٹ کی جانب بڑھی۔

اپارٹمنٹ پہنچی تو صبا اور عماد غائب تھے۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو خجالت سی محسوس ہوئی آج اسے لوٹتے خاصی تاخیر ہوچکی تھی۔ یقیناً دونوں میاں، بیوی اس کا انتظار کرتے رہے ہوں گے اس نے سوچا اور اپنا سیل فون نکالا تو صبا کا پیغام دیکھا۔

''عینی ڈیئر.....! عماد کے فرینڈ کے ہاں پارٹی میں جارہی ہوں، دیر سے واپسی ہوگی فریج میں کھانا رکھا ہے۔''

پیغام بھیجنے کا وقت تو دوپہر کا تھا..... وہ سوچ میں پڑ گئی کہ یہ اچانک ہی پارٹی کہاں سے کود گئی پھر اس نے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ ڈالا۔ شاور لیا، کپڑے تبدیل کیے اور اپنے لیے چائے تیار کی، ٹیٹا کی دی ہوئی ذلت کے گھیرے سے نکل کر وہ شرجیل کی پُراثر محبت اور پروپوزل کے بارے میں سوچنے لگی۔

''کیا خبر میں یہاں ملائشیا میں اسی لیے آئی ہوں..... رب العزت نے یہیں میرا نصیب لکھا ہو.....'' شرجیل کی شخصیت نے اس کے خیالات کا حصار کر رکھا تھا اس سے پہلی بار ائرپورٹ پر ہونے والی ملاقات دماغ کی اسکرین پر فلم کے مانند چل رہی تھی۔ وہ مسکرا اٹھی۔ اتنے میں اس کا سیل فون بجا، ایک انجانا نمبر تھا، اس نے چائے کا کپ وہیں ٹیبل پر رکھا اور فون ریسیو کیا۔

''ہیلو.....''

''رابعہ بات کررہی ہوں..... پہچانا مجھے.....''

''رابعہ.....'' وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولی لیکن ذہن کے کسی گوشے نے رابعہ سے شناسائی کی گواہی نہ دی۔

''میں نے تمہیں اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دیا تھا..... یاد ہے یا بھول گئیں.....'' اس کے یاد دلانے پر دبلی پتلی جسامت کی وہ خاتون ذہن میں ابھری جنہوں نے پہلی بار ہی اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔

''او ہاں..... یاد آیا..... آپ نے اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دیا تھا..... کیسی ہیں آپ..... آپ کو..... میرے فون نمبر کا کیسے پتا چلا.....؟'' اسے خوب اچھی سے یاد آگیا تھا کہ اس مختصر سی ملاقات میں اس نے اپنا کوئی کانٹیکٹ رابعہ کو نہیں دیا تھا، تجسس کا عنصر اسے حیران کررہا تھا۔

''یہ بات میرے لیے مشکل نہیں ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم تو بہت مطمئن سی لگ رہی ہو۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو.....'' اس کے اس قسم کے ریمارکس نے اسے کچھ اور بھی حیران کردیا۔

''میں سمجھی نہیں رابعہ صاحبہ.....! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔''

''قرۃ العین..... آج آفس میں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا مجھے سب خبر ہے..... میرا خیال تھا کہ تم بہت ڈپریسڈ ہوگی..... ابھی تک رو رہی ہوگی..... لیکن..... اینی وے..... اب تم نے کیا سوچا ہے؟'' اس نے ذرا تامل بھی نہ کیا اور سب کچھ بتا بھی دیا اور پوچھ بھی لیا۔

''جب آپ جانتی ہی ہیں تو آپ کو کیا بتانا..... میں واقعی بہت ڈپریسڈ تھی لیکن..... ایک فرینڈ نے میری بہت ہیلپ کی اس ٹینشن سے نکلنے میں..... اور کرنا کیا ہے..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا..... آپ یقین جانیے میں نے کوئی چوری.....''

''جو ہوا جانے دو..... میں تمہاری نئی جاب دلانے میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں.....''

''رئیلی..... کیا واقعی آپ میری..... میری ہیلپ کریں گی۔'' ایک حیرت انگیز خوشگواری نے اسے جیسے نازک سے پر جتنا ہلکا کردیا تھا۔

''سیلری کچھ کم ہوگی..... جاب کٹیگری بھی کچھ ہلکی ہوگی..... لیکن تمہیں کچھ وقت چاہیے کسی اور اچھی جاب ڈھونڈنے کے لیے..... لیکن فی الحال تمہارے لیے جاب اہم ہے..... گھر بیٹھو گی تو نقصان ہوگا تمہارا.....''

''جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے..... پلیز آپ مجھے بتایئے میں کم تنخواہ پر بھی فی الحال کام کرلوں گی.....'' وہ خوشی سے بولی۔

''ٹھیک ہے، تم پیسوں کا بندوبست کرلو..... جاب ریڈی ہے۔'' وہ خالصتاً کاروباری انداز میں بولی۔

''پیسوں کا بندوبست..... کتنے..... پیسے اندازاً؟'' وہ کچھ اٹکتے ہوئے بولی تو یہ ماجرا ہے۔ اب اس پر رابعہ کی مہربانی کا عقدہ کھل رہا تھا۔

''یوں سمجھو... کہ پاکستانی ڈیڑھ، سوا لاکھ، ویسے میرے پاس بغیر پیسوں کی بھی جاب ہے اگر تم چاہو..... کیونکہ ضرورت مندوں کے لیے ہمارے پاس الگ سے ڈسکاؤنٹ ہے.....'' وہ اپنی مہربانیوں کی تفصیلات بیان کررہی تھی۔

''لاکھ..... ڈیڑھ لاکھ..... یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔'' وہ ذرا منمنائی..... اتنا بڑا خرچہ اور اس کی جیب خالی تھی۔

''سوچ لو..... میں تو پرائیویٹ ایجنٹ ہوں سمجھو..... اپنی لڑکیوں کے لیے ویسے ہی دل بڑا نرم ہے۔''

''آپ نے بغیر پیسوں والی جو بات بتائی ہے..... اس کی تنخواہ تو ملے گی ناں.....؟''

''ہاں، ہاں..... کیوں نہیں خاصی تگڑی تنخواہ ملے گی..... لیکن بھئی تم اگر اپنی رضامندی سے کرنا چاہو تو..... ہم زور زبردستی کے قائل نہیں ہیں۔'' وہ کسی بنیے کے مانند پٹر، پٹر بول رہی تھی۔

''جی.....'' اس کے ذہن میں بڑی زور کا جھٹکا سا لگا۔

''ہاں، بعد میں کمیشن طے کرلیں گے.....'' وہ بڑے رسان سے بولی۔

''آپ..... کس قسم کی جاب کی بات کررہی ہیں۔''

''مساج وغیرہ تو کرسکتی ہوناں..... کوئی مشکل کام نہیں ہے جلد سیکھ جاؤ گی.....''

''آپ کیسی بات کررہی ہیں..... میں ایک پڑھی لکھی عزت دار گھرانے کی لڑکی ہوں..... اپنے ملک سے اتنی دور یہ گراہوا گھٹیا کام کرنے نہیں آئی، سنا آپ نے.....'' وہ غصے میں بولے جارہی تھی جبکہ دوسری جانب سے فون بند کردیا گیا تھا۔ اسے جتنی گالیاں یاد تھیں سب رابعہ کو بک ڈالیں۔ آخر کیا سمجھ کر اس نے اس قسم کی گھٹیا آفر کی تھی اس کا وجود غصے سے سلگ رہا تھا..... چائے رکھے، رکھے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ اس نے کپ لبوں سے لگایا لیکن اس وقت وہ چائے اسے زہر محسوس ہورہی تھی۔ اس نے دوبارہ کپ وہیں رکھ دیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

☆☆☆

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے کسلمندی سے سر اٹھایا۔ صبا شب خوابی کے لباس میں کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے ٹیبل پر رکھی کلاک پر نظر ڈالی، خاصی صبح ہوچکی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری.....؟'' صبا نے اس کی جانب جھکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں کچھ حرارت سی محسوس ہورہی ہے.....'' اس کے کہنے پر صبا نے اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''واقعی تمہیں تو بخار ہے میں ابھی تھرما میٹر لے کر آتی ہوں.....''

''ارے نہیں میری جان..... ابھی ناشتا کرکے ایک ٹیبلیٹ لے لوں گی۔''

''اپنی صحت کی جانب سے اتنی بے پروائی اچھی نہیں ہوتی..... میں ابھی تمہارے لیے ناشتا لے کر آتی ہوں تاکہ جلدی سے تم دوائی کھالو..... آفس جانے کے بارے میں تو سوچنا بھی نہیں.....'' اس نے تاکید کی۔

''اچھا میری ماں.....'' اس کی اس محبت پر وہ مسکرادی۔

''کیا میں ٹھیک کررہی ہوں..... کیا مجھے واقعی آفس نہیں جانا چاہیے..... ورنہ وہ لوگ کیا خیال کریں گے کہ واقعی میں نے..... نہیں، نہیں جب میں قصوروار ہی نہیں ہوں تو پھر ڈر کیسا..... لیکن مجھے میڈم روبانہ کو انفارم ضرور کرنا چاہیے۔'' اس نے سوچتے ہوئے اپنا سیل اٹھایا ابھی اس نے نمبر ڈائل بھی نہیں کیا تھا کہ میڈم روبانہ نے خود ہی کال کرلی۔

''بڑی لمبی عمر ہے آپ کی میڈم..... میں ابھی آپ کو کال ہی کررہی تھی۔''

''مجھے تمہاری بڑی فکر تھی قرۃ العین..... کل تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا..... لیکن آج تم اس وقت گھر پر..... کیا ڈر گئیں تم ٹینا کی اسکیموں سے..... تمہیں ہرگز پیچھے نہیں ہٹنا.....''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں میڈم.....! لیکن اس وقت میں آفس آنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں..... مجھے فیور ہے..... اور جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو ڈر کیسا؟'' اس کے اندر کی بہادر لڑکی پٹ سے بولی۔

''گڈ گرل..... مجھے تم سے اسی بہادری کی امید تھی۔ تم آرام کرو..... لیکن جب ٹھیک ہوجاؤ تو آفس ضرور جوائن کرنا..... اوکے بائے.....''

''اوکے میڈم.....'' اس نے مسکراتے ہوئے فون آف کیا... میڈم روبانہ کے حوصلہ دلانے پر اسے بہت سکون سا محسوس ہوا تھا ایسے جیسے دہکتی آگ سے نکل کر کسی پُرفضا ماحول میں آگئی ہو..... اتنے میں صبا ناشتے کی ٹرے لیے نمودار ہوئی۔

''کس کا فون تھا عینی؟''

''میڈم روبانہ کا..... بہت اچھی خاتون ہیں۔''

''او تمہاری انچارج..... واقعی اچھی ہیں تب ہی تو فون بھی کرلیا.....'' صبا نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں واقعی..... صبا! تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو..... کوئی سگا رشتہ بھی اس طرح نہیں کرسکتا..... تھینک یو.....'' وہ تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سگے رشتوں میں تھینک یو نہیں چلتا..... اب تم

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

پاکستان

میں کچھ عرصے سے

مختلف مقامات سے یہ شکایت موصول ہو رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو اسٹال پہ پرچا نہیں ملتا اس سلسلے میں ادارے کے پاس دو تجاویز ہیں۔

آپ اپنے قریبی دکان دار کو ایڈوانس
100 روپے
ادا کر کے اپنا پرچا بک کروالیں۔

یا

ادارے کو 1500 روپے
بھیج کر سالانہ خریدار اور
750 روپے ادا کر کے 6 ماہ
کے لیے بھی خریدار بن سکتے ہیں
اور گھر بیٹھے پورے سال اپنے
پسندیدہ ڈائجسٹ وصول کرسکتے ہیں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

اٹھو...... جلدی سے کچھ کھاؤ اور یہ ٹیبلیٹ رکھی ہے اچھے بچوں کی طرح اسے بھی کھا۔

''اوکے میڈم......! جیسا آپ کا حکم......'' وہ باتھ روم جانے کے لیے اٹھی کچھ توقف کے بعد لوٹی تو صبا وہیں بستر پر بیٹھی گہری سوچ میں گم تھی اسے کچھ اچنبھا سا ہوا۔

''کیا بات ہے میڈم......! بڑی سیریس لگ رہی ہو...... اور تم آج آفس نہیں جا رہیں، کہیں میری وجہ سے تو ٹلا نہیں مار لیا۔''

''ارے نہیں یار...... بس کچھ پریشان سی ہوں۔''

''ہاں تو بتاؤ ناں......'' وہ دھپ سے بستر پر بیٹھی اور کھانے کے لیے سلائس اٹھایا۔

''میں اب مزید یہاں جاب نہیں کرسکتی۔ مجھے ریزائن کرنا ہوگا۔'' اس کے اس انکشاف پر وہ ذرا ٹھٹکی۔

''صبا...... تمہاری بڑی اچھی جاب ہے...... بڑی ہینڈسم سیلری مل رہی ہے پھر کیوں......؟''

''سوچ رہی ہوں کہ تمہیں بتاؤں گی تو تم ہرٹ ہوگی۔'' ابھی اس نے سلائس کا ایک چکھ ہی لیا تھا کہ وہ تھم سی گئی۔

''ہرٹ......'' اس نے غیر یقینی سی کیفیت میں صبا کو دیکھا تو اس نے خجالت سے نظریں جھکالیں۔

''لیکن جتنی جلدی تمہیں پتا چل جائے یہ تمہارے لیے بہتر ہے......''

''صبا...... میں...... میں بہت نروس ہو رہی ہوں...... پلیز کیا بات ہے...... کھل کر بتاؤ......''

''عینی...... عماد اپنا بزنس، کینیڈا میں سیٹ کر رہا ہے۔'' یہ انکشاف تھا یا بم...... اسے اچھو سا لگا۔ حلق میں سلائس اٹکنے لگا۔ صبا نے جلدی سے پانی کا گلاس اس کے سامنے کیا۔ اس نے بمشکل گھونٹ بھرا۔

''میں جانتی تھی عینی...... تمہیں بالکل اچھا نہیں لگے گا، مجھے بھی بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ میں یہاں کی عادی ہوگئی ہوں...... لیکن عماد کا پارٹنر وہ کینیڈا شفٹ ہوگیا ہے...... عماد کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اس ٹور پہ

اس کا ارادہ بھی بن گیا۔'' اس کا دل مسوس کر رہ گیا تھا۔

''لیکن صبا..... تم نے پہلے تو کبھی تذکرہ نہیں کیا تھا۔'' اسے تردد تھا لیکن جو ہو چکا تھا اس پر سوائے آہیں بھرنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

''ہاں عینی.....! عماد نے مجھ سے بھی شیئر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ خود شیور نہیں تھا..... لیکن اسے مجھے پہلے کچھ تو بتانا چاہیے تھا..... اس نے یہ اچھا نہیں کیا..... تب ہی اسے ٹور پر اتنے دن لگے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے کینیڈا نہیں جانا چاہیے۔'' صبا کے چہرے پر تلخی سی عود کر آئی۔ شاید وہ اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچ رہی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ عماد تمہارا ہزبینڈ ہے..... وہ جہاں جائے گا تمہیں اس کے ساتھ جانا چاہیے صبا.....'' وہ صبا کی ضدی طبیعت سے بخوبی واقف تھی۔

''لیکن جو اس نے کیا..... وہ بھی رائٹ نہیں ہے..... مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اس نے خود ہی اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا.....''

''دیکھو..... وہ آدمی ہے شوہر ہے تمہارا..... اور ہر حال میں آدمی کا اپر ہینڈ ہوتا ہے..... اس کا درجہ..... تم سمجھتی کیوں نہیں ہوں وہ تمہارا شوہر ہے یار.....'' وہ خود اپنی فکرات میں الجھ رہی تھی کہ صبا کی ضد نے الٹا اسے ہی بولا دیا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی کہ وہ مجازی خدا ہے تو جو دل چاہے کر گزرے..... کیا میرا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ گرم ہو رہی تھی۔

''حق ہے..... بہت حق ہے..... لیکن وہ تم سے محبت بھی تو کرتا ہے۔'' اس نے صبا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور تم..... تمہارا کیا ہوگا..... ایک جوان لڑکی..... اجنبی ملک میں اکیلے کیسے گزارہ کرے گی..... بولو..... اس ملک میں میرے سوا کون ہے تمہارا اپنا۔''

''تم پریشان نہ ہو صبا.....! میری فکر نہ کرو.....'' اس نے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''کیوں نہ کروں تمہاری فکر..... بولو..... میرا تو دل گھبرا رہا ہے سوچ، سوچ کر..... یہ اپارٹمنٹ بھی کرایے کا ہے..... تم، تم سب کچھ کیسے کرو گی..... کون دے گا تمہارا ساتھ.....'' صبا کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں، وہ واقعی اس کے لیے بہت پریشان تھی۔

''ہے کوئی میرا ساتھ دینے والا؟'' اور پھر اس نے پل بھر میں زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر لیا..... سوچا نہ سمجھا بس حالات نے اور کچھ محبت سے مجبور دل نے اسے فیصلے کی جانب دھکیلا اس کی نگاہیں شرم سے خود بخود جھک گئی تھیں۔ صبا نے ذرا چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا، کیا کہا تم نے..... کوئی ہے..... مطلب..... مطلب.....؟''

حیران کن خوشی کی روشنیوں سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی اس کا اقرار بھی چاہتی تھی تو اس نے اثبات میں گردن ہلا کر مہر ثبت کر دی۔

''اوہ مائی گاڈ عینی.....! یو آر امیزنگ..... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا..... میرے خدایا..... جلدی بتاؤ..... جلدی بتاؤ کون ہے وہ..... کیا کرتا ہے..... کہاں رہتا ہے..... میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔'' وہ چہکنے لگی تھی ابھی منٹوں پہلے ہی اس کی وجہ سے وہ عماد سے ٹکرانے کی سوچ رہی تھی۔

''تم نے اسے میرے ساتھ ائرپورٹ پر دیکھا تھا۔''

اس نے اسے یاد دلایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی تب ہی اس کے ذہن کی یادداشت کی کھڑکی کھلی اور وہ اچھل پڑی۔ شرجیل احمد کی شخصیت خاصی متاثر کن تھی۔

''وہ..... اپنا پاکستانی..... واہ..... ایک دم اسمارٹ بندہ ہے..... کیا چوائس ہے تیری یار..... وہ جسے تم چپکو کہتی تھیں تو وہ تمہیں چپک ہی گیا۔'' اس نے کہا تو دونوں کے قہقہے بلند ہوئے..... صبا اس سے ایک، ایک بات کی تفصیل پوچھنے لگی اور وہ کچھ لجا کر شرما کر بتاتی رہی۔

صبا سے تو رہا نہیں گیا جھٹ اسے شام کے کھانے کا سندیسہ بھجوا دیا گو عینی نے بہتیرا سمجھایا اپنے ٹمپریچر کا واسطہ دیا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ اس کا کہنا تھا کہ خوشیوں کی برسات ہر بیماری کو بھگا دیتی ہے اور

اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ شام تک اس کا بخار اڑن چھو ہو چکا تھا۔ عماد کی واقعی مصروفیات تھیں یا وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ اپنی میٹنگز کے سلسلے میں باہر چلا گیا۔ صبا نے اسے خاصی تاکید کی تھی کہ کھانے تک ضرور واپسی ہو جانی چاہیے۔ وہ خود پھدک، پھدک کر سارے کام کرتی پھر رہی تھی حالانکہ اس نے اپنی مدد کی پیشکش کی لیکن نہ جانے اس پر کیسا بھوت سوار تھا کہ اس کی ایک نہ سنی......

اس نے میرون رنگ پر کالے رنگ کی کڑھائی اور شیشے کے خوب صورت کام والا جوڑا پہنا...... بالوں کو برش کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیا۔ ہلکا سا میک اپ بھی کیا...... صبا نے اسے اپنے جھمکے بھی دیے تھے اور جب وہ تیار ہو گئی تو آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر خود ہی شرم سی آ گئی۔ اس سے پہلے وہ کبھی کسی کے لیے اتنی تیار نہیں ہوئی تھی۔ ارسلان کے لیے بھی نہیں۔

ارسلان کا نام یادداشت کی اسکرین پر ابھرا تو خود بخود شرجیل سے اس کا موازنہ کرنے لگی۔ گندمی رنگت ذرا پھیلی سی ناک، ہلکی سی توند اور چہرے پر پھیلی خباثت۔ ارسلان اسے کبھی پسند ہی نہیں تھا لیکن بڑوں کی خوشی کے لیے اس نے ان کے فیصلے سے سرتابی کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ جبکہ گہری آنکھوں والا ہینڈسم سا شرجیل احمد جس کے مقابلے میں ارسلان کی ہستی صفر ہی تھی۔ کہاں ایک سرکاری ادارے کا کلرک جس نے رشوتیں لے، لے کر اسی گز کے چھوٹے سے گھر سے ایک سو بیس گز کے ون یونٹ بنگلو میں چھلانگ لگائی تھی جبکہ شرجیل احمد کا ملائشیا میں اپنا کاروبار اور اپارٹمنٹ بھی اپنا تھا۔ سوائے پاکستان میں ایک دور کے ماموں کے اس کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ اسے اپنی خوش قسمتی پر خود ہی رشک سا آ رہا تھا۔

گھنٹی بجی تو اس نے ذرا دوڑ کر دروازہ وا کیا۔ اس کے سامنے تازہ گلاب کے کھلے پھول مہک رہے تھے لمحہ بھر کو وہ ان کی خوشبوؤں میں کھو سی گئی تب ہی پھولوں کی اوٹ سے اس کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔

"کیا ہم اسی طرح یہاں کھڑے رہیں گے؟"

اس نے پوچھا اور وہ شرما کے دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ تب ہی اس نے اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا گلدستہ تھمایا وہ کچھ ہڑبڑا سی گئی تھی۔ جدید طرز کے اس خوب صورت اپارٹمنٹ کا وہ معائنہ کرتا اندر داخل ہوا۔

"آپ آ گئے...... آئیے ناں پلیز......" صبا اسے لے کر وسیع ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور اسے آرام دہ صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عینی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"شکریہ......" اس کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو نے پورے ماحول کو جیسے اسیر کر دیا تھا۔

"میں صبا ہوں...... قرۃ العین کی فرینڈ......" اس نے اپنا تعارف کروایا۔ وہ ابھی سے اپنے آپ کو لڑکی والی محسوس کر کے بڑی ذمے داری نبھا رہی تھی۔

"جی...... ائرپورٹ پر آپ سے ملاقات ہو چکی تھی......" اس نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں بالکل...... ہم تو پہلے بھی مل چکے ہیں...... لیکن مجھے اس بات کا ہرگز بھی علم نہیں تھا کہ وہ پہلی ملاقات آپ دونوں کے لیے کس قدر یادگار بن جائے گی۔"

"جی بالکل...... یہ قرۃ العین کہاں ہیں؟" اس کی غیر موجودگی اسے گھائل کر رہی تھی، وہ کس بے چینی سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

"میں ابھی بلاتی ہوں...... آپ جانتے تو ہیں مشرقی لڑکیاں مغرب کی ماڈرن زدہ سوسائٹی میں کتنی بھی کھو جائیں...... شادی بیاہ کے معاملے میں اسی طرح ری ایکٹ کرتی ہیں۔" وہ ذرا مسکرائی تو اس کے لب بھی مسکرا دیے۔

"میں جانتا تھا کہ تم مجھے انکار نہیں کر پاؤ گی۔" صبا اسے بلا لائی تھی اور جان بوجھ کر کسی کام کے بہانے چلی گئی تھی۔

"اتنا یقین تھا خود پر......" وہ سر جھکائے اپنی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔

"خود پر نہیں...... اپنی محبت پر یقین تھا۔"

''اور اگر میں نہ کر دیتی تو.....؟'' اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''تو میں تمہاری نہ کو ہاں میں بدل دیتا۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے سر اٹھا کر ذرا حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتے اسے دیکھا۔

''بس بدل دیتا..... کیونکہ میں نے پہلے ہی دن تم کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا.....'' اس نے کہا اور وہ شرما کر جھینپ سی گئی، تب ہی اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی، ایک چھوٹے سے ڈائمنڈ والی نازک سی انگوٹھی اس کے سامنے کی۔

''یہ ہم.....'' وہ ذرا سٹپٹائی۔

''یہ انگیجمنٹ رنگ ہے تاکہ تم مکر نہ سکو..... یہ میری محبت کا پکا والا ثبوت ہے۔'' اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھاما اور درمیانی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

''بھئی مبارک ہو..... مبارک ہو..... آپ دونوں کو تو میری مدد کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور یہ کام خود بخود انجام پا گیا۔ لہٰذا اب مٹھائی تو پکی ہے..... یہ لیجیے بھئی.....'' صبا تو جیسے مٹھائی کی پلیٹ لیے کب سے منتظر کھڑی تھی یہ پردہ اٹھے اور اس کی پہلی انٹری ہو، دونوں مسکرا کر اٹھے، صبا نے ان دونوں کا منہ میٹھا کروایا۔

''اُف نہ پوچھو..... ہیں تو بہت خوش ہوں..... خوشی سے تو میرے ہاتھ پیر پھول رہے ہیں۔''

''ارے، ارے آپ اپنی انرجی بچا کر رکھیے۔ ابھی تو آپ کو ہماری شادی کے انتظامات بھی سنبھالنے ہیں۔'' شرجیل احمد کے اس نئے بیان پر اس نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھا، وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''ارے جناب آپ حکم تو کیجیے بندی حاضر ہے۔''

''تو پھر آپ ہی کوئی اچھی سی ڈیٹ بھی فکس کر دیں.....'' شرجیل کے اس قسم کے جملے اسے کچھ اور بھی حیران کر رہے تھے۔

''ڈیٹ..... شادی کی ڈیٹ.....؟'' اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

''ہاں، ہاں اس نیک کام میں جتنی جلدی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔'' صبا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''لیکن ایسے کیسے ہو سکتی ہے شادی..... میں نے تو پاکستان میں کسی کو بھی انفارم نہیں کیا۔''

''عینی! یہ کون سی پرابلم ہے یار..... تم آنٹی کو فون کر لینا ناں.....'' صبا نے مسئلے کا حل پیش کیا تو وہ کھل اٹھا۔

''دیکھیے صبا.....! میں اپنی فیملی کے بارے میں قرۃ العین کو سب بتا چکا ہوں.....''

''جی مجھے بتایا تھا اس نے..... دیکھیے شرجیل..... مجھے تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں، آپ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں..... پڑھے لکھے ہیں بلکہ آپ دونوں ہی پڑھے لکھے میچورڈ ہیں..... شادی کا فیصلہ تو آپ دونوں کی مرضی سے ہی ہونا چاہیے۔ کیوں عینی.....! ٹھیک ہے ناں.....'' صبا نے اس کی رضامندی معلوم کرنا چاہی تو وہ صرف مسکرا دی۔ شہناز بیگم کو فون کرنے کے تصور سے اس کے دل میں سکون سا بھر گیا تھا۔ شکر تھا کہ عماد کھانے کے وقت پر گھر پہنچ گیا تھا۔ شرجیل احمد سے وہ خاصی گرمجوشی سے ملا، اتفاق سے اس کے کسی دوست سے تو بسط سے اس کی جان پہچان نکل آئی تھی، صبا اور عینی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا سجا رہی تھیں۔

''چلیے بھئی کھانا تیار ہے.....'' صبا نے ہانک لگائی تو عماد اور شرجیل ٹیبل کی جانب بڑھے۔

''ارے صبا..... شرجیل تو اپنے طاہر عباس کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔'' عماد نے صبا کو بتایا جو شرجیل کو کھانا سرو کر رہی تھی۔

''اچھا..... طاہر بھائی تو ہمارے فیملی فرینڈ بھی ہیں۔'' صبا نے کباب کی ڈش شرجیل کے سامنے کی۔

''جی طاہر بھائی تو مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ میرے ساتھ ان کی کچھ بزنس ڈیلنگز بھی تھیں لیکن پھر وہ کینیڈا شفٹ ہو گئے۔''

''اور اب ہم بھی کینیڈا شفٹ ہو رہے ہیں۔'' عماد کے بتانے پر شرجیل نے ذرا چونک کر قرۃ العین کی جانب دیکھا۔

''جی شرجیل..... ہم بھی کینیڈا شفٹ ہو رہے ہیں،

طاہر بھائی کے ساتھ عماد کے بزنس پارٹنر بھی وہاں چلے گئے تھے اور اب ہم لوگوں کو بھی وہاں موو کرنا ہوگا۔''

''تو..... ہماری شادی.....؟'' وہ گومگو سی کیفیت میں اسے دیکھنے لگا۔

اس کے پوچھنے پر عماد نے ذرا چونک کر صبا کو دیکھا۔

''تو آپ لوگوں نے سارے معاملات نبٹا دیے۔ بہت جلدی نہیں ہو رہا ہے یہ سب کچھ.....؟'' اس نے ایک گہری نظر شرجیل پر ڈالی تو وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

''عماد! شرجیل اور عینی دونوں عاقل و بالغ ہیں..... پڑھے لکھے ہیں، یہ ان دونوں کا فیصلہ ہے پھر شادی جلد ہو یا دیر سے..... ہمیں تو کوئی پرابلم نہیں ہونا چاہیے۔''

''پرابلم تو نہیں ہے مجھے..... لیکن مجھے یاد ہے کہ ہم دونوں کی شادی سے پہلے ایک دوسرے کے گھر بہت آنا جانا تھا..... ہم سب ایک دوسرے کو جانتے تھے..... کسی قسم کی انکوائری کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن پھر بھی بات پکی ہوئی..... تاریخ طے ہوئی اور..... یار اچھا خاصا ٹائم لگتا ہے.....'' عماد کو ذرا تردد تھا۔

''ارے عماد..... آج کل لوگ ان چکروں میں نہیں پڑتے پھر شرجیل نے اپنے بارے میں سب بتا تو دیا ہے۔''

''لیکن پھر بھی صبا شادی بیاہ بڑا فیصلہ ہوتا ہے۔'' عماد نے سرگوشی میں تشویش ظاہر کی۔

''آپ چاہیں تو پاکستان میں میری انکوائری کروا سکتے ہیں۔'' شرجیل احمد نے دونوں میاں بیوی کی کھسر پھسر کا آسان حل پیش کر دیا۔

''نہیں..... ایسی بات نہیں ہے شرجیل..... میں طاہر بھائی سے بھی آپ کی انکوائری..... آئی مین..... معلومات کر سکتا ہوں۔ یہ ایشو نہیں ہے..... لیکن صاف بات یہ ہے کہ میں چٹ پٹ منگنی پٹ بیاہ والے معاملے سے ذرا..... آپ سمجھ سکتے ہیں کہ..... بہر حال قرۃ العین یہاں ہماری ذمے داری بھی ہے.....'' عماد کچھ الجھ رہا تھا۔

''جی..... میں سمجھ سکتا ہوں..... آپ جہاں سے بھی چاہیں تسلی کر لیں.....'' اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا..... لیکن صبا کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگا۔

''عماد..... ہمارے پاس صرف یہی مہینہ تو ہے..... میں ان دونوں کی شادی میں کسی قسم کے روڑے اٹکانا نہیں چاہتی۔ کیوں عینی.....''

اس نے براہ راست قرۃ العین سے سوال کیا جو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی، ہڑبڑا کر اٹھی، شرم سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''آپ لوگ میرے لیے جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔''

اس کے اس اطمینان بخش جواب نے شرجیل احمد کے اندر طمانیت سی بھر دی..... اسے اپنی محبت پر بھرپور یقین تھا۔

''چلیے جناب! بات کلیئر ہوگئی کہ دولھا، دلہن راضی تو کیا کرے گا قاضی.....''

''صبا..... عینی نے ہمارے فیصلے پر اپنی منظوری ظاہر کی ہے.....'' عماد کے ٹوکنے پر صبا کا منہ ذرا پھول گیا پھر جلدی وہ نارمل ہوگئی..... وہ سب دیر تک باتیں کرتے رہے، آج کا دن ان سب کے لیے مسرتوں کا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ اپنی جیولری اتار رہی تھی تب صبا اس کے کمرے میں آئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو.....؟'' وہ ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''دیکھ رہی ہوں کہ میری بہن جیسی فرینڈ کی قسمت کتنی اچھی ہے۔''

''شکریہ..... یہ تمہاری محبت ہے صبا.....''

''تمہیں پتا ہے کہ عماد کی ابھی کس سے بات ہوئی تھی۔''

''کس سے.....؟'' اس نے استفسارانہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''طاہر بھائی سے۔''

''طاہر بھائی..... وہ کینیڈا والے.....؟'' وہ چہکی۔

''ہاں، ہاں وہی..... اور پتا ہے... انہوں نے شرجیل کے متعلق اتنا اچھا کہا..... کہ میں تو کیا..... عماد

بھی معترف ہوگیا تمہاری چوائس کا.....'' خوشی سے اس کی آنکھیں دمک رہی تھیں۔

''تھینک گاڈ..... تم نہیں جانتی صبا..... تم نے میرے سینے سے جیسے بوجھ سا اتار دیا ہو..... مجھے اپنی محبت پر اپکا بھروسا تو تھا... پھر بھی دل ذرا گھبرا رہا تھا۔''

''تو اب تم ریلیکس ہوجاؤ اور اپنے دل کو بھی سنبھالو۔''

''عماد کو بھی بہت شکریہ کہنا.....'' وہ واقعی دونوں میاں، بیوی کی احسان مند ہو رہی تھی ان دونوں کی وجہ سے ہی اسے آج یہ سکون نصیب ہو رہا تھا۔

''عماد کو تو بس لگ گئی تھی..... تم نہیں سمجھتی صبا..... لڑکی کا معاملہ ہے کچھ اونچ نیچ ہوجائے تو کچھ ایسا ویسا ہوجائے تو.....'' صبا نے عماد کی نقل اتاری تو وہ بری طرح ہنس پڑی۔ اس نے عماد کو کیا سمجھا تھا اور وہ کیا نکلا..... اب وہ اپنے رب کی بہت شکر گزار تھی۔

''میں بہت خوش ہوں صبا.....'' اس کے چہرے پر قوسِ قزح کے سے رنگ بکھرے تھے صبا نے بڑے پیار سے اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میں بھی بہت خوش ہوں..... اب تم ایسا کرو اپنی امی کو بتا دو.....''

''اگر میں نہ بتاؤں ان لوگوں کو تو.....؟'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی یہ تو تمہاری مرضی پر منحصر ہے..... تم اپنے گھر کے مسائل کو مجھ سے بہتر سمجھتی ہو..... ایک بات تو کنفرم ہے کہ شرجیل ارسلان کے مقابلے میں لاکھ اچھا ہے..... تمہارے گھر میں اس سے اچھا داماد میرا مطلب ہے کہ اگر تم پاکستان میں ہوتیں ناں تو..... ایسا لڑکا نہیں ملتا..... البتہ تمہاری عشنہ بھابی..... وہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گی یہ سن کر.....''

''یہ تو ہے..... وہ تو پہلے ہی مجھ سے بہت جیلس ہیں۔'' اس نے ایک... گہری سانس بھری۔

''تم بتا تو رہی تھی کہ عشنہ بھابی تعویز گنڈے بھی کرواتی ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے..... اسی لیے میں نے ملائشیا آنے کی ساری کارروائی سب سے چھپا کر کی تھی۔''

''ہائے عینی.....! وہ کچھ گنڈا تو نہیں کروائیں گی۔''

''صبا.....'' باہر سے اتنے میں عماد کی آواز سنائی دی وہ صبا کو بلا رہا تھا۔

''میں چلتی ہوں یار..... اور ہاں..... تمہیں بہت مبارک ہو، کل بات ہوگی پھر..... شب بخیر.....'' صبا چلی گئی اور اسے تفکرات میں الجھا گئی خاندان بھر میں سب کا یہی کہنا تھا کہ عشنہ سے بڑا تعویز گنڈا کروانے والا کوئی نہیں..... وہ سوچتی رہی اور پھر اس نے فیصلہ کرلیا۔

''یہ زندگی میری ہے، مجھے پورا حق ہے اپنی زندگی کو انجوائے کرنے کا..... لوگوں کا کیا ہے، باتیں بناتے ہیں وقت گزر جاتا ہے سب بھول بھال جاتے ہیں۔'' اس نے سوچا اور سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ سیل فون بجنے لگا شرجیل کا فون دیکھ کر اس کے گال شرم سے دہکنے لگے۔

☆☆☆

وہ شادی کے بعد اس کی جاب کے خلاف تو نہ تھا لیکن اس نے عندیہ ظاہر کردیا تھا کہ اسے گھر گرہستی سنبھالنے والی بیویاں پسند ہیں جو اپنے مجازی خدا کے دل میں اپنی محبت سے گھر بنائیں اور جو دنیا بھر کی ذمے داریوں سے بڑھ کر صرف اپنے شوہر اور اپنے بچوں، اپنے خاندان کو ترجیح دے۔ وہ پُرسکون ہونا چاہتی تھی لیکن اس پر ایک عجیب سی گھبراہٹ سوار تھی شاید اپنے گھر والوں سے اتنی دور زندگی کا اتنا اہم فیصلہ اتنی بڑی خوشی تنہا ہی سارا بوجھ وہ خود اٹھا رہی تھی۔

''تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی قرۃ العین.....'' میڈم روبانہ نے اسے دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

''جی میڈم..... اگر آپ حوصلہ نہ دیتیں تو شاید ہمت ہی نہ کرتی.....'' پھر اس نے میڈم روبانہ کو رابعہ کے متعلق بھی سب بتا دیا، یہ سب سن کر وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ جب وہ اپنی بات ختم کرچکی تو انہیں استفسارانہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آپ، آپ کن خیالات میں کھو گئیں میڈم.....؟''

''ہوں..... کچھ نہیں.....'' وہ ذرا چونکیں۔

''میڈم..... میں ٹینشن میں ہوں..... آپ ضرور، ضرور کچھ چھپا رہی ہیں۔''

''قرۃ العین! جو کچھ بظاہر نظر آرہا ہے ایسا ہے نہیں.....'' ان کے ماتھے کی سلوٹیں گہری ہورہی تھیں۔

''آپ..... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں..... پلیز کھل کر بتائیے ناں.....'' وہ بے قرار سی ہورہی تھی میڈم روبانہ کا رویہ محتاط ضرور تھا لیکن مشکوک بھی تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم آرام سے اپنی سیٹ پر جاؤ اور کام شروع کرو..... تمہیں یہاں کسی سے بھی خوفزدہ ہونے کی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اوکے میڈم..... لیکن مجھے آپ سے ایک اور بھی بہت اہم بات کرنی ہے۔'' وہ اپنے لفظوں کا انتخاب کررہی تھی کہ کس طرح انہیں اپنی زندگی ہی آنے والی اتنی بڑی خوشی کے متعلق بتائے۔

''ہاں، بولو..... کیا کہنا ہے۔''

''میڈم..... میری شادی ہورہی ہے۔''

''ریئلی..... یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے..... بہت مبارک ہو تمہیں قرۃ العین..... لیکن اتنے اچانک..... میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تمہیں یہاں آئے بہت کم وقت گزرا ہے اور پھر سے تم پاکستان جارہی ہو..... سب خیریت تو ہے ناں.....'' اس نے ان کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

''میں پاکستان میں نہیں بلکہ..... ملائشیا میں ہی شادی کررہی ہوں.....''

''اوہ گریٹ..... لیکن میں کچھ سمجھ نہیں پائی.....'' وہ کنفیوز ہی رہی تھیں۔

''دراصل وہ یہیں رہتے ہیں۔'' اس نے انہیں شرجیل احمد کے متعلق بتایا تو وہ مسکرا اٹھیں۔

''بھئی واہ..... تم دونوں کی لو اسٹوری تو بڑی پاورفل ہے..... فلموں میں ہم نے سنا تھا لیکن رئیل لائف میں دیکھ بھی لیا..... اچھا اپنی شادی میں ہمیں تو انوائٹ کروگی ناں.....؟''

''آف کورس میڈم..... کیوں نہیں کروں گی.....'' وہ بھرپور مسکرادی۔

''میرا خیال ہے قرۃ العین کہ تم فی الحال اپنی جاب کو جاری رکھو پھر دیکھتے ہیں۔'' وہ بولیں۔

''جی میڈم..... میں اب چلتی ہوں.....''

وہ مسکراتے ہوئے کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میڈم روبانہ اس حیرت انگیز لڑکی کو جاتا دیکھتی رہیں جو پہلے زندگی کے پُرپیچ راستوں سے گھبرا کر اداسیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی لیکن اب آنے والی خوشیوں کی آہٹ اس کے وجود کے انگ، انگ سے پھوٹتی نظر آرہی تھی، انہوں نے دل ہی دل میں اس کے لیے دعا کی۔

☆☆☆

گلاب کے پھول اور موتیے کی کلیوں سے بنے خوشبودار گجرے، کانوں میں پھولوں کے بالے، گلے میں مہکتے ہار، مانگ میں افشاں، گالوں پر لالی، مہندی اور ابٹن کی معطر خوشبو، گھر کے صحن میں زوردار آواز سے بجتی ڈھولک تالیوں کی لے اور لڑکیوں کے سُر.....

بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی
بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا

ساری جگہیں روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں۔ چہل پہل کا سا سماں، خوشی سے دمکتے چہرے، بچوں کی شرارتیں، لڑکوں کی چھیڑ خانی.....

ڈولی سجا کے رکھنا
مہندی لگا کے رکھنا

ہر ایک اپنے انداز سے خوشی میں سرمست تھا۔

''ارے دیکھو لڑکے والے آگئے..... مہندی آگئی دیکھنا تو مہندی کے رنگ پھیکے ہو۔'' شور اٹھا اور وہ آواز اتنی بلند تھی کہ اس کی سماعت پر جیسے ہتھوڑے سے برسنے لگے اور پٹ اس کی آنکھیں کھل گئی سانس دھونکنی کے مانند تیز چل رہا تھا سارا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ بے اختیار اس کی نگاہ... اپنی سونی ہتھیلیوں پر پڑی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اسے کچھ واضح نظر نہیں آرہا تھا وہ دفعتاً بستر سے اٹھی بلب روشن کیا اور غور، غور

سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

''مہندی کے رنگ پھیکے ہیں۔'' آواز اب بھی سماعت میں گونج رہی تھی یہ آواز کس کی تھی، وہ اپنی... یادداشت پر زور ڈال رہی تھی تب ہی ایک ہیولے کے مانند عشنہ بھابی کا وجود نظروں کے سامنے ظاہر ہوا۔

''یہ ایک خواب تھا عینی.....! اور کچھ نہیں تھا..... تم بلاوجہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔'' صبح ہی صبح اس نے اپنا خواب صبا سے شیئر کیا تو اس نے اسے اطمینان دلایا۔

''ہاں..... خواب تو تھا لیکن..... ابھی تک مجھے دکھ سا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔'' وہ اب بھی ویرانیوں کے سحر سے آزاد نہیں ہوئی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اس خواب کے چکر سے نکل کر اپنی آنے والی زندگی کے متعلق سوچنا چاہیے..... تم بہت لکی ہو عینی.....! شرجیل بہت اچھا انسان ہے۔'' صبا نے سلائس پر مکھن لگا کر اس کی جانب بڑھایا۔

''ہوں..... وہ بہت اچھا ہے میں واقعی اپنے آپ کو لکی محسوس کرتی ہوں لیکن مجھے..... مجھے ایک خلش سی ہے..... کیا ہے یہ..... میرا خیال ہے کہ مجھے..... مجھے امی کو ضرور بتانا چاہیے.....''

اسے یوں گم صم سا دیکھ کر صبا کے دل میں اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوئی۔

''یہ تمہارا سب سے اچھا فیصلہ ہے عینی! وہ تمہاری ماں ہیں، ان سے بڑھ کر تمہیں کوئی پیار کر ہی نہیں سکتا..... شرجیل بھی نہیں..... تمہیں کسی کی پروا کیے بغیر ان سے دعائیں ضرور لینی ہیں..... ورنہ بعد میں ان کو پتا چلے گا تو..... ان کا دل دکھے گا۔''

''تم بالکل ٹھیک کہتی ہو..... ماں کی دعاؤں کے بغیر تو ساری دنیا کے رنگ ہی پھیکے ہوتے ہیں لیکن۔''

''میں جانتی ہوں کہ تمہارے ذہن میں اب کیا چل رہا ہے..... تم ان سے کہہ دینا کہ شرجیل، عماد کا کزن ہے اور وہ بہت عرصے سے اچھے رشتے کی تلاش میں تھا۔ تم ساری ذمے داری مجھ پر ڈال دینا..... میں شادی شدہ ہوں..... تمہارے مقابلے میں وہ مجھ پر اعتماد کریں گی۔ ورنہ اگر انہیں تمہاری اس فرسٹ سائیٹ لو اسٹوری کا پتا چلے گا تو وہمات میں پڑ جائیں گی۔''

صبا نے سارے مسئلے کا چٹکیوں میں حل پیش کر دیا تھا جسے سن کر اس کے وجود میں جیسے زندگی سی دوڑ گئی تھی۔ صبا نے اسے آفس سے پک کرنے کا کہا تھا کیونکہ شاپنگ کے لیے جانا ضروری تھا شرجیل احمد نے اپنی ساری ذمے داریاں بھی صبا اور عینی پر ڈال دی تھیں۔ ویسے بھی شادی کے لیے ان لوگوں نے کوئی لمبا چوڑا اہتمام نہیں کیا تھا ساری تقریبات میں سادگی کو ترجیح دی گئی تھی کیونکہ یہاں کوئی اپنا عزیز رشتے دار تو تھا نہیں..... بس صبا اور عماد کے چند قریبی فرینڈ اور خود اس کی جانب سے واحد میڈم روبانہ ہی تو تھیں لیکن پھر بھی دل کے ارمان تو تھے جو شادی جیسے خوب صورت ایونٹ کو یادگار بنا سکتے ہیں..... وہ اپنی خوشیوں میں اتنی مگن تھی کہ ٹیٹا جیسی خوب صورت بلا کی جانب اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔

صبا بہت مسرور تھی وہ کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی دونوں سہیلیاں ہنستی مسکراتی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کو اپنی مٹھی میں قید کرتی جا رہی تھیں کپڑے، جوتے، سینڈلز، جیولری، میک اپ کا سامان اور نہ جانے کیا کچھ اسی خوشی میں شاپنگ بیگز میں بھرے جا رہا تھا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ ایک عورت کے لیے مرد اور مرد کے لیے عورت کا احساس کس قدر منفرد ہوتا ہے اور وہ بھی جب وہ دونوں نکاح کے جیسے مقدس بندھن میں بندھنے جا رہے ہوں۔ تصور میں ہی اس نے ایک پیارے سے گھر کا سپنا بُن لیا تھا جس میں وہ کبھی شرجیل احمد کے لیے ناشتا تیار کرتی تو کبھی اس کے کپڑے استری کرتی، کبھی کچن میں برتن دھوتی تو کبھی شرجیل سے جھوٹ موٹ کی لڑائی..... یہ سب کس قدر خوابناک تھا۔ صبا نے پہلے ہی باہر ڈنر کا پروگرام بنا رکھا تھا لہٰذا وہ موج مستی کرتے اور پیٹ پوجا کر کے ہی سامان سے لدے پھندے گھر لوٹے تو عماد ان کا منتظر تھا۔ یہ معلوم کر کے اس کا ذرا منہ بن گیا کہ وہ

دونوں کھانا کھا کر آئی ہیں لیکن ان دونوں کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھ کر اس نے کچھ کہا نہیں اور خود کچن میں جا کر اپنے لیے کچھ بنانے لگا۔

''بری بات ہے صبا......! ہم نے عماد کا تو خیال ہی نہیں کیا......''

''کوئی بات نہیں یارا...... اتنے برسوں سے اس کا خیال ہی تو رکھ رہی تھی...... اور پھر تمہاری شادی کی وجہ سے یہاں کی زندگی میں اتنی خوب صورتی آ گئی ہے جو میں نے پچھلے تین چار برسوں میں کبھی محسوس نہیں کی، ویسے عماد بہت اچھا ہے وہ مجھے سمجھتا ہے......''

''اچھا...... اور تم...... تم اسے سمجھتی ہو۔''

وہ صوفے پر آرام سے پیر پسارے پڑی تھی اس نے سر اٹھا کر ذرا غور سے اسے دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں عینی......! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''پتا نہیں...... لیکن مجھے ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہم عورتیں...... مردوں کے مقابلے میں بہت خوش فہم ہوتی ہیں۔'' اس نے آنکھیں موندے جواب دیا لیکن صبا کچھ الجھ سی گئی۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ...... میں ابھی تک عماد کو نہیں سمجھ سکی...... یعنی اس کے اور بھی چہرے ہیں...... بولو...... بتاؤ ناں یار......'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''ارے نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں تھا......'' ایسا کہتے اسے لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہو...... عماد کی وہ پُراسرار نظریں اس کا انداز اب بھی اس کے سامنے سرسرا رہا تھا جس سے وہ واقعی خوفزدہ تھی، وہ ذرا سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''تم کچھ چھپا تو نہیں رہیں...... میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں یار......''

''ارے نہیں صبا......! لیکن پھر بھی ہر بیوی کو اپنے شوہر کی جانب سے آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے......''

''توبہ ہے عینی......! تم بڑی شکی بیوی ثابت ہو سکتی ہو...... شرجیل کی خیر ہو...... اتنا بھی شک اچھا نہیں ہوتا...... اب وہمات نہ پال لینا اپنے اندر...... زیادہ تفتیش کی اپنی شوہر کی تو وہ چڑ بھی سکتا ہے، اچھا دیکھو

سچی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

ماہ دسمبر 2020 کی جھلکیاں

حالات کو شکست دینے والی دوشیزہ کی داستان حیات، زویا اعجاز کے قلم کا شہکار

محبت کی میٹھی میٹھی لو دیتی سرگزشت، سلمیٰ اعوان کی فسوں ساز تحریر

ایک بالکل الگ انداز کا سفرنامہ، ندیم اقبال کی جادو بیانی

زندگی میں اندھیرا پھیلا دینے والی قسم، فرح انیس کی تلاش، دلچسپ سچ بیانی

دلچسپی کے معراج کو چھوتی ہوئی طویل سرگزشت روسیاہ پاکستانی فلمی صنعت کے انمول رتن کی حالات زندگی نگینے

وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں، آپ کو پڑھنا چاہیے۔

جمعے کو تمہارا نکاح ہے تم ذرا ریلیکس رہو بلکہ آفس سے چھٹی لے لو..... کیا ضرورت ہے اتنی خواری کی.....''

''اچھا بابا سوچوں گی..... ابھی جمعے میں پورے تین دن باقی ہیں۔'' اس نے اسے یاد دلایا اتنے میں اس کا سیل فون بجنے لگا، پاکستان سے فون آیا تھا۔

''اچھا تم فون پر آرام سے بات کرو میں ذرا عماد کو دیکھتی ہوں کچن میں کیا کر رہا ہے۔''

صبا کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ فون پر امی تھیں، شہناز بیگم کی آواز محبت سے لبریز تھی خود بخود اس کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔

''اچھی ہوں امی..... اور آپ کیسی ہیں، عمرانہ کیسی ہے؟''

''میں اچھی ہوں بیٹا! خدا کا شکر ہے، عمرانہ بھی اچھی ہے بس تمہیں بہت مس کرتی ہے..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بیٹا..... مجھے تمہاری آواز کچھ بھاری سی لگ رہی ہے۔''

''میں..... میں بالکل اچھی ہوں امی..... بس ذرا زکام سا ہو گیا ہے۔'' اس کے گلے میں آنسو رندھ رہے تھے، آنکھیں خود بخود پانی بہا رہی تھیں۔

''اچھا، اچھا.....'' وہ ذرا مطمئن ہوئیں پھر بولیں..... ''تمہیں ایک بڑی اچھی خبر سنانا ہے۔''

''جی امی..... کہیے.....'' اس نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔

''ارسلان کی ماں آئی تھی۔'' ان کے لہجے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

''ارسلان کی ماں..... اب کیوں آئی تھیں وہ.....؟'' اسے ارسلان کا نام سنتے ہی غصہ آ گیا۔

''وہ پھر سے یہ رشتہ پکا کرنا چاہتی ہیں..... مٹھائی لے کر آئی تھیں۔''

''پر امی..... پہلے خود ہی انہوں نے رشتہ توڑا..... اور اب خود ہی رشتے جوڑنے آ گئیں۔'' اس کے دماغ کی پھرکی تیزی سے چلنے لگی۔

''شرمندہ تھیں بہت..... کہہ رہی تھیں کہ... بدخواہوں نے ان کے کان بھر دیے تھے لیکن اب وہ اور خود ارسلان بہت شرمندہ ہے۔''

''نہیں امی..... ان کی شرمندگی سے وہ میری، وہ انسلٹ..... وہ دکھ..... اذیت..... کیا، کیا کم کر سکتی ہیں..... جب جی میں آیا ایک جھٹکے سے سارے تعلق توڑ دیے اور جب چاہا آ کر معافی مانگ لی..... ان تمام بے عزتیوں کا مول صرف ایک مٹھائی کا ڈبا ہی ہے کیا.....؟'' اس کا زخم اب بھی ہرا تھا۔

''ہو جاتا ہے..... بیٹا ایسا..... ہم لڑکی والے ہیں..... جھکنا تو پڑتا ہے ناں..... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے ملائشیا جانے سے اس گھر کی عزت میں کتنا اضافہ ہو جائے گا..... میں نے تو صاف کہہ دیا ان سے کہ میں جب تک عینی سے رضامندی نہیں لے لیتی..... ہاں نہیں کروں گی..... فالتو کی بچی تھوڑی ہے میری.....'' انہوں نے بڑے ارمان سے کہا۔

''تو کہہ دیں انہیں کہ میری رضامندی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے کی سختی شہناز بیگم نے محسوس کی تو وہ سناٹے میں آ گئی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا..... اتنے اچھے رشتے بار، بار نہیں ملتے۔''

''نہیں چاہیے مجھے ایسے رشتے..... اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے فون کر لیا..... ورنہ میں خود آپ کو فون کرنا چاہتی تھی..... مجھے آپ کو ایک خوشخبری سنانی تھی۔'' وہ کچھ اٹک رہی تھی ماں کے سامنے اپنی ہی شادی کا ذکر کچھ شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔

''خوشخبری..... کیسی خوشخبری؟'' وہ گومگو کی سی کیفیت میں تھیں۔

''امی..... دراصل صبا کے شوہر عماد..... ان کے کزن نے..... مجھے یہاں پرپوز کیا ہے.....''

''تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا..... میرے تو ہاتھ پیر پھول رہے ہیں۔'' شہناز بیگم پر گھبراہٹ سی سوار ہو گئی، بیٹی کی شادی کا معاملہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔

''امی..... پلیز گھبرانے کی بات نہیں ہے،

میں آپ کو سب بتاتی ہوں.....'' پھر اس نے صبا کی بتائی ہوئی کہانی کو احتیاط سے سنا ڈالا..... شہناز بیگم کے ماتھے کی شکنیں ذرا کم ہوئی تھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا.....! لیکن اتنی جلدی یہ سب کچھ..... تم کو مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔ تم ابھی بچی ہو..... شادی بیاہ کے معاملے یوں طے نہیں ہوتے یہ زندگی بھر کے ساتھ کا معاملہ ہے بیٹا.....'' اس نے جو کچھ بتایا وہ تو اطمینان بخش تھا پھر بھی ان کا دل بیٹھ رہا تھا۔

''امی.....! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں لیکن میں وہ..... عشنہ بھابی سے ڈر گئی تھی۔'' اس نے بہانہ بنایا لیکن اس کا یہ عذر انہوں نے قبول نہیں کیا۔

''یہ ہی تو بچپنا ہے تمہارا..... میں جانتی ہوں کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں اگر اس لڑکے کے ساتھ تمہاری جوڑی بنی ہوگی تو اسی سے شادی ہوگی..... پر بیٹا یوں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جماتے..... تم اسے لے کر یہاں آؤ..... اس کے چاچا، ماما، جو بھی ہیں ان سے مجھے ملواؤ..... ایسے ہی باقاعدہ رشتے طے ہوتے ہیں..... جو طریقہ ہے۔''

''امی..... کہاں آپ سے کہ صبا کا دیور لگتا ہے رشتے میں..... پھر کیسی انکوائری.....؟'' وہ جانتی تھی کہ شہناز بیگم تاویلیں پیش کریں گی۔

''پھر بھی بیٹا..... لوگ کیا کہیں گے..... جواب تو دینا ہوگا ناں کہ دیکھا نہ بھالا اور بیٹی کی شادی کر دی۔''

''مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے امی..... میں یہاں آرہی تھی باتیں تو تب بھی بنائی تھیں لوگوں نے اور اب تو سب کچھ طے ہو ہی چکا ہے..... جمعے کو نکاح ہے۔''

وہ ہکا بکا رہ گئیں خوب جانتی تھیں کہ اس نے ان کی پہلے سنی تھی اور نہ اب سنے گی وہ کہتی ہی رہ جائیں گی اور وہ سنتی رہے گی پر کرے گی اپنے من کی.....

''جب سب کچھ تم خود سے ہی طے کر چکی ہو تو بتانے کا تکلف بھی کیوں کیا.....؟''

''آپ ناراض ہو رہی ہیں اب..... شرجیل مجھے پسند ہے امی..... محبت ہے وہ میری۔''

''ماں ہوں بیٹا..... کبھی تمہارا برا نہیں چاہوں گی.....'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بولیں..... ''دعائیں ہیں تمہارے لیے..... بہت ساری دعائیں خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے..... اور اگر کوئی تمہارے ساتھ برا کرے تو اس کو بھی تمہارے لیے اچھا کر دے۔'' ان سے پھر مزید بات نہیں ہوئی آنسو حلق میں اٹک رہے تھے انہوں نے فون بند کیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دی..... وہ اُدھر اور یہاں عینی.....

☆☆☆

اس کے چاروں جانب پھول سے کھلے تھے فضا معطر تھی خوشبویات سے ہر طرف جیسے شوخ رنگ رقصاں تھے۔ وہ سرخ بنارسی جوڑے میں سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی تب ہی آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھلا..... یہ کیسے خوب صورت لمحات تھے جن کا انتظار ہر لڑکی کرتی ہے اور آج اس کی زندگی میں بھی بہار کے رنگ بکھر گئے تھے۔ وہ بہت گھبرا رہی تھی۔ شرجیل سادہ سی سیاہ رنگ کی شیروانی اور پینٹ میں بہت وجیہہ نظر آرہا تھا۔ سارے مہمان اس خوب صورت جوڑے کو مبارک باد دے رہے تھے اسے اپنی پسند پر فخر سا ہو رہا تھا اور اب اس کا فخر اس کے روبرو بیٹھا تھا اس کا دل شرم سے سکڑ سا گیا۔

''جانتی ہو عینی..... میں نے شادی میں جلدی کیوں کی..... اس لیے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم کھو نہ جاؤ، میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ تم نہیں جانتی یار آج میں کس قدر خوش ہوں.....'' وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا اور وہ شرم سے اندر ہی اندر سمٹی جا رہی تھی۔ شرجیل احمد نے منہ دکھائی میں اسے سونے کا ایک ننھا سا دل کی شکل کا لاکٹ دیا۔ یہ تحفہ اس کی زندگی میں کس قدر اہم تھا اسے بخوبی اندازہ تھا۔

وہ آف وہائٹ رنگ کے جوڑے میں اپنے گیلے بال تولیے میں لپیٹے آئی اور کھڑکی میں کھڑی ہو کر ٹیرس گارڈن کو دیکھنے لگی۔ ہر طرف رنگ برنگے شوخ پھول کھلے تھے اور بہار کا روشن آسمان ذرا اترا سا رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے یوں ہی خوشی سے سانس بھرنے لگی آج کا

منظر نامہ گزشتہ ایک مہینے پہلے کے منظر نامے سے کس قدر مختلف تھا، اس وقت وہ قرۃ العین تھی مرحوم طفیل احمد کی بیٹی اور آج وہ مسز شرجیل تھی۔ طمانیت کا سا احساس وجود میں دوڑ رہا تھا، وہ نہ جانے کب اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو عینی.....؟''

''زندگی، زندگی دیکھ رہی ہوں، خوب صورت پیاری سی زندگی.....'' اس نے اپنے دونوں بازو فضا ہی یوں پھیلا دیے جیسے زندگی کو قید کرنا چاہتی ہو، وہ مسکرا دیا اور اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں پر اپنے بازو دھر دیے۔

''میں بھی تمہارے ساتھ یہ زندگی دیکھنا چاہتا ہوں..... ساتھ تو نہیں چھوڑو گی ناں میرا؟'' اس کے استفسار پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کی جانب مڑی۔

''عجیب بندہ ہے میرا شوہر بھی..... پہلے خود ہی دیوانگی کا اعلان کرتا ہے اور بعد میں ڈر کر پیچھے ہٹنے کی باتیں کرتا ہے..... یہ کیسا انسان ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

اس نے ذرا پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی تو اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''جیسا بھی ہوں..... تمہارا ہی ہوں۔'' وہ دونوں کھلکھلا اٹھے۔ فضا سنہری نغموں سے گونج اٹھی تھی کہ محبت کے رنگ بڑے گہرے ہوتے ہیں، ان دونوں کو خوش دیکھ کر صبا اور بھی پُرسکون ہو گئی تھی۔ شہناز بیگم بھی داماد سے بات کر کے خوش ہو گئی تھیں۔ شرجیل انہیں اور عمرانہ کو بھی ملائشیا بلوانا چاہتا تھا لیکن وہ ابھی اپنے داماد کو زیر بار نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن اس کی محبت اور خلوص نے جلد ہی ساری کثافتوں کو دھو ڈالا تھا۔ انہیں اپنی بیٹی کی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ پہلی بار وہ... قرۃ العین کے اس بڑے فیصلے پر بہت خوش تھیں ورنہ اس کے ملائشیا جانے کے خیال نے تو جیسے ان کے دل کو ہولا دیا تھا مگر اب محلے بھر میں ان کی عزت بڑھ گئی تھی عشنہ بھابی جل بھن کر ہی رہ گئی۔

''شرجیل.....! آپ مجھے شادی کی ساری تصویریں سینڈ کر دیں ناں..... میں عمرانہ کو واٹس ایپ پر بھیج دوں گی.....'' وہ اپنی تصاویر دیکھتے ہوئے بولی۔

''واٹس ایپ پر..... کمال کرتی ہو ڈیئر..... کیا ضرورت ہے پکس سینڈ کرنے کی ہم خود مابدولت پاکستان جائیں گے ناں پھر کیسی ٹینشن تصویروں کی۔''

''لیکن شرجیل..... امی بھی آپ کو دیکھنا چاہتی ہیں..... ویسے آپ نے بہت امپریس کیا ہے انہیں.....'' یہ خیال کس قدر اطمینان بخش تھا کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

''چلو یہ تو اچھا ہوا ناں..... لیکن میں سرپرائز دینا چاہتا ہوں..... ذرا سوچو کہ ہم دونوں ایک دن اچانک دروازہ ناک کرتے ہیں، دروازہ کھلتا ہے..... امی ہم دونوں کو اپنے سامنے دیکھتی ہیں اور ان کا منہ حیرت سے کھل جاتا ہے..... ہم دونوں ایک ساتھ چیخ کر کہتے ہیں..... سرپرائز، بولو کیسا لگا.....'' وہ خوابوں کی عکس بندی اتنی مہارت سے کر رہا تھا کہ وہ بالکل اس میں محو ہو گئی۔

''زبردست..... زبردست آئیڈیا.....'' خوشی سے وہ اچھل پڑی شرجیل اسے چہکتا دیکھ کر مسکرا اٹھا۔

''گڈ..... پھر اب تم کسی نہ کسی بہانے سے ان لوگوں کو ٹال دو.....''

''اوکے..... یہ ٹھیک رہے گا.....'' اس نے فوراً سعادت مندی سے اس کی بات مان لی۔

''ارے وہ تمہاری فرینڈ صبا.....! اس کی خبر تو لے لو..... اسے پیکنگ وغیرہ میں تمہاری مدد کی ضرورت تو نہیں۔ ہفتے بھر بعد ہی کینیڈا نکل جانا ہے اسے۔'' اس کے یاد دلانے پر اسے صبا کا خیال آیا۔ شادی کی گہما گہمی میں صبا اور عماد تو کہیں گم ہو گئے تھے حالانکہ صبا نے تو اس کے لیے دعوت کا اہتمام بھی کیا تھا اور اب اس کا بھی فرض تھا کہ وہ اس کے احسانات کا بدلہ اتارے..... اس شادی میں سب سے زیادہ ساتھ صبا نے ہی دیا تھا، اس نے جلدی سے اسے ایک دعوت کا پیغام دے ڈالا۔

''سوچ لو عینی..... تم اتنا کچھ کیسے کر پاؤ گی..... ایسا کرتے ہیں کہ ہم کہیں باہر رکھ لیتے ہیں ناں..... یار

ابھی تو میری دلہن کے ہاتھوں سے مہندی بھی نہیں اتری.....'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور محبوبیت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کو تو جناب بس موقع ملنا چاہیے رومانس جھاڑنے کا..... بائی داوئے میں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی ہی کب تھی۔'' اس نے ذرا ناز سے کہا اور اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

''اس لیے کہ تمہیں ڈر تھا کہ مہندی کے رنگ پھیکے نہ پڑ جائیں.....'' شرجیل احمد تو رواروی میں کہہ گیا لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل ایک دم بڑی زور سے دھڑکا۔

''مہندی کے رنگ پھیکے ہیں۔'' کہیں دور سے ماضی کے کسی خواب کی یاد نازک سے پرندے کے پر کے مانند آ کر اس سے ٹکرائی۔

''ارے تمہیں کیا ہوا.....؟'' شرجیل احمد نے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دیکھے تو گھبرا سا گیا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری.....'' وہ اب اس کا ماتھا چیک کر رہا تھا اور وہ دم بخود سی کھڑی تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔

''میں..... میں ٹھیک ہوں شرجیل.....'' حقیقت تو یہ تھی کہ اس منحوس خواب کا سحر ہنوز برقرار تھا۔

''لیکن تمہاری شکل پر تو بارہ بج رہے ہیں..... پلیز مجھے بتاؤ..... کسی نے کچھ کہا ہے تم سے.....'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا اسے ٹٹول رہا تھا کہ شاید وہ کچھ چھپا رہی ہے۔

''نن..... نہیں..... بالکل نہیں شرجیل..... بس ایسے ہی ذرا دل گھبرا سا گیا تھا۔'' اس نے خواب والا سچ چھپا دیا وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے خواب کی بات بتا دی تو خواہ مخواہ میں ہی شرجیل نے اس کا مذاق بنا دینا ہے۔

''تم بڑی نازک دل کی ہو..... ذرا، ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری پیاری سی بیوی بزدل نظر آئے..... بی بریو ڈیئر وائف.....'' اس نے اس کے شانے پر ٹھوکا دیا اور وہ مسکرا دی۔

شرجیل احمد نے خود ہی اچھے سے ریسٹورنٹ میں ایک پُرتکلف عشائیے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ چاروں بہت خوش اور کھلے، کھلے نظر آ رہے تھے صبا کو کینیڈا جانے کا اب غم نہ تھا۔

''یہ تو اچھا ہی ہوا شرجیل کہ آپ نے عینی سے شادی کر لی..... ورنہ میری بیگم صاحبہ نے تو لڑ، لڑ کر مجھے ہلکان ہی کر دینا تھا۔'' عماد کے کہنے پر شرجیل مسکرا دیا تب ہی صبا نے ذرا غصے سے عماد کو دیکھا۔

''ارے واہ..... میں کب لڑتی ہوں آپ سے..... آپ جانتے ہیں کہ میری لڑنے کی بالکل عادت نہیں ہے.....'' شرجیل کے سامنے اسے کچھ خفت سی محسوس ہوئی۔

''بھئی یہ تو ہے کہ صبا کو عام روایتی بیویوں کی طرح لڑنے جھگڑنے کی عادت نہیں ہے ورنہ میرا تو گزارہ مشکل تھا۔'' عماد نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''یہ ہوئی ناں بات..... ورنہ میں نے تو میاں، بیوی کے اتنے جھگڑے سنے اور دیکھ رکھے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ میں شادی کے نام سے ڈرتا تھا۔''

''رئیلی شرجیل..... لیکن ہماری عینی بھی بالکل لڑاکو نہیں ہے..... میں اس کی بچپن کی دوست ہوں..... ہمارے درمیان کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔'' صبا کے اس بیان پر وہ مسکرا دی۔

''واقعی میرے اور صبا کے درمیان کبھی لڑائی نہیں ہوئی..... لیکن ابا کے انتقال کے بعد ہماری زندگی میں بہت بڑا چینج آیا تھا۔'' وہ سچائی بتانے جا رہی تھی کہ صبا نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

''لیکن تمہاری فطرت ایسی نہیں ہے کہ کوئی تمہیں لڑاکو ٹائپ لڑکی کہے..... سچ تو یہ ہے کہ میں نے شادی کے بعد یہاں جو وقت عینی کے ساتھ گزارہ..... وہ بیسٹ تھا.....'' وہ روہانسی ہو چلی تھی..... عینی کی آنکھیں بھی پُرنم ہو گئی۔

''بھئی شرجیل..... آپ دونوں کا جب بھی دل چاہے کینیڈا آیئے..... ہمارے مہمان بنیں.....'' عماد نے اپنی بیوی کا دل رکھنے کو کہا۔

''اوشیور، شیور.....'' عماد نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''ایک بات اور شرجیل.....! میری فرینڈ کو کبھی دھوکا نہیں دیجیے گا۔'' صبا نے اس سے ایک اور عہد لیا۔

''صبا..... آپ بالکل پریشان نہ ہوں..... عینی میری محبت ہے..... میری زندگی ہے اور بھلا کوئی اپنی محبت، اپنی زندگی کو بھی چیٹ کرسکتا ہے.....'' اس نے ذرا گہری نظروں سے عینی کی جانب دیکھا اور وہ شرم سے کسمسا کر رہ گئی۔

''شکریہ شرجیل..... پہلے میں عینی کی طرف سے بہت پریشان تھی لیکن آپ دونوں کی شادی کے بعد میں بہت ریلیکس فیل کرتی ہوں..... پھر بھی نہ جانے کیوں ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے.....'' اس نے سچی بات کہہ دی۔

''شرجیل..... اب یہاں روایتی سالی صاحبہ کا کردار چل رہا ہے..... یار..... ٹینشن نہ لینا.....'' عماد نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شرجیل قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ وہ دونوں منہ پھاڑ کر ہنس رہے تھے اور وہ دونوں کچھ شرمندہ سی نظر آرہی تھیں۔ ویسے تو صبا سے روز ملاقات نہیں ہوتی تھی لیکن پھر بھی اس کے جانے کے بعد تنہائی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔ شرجیل نے اس سے وعدہ کیا تھا کاروباری مصروفیات سے وقت نکالتے ہی وہ ہنی مون پر جائیں گے۔

☆☆☆

ابھی شرجیل کو گھر سے گئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میڈم روبانہ کا فون آگیا انہوں نے جو کچھ اسے بتایا وہ حیران کردینے کے لیے کافی تھا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا میڈم روبانہ.....''

''ہاں یہ یقین آنے والی بات نہیں ہے لیکن ... قرۃ العین ایسی گندی مچھلیاں فوراً نظر میں آجاتی ہیں، ٹینا پر مجھے پہلے ہی شک تھا لیکن میں کنفرم نہیں تھی۔ پھر تمہاری چوری والی بات پر میں سمجھ گئی تھی کہ کچھ تو ہے..... کیمرے نے ٹینا کی حقیقت پہلے ہی کھول دی تھی۔ پولیس کو میں نے انفارم کردیا تھا دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹینا کو اچھی طرح ان کیمروں کی حقیقت معلوم تھی لیکن لالچ نے یا شاید اسی طرح اس ڈرامے کا اختتام ہونا تھا اور اسے خیال نہیں رہا وہ خوب جانتی تھی کہ تم نے اس کے بیگ سے کچھ نہیں نکالا..... یہ ایک پلان تھا صرف تمہیں ہراساں کرنے کا۔''

''لیکن مجھے خوفزدہ کر کے اسے کیا ملنا تھا؟'' اسے تشویش ہو رہی تھی۔

''رابعہ کا ذکر تم نے ہی مجھ سے کیا تھا، یاد ہے ناں.....؟''

''جی..... بالکل میڈم..... وہ فضول سی خاتون.....'' اسے آج بھی اس کا مکروہ چہرہ اچھی طرح سے یاد تھا جس نے اسے ایک بیہودہ سی جاب آفر کی تھی۔

''پولیس لنک تلاش کر رہی تھی اور ان لوگوں نے تمہاری سادگی کی وجہ سے جلد ہی اپنا پول کھول دیا..... دراصل رابعہ اور ٹینا معصوم اور سادہ لوح لڑکیوں کو ورغلا کر برے کاموں کی جانب راغب کرتی تھیں۔ ان کا تعلق ایک گینگ سے تھا جو دوسرے ممالک سے نوکری کی تلاش میں آنے والی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتی اور پھر ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتیں۔

''اوہ میرے خدایا..... کتنا بڑا دھوکا..... کتنا خوفناک فریب.....'' اس کی روح تک لرز اٹھی اسے رب العزت نے ان شیطان نما عورتوں کے چنگل سے بچالیا تھا۔

''تم شکر ادا کرو قرۃ العین کہ تمہیں شرجیل جیسا اچھا بندہ اور صبا جیسی فرینڈ ملی جو تمہارا محفوظ سہارا ثابت ہوئے۔ خدا اپنے بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا..... اوکے..... انجوائے یور لائف..... اور ہاں کبھی میری کسی مدد کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک کال کرلینا.....'' انہوں نے اپنائیت سے کہا۔

''میڈم روبانہ.....! آپ کا بہت، بہت شکریہ..... آپ نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی اور مورل سپورٹ کی..... لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ ٹینا اور رابعہ جیسی خواتین ملک سے باہر پاکستان کا نام بدنام کرتی ہیں۔'' اسے واقعی دکھ تھا کہ اس طرح پاکستان کے نام پر دھبا لگ رہا ہے۔

''نہیں عینی......ان دونوں کا تعلق پاکستان سے نہیں ہے۔''

''لیکن......رابعہ نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ بھی پاکستانی ہے۔'' اس کی سادگی پر میڈم روبانہ بے ساختہ ہنس دیں۔

''اور تم نے یقین کرلیا......انہوں نے تمہیں نفسیاتی طور پر ٹریپ کرنے کی کوشش کی تھی کہ تم ان کی باتوں میں آجاؤ......ٹینا اور رابعہ کا تعلق پڑوسی ملک سے ہے۔''

''اوہ اچھا......'' ایک اور دھوکا......اسے چکر سا آگیا۔

''او کے ڈیئر...... تم سے پھر بات ہوگی...... بائے۔'' اس نے مضبوطی سے دروازہ تھام لیا۔ یہ سب کیا ہو چکا ہے۔ خواب یا حقیقت، خوفناک اژدھوں کی صورت میں لپٹے ماضی کے تصور سے بھی بڑھ کر اس نے ٹیرس سے باہر آسمان پر اڑتے آزاد بادلوں کی جانب دیکھا۔ بے اختیار اپنے رب پر بے حد پیار آیا، آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''آپ کا بہت، بہت شکریہ...... میرے رب......آپ نے مجھے بچالیا......'' وہ نہ چاہتے بھی اپنے بے قرار مچلتے آنسوؤں کو نہ روک سکی اور بے تحاشا رونے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے دل کو ذرا چین ملا تو اس نے وضو کیا اور دو رکعت شکرانے نفل ادا کیے ابھی دعا مانگ رہی تھی کہ شرجیل کا فون آگیا۔

''ہائے پارٹنر......! کیا کررہی تھیں...... مجھے یاد کررہی تھیں ناں...... دیکھو فوراً فون کرلیا۔'' اس کی شوخی عود کر آئی تھی۔

''یاد تو کررہی تھی لیکن آپ کو نہیں اپنے پیارے اللہ رب العزت کو۔''

''کیا مطلب......میں سمجھا نہیں......؟''

''نماز پڑھ رہی تھی شرجیل......شکرانے کے نفل۔''

''اوہ اچھا......اچھا۔''

''چلو اچھا...... ایک ضروری کال آرہی ہے عینی...... ٹاک یو لیٹر...... او کے......'' اس نے کھٹ سے فون بند کردیا...... اس نے ذرا ناگواری سے ابرو چڑھائیں پھر گھر کے کام کاج میں لگ گئی۔

''میں پہلے ہی جانتا تھا کہ ٹینا کی کہانی میں کچھ تو گڑبڑ ہے اور دیکھو...... وہ پکڑی گئی......تم نے بلاوجہ ہی اسے اپنے اوپر بھوت کی طرح سوار کرلیا تھا......خیر تمہاری تو جان چھوٹی ان کرپٹ عورتوں سے......''

شام کو آفس سے واپسی پر وہ دونوں ایک ساتھ چائے پی رہے تھے تب اس نے میڈم روبانہ کے فون اور رابعہ اور ٹینا کی گرفتاری کے بارے میں بتایا۔

''سچ کہتے ہیں شرجیل...... اللہ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔'' اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ میڈم روبانہ کی بات اس نے اپنے دل میں بٹھالی تھی۔

''کم آن عینی......! تم کب سے اتنی اللہ والی ہوگئی ہو یار......''

وہ ذرا چڑ کر بولا تو اسے کچھ تعجب سا ہوا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں شرجیل......! میری کہاں اوقات کہ میں اللہ والی کے مرتبے تک پہنچوں......لیکن میری اپنی محبت تو ہے ناں اپنے رب سے...... اس سے تو میں انکار نہیں کرسکتی......'' اس کا موڈ آف سا ہو گیا تھا۔

''ہاں، ہاں بس ٹھیک، ہے ناں یار......'' وہ کچھ جھنجلایا سا اٹھا، اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے اس نے ذرا شگفتگی سے بات کی تاکہ اس کی تیوری کے بل کچھ کم ہوں۔

''ہاں یاد آیا......وہ آپ کے ماما تھے ناں......؟''

''ماما...... کون سے ماما......؟'' اس نے ذرا بیگانگی سے پوچھا تو اسے حیرت کا جھٹکا سا لگا۔

''شرجیل......آپ کے ماما...... ارے......وہی ماموں جنہوں نے آپ کو پالا ہے......'' اس نے چائے کا کپ میز پر پٹخا۔

''اوہ ہاں......وہ دیکھو ناں یار......میرے ذہن میں پتا نہیں کیا چل رہا تھا کہ اپنے پیارے ماما کو ہی بھول گیا...... ہاں......کیا ہوا میرے ماما کو......''

''آپ کے ماما کو تو کچھ نہیں ہوا......لیکن آپ نے کبھی میری ان سے بات نہیں کروائی......'' اس کی

اپنے ہی اتنے عزیز محسن ماما سے بے اعتنائی دیکھ کر اسے کوفت ہو رہی تھی۔

''ان سے بات کرواؤں تمہاری..... یار..... وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں..... ہاں بلکہ ان کو تو اب سنائی بھی نہیں دیتا.....'' وہ عذر پیش کر رہا تھا یا سچ..... اسے یہ سب اچھا نہیں لگا۔

''اور انہیں نظر بھی نہیں آتا.....'' وہ جیسے الفاظ چباتے ہوئے بول رہی تھی۔

''بالکل exactly بالکل یہ ہی بات ہے۔'' وہ اس کے طنز کو سمجھ رہا تھا یا نظر انداز کر رہا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

''اور کتنا جھوٹ بولیں گے آپ.....'' غم و غصے سے وہ چیخ اٹھی۔

''میں..... میں کیوں جھوٹ بولوں گا یار..... آخر کیا ضرورت پڑی ہے، مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی۔'' اس کے ماتھے پر پھر شکنیں پڑ گئیں۔

''تو پھر آپ نے اب تک میری ان سے بات کیوں نہیں کرائی۔ کیا میں نے امی سے آپ کی بات نہیں کروائی۔ کیا میری بہن عمرانہ سے آپ نے بات نہیں کی..... تو پھر آپ کے ماما مجھ سے بات کیوں نہیں کر سکتے بولیے۔'' وہ ایک دم کرسی سے کھڑی ہوئی تو اس کا سر چکرا سا گیا قریب تھا کہ گر پڑتی کہ شرجیل نے لپک کر اسے تھام لیا۔

''کیا ہوا عینی..... تم ٹھیک تو ہو ناں..... تمہارا تو رنگ بھی پیلا پڑ گیا ہے۔''

''ہاں..... بس چکر سا آ گیا تھا..... اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما۔

''تم سارا دن کاموں میں جو لگی رہتی ہو اپنی صحت کی طرف ذرا توجہ نہیں دیتیں..... فوراً ڈاکٹر کے پاس چلو..... وہ اس کے پیچھے ہی پڑ گیا اور پھر اسے ڈاکٹر کے یہاں جانا ہی پڑا اور جلد ہی انہیں ایک بڑی خوشخبری ملی کہ ان کے گھر ایک ننھا سا مہمان آنے والا ہے۔ اس خبر نے ان دونوں کے دل خوشیوں سے بھر دیے تھے۔ شرجیل احمد کے قدم تو جیسے زمین پر ٹکتے ہی نہیں تھے اسے تو اب سوائے اپنی آنے والی اولاد کے کچھ اور سوجھتا ہی نہیں تھا۔ قرۃ العین کو تو اس نے جیسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا۔

''خدایا شرجیل اپنے کام پر توجہ دیں پلیز..... آخر کب تک مجھ سے یوں چپکے رہیں گے.....''

''اپنے کام پر تو توجہ دے رہا ہوں، تم ابھی... ناتجربے کار ہو..... تمہیں کیا پتا کہ کیا کھانا ہے، کیا کرنا ہے کون سی میڈیسن لینی ہے.....'' وہ ابھی اس کے لیے تازہ پھل کاٹ کر لایا تھا۔

''ڈاکٹر نے سب بتا دیا ہے شرجیل.....! آپ کو کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے..... اور بچی تھوڑی ہوں میں، کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ اللہ ہے ناں میرے ساتھ۔''

''جانتا ہوں یار..... خداوند تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر بھی ناں.....'' وہ بضد تھا لیکن اس نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور اسے جانا ہی پڑا..... اس کے جانے کے بعد وہ گھر کے چھوٹے، موٹے کاموں میں الجھ گئی..... لیکن جلد ہی وہ کام بھی ختم ہو گئے تو ذرا ستانے کے لیے بیڈ پر دراز ہو گئی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

خدا جانے کیسے آگ لگی تھی جب اسے ہوش آیا تو اس کے چاروں جانب دھواں ہی دھواں تھا اور دور سے آگ کے بلند شعلے جسم کو جیسے جھلسا رہے تھے۔ موت کا خوف اس کے وجود میں سرائیت کر گیا اور وہ.... بے تحاشا اپنے رب کو پکارنے لگی اس خوف اور اذیت کی وادی میں سوائے اس کے پروردگار کے اور کوئی نہیں تھا جسے وہ اپنے نزدیک محسوس کرتی، اس کا وجود بری طرح لرز رہا تھا اور لب بے قرار اپنے اللہ کو پکار رہے تھے۔

''میرے اللہ..... میرے اللہ..... میری مدد کریں، پیارے اللہ..... میرے اللہ میری مدد کریں۔''

وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی لیکن اس دھواں دار اندھیری جگہ میں کوئی اس کا مددگار نہیں تھا۔ اس کے آنسو بے تحاشا بہے جا رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ جیسے اب اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے، آگ کی تپش ناقابلِ برداشت حد تک بڑھتی جا رہی تھی۔

ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

کراچی	03002680248	گجرات	03016215229	منڈی بہاؤالدین	03460827027
لاہور	03004009578	وزیرآباد	03456892591	سیالکوٹ	0524568440
ملتان	03006301461	لالہ موسیٰ	03216203640	میرپور AK	03460397119
حیدرآباد	03213060477	خان پور	03337472654	اٹک سٹی	057210003
سرگودھا	03447475344	کوہاٹ	03325465062	دیپالپور	03004059957
پشاور	03005930230	ساہیوال	03446804050	لیہ	03002373988
کوئٹہ	03337805247	پاک پتن	0300694678	قصبہ ڈنگہ	03083360600
فیصل آباد	03006698022	مظفرآباد	03469616224	عارف والا	03008758799
راولپنڈی	03335205014	بورےوالہ	03347193958	لورالائی	03023844266
نواب شاہ	03003223414	وہاڑی	03136844650	کوٹلہ ارب علی خان	03016299433
سکھر	03009313528	تونسہ شریف	03346712400	جلالپور پیروالا	03338303131
رحیم یار خان	03009672096	ڈیرہ غازی خان	03336481953	ہری پور	03321905703
بہاولپور	0622730455	بہاولنگر	03336320766	چکوال	03348761952
گوجرانوالہ	03316667828	بنوں شہر	03329776400	وہوا	03346383400
جہلم	03235777931	رائے ونڈ	03004719056	حافظ آباد	03006885976
سیالکوٹ	03008711949	ہڑپہ	03317400678	کوہاٹ	03325465062
جھنگ	0477626420	ڈیرہ اسماعیل خان	03349738040	ایبٹ آباد	0992335847
بھکر	03337979701	چشتیاں	03348761952	پتوکی	03454678832

منڈی بہاؤالدین 0331-7619788 مخمن آباد 0301-7681279 مانسہرہ 0333-5021421
ڈسکہ 0300-9463975 سمبڑیال 0333-8604306 کوٹ رادھا کشن 03004992290
حجرہ شاہ مقیم 03006969881 ٹوبہ ٹیک سنگھ 0315-6565459

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

E-mail:jdpgroup@hotmail.com

''میرے پیارے اللہ! مجھے معاف کردیں.....
میرے پیارے رسولؐ کے واسطے مجھے معاف کردیں۔
اس خطا کار بندی کو معاف کردیں کہ سوائے آپ کے کوئی مجھے معاف کرنے والا نہیں.....کوئی نہیں ہے۔''

وہ زمین پر جھکتی جارہی تھی اپنے رب کے سامنے حاضری کا وقت بس آچکا تھا اور اس کے لب صرف اپنے رب کو پکار رہے تھے تب ہی ایک مضبوط ہاتھ نے اس کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے اسے محفوظ راستے کی جانب لے کر چلا..... اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔ پٹ آنکھیں وا ہوئیں.....اس کی سانس نہایت تیزی سے چل رہی تھی پورا وجود پسینے میں تر بتر ہورہا تھا اس نے خوف زدہ نظروں سے اپنے اردگرد دیکھا وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھے ٹائم پیس پر ذرا غور سے دیکھا۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور وہ تقریباً بارہ بجے کاموں سے فارغ ہوکر ہی لیٹی تھی نہ جانے کب آنکھ لگی.....صرف آدھ گھنٹا گویا تیس منٹوں میں کیسے دنیا ہی بدل گئی.....خواب سے حقیقت تک لوٹنے کا عمل کتنا ہولناک تھا اسے جھرجھری سی آگئی۔ مرنے کے بعد انسان کے ساتھ کیا ہوتا ہے، استانی جی نے بہت کچھ بتایا تھا وہ ہی استانی جی جن کی کمر خمیدہ تھی کالا برقع پہنے ایک ہاتھ میں چھڑی لیے جس پر ذرا زور دے کر چلتیں.....اکثر پان بھی چباتیں، سنا تھا کہ ان کے تین بیٹے ہیں اور تینوں ہی سرکاری ملازم ہیں لیکن نچلی پوسٹوں پر ہونے کے باوجود اوپر کی کمائی سے بڑی برکت تھی۔ استانی جی پرانے خیالات کی مالک تھیں۔ ایسی کمائی کو اپنے اوپر حرام سمجھتی تھیں انہوں نے بیٹوں کو بہتیرا سمجھایا لیکن بڑھیا ماں کی کون سنتا لہٰذا استانی جی نے مجبوراً اپنا کھانا پینا الگ کرلیا تھا۔ بچوں کو گھر، گھر جاکر قرآن پاک کی تعلیم دیتیں اور لوگ ہدیے کے طور پر جو دیتے اس سے اپنا خرچ چلاتیں۔ استانی جی نے زمانہ دیکھا تھا، شہناز بیگم تو ان کی بڑی گرویدہ تھیں وہ جب بھی آتیں ان کے لیے چائے بناتیں اور کچھ نہ کچھ اپنی حیثیت کے مطابق ضرور رکھتیں اور ان سے دین کی باتیں سنتیں..... استانی جی کی باتوں سے اکثر بوریت ہوتی شہناز بیگم اور ننھی عمرانہ تو بڑی توجہ سے سنتی اور وہ جمائیاں لیتی رہتی۔

''اچھے اعمال ہوں گے تو اچھا انجام ہوگا بیٹا.....
برے اعمال ہوں گے تو برا ہی انجام ہوگا.....جس پر اس رب کی رحمت ہو.....(شہادت کی انگلی آسمان کی جانب بڑی عقیدت سے اٹھتی) وہ سب کچھ بتا دیتا ہے۔ بندہ نہ سن پائے تو سمجھا دیتا ہے..... نہ سمجھ پائے تو من میں ڈال دیتا ہے اور پھر بھی نہ سمجھ میں آئے تو اسے کچھ سمجھ نہیں آتا اور وہ خود بخود حق کی راہ پر چل پڑتا ہے کہ بندہ تو غلام ہے کیا مجال اس کی کہ چوں چراں بھی کرے.....
بس کچھ بھی ہو کیسے بھی حالات ہوں اپنے من سے رب کا رشتہ پکا رکھو.....'' بچپن میں استانی جی کی زبانی سنی باتیں جیسے فلم کی ریل کے مانند دماغ میں گھوم رہی تھی۔
یہ سب کچھ کیسے محفوظ رہ گیا وہ سوچنے لگی..... اتنے برسوں بعد کیسے وہ سب کچھ اچانک سے یاد آگیا جو اس کے خیال میں ذہن سے کب کا محو ہوچکا تھا۔ اس نے اپنا سیل فون اٹھایا شرجیل احمد نے کئی پیغامات بھیجے تھے جن میں تاکید تھی کہ اسے اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے اور کوئی کام نہیں کرنا وہ بے اختیار مسکرادی۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوچلا تھا۔ استانی جی کا سبق یاد آچکا تھا وہ نماز کے لیے اٹھی، نماز پڑھ کر کھانا کھا کر فارغ ہوئی تو شرجیل کا فون آگیا اس شخص کو چین نہ تھا۔

''قرار نہیں ہے ناں آپ کو.....'' وہ زیرِلب مسکرا رہی تھی۔

''جانتی تو ہو.....پھر کیوں پوچھتی ہو اور کیا ہورہا تھا'' وہ خجالت سے بولا۔

''کھانا کھالیا ہے ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی ہوں.....'' اس نے اچھے بچوں کی طرح سارا کچھ دل بتا ڈالا۔

''ایک بات پوچھوں..... تم پہلے تو نماز نہیں پڑھتی تھیں.....پھر اب کیوں..... کسی نے کچھ کہہ دیا تھا''

''غلط کرتی تھی پہلے..... لیکن اب نہیں کروں گی اور مجھے کون کچھ کہنے لگا.....'' اس نے صدقِ دل سے جواب دیا..... رب العزت اسے سلجھا یا تھا۔

''سنو..... مجھے کبھی چھوڑو گی تو نہیں.....؟''

اس کے اس بے تکے سے سوال پر وہ کچھ حیران سی ہوئی۔

''یہ کیا.....؟ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔''

اس کے اس جواب پر اس نے ایک گہری سانس بھری اسے محسوس ہوا جیسے وہ کچھ نروس ہے۔

''شرجیل..... خیریت تو ہے ناں..... کچھ چھپا تو نہیں رہے مجھ سے..... بتائیے ناں.....'' اس نے ذرا پیار لاڈ سے پوچھا تو اس نے اگل دیا۔

''سچ بتاؤں عینی.....! دل میں ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔''

''خدا خیر کرے شرجیل..... کیسا دھڑکا..... اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ رکھیے..... شیئر کریں مجھ سے..... میں آپ کی بیوی ہوں، ہر قدم پر میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''تو پھر وعدہ کرو، وعدہ کرو کہ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی'' وہ چھوٹے بچوں کے مانند ضد پر اتر آیا تھا۔ اس کے اس رویے پر وہ الجھ سی گئی۔

''سینڈوچز بھی بناؤ گی۔''

اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی لیکن عینی کے دل میں ایک ٹیس سی ابھری۔

''خدا خیر کرے.....'' کیسا درد تھا کہ جس کی شدت نہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر شدید تھی کہ جس نے اس کی روح کو بے چین کر دیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ بچپن میں اس کی ماں سورۂ یٰسین پانی پر پڑھ کر دم کر کے انہیں دیتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ اس طرح اللہ سارے بچوں کو اپنی امان میں رکھتا ہے، بچے شیطانی آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں، اس کا وضو قائم تھا اس نے قرآن پاک کھولا سورۂ یٰسین پڑھی پانی پر دم کیا اور ڈھک کر رکھ دیا۔ شام کو جب شرجیل احمد آفس سے لوٹا تو اس نے بہت یاد سے اسے پانی پینے کو دیا۔

''یہ سورۂ یٰسین کا پانی ہے میں نے پڑھ کر اس پر دم کیا تھا۔'' اس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ گلاس لبوں سے ہٹا لیا۔ اس کے ماتھے پر ناگواری سے شکنیں در آئی تھیں۔

''کیا..... یہ قرآنی آیات کا پانی ہے؟''

''ہاں شرجیل، اس طرح آپ کی پریشانیوں میں کمی ہو جائے گی۔'' اس نے بڑے وثوق سے کہا اور اس نے ایک جھٹکے سے گلاس میز پر پٹخا۔

''نہیں چاہیے مجھے اس طرح اپنی پریشانیوں کا حل..... مت کیا کرو میرے ساتھ اس طرح کی حرکات..... مجھے..... مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' جیسے وہ واقعی کسی اذیت میں تھا۔

وہ یک ٹک پریشانی کے عالم میں اسے تک رہی تھی کوئی جواب ہی نہیں بن رہا تھا۔

''لیکن شرجیل.....'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''نہیں سننا مجھے کچھ..... پلیز..... یہ دم درود یہ نمازیں دعائیں..... مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا..... تم آج کل کے دور کی لڑکی ہو کر کن دقیانوسی باتوں میں الجھ رہی ہو۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں، یہ تو دین کی باتیں ہیں..... یہ دقیانوسی ہرگز نہیں ہیں، خدا نہ کرے کہیں، کہیں آپ پر کوئی سایہ وغیرہ تو نہیں ہو گیا۔''

استانی جی نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب اچھا بھلا چنگا انسان دین کی برائیاں کرنے لگے شک و ابہام میں الجھ جائے تو یا تو کفر کی راہ پر نکل پڑتا ہے یا اس پر آسیب کا اثر ہو جاتا ہے۔

اپنے شوہر کے لیے کفر کی راہ کے متعلق تو سوچنا بھی حرام تھا۔ البتہ آسیب سایہ وغیرہ کا شک ضرور ہو رہا تھا، اس نے اس کی بات کا پھر جواب نہ دیا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ رات کھانے پر بھی اس کا منہ بنا ہوا تھا اس نے بہت بات کرنے کی کوشش بھی کی لیکن اس کے لبوں پر جیسے گوند چپکی تھی۔

تیسرا اور آخری حصہ ان شاء اللہ اگلے ماہ

عورت رنگ گمنام

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے . . . مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر

شادی سے پہلے جب نئی، نئی جوانی، منہ زوری کی طرف جارہی ہوتی ہے تب ہی اس کے دل میں، ڈراموں اور فلموں کی ہیروئنز نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ ہر ... ر، لائٹ میک اپ، کبھی کھلے کبھی آدھے بندھے ہوئے، سلکی شولڈر کٹ بال اور مہین دوپٹے کا پلو لہراتی ہوئی، یہاں وہاں گھر میں جگہ، جگہ کدکڑے لگاتی ہوئی، الہڑ نار کے روپ میں وہ خود ہی کو دیکھتی، اکثر اکیلے بیٹھی ہیروئنوں کی طرح پوز مار، مار کے ناز و انداز

دکھا رہی ہوتی۔ اپنے آپ میں مگن ہو کے وہ اردگرد سے اتنی بیگانہ ہو جاتی کہ کبھی، کبھی تو اماں کا دو ہتڑ کھا کے ہی اسے ہوش آتا۔

وہ خود بھی اپنی اوقات اچھے سے جانتی تو تھی۔ یہ خواب محض دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا تھا۔ معمولی ملازم اور بہن بھائیوں کی قطار، پیسے کی تنگی، چھوٹا سا گھر، سلائی کر کے ہاتھ بٹاتی ہوئی اماں... ابا کی معمولی سی تنخواہ اور اس سے بھی معمولی کپڑے لے کے آنے والی ان ہی کے جیسی عورتیں اور اس سے بھی زیادہ معمولی معیار کے کپڑے۔

نہ اس کے پاس کوئی حسن ہی غیر معمولی تھا۔ لیکن کیا کیجیے یہ عمر ہی خواب سجانے کی ہوتی ہے اور خواب کبھی فسوں ہوتے ہیں کبھی فتنہ..... فسوں کو اماں کی ایک چنگھاڑ توڑ ڈالتی تھی لیکن روکتے، روکتے، خود کو سمجھاتے، سمجھاتے بھی جانے کب اور کیسے اس فسوں میں حوصلہ افزائی کا پانی پڑ گیا..... شاید اس دن جب میم زائرہ پہلی بار اُن کے گھر آئیں..... جانے موقع ایسا تھا یا اس کی قسمت.....

وہ ننھے منے صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

تنگ موری کا سفید ململ کا پاجامہ اور اماں سے بصد اصرار سلوائی گئی، اونچی قمیص جسے ابا کے سامنے پہننے کی ممانعت تھی... پرانا جارجٹ کا سرخ دوپٹا اوڑھ کے وہ گول، گول چکر کھا رہی تھی۔ چکر کچھ زیادہ ہی گول، گول ہو گئے تھے جبھی اسے دروازے سے جھانکتا کسی کا سر دیکھ کے بھی کچھ نظر نہیں آیا۔

بمشکل ہاتھوں سے تھام کے گھومتے دماغ کو اس نے کنٹرول کرنے کی کوشش کی تو سامنے کوئی دراز قد، شرارتی مسکراہٹ لیے کھڑا بصد شوق اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''اکرم..... کیا ہوا؟''

اس سے پہلے کہ وہ اس اجنبی بندے سے کچھ پوچھ پاتی، اسی کے پیچھے سے میم زائرہ نمودار ہوئی تھیں۔

اس کی توشی ہی گم ہوگئی۔

زائرہ کی شخصیت کا سحر، اُن کی نرم آواز اور ان سے انچ بھر کے فاصلے پر کھڑا وہ شخص..... دونوں ہی اس کے لیے مکمل اجنبی تھے۔

کتنے ہی پل ان دونوں کو پٹ پٹ دیکھتے ہوئے گزرے۔

''سلیمہ خالہ یہیں رہتی ہیں؟'' آنے والی نے کچھ الجھن بھرے انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

''جج..... جی جی..... میں اماں کو بلاتی ہوں۔''

وہ پلٹ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

☆☆☆

زائرہ تو پہلی اور آخری بار ہی ان کے گھر آئی تھیں لیکن ان کے اِن سلے نفیس اور قیمتی کپڑے اکثر آنے لگے۔

کبھی ان کی ذاتی ملازمہ لے کے آتی۔ کبھی ان کا وہی ڈرائیور، جس سے وہ خاص طور پر خار کھاتی تھی۔ اس کی بتیسی اسے دیکھ کے ایویں میں باہر نکلی رہتی۔

''چھچھورا.....'' کبھی، کبھی وہ تپ کے زیرِلب بڑبڑا بھی دیتی لیکن اس نے آگے سے کبھی مسکرانے کے سوا اور کچھ کیا ہی نہیں تھا۔ اس لیے وہ بس دل ہی دل میں بل کھاتی رہتی۔ اس کے پاس اسے کھری، کھری سنانے کی شدید خواہش رکھنے کے باوجود کوئی ٹھوس وجہ نہیں تھی۔

لاک ڈاؤن کی وجہ سے درزیوں کی عدم دستیابی نے زائرہ کو ان کا راستہ دکھایا تھا۔ وہ اسی علاقے سے کچھ دور بنے، بنگلوں کی قطار میں سے آئی تھیں اور اب مستقل بنیادوں پر ان کی ملازمہ کپڑے سلنے کے لیے دینے آتی تھی۔

سلیمہ کی سلائی میں مہارت اور صفائی تو تھی لیکن جدت نہیں۔ اس لیے کبھی، کبھی ان کی ملازمہ، اس بات کا اظہارِ افسوس کر جاتی۔

''ڈولی باجی، آپ کی اسٹیچنگ سے بہت انسپیر (انسپائر) ہیں۔ اگر آپ کو ماڈرن کپڑے سینے آتے ہوتے ناں جی..... تو آپ کے تو مزے لگ جاتے۔''

ملازمہ خود بھی اپنی بڑی باجی اور ڈولی باجی کی انگلش سے کافی ''انسپیر'' لگتی تھی۔ وہ اکثر اس کی انگلش کا مذاق اڑاتی۔ حالانکہ وہ خود بھی کوئی ماسٹرنی نہیں تھی۔ لیکن ڈرامے اور فلمیں دیکھ، دیکھ کے کم سے کم اتنی تو سیکھ ہی گئی تھی کہ کسی کے سامنے دو لفظ بھی بولتی تو ٹھیک سے بولتی اور اللہ کے کرم سے محلے کے ہی سہی، انگلش میڈیم کی پڑھی ہوئی تھی۔ کالج جانے کی حالات نے اجازت نہیں دی۔ ورنہ ہوسکتا تھا کہ آگے بھی پڑھ جاتی۔

☆☆☆

قصہ مختصر..... اکرم کا رشتہ آگیا..... بالکل اچانک، بنا بتائے اس نے گاؤں سے اپنے ماں باپ کو بلا بھیجا۔ ایک دن پہلے اماں کو پیغام ملا۔ انہوں نے اسے بتائے بغیر ہی ان کو مدعو کرلیا۔

گل لالہ عرف لالی کو خار تو بہت چڑھی لیکن کوئی حرج بھی نہیں تھا اگر بات صرف منگنی تک رہ جاتی۔ لیکن اماں کو جانے کس بات کی جلدی تھی صرف تین بار کی ملاقات وہ بھی مہینے بھر کے اندر، اندر اور اس سے بھی اگلے ماہ وہ سرخ جوڑا پہن کے بابل کے ڈیڑھ بالشت کے آنگن سے اکرم کے کوارٹر میں آن بسی۔

وہ اس شادی سے کوئی خاص خوش نہیں تھی۔ لیکن یہ بھی تھا کہ اس نے کون سا پڑھ لکھ کے کوئی ڈاکٹر یا وکیل بننا تھا۔ اس لیے اماں کے سمجھانے پر چپ ہوگئی۔

شادی کی پہلی رات اکرم نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ اس کی ایک جھلک دیکھ کے ہی دل ہار گیا تھا۔

وہ سر جھکائے شرماتی سمٹتی سنتی رہی۔

اس رات پہلی بار محبتوں کے طلسم نے اپنے پر پھیلائے اور اس کا نازک وجود ڈھانپ لیا۔ وہ اکرم کی سچی اور پُرخلوص محبت کے سائے میں پور، پور جذب ہوگئی۔

زندگی نے ایک نیا سوانگ بھرا اور اس کا روپ نکھرا گلاب سا ہوگیا۔

بلاشبہ یہ اکرم کی بے تاب محبت ہی تھی جس نے اس کے گندمی گال دہکا رکھے تھے۔ لبوں پر ہر آن، ہر پل ایک مطمئن مسکراہٹ چٹکیاں بھرتی رہتی۔

نہ کھانے کو کوئی من و سلویٰ تھا نہ پہننے کو کمخواب..... بلکہ اب تو بازار کے سستے، سیل والے نئے جوڑے بھی چھوٹ گئے تھے جو سلیمہ ٹکڑا، ٹکڑا اکٹھا کر کے ''تھری پیس'' کے درجے تک لاتی تھی۔ پھر بھی جب جب وہ اماں کے ویہڑے میں قدم رکھتی۔ چھوٹے بہن بھائی وفورِ شوق سے اسے گھیر لیتے۔ تن پر اترن بھی اتنی قیمتی تھی کہ اس کے دل سے ہر گلہ مٹتا جا رہا تھا۔

زائرہ باجی کے گھر پر گنتی کے دو یا تین ہی بندے تھے۔ زیادہ تو وہ خود یا ڈولی باجی ہی نظر آتی تھیں۔

ڈولی کی شخصیت، خاص لالی کے لیے بہت سحر انگیز تھی۔ وہ بالکل ڈراموں کی ان لڑکیوں جیسی تھی، جو جینز اور فیشنی سی شرٹ پہن کے بغیر دوپٹے کے اکیلی ہی گاڑی چلا کے ہر جگہ چلی جاتی ہیں۔ نئے، نئے ڈیزائین والے دھوپ کے چشمے لگا کے انہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی تھی کہ وہ کیسی دکھ رہی ہیں۔ دھان پان نازک سی جسامت پر جو بھی پہن لیتیں فٹ آجاتا۔ جیسے بنا ہی ان کے لیے ہو۔ عجیب، عجیب طرح کے تنگ پاجامے اور کبھی، کبھی کندھوں سے بالکل اترتی ہوئی قمیصیں بھی۔

ہلکا میک اپ ہو یا ڈارک، ان کے چہرے پر سب ہی سوٹ کرتا تھا۔ پتا نہیں یہ ان کی پرسنالٹی تھی یا اسمارٹ نیس یا پھر ان کا کانفیڈنس..... لالی ان کو دیکھتی تو چپکے، چپکے کتنی ہی بار دیکھتی۔ اسے ان پر کچھ بھی اوور یا برا نہیں لگتا تھا۔

جس روز اسے پتا چلا کہ ڈولی باجی کی ٹی وی والوں سے بھی جان پہچان ہے۔ اس روز وہ ان سے بری طرح متاثر ہوگئی۔ یعنی جو تھوڑی بہت کسر باقی تھی وہ بھی پوری ہوگئی۔

زائرہ باجی نے چند ہی دنوں میں اس کے طور طریقے بھانپ کر اسے بنگلے کے اندر کام پر رکھ لیا تھا۔ تنخواہ الگ تھی اور اچھے، اچھے کپڑوں کی موجیں الگ..... کبھی، کبھی بچا ہوا کھانا بھی مل جاتا جو اتنا ذائقے دار ہوتا کہ وہ خود کم کھاتی اپنے بہن بھائیوں کے لیے زیادہ باندھ لاتی۔

لیکن..... اس سب کے باوجود، کوئی چیز اس کے اندر کھٹکنے لگی۔ لاکھ غربت تھی پر اس کا معیارِ زندگی یہ نہیں تھا۔

زائرہ باجی اور ان کی بیٹی یوں تو بہت اچھی تھیں لیکن تھیں تو مالکن ہی ناں.....

کبھی، کبھی دل میں ایک کسک سی جاگ اٹھتی تھی۔ ابا کے گھر اس نے ہمیشہ نئے جوڑے پہنے تھے۔ کبھی کسی کا جھوٹا نہیں کھایا تھا..... ایک روز اماں کو اپنا سوٹ سلائی کرتے دیکھ کے دل میں خیال نے چٹکی سی بھر لی۔

''اماں.....!'' اس کی پکار میں ایسی حسرت اور تڑپ تھی کہ سلیمہ کے چلتے ہاتھ رک گئے۔

''کیا ہوا میری بچی.....؟'' اس نے آج سے پہلے کبھی لالہ کو اس طرح جواب نہیں دیا تھا۔

''اماں.....! آپ کو نہیں لگتا جیسے میں..... میں تو اماں..... ڈرائیور سے شادی کر کے ماسی بن گئی ہوں۔''

سلیمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''ہم نے کب کسی کے گھر نوکری کی ہے اماں..... برتن مانجھے، نہ جھاڑو پوچھے لگائے..... نہ صفائیاں کیں۔'' اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

سلیمہ کے چہرے پر عجیب سا خوف پھیل گیا۔ باہر سے مغرب کی اذانوں کی آواز آرہی تھی۔ ملگجا جھٹپٹا پھیل رہا تھا۔ گھر کے بچے محلے میں کھیلنے نکلے ہوئے تھے۔ باہر کی لائٹ بھی نہیں جلائی تھی۔ اور ایسے میں، اس سوئے جاگے ماحول میں لالہ کی اتنی عجیب بات اور اس سے بھی عجیب اس کا انداز.....

سلیمہ کی آنکھوں میں دوپہر کا منظر گھوم گیا۔

آج جب لالہ گھر میں داخل ہوئی تو چھوٹی والی ماہ رخ نے سرخ جالی کا نیا فراک پہن رکھا تھا۔ اور بالکل لالی کی طرح صحن میں گول، گول چکر لگا رہی تھی۔

لالی نے اندر آکے اسے بانہوں میں بھر لیا تھا اور ماہ رخ اپنی آپی کو بہت شوق سے اپنا نیا فراک دکھانے

لگی تھی۔

اماں نے اس وقت تو نہیں لیکن اس سستی فراک کی مہنگی خواہش کو اب اس کی آنکھوں سے پڑھا تھا۔

سلیمہ کا دل دھیرے، دھیرے باہر آنے لگا۔ اس نے چند لمحے اس کے چہرے پر لکھا احساس کمتری پڑھا، پھر بڑی پھُرتی سے مشین میں لگے ہوئے کپڑے سمیٹ کر ڈھکن ڈھانک دیا۔ گویا وہ کم قیمت لیکن نئے کپڑے بیٹی کی آنکھوں کی سوئیاں نہ بن جائیں۔

''اصل چیز، حلال کی کمائی ہوتی ہے میری بیٹی..... یہ اترن اور جھوٹا کوئی معنی نہیں رکھتا میری چندا..... اور تو جو کپڑے پہنتی ہے۔ وہ کون سے پرانے لگتے ہیں۔ وہ تو ان نئے نویلوں سے بھی کہیں اچھے ہیں۔''

اس نے بے حد لاڈ سے ہتھیلیوں کے کٹورے میں اس کا چہرہ بھر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن درحقیقت یہ سمجھانے کی کوشش اسے بہلانے کی کوشش تھی۔

''لیکن ہیں تو پرانے ناں''۔ وہ نہیں بہل سکی۔

اس کا چہرہ اب بھی سلیمہ کے ہاتھوں میں تھا۔ سلیمہ نے اس کے ماتھے پر ایک گرم بوسہ دیا۔ اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس لیے فی الحال یہی اس کا جواب تھا۔ لیکن ہر سوال کا جواب ماں کا بوسہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ الگ بات کہ مائیں ایسا سمجھتی ہیں۔

وہ بھی چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔ سلیمہ کی ہتھیلیاں خالی معلق رہ گئیں۔

☆☆☆

اس کے دماغ میں خودداری کا جو کیڑا اچانک ہی کلبلایا تھا وہ اتنا بھی اچانک نہیں تھا۔ اس کے پیچھے ایک سہ پہر تھی، جب وہ زائرہ باجی کی بیٹی کے مہمانوں کے لیے کولڈ ڈرنکس لے کے گئی تو وہاں کسی ڈراما سیریل کی کاسٹ پر بحث چل رہی تھی۔

اس نے ڈولی ہی کا دیا ہوا شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔ اس کی متناسب جسامت پر وہ جوڑا خوب جچ رہا تھا۔ ڈولی نے اسے یوں دے دیا تھا کہ اسے شلوار قمیص پہننے کی عادت نہیں تھی۔ وہ نیا کورا جوڑا اہتمام سے پہننے کی تو تب بھی قائل تھی جب سال میں گنتی کے چار سوٹ بن پاتے تھے۔ اب تو بات ہی الگ تھی۔

لال سرخ قمیص پر کالے دوپٹے کے ساتھ میچنگ کا کیچر بھی پہلے سے موجود تھا اور کلائیوں میں اکرم کی محبت کھنک رہی تھی۔ اس نے جہیز میں ملنے والا سرخ کھسّا خاص اکرم کی چاہ میں بہت چاؤ سے پہنا..... اپنا پسندیدہ ہیئر اسٹائل بنایا، آدھے بال کھلے چھوڑ دیے۔

اس کے اپنے خیال میں آج وہ، کسی ہیروئین سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی اِک دم خاموشی چھا گئی۔

وہ تابعداری سے سرو کرنے لگی۔ مہمانوں کو ڈرنکس پیش کرنے چند منٹ کے لیے وہاں رکی۔

''ڈولی!'' آنے والی ڈولی باجی کی دوست کی آواز بڑی سوچتی ہوئی سی تھی۔

''یہ کیسی رہے گی؟''

بڑا مبہم سا سوال تھا۔ اس نے گڑبڑا کے نظریں اٹھائیں تو ڈولی باجی کی دوست کی آنکھیں اسی پر گڑی ہوئی تھیں۔

اسے اندر ہی اندر عجیب سا لگا۔ جب ہی ڈولی سے بات کرتے، کرتے اس کی دوست اچانک ہی بولی۔

''کیوں لڑکی..... ڈرامے میں کام کروگی؟''

الفاظ تھے یا بچھو کا ڈنک۔ وہ اچھل ہی تو پڑی۔ ڈولی ہلکے سے ہنس دی۔

''کیا لالی..... کہیں کر ہی نہ لے یہ.....'' ڈولی کے انداز میں مخصوص مضحکہ تھا۔ جو اپنے کسی ملازم کے اندر کسی ٹیلنٹ کی بات سن کے مالکوں کے لہجے میں در آیا کرتا ہے۔

''کیوں نہیں کرسکتی۔ ذرا سا تو سین ہے۔ بس جو ابھی کیا ہے یہی کرنا ہوگا..... چائے سرو کرنی ہے۔ کرلوگی ناں۔''

وہ فوراً ہی اس کہ جانب مڑ گئی۔ لالی کی حالت ایسی تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن.....

''ارے...... کیا ہوا؟'' اس نے ٹکر ٹکر خود کو دیکھتی لالی کے آگے چٹکی بجائی۔

''ارے اکرم سے میں بات کرلوں گی۔ یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے نذیر نے بھی ایک سین کیا تھا۔''

ڈولی کے لہجے کی بے پروائی بتاتی تھی کہ اس کے لیے یہ بہت معمولی بات ہے۔ لیکن لالی کے لیے یہ معمولی بات نہیں تھی۔

''اور پیسے بھی ملیں گے۔'' اس نے گویا صندوق میں آخری کیل ٹھونک دی۔

لالی پر بڑا مشکل وقت آن پڑا۔

ایک پرانا خواب تھا جو کروٹیں بدل کے بس جاگنے کو تھا۔ اسی کے سرہانے اکرم کھڑا تھا۔ اور اس خواب کے گلے کی زنجیر اکرم کے ہاتھ میں تھی۔ لمحے بھر میں اس کی نگاہوں میں کیا، کیا منظر بدلے۔

''میں...... میں......''

اس کی آواز کانپ سے گئی۔

''میں نہیں کرسکتی...... اکرم......'' اس کی آواز گلے میں گھٹ گئی۔

وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔

''تو نے بھی کس کو کہہ دیا یار...... نہیں ہوگا اس سے...... کوئی اور ڈھونڈ......'' ڈولی کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

''ارے ماسی کا رول، ماسی سے اچھا اور کون کر سکتا ہے۔ اپنا کوئی سوٹ دے دینا ذرا ڈھنگ کا۔''

یہ اس کی دوست کی آواز تھی۔ جس نے لالی کا دل چیر دیا تھا۔

''ماسی...... میں ماسی ہوں کیا......؟ میں ماسی تو نہیں تھی...... کیا اکرم سے شادی کر کے میں...... ماسی بن گئی۔''

اس روز وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کتنی دیر خود سے سوال کرتی رہی اور ہر بار ایک ہی جواب اس کے دل پر برف باری کرتا رہا۔

☆☆☆

اماں کے گھر سے واپسی پر اودھم مچاتا دل خاموش ہو چکا تھا۔ اسے ایک فیصلہ کرنا تھا۔ جو اس نے کرلیا تھا۔

اکرم نے سنا تو کتنی دیر اسے دیکھتا رہا پھر ہنسنا شروع کردیا۔

''پاگل تو نہیں ہوگئی...... ڈرامے میں آئے گی تو......؟ اور وہ بھی ماسی بن کے۔''

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ ہنستا رہا۔ جب دل بھر کے ہنس چکا تو ایک دم سے بولی۔

''تجھ سے شادی کر کے اصلی میں بھی تو بن گئی ہوں ناں ماسی...... پھر نقلی میں بننے میں کیا......''

اکرم کی ہنسی بھاپ بن کے اڑ گئی۔ وہ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

''باجی کو بتا دوں گی کل...... مجھے ڈرامے میں کام کرنا ہے۔'' اس نے اکرم کو دیکھے بغیر فیصلہ سنا دیا۔

اکرم نے دل کی رضامندی کے بل بوتے پر اس کو گھر میں بسایا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ جو بھی کہتی وہ آنکھیں بند کر کے مانتا چلا جاتا۔

جیسے ہی اسے لالی کی سنجیدگی کا اندازہ ہوا وہ خود بھی سنجیدہ ہوگیا۔

ایک طویل مکالمہ ان کے درمیان چلا، جس نے بڑھتے، بڑھتے جھڑپ کی شکل اختیار کرلی۔

لالی، جو خود کو کسی ہیروئن سے کم پہلے بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اسے غربت اور ماسیوں والے کام کے طعنے دینے لگی۔

''لاکھ غریب تھے ہم لوگ۔ لیکن کبھی کسی دوسرے کے گھر جا، جا کے برتن نہیں مانجھے۔ لیکن اب تمہاری مہربانی سے یہ بھی کرلیا۔ جو کسر باقی تھی وہ بھی پوری ہوگئی۔'' اس کے انداز میں اتنی سفاکی تھی کہ اکرم کی شکل دیکھنے والی ہوگئی۔

وہ خود جس گھر میں ڈرائیور تھا۔ اس کی بیوی اگر اسی گھر کے اندر چھوٹا موٹا کام نمٹا دیتی تھی تو اس کے لیے یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ کچھ دن پہلے تک ...

کو بھی اعتراض نہیں تھا۔ اکرم نے اسے مجبور نہیں کیا تھا لیکن وہ جانتا تھا انکار کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اور پھر جس کام میں اسے برائی نظر ہی نہیں آتی تھی وہ اس پر اعتراض کیوں کرتا۔ اچھا بھلا، کھا پی رہے تھے۔ بہت سوں سے بہتر پہن رہے تھے۔ رہ بس رہے تھے۔ گزارہ بھلا ہو رہا تھا۔ سر پر چھت تھی۔ کرایہ تھا نہ کوئی بجلی، گیس کے بل..... لیکن لالی کو وہ یہ بات کیسے سمجھا سکتا تھا۔ اس نے تو ایسی زندگی گزاری ہی نہیں تھی۔

اور اب جب سے ڈولی کی دوست کی بات سنی تھی۔ اس کے بعد وہ خود کو شاید ڈولی کی جگہ ہی سمجھ رہی تھی۔

وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ اکرم نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی۔ شادی کے بعد پہلی بار دونوں کے مابین، ناراضی نے پاؤں دھرا۔ اور ناراضی بھی وہ، جس کی لالی کو مطلق پروا نہیں تھی۔

''ابھی تو بہت منہ پھولا ہوا ہے ناں..... جب چار پیسے کما کے لاؤں گی۔ تب پوچھوں گی تم سے.....''

اکرم بس چپ چاپ نوالے نگلتا رہا۔

''ہائے..... میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی مجھے ٹی وی ڈرامے میں کام بھی دے سکتا ہے۔''

وہ آتے جاتے اکرم کو سناتی رہتی۔

''دیکھنا..... ایک ہی بار ایسی ایکٹنگ کروں گی کہ اگلی بار کا چانس خود بخود بن جائے گا۔''

خوابوں کی کوئی سرحدیں نہیں ہوتیں۔ یہ حسین بھی ہوتے ہیں اور حسین ترین بھی..... لیکن یہی خواب اگر ٹوٹ جائیں تو پھر جو درد ملتا ہے اس کی بھی کوئی حد نہیں ہوتی۔ وہ شدید بھی ہوتا ہے اور شدید ترین بھی۔

لالی ابھی خواب دیکھ رہی تھی اور اس نے ان ہی کو حقیقت سمجھ لیا تھا۔ وہ اس سے آگے کچھ دیکھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ وہ نام بنانا چاہتی تھی۔ بہت مشہور ہونا چاہتی۔ بہت ناموری کمانا چاہتی تھی۔

''اچھا..... چل ٹھیک ہے..... لیکن ایک بات یاد رکھنا..... جس دن تو مشہور ہوگئی ناں... اس دن یہ گمنامی کی زندگی بہت یاد آئے گی تجھے..... ہم غریب لوگ ہیں..... ہمیں راس نہیں یہ مشہوری..... ہم گمنام ہی بھلے.....''

اِک روز اس کے چہرے پر سجی دھنک کے رنگوں میں جانے کون سا رنگ اسے خوفزدہ کر گیا تھا جو اس نے یہ بات کہہ کے چپ سادھ لی۔

دوسری طرف پھر لالی تھی۔ جس کو اکرم کو زیر کرنا آ گیا تھا۔ وہ اس کی کمزوری جانتی تھی۔ مہینوں گزر چکے تھے، خلوت اور جلوت نبھاتے ہوئے۔ ابھی تک تو غربت میں بھی محبت زندہ تھی۔ کیونکہ وہ اس کے پیروں تلے ہتھیلیاں رکھ رہا تھا۔

اصل آزمائش تو اب شروع ہوئی تھی کیونکہ وہ انگاروں کو گلاب سمجھ رہی تھی۔ اس راہ پر جانا چاہتی تھی جہاں کم سے کم لالی جیسیوں کے لیے کوئی جگہ تھی نہ کوئی مقام.....

اس نے قدم بڑھا دیا تھا۔ نوکیلے پتھروں سے بھرے راستے کی طرف اب یہ اکرم پر تھا کہ وہ اب بھی اس کے تلووں تلے ہاتھ رکھتا یا اس کو زخمی ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دیتا۔

☆☆☆

اکرم..... ہار گیا۔

لالی کی ضد جیت گئی۔ یا شاید اکرم کی اس سے محبت.....

لالی نے ڈولی کی دوست کو اس رول کے لیے رضامندی دے دی۔

دس دن کی جان توڑ محنت کے بعد وہ اس قابل ہو سکی کہ فقط کیمرے کا سامنا ہی کر سکے۔ ابتدا میں اسے اپنے کانپتے ہاتھوں پر قابو پانا اس قدر مشکل تھا کہ اس کے پسینے چھوٹتے وجود کو دیکھ کے ڈائریکٹر مایوس ہو گیا۔

شکر تھا کہ ڈولی اس کے ساتھ تھی۔ اس کے وجود سے بنا کچھ کہے ایک ڈھارس سی رہتی تھی۔ حالانکہ ڈولی کو نہ اس کے وجود میں کوئی دلچسپی تھی نہ اس ڈرامے میں، وہ صرف اپنے کام سے ریہرسل پر آتی تھی۔ اور اس کا وہاں کیا کام تھا یہ جاننے کی اس نے ضرورت محسوس کی اور نہ اسے اس کی اجازت تھی۔

انتباہ

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ''آفیشل پیج'' کی اصطلاح استعمال کر رہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تا کہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اور کہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اپ لوڈ کر کے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کر رہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کر دیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

PREVENTION OF ELECTRONIC CRIMES ACT 2016

اور

COPYRIGHT ORDINANCE 1962/2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون 35804200-35804300

اللہ، اللہ کر کے سین مکمل ہوا اور اس کا کام ختم..... آخری دن پانچ سو کا مریل نوٹ اس کے ہاتھ میں دے کے ڈولی جانے کہاں غائب ہوگئی۔

وہ اپنے سین کی شوٹنگ کے بعد قدرے ہٹ کے ایک چیئر پر بیٹھ گئی۔ ڈولی کا انتظار کرنے کے ساتھ، ساتھ دوسرے سینز کی شوٹنگ دیکھنا اس کے لیے بہت دلچسپ کام تھا۔ آج کے ایک دو سینز لان میں پکچرائز کیے جانے تھے۔

آج وہ پہلی بار ہی سیٹ کی لوکیشن پر آئی تھی۔ اس سے پہلے یہاں وہاں بس ریہرسل کے لیے ہی جاتی رہی تھی۔

جب تھوڑی شام ڈھلی اور تمام عملہ باہر نکل کے لان میں آیا تو اسے گزرتے وقت کا احساس ہوا اور پہلی بار ایک ہلکی سی فکر نے آن گھیرا۔

اسے گھر سے نکلے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ اور ڈولی کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔

سیٹ پر سب لوگوں کے انجان ہونے کے خیال نے اسے ڈسنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی ہی دیر میں اس کا چہرہ فق ہوگیا۔

وہ کسی ناکارہ بے جان شے کی طرح ایک کونے میں پڑی تھی اور دنیا زمانہ اپنے کام میں مگن تھا۔ کسی کو اس کی موجودگی سے کوئی سروکار تھا نہ اس کی ظاہری حالت سے..... جواب رفتہ، رفتہ بے حال ہوتی جا رہی تھی۔

شام سے ذرا پہلے سیٹ پر لنچ بریک ہوا تب بھی کسی نے اسے ایک نوالے تک کو نہیں پوچھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے ایک طرف دل ہی دل میں گرما گرم بریانی، کباب، چائے اور دوسرے لوازمات کی مہک دباتے ہوئے ان کی اشتہا انگیزی سے نظریں چراتی رہی۔

اس نے کئی بار اپنے ہاتھ میں دبے بٹوے پر انگلیاں پھیر کر اس کے اندر موبائل کی موجودگی کا اطمینان کرنا چاہا۔

''میرے پاس موبائل ہے ناں۔ کوئی مسئلہ ہوا تو تمہیں ہی فون کروں گی۔''

گھر سے نکلتے سمے اس نے اکرم کی فکرمندی پر بہت تنک کر اسے سنایا تھا۔ اب اس وقت اتنے لوگوں کی موجودگی میں اس، گھسے ہوئے بٹوے میں سے، وہ پرانے زمانے کا موبائل نکالنے سے ہی اسے عجیب طرح کی خفت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا موبائل فون ایک نظر دیکھ ہی لیتی۔

چپ چاپ کئی گھنٹے ڈولی کا انتظار کر کے مایوس ہو چکنے کے بعد بالآخر جب اس کی بھوک مر مرا گئی اور آنتوں کے بل ٹھنڈے پڑ گئے۔ باہر اندھیرا پھیلا اور عملہ اپنا سامان سمیٹنے لگا تب..... ہاں تب کہیں جا کے اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے، دھیرے، دھیرے بنگلے کی پچھلی طرف چلی آئی۔

یہاں نسبتاً کم روشنی تھی اور ایک کمرے کا سرونٹ کوارٹر بھی تھا شاید.....

اس نے بٹوے سے موبائل نکالا۔

اسی وقت، اسے اپنے پیروں پر سنسناہٹ کا سا احساس ہوا۔ اس نے جھک کے پیروں کے پاس دیکھا تو اچھل گئی۔

قریب ایک چھوٹے سے درخت کی جڑ سے نکلتے بھورے رنگ کے موٹے موٹے لاتعداد چیونٹے وہاں، چلبلاتے پھر رہے تھے۔ کچھ اس کے پیروں پر چڑھ چکے تھے۔ وہ ڈر کے جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ بری طرح جھٹک، جھٹک کے کپڑے جھاڑتے اس جگہ سے ہٹ کے اور اندر کی طرف چلی گئی۔ یہ غالباً بائیں طرف چھوٹی سی گیلری تھی جو آگے سے بند نہیں تھی۔ شاید بنگلے کی پچھلی طرف کھلتی ہوگی۔

زائرہ باجی کا گھر دیکھ کر اسے نقشے کا کچھ، کچھ اندازہ ہو چلا تھا کہ اتنے بڑے، بڑے گھروں میں چاروں طرف جگہ ضرور ہوتی ہے۔ جہاں صرف ملازمین کا ہی آنا جانا ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کی گندگی، مٹی دھول اور سوکھے پتوں کا ڈھیر دیکھ کے لگتا تھا یہاں کوئی آتا جاتا نہیں۔ عجیب سی خاموشی اور سناٹا تھا۔

اس نے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھ کے شلوار کا پائنچہ اٹھایا۔ ایک چیونٹا جو اوپر چڑھ گیا تھا۔ نکال کے مسلا۔ پھر اطمینان سے زمین دیواریں وغیرہ چھان پھٹک کے دوبارہ موبائل نکالا۔ چھ بج چکے تھے۔ جبکہ وہ دوپہر دو بجے کی نکلی ہوئی تھی۔

''اُف اللہ.....'' خشک لبوں پر زبان پھیر کے تر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اور اکرم کی متوقع ناراضی کو سوچتے ہوئے۔ اس نے اکرم کے بجائے ڈولی کو کال کرنے کی کوشش کی۔

''آپ کا موجودہ بیلنس اس کال کو ملانے کے لیے ناکافی ہے.....''

اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کے موبائل میں تو بیلنس ہی نہیں تھا۔ باہر پھیلتا اندھیرا اور خاموشی، گھر سے دور بالکل انجان جگہ..... اس کے پیروں میں لرزش سی ہونے لگی۔ وہ الٹے سیدھے پیر رکھ کے باہر کی طرف نکلی تو اگلا منظر اس کی جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔

کریو کے لوگ سامان سمیٹ کر جا چکے تھے اور گیٹ سے آخری گاڑی باہر نکل چکی تھی۔ اپنے دھیان میں لگ کے اسے یاد ہی نہیں رہا کہ وہ کتنی دیر پیچھے اکیلے لگا کے آئی تھی۔ وہ کون سا اتنی اہم تھی کہ کسی کو یاد رہتی۔

وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔

چند لمحوں بعد ہوش آیا تو پاگلوں کی طرح داخلی دروازے کی طرف دوڑی۔

بنگلے کے اندر جانے والا مین دروازہ لاکڈ تھا۔ اس نے کھولنے کی کوشش کی، زور لگایا، کھینچا اور جب وہ نہ کھلا تو دل چاہا کہ پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹ ڈالے۔

اس نے وحشت زدہ سی ہو کے اپنی پیچھے نظر دوڑائی۔

تھوڑی دیر پہلے تک یہاں زندگی تھی، روشنی تھی، ہنسی تھی اور اب صرف اور صرف سناٹا، وحشت اور تنہائی۔

مین گیٹ کے پاس کیبن میں روشنی ہو رہی تھی۔

اس نے خود کو قابو کر کے حواس بحال کیے۔

''آخر سارے انسان مر تو نہیں گئے۔ اتنا عالیشان بنگلا ہے۔ ملازم بھی تو ہوں گے ہی۔ کوئی بھی نہ ہوا تو چوکیدار تو.....'' وہ دروازہ چھوڑ کر ذہن استعمال کرتے ہوئے تیزی سے درمیانی فاصلہ عبور کر رہی تھی۔ جب ایک خیال اس کے دماغ میں کوندا اور اس کا دل چیر کر رکھ دیا۔

''اگر..... اگر صرف چوکیدار ہی ہوا تو..... اور اگر وہ..... وہ انسان نہ نکلا تو.....؟''

اس کے کام کرنا شروع کرتے ہوئے حواس بالکل ہی ساتھ چھوڑ گئے۔ رخ بدل کے وہ دوبارہ پیچھے کی طرف گئی۔ اور دیوار کی اوٹ میں بیٹھ کے پھوٹ، پھوٹ کر رو پڑی۔

''یا اللہ! یہ میں کہاں پھنس گئی..... مجھے یہاں سے نکال لے۔ میری عزت بچالے میرے مالک.....''

پورا بنگلا..... یہ بڑا سارا لان، سوئمنگ پول کا ٹھہرا ہوا پانی، سب بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ بڑے، بڑے درخت آسیب زدہ سے ہو گئے تھے۔

اس وقت اس کے ذہن میں پہلا اور آخری خیال اپنی تنہائی اور عزت کا تھا۔ پتا نہیں اس گھر میں کوئی اور ملازم خاص طور پر کوئی عورت تھی بھی یا صرف چوکیدار ہی تھا۔

وہ کیا کرے۔ کیا چوکیدار کے پاس جائے، اس سے مدد مانگے اسے بتائے کہ وہ یہاں اکیلی رہ گئی ہے۔

کیا چوکیدار اس کی مدد کرے گا۔ یا پھر.....

کیا وہ اکیلا ہوگا۔ یا پھر.....

اس کا وجود خوف اور پسینے سے نیم مردہ اور نم ہو گیا۔

پچھلی طرف گھپ اندھیرا تھا۔ لان میں جلتی اِکّا دُکّا لائٹس کی دھیمی روشنی اس طرف آ رہی تھی۔

کافی دیر رو چکنے کے بعد اسے ڈولی کا خیال آیا۔

اس نے دل ہی دل میں اسے بے شمار رنگی گالیوں سے نوازا جو اپنے ساتھ لا کر خود غائب ہو گئی تھی۔

آخر اس نے کیا سوچ کر ایسی بے پروائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اگر وہ ملازمہ تھی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ اس کی کوئی عزت ہی نہیں۔ اس کی کوئی زندگی یا ایک

سامان کے تھیلے برابر بھی اہمیت نہیں تھی۔

رات بھیگتی جارہی تھی۔ جھینگروں نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے موبائل میں بیلنس کے بعد اب بیٹری بھی اختتام پزیر تھی۔ وہ خود فون نہیں کر سکتی تھی۔ میسج نہیں کر سکتی تھی کیونکہ میسج کا پیکج وغیرہ لینے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جو اکا دکا میسج اکرم کو کیے جاتے تو کیے جاتے۔ اماں سے روز فون پر ڈائریکٹ بات ہی ہوتی تھی لیکن.....

وہ کال ریسیو تو کر سکتی تھی اور اگر یہ فون بند ہی ہو جاتا تب.....؟

اس کے بعد.....؟ اب کیا ہوگا.....؟ بڑے، بڑے سوالیہ نشان اس کی بھیگتی آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے۔ کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔

''اللہ..... مجھے کتنا شوق چڑھا تھا اپنی کمائی کا..... اُف..... میں کیسی پاگل ہو گئی تھی..... اندھی بالکل اندھی۔ ایک جھلک ٹی وی پر آنے کے لیے۔ کیا، کیا جتن نہ کر ڈالے تھے..... آج گھر سے نکلتے وقت بھی اکرم نے روکا تھا۔ میں نے ہی اس کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ ہائے اللہ..... اکرم نے بھی مجھے فون نہیں کیا۔ وہ مجھ سے ناراض تھا۔ تو کیا وہ اب تک ناراض ہوگا۔ اسے میری فکر نہیں ہوئی۔ اسے میرا خیال تک نہیں آیا۔ میں کیا کروں کیسے اسے ایک بار بتادوں کہ میں کہاں ہوں تو وہ کچھ نہ کچھ کر لے..... لیکن میں..... میں کیسے..... میں کہاں ہوں..... اف..... اُف..... مجھے تو اس علاقے کا بھی پتا نہیں۔'' اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''ڈولی کی بچی پرا تنا بھروسا کر کے میں کیسے نکل آئی گھر سے۔ اپنے شوہر کو ناراض کر کے..... یا اللہ..... اب کیا ہوگا..... میری مدد کر دے پاک پروردگار..... تو ہی کوئی راستہ سجھادے۔''

وقت بیت رہا تھا پل، پل کر کے۔

روتے، روتے اس کی اب ہچکی بندھ گئی تھی۔ اپنی آواز بھی دبانی تھی۔ شام میں سو جانے والی بھوک پھر سے جاگ اٹھی تھی۔ اس کی حالت نیم بے ہوش سی ہوگئی تھی۔

یہاں بیٹھ کے پوری رات نہیں گزاری جا سکتی تھی۔ پتا بھی کھڑکتا تو اس کا دل کانپ جاتا تھا۔ رات بیت بھی جاتی تو کیا گارنٹی تھی کہ صبح تک وہ صحیح سلامت رہتی۔ چوکیدار بدنیت ہوتا تو دن میں کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ رات کے کسی پہر اس طرف آتا ہی نہیں۔

ایک بات تو طے تھی۔ ڈولی یقیناً اسے مکمل طور پر بھول چکی تھی اور گھر میں کسی دوسرے بندے کو اس کا خیال تک نہیں آیا تھا۔

لے دے کے ایک اکرم ہی تھا جو اب تک اس کے گھر نہ آنے پر پریشان ہوگا۔ وہ بھی تب جب ڈولی اسے لیے بغیر ہی گھر آ گئی ہوگی۔ اگر ڈولی گھر نہیں پہنچی تھی تو اکرم بھی اس کے لیے پریشان نہیں ہو سکتا تھا۔ وہی تھا جو ڈولی کو گھر پر اکیلا دیکھ کے سب سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھے گا۔ اور پھر ڈولی اسے بتائے گی تو فوراً اسے لینے آجائے گا۔ لیکن کب آخر..... ڈولی تو کبھی، کبھی آدھی رات کو بھی گھر آئی تھی۔ تب تک کیا اکرم احمقوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے صرف اس کا انتظار ہی کرے گا۔

آنکھوں سے آنسو ابل، ابل کر باہر آرہے تھے۔ ڈر اور خوف کا ایسا جان لیوا احساس پہلے کبھی طاری نہیں ہوا تھا۔ پہلے کبھی ایسی صورتِ حال بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بس اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر ہی وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ اور ایسی پھنسی تھی کہ اب کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا اور جو بھی کرنا تھا جلدی ہی کرنا تھا کیونکہ اس کی قوتِ مدافعت، بھوک اور خوف کی وجہ سے آدھی بھی نہیں بچی تھی۔

دفعتاً کھٹکا ہوا۔

بے حد قریب کہیں پتوں کے چرمرانے کی سی آواز آئی..... جیسے کوئی دبے قدموں سے چلتا ہوا۔ اس کے پاس ہی آرہا تھا۔

اس کی چیخ نکلتے، نکلتے بچی۔ اس نے بے ساختہ

منہ پر ہاتھ رکھ کے آواز کو دبایا۔ پھر آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کے اندرونی راستے کی طرف دیکھنے لگی۔ انتہائی مدھم روشنی میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ تھر، تھر کانپتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی۔ جبھی ایک سیاہ رنگ کی بلی نمودار ہوئی اور عین اس کے سامنے آکے رک گئی۔

نیم اندھیرے میں کبھی وہ سر اٹھا کے باہر کی طرف دیکھتی کبھی اس کی طرف، لان کی طرف سے آتی لائٹ اس کی آنکھوں پر پڑتی تو اس کی آنکھیں اندھیرے میں کنچوں کی طرح چمکتیں۔

لالی نے ہمت کر کے ذرا سا ہاتھ اٹھایا۔

''شش..... شش..... شش.....'' کانپتی آواز سے، اس نے بلی کو بھگانا چاہا۔ لیکن وہ ڈھیٹ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

لالی کو بے طرح رونا آیا۔

دو دن پہلے وہ اکرم کو، اپنی کمائی اور دہلیز پر کھڑی نام نہاد شہرت کے اپنے تئیں کیسے بھاشن دے رہی تھی اور اب..... اب وہ ایک بے ضرر بلی کو بھگا تک نہیں سکتی تھی۔

دو چار گہری سانسیں لے کے اس نے خود کو سنبھالا۔ پھر لان کی طرف جھانک کے دیکھا۔

دور چھوٹے سے کیبن میں اب بھی روشنی تھی لیکن کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

اس نے منہ اور بالوں پر ہاتھ پھیر کے اپنی دگرگوں حالت کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔ جس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔

کپڑوں پر مٹی اور تھی۔ مسلسل رونے سے آنکھیں اور چہرہ سرخ تھا۔ وہ بنا آئینہ دیکھے جانتی تھی کہ خوف اور کمزوری اس کے چہرے پر رقم ہے۔ اور وہ اس کو مٹانے میں ناکام تھی۔

بالآخر اس نے ہمت کر کے قدم باہر نکالا۔ ایک نظر پلٹ کے کالی بلی کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر جمی ہوئی تھی۔

اس پر لعنت بھیج کے اس نے چوکیدار کے کیبن کی طرف گرتے پڑتے قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

وہ راستہ چند قدم کا تھا لیکن کتنا طویل تھا۔ اسے اس دوران کیا کچھ نہ یاد آگیا۔

اپنا بچپن، جوانی۔ اماں ابا، بہن بھائی اور سب سے آخر میں اکرم اور اس کی والہانہ محبت۔

اس نے یوں سسکی بھری گویا اس کی آخری سانسیں چل رہی ہوں۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے بیگانہ سی ہوگئی۔

اسے اب یاد آرہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی۔ صرف اور صرف، شہرت اور پیسے کی چاہ میں۔ ایک دھند سی تھی جو دماغ میں بھری ہوئی تھی۔ ایک پردہ تھا جو نگاہوں کے آگے سے ہٹ رہا تھا۔

وہاں صرف وہ اکیلی نہیں تھی۔ اور بھی بہت سارے تھے جو اس جیسے تھے۔ بھلے ان کا ڈرامے میں کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ سب چھوٹے موٹے کام کر رہے تھے اور سب کی جھڑکیاں بھی سن رہے تھے۔ ان میں ماں باپ، بہن بھائی والے بھی ہوں گے اور بیوی بچوں والے بھی۔

ایکسٹرز کو بھی ڈانٹ پڑ رہی تھی۔ کسی کو لیٹ آنے پر، کسی کو اپنی لائنز بھول جانے پر..... دیر سے آنے پر..... اس نے بہت دن صرف ایک سین کے لیے ریہرسل..... کی تھی۔ وہاں اور بھی لوگ ہوتے تھے۔ ایک بیچاری سی لڑکی، کسی ایکٹریس کے ساتھ آتی تھی۔ بھاگم بھاگ کبھی پانی کی بوتل تو کبھی، جوس پکڑاتی تھی۔ کبھی پیر دباتی تھی۔ یہ سب اپنی کمائی ہی کھاتے تھے۔ تو ان میں اور خود اس میں فرق کیا تھا۔

''او بی بی!''

ایک کرخت آواز نے اسے حال میں گھسیٹا۔ وہ ہوش میں آتے ہی سامنے کھڑے قوی الجثہ شخص کو دیکھ کے دوبارہ سراسیمہ سی ہوگئی۔

''کون ہو تم..... اندر کیسے آئیں؟'' وہ سر سے پیر تک اسے گھور رہا تھا۔

''وہ..... مم..... میں.....'' وہ کچھ دیر پہلے کی کیفیت میں واپس لوٹ آئی۔

''میں یہاں... ...ان سب کے ساتھ آئی تھی..... وہ لوگ..... وہ لوگ مجھے بھول کے چلے گئے۔'' اتنی سی بات کرتے میں اس کا ضبط ٹوٹ گیا..... وہ بری طرح سے رو پڑی۔

''اوبی بی..... یہ ڈرامے کسی اور کو سنانا..... اندر کیسے آئی تو..... کوئی چور نی لگتی ہے مجھے تو.....'' چوکیدار کی بات نے اس کے ہوش اڑا دیے..... وہ بری طرح بدحواس ہو کے زور، زور سے سر ہلانے لگی۔

''نہیں نہیں۔ میں چور نہیں ہوں..... قسم لے لو مجھ سے میں۔''

''اوئے سب ایسے ہی کہتے ہیں..... اندر کیسے آ گئی تو..... رک ذرا..... میں ابھی پولیس کو فون کروں گا ناں..... تو سب بتا دے گی۔''

''نہیں..... نہیں بھائی پولیس کو نہیں..... میں مر جاؤں گی۔ میں تو ڈولی باجی کے ساتھ آئی تھی ڈرامے کی شوٹنگ میں..... میں سچ کہہ رہی ہوں میرا یقین کرو..... وہ لوگ مجھے چھوڑ کے چلے گئے ہیں بھولے سے۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے چیخنے لگی۔ چوکیدار کو بھی شاید اس ردِعمل کی امید نہیں تھی۔

وہ کچھ لمحے اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔

وہ بری طرح ہاتھوں میں منہ دے کے سسک رہی تھی۔

''ڈرامے والوں کے ساتھ آئی تھی تو..... ہونہہ..... حلیہ دیکھا ہے اپنا..... شکل دیکھ.....''

لالی کے دل پر اس کی آواز پتھر بن کے لگ رہی تھی..... وہ کس منہ سے کہتی کہ اس نے ایک سین میں حصہ بھی لیا تھا۔ اسے اپنی اوقات اچھی طرح یاد آ گئی تھی۔

''بس..... بس آپ..... آپ میرے گھر فون کر دو..... وہ آ کے مجھے لے جائیں..... بس..... بس..... آپ.....'' اس سے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ چوکیدار اب بھی سوچ میں پڑا ہوا تھا۔

کچھ دیر اسے دیکھتا رہا..... پھر پلٹ کر اس چھوٹی سے جھلنگا چارپائی پر جا بیٹھا جسے اس مختصر سے کیبن میں زبردستی گھسایا گیا تھا

''نمبر بتاؤ.....''

اس کے اندر جیسے کسی نے نئی زندگی انڈیل دی۔ اس نے جلدی سے کانپتے ہاتھوں سے اپنی مٹھی میں دبا موبائل نکالا۔ جو اس کے آنسوؤں اور ہتھیلی کی نمی سے گیلا ہو چکا تھا۔ جلدی، جلدی دوپٹے سے موبائل کی اسکرین کو خشک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بٹن دبایا۔

اگلے ہی لمحے اس کی سانس رک گئی۔ موبائل آف ہو چکا تھا۔ اس نے بدحواسی سے پہلے چوکیدار کو دیکھا پھر بے تابی سے دوبارہ بٹن دبایا۔

''آف..... آف ہو گیا ہے موبائل..... میں..... میں ابھی آن کرتی ہوں..... شاید.....''

اسے انتہائی درجے کی حیرت اور بے یقینی تھی کہ اسے اکرم کا نمبر تک یاد نہیں تھا۔

''یاد نہیں ہے کوئی نمبر.....'' وہ اب بھی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لالی کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

''نہیں یاد..... یاد تھا..... ہاں..... یاد ہے..... یاد ہے..... مجھے یاد ہے.....'' وہ اس سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی یا..... یاد دلا رہی تھی اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

چوکیدار نے اطمینان سے دونوں ہاتھ پیچھے ٹکا لیے۔ وہ دونوں پاؤں زمین کی طرف گرا کے بیٹھا ہوا تھا۔ پاس ہی کونے میں ایک اسٹول دھرا تھا۔ اس پر چوکیدار کا اپنا موبائل رکھا، شاید چارجنگ پر لگا ہوا تھا۔

''یاد ہے..... تو بتا.....'' اس نے چیلنج کرتی ہوئی نظروں سے لالی کو دیکھا تھا۔

''زززیرو..... زیرو تھری..... ڈبل تھری..... آ..... نہیں تین..... تت..... تین.....''

اس کا ذہن بالکل صاف سلیٹ تھا۔ اسے یہی یاد نہیں آ رہا تھا کہ کوڈ میں ڈبل تھری تھا یا ٹرپل..... اس

نے آنکھیں میچ، میچ کے اپنے ماؤف ہوتے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کی۔

اتنے میں چوکیدار اپنی جگہ سے اٹھا......وہ بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہو کر دہلیز سے باہر ہو گئی۔

خوفزدہ سی ہو کے اسے دیکھا......لیکن وہ اٹھ کے اپنا موبائل اٹھا کے واپس جا بیٹھا۔

لالی بالکل اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ نہ اسے اکرم کا فون نمبر یاد آ رہا تھا نہ کسی اور کا......اوپر سے رہی سہی کسر چوکیدار کی باتوں اور اس کی مشکوک نظروں نے پوری کی۔ اس نے اسے چور سمجھ لیا تھا۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس کے بارے میں ایسا بھی سوچ سکتا ہے۔

''مم......میرا موبائل چارج ہوگا......تو......اس......میں سے نمبر مل جائے گا۔''

اس نے ڈرتے، ڈرتے اپنا ہاتھ بڑھا کے اسے موبائل دینا چاہا۔

چوکیدار نے اس سے موبائل نہیں لیا......وہ یونہی اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتا رہا۔

لالی نے اس سے نظریں چرا لیں۔

''اس میں میرے شوہر کا نمبر ہے۔ ان کو فون کر دو، وہ آ کے مجھے لے جائے گا......ب......بڑی مہربانی ہوگی......آپ کی......بھ......بھائی۔'' اس نے بات کے آخر میں جان بوجھ کے بھائی پر زور دیا۔

چوکیدار کی سرخ موٹی، موٹی آنکھیں اس کے وجود میں گڑی جا رہی تھیں۔

اسے گھورتے ہوئے وہ پھر اٹھا۔ اور اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ اب کی بار وہ احتیاط سے کیبن سے باہر ہی نکل گئی۔ دروازے سے جھانک کے اسے دیکھتی رہی۔

وہ رخ موڑ کے تھوڑی دیر پتا نہیں کیا کرتا رہا......لالی کبھی اسے دیکھتی کبھی اطراف میں ایک نظر ڈالتی۔ اپنی بے بس و بے کس حالت کا سوچ کے اسے شدید رونا آ رہا تھا۔

نعتِ مقدس

بس اک عشقِ نبی ہے اور میں ہوں
انہی سے لو لگی ہے اور میں ہوں

ٹھکانا ہی نہیں خوشیوں کا کوئی
کلی دل کی کھلی ہے اور میں ہوں

کرم انﷺ کا مسلسل ہو رہا ہے
مزے میں زندگی ہے اور میں ہوں

خطائیں ہیں کہ دھلتی جا رہی ہیں
اک اشکوں کی جھڑی ہے اور میں ہوں

اسے کہتے ہیں معراجِ مقدر
کہ آقاﷺ کی گلی ہے اور میں ہوں

ترستا ہوں زیارتﷺ کے شرف کو
تمنائے دلی ہے اور میں ہوں

گدا تہذیب ہوں آقاﷺ کے در کا
مرا سب کچھ تو یہی ہے اور میں ہوں

کلام: راؤ تہذیب حسین تہذیب
پسند: سباس گل، رحیم یار خان

نذرانۂ عقیدت

کوئی اور من میں سمائے تو دیکھوں
کوئی اور دل میں برا جے تو دیکھوں

میں کرتی پھروں اس در کی غلامی
کہ جس در پہ میں بادشاہوں کو دیکھوں

کروں نوکری میں درِ مصطفیٰﷺ کی
میں چوکھٹ پہ ان کے فنا ہو کے دیکھوں

رہوں سبز گنبد کے سائے تلے میں
درود و سلاموں کے تحفے میں بھیجوں

کاوش: فریدہ افتخار، اسلام آباد

دل ہی دل میں درود پاک کا ورد خود بخود جاری ہوگیا۔

''چارج نہیں ہوسکتا۔'' کچھ دیر بعد وہ پلٹا اور بڑے اطمینان سے اس کا موبائل اپنے جھلنگا پلنگ پر پھینک دیا۔

''ہیں..... چارج نہیں..... لل..... لیکن کیوں؟''

''او یار..... اس کی پن نہیں ہے..... نہیں لگ سکتا.....''

لالی کا دل چاہا۔ اسی دیوار پر سر مار کے وہیں اپنی جان دے دے..... اور جان تو اس کی ویسے بھی نکلنے لگی تھی..... اس بھائیں، بھائیں کرتے خالی بڑے سارے گھر میں وہ بالکل اکیلی تھی۔ اور ساتھ میں بس یہ دیو جیسا انسان..... جس کی بدنیتی اب اس کے لہجے کے اطمینان سے جھلک رہی تھی۔

''مم..... میں کیا کروں..... پھر..... پھر میں کیسے جاؤں گی گھر.....'' اس کی آنکھیں اور آواز پھٹنے والی ہوگئی۔

وہ پلٹا اور کچا چبا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

لالی کے چہرے پر وحشت امڈ آئی۔ اس کا تنفس تیز ہوگیا۔ وجود میں آگ سی دہکنے لگی۔

اس نے تھوک نگل کے چوکیدار کو دیکھا جو ایک قدم اس کی طرف بڑھ کے رک گیا تھا۔

''گھر سے نکلنے سے پہلے سوچا تھا؟'' اس کی دھیمی آواز میں ایک عجیب سے پیچ تھی۔

لالی بے اختیار پیچھے ہٹی۔

عین ممکن تھا کہ وہ دل ہی دل میں کوئی ناپاک ارادہ کرکے اسے جانچ رہا ہو۔

لالی کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ عزت جاتی یا زندگی، بات تو ایک برابر ہی تھی۔

اب کیا ہوسکتا تھا۔ وہ اس جن جیسے دیو ہیکل انسان کے سامنے کیا مزاحمت کرسکتی تھی۔

اس کے دماغ میں سائیں، سائیں ہونے لگی۔ کتنے لمحے اسی خاموشی کی اذیت کو سہتے ہوئے گزرے۔

پھر اس سیاہ سناٹے میں دھڑ دھڑاہٹ گونجی۔ کسی نے بڑے زور سے بیرونی دروازہ بجایا تھا۔

دونوں نے بیک وقت دروازے کی سمت دیکھا۔ لالی بے اختیار دوڑ کے دروازے تک جانا چاہتی تھی۔ لیکن چوکیدار نے اس کو بڑھتے دیکھ کے، اس کا ہاتھ پکڑا اور پیچھے کی طرف جھٹک دیا۔

''اُف.....''

اس کی وحشیانہ گرفت میں اتنی سختی تھی کہ لالی کا پورا وجود جھٹکا کھا کے رہ گیا۔ وہ لڑکھڑا کے گرتے، گرتے بچی۔ خود کو سنبھال کے پلٹ کر دیکھا تو دروازہ کھل چکا تھا۔ چوکیدار کسی سے بات کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک طرف ہٹا تو کسی نے اندر قدم رکھا۔

آنے والا کوئی اور نہیں اکرم ہی تھا۔

''اکرم!''

لالی کے وجود میں کسی نے نئی زندگی پھونک دی۔ وہ دوڑتی ہوئی جا کے اس سے لپٹ گئی۔ اور بے تحاشا پھوٹ، پھوٹ کے رو پڑی۔

☆☆☆

گاڑی فل اسپیڈ میں گھر کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پورا راستہ سسکتی رہی۔ کبھی، کبھی چور نظروں سے اسے دیکھ لیتی تھی۔ جو اسے چکارتے، چپ کراتے گاڑی تک لایا تھا۔ اور تب سے یونہی بیگانہ بنا بیٹھا تھا۔

اب لالی کو پروا نہیں تھی کہ وہ کتنا ناراض ہے۔ وہ چاہے جتنا بھی خفا ہوتا۔ لالی اسے منا ہی لیتی۔ لیکن ابھی وہ خود اس خوف کی کیفیت سے نکل نہیں پا رہی تھی، جس میں گزرا وقت بیتا تھا۔

گھر پہنچے تو رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔

لالی کو حیرت ہوئی کہ جس جگہ سے وہ ابھی اپنی جان اور عزت بچا کے معجزانہ طور پر نکل آئی ہے وہاں تو مغرب کے بعد سے ہی آدھی رات کا سماں تھا اور ابھی صرف تین گھنٹے گزرے تھے۔

اس نے ہاتھ منہ دھویا۔ اکرم نے چائے بنا کے دی۔ اسے خود بھی بخار ہو رہا تھا۔ لالی نے چائے لیتے

سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ملتجی انداز میں اسے دیکھا۔

وہ پاس بیٹھ کے اسے نرم نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''میں صاحب کو آفس لینے گیا تھا تو سمجھا کہ تم آجاؤ گی تب تک... لیکن راستے میں بخار اتنا تیز ہوا کہ آتے ہی دوا کھا کے سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو پہلا خیال یہی آیا کہ تم ابھی تک آئی نہیں۔ جب زائرہ باجی سے پوچھا تو پتا چلا ڈولی باجی بھی نہیں آئیں۔ پھر ڈولی باجی کو فون کیا تو ان کو تو یاد ہی نہیں تھا کہ وہ تمہیں ساتھ لے کے گئی تھیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں ان سے، میں کوئی بے جان چیز تھی، کوئی کتیا، بلی تھی جسے وہ رکھ کے بھول گئیں۔'' وہ گھونٹ بھر کے تلخی سے بولی۔

''تم کوئی بے جان چیز نہیں ہو۔ وہ اپنے جانوروں کا بھی اس سے زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ اور موبائل کا اس سے بھی زیادہ..... حالانکہ وہ تو بے جان ہی ہوتا ہے۔''

وہ اکرم کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔

''لالی.....! تو نہیں سمجھتی کچھ بھی..... بہت ہی بھولی ہے تو..... ان کے لیے ہم کوئی اہمیت نہیں رکھتے..... کچھ بھی نہیں۔ ہم ان کے ملازم ہیں ملازم ہی رہیں گے..... ہمارا کام ہے ان کا کام کرنا، بدلے میں اجرت پانا اور کچھ نہیں۔ اور اگر ہم نہیں کریں گے تو کوئی اور کر دے گا۔ دنیا میں ہر کام کرنے والے کے بدلے کوئی اور آجاتا ہے۔ اور ہر بندہ کسی نہ کسی کام سے ہی کمائی کرتا ہے۔ چاہے وہ حلال ہو یا حرام..... کسی نہ کسی کی ماننی پڑتی ہے۔ دل چاہے نہ چاہے۔ پیسے کمانے کے لیے کام کرنا پڑتا ہے..... سب کرتے ہیں۔ پھر اس میں باتیں بھی سننی پڑتی ہیں۔ دل کو مارنا بھی پڑتا ہے۔ تو اس سین میں حصہ لینے گئی..... کیا تو نے باتیں نہیں سنیں..... اور بدلے میں کیا ملا؟''

لالی خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے اب یاد تک نہیں تھا کہ وہ پانچ سو کا نوٹ جو دس دن کی محنت کے بعد کمایا تھا۔ وہ کب اور کہاں اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اسے اب کوئی پروا بھی نہیں تھی۔

''اس دنیا میں صرف کام پیارا ہے۔ بندہ نہیں۔ بندہ پیارا ہوتا ہے ان کو جن سے رشتہ ہوتا ہے خون کا، محبت کا..... اور کبھی، کبھی وہ بھی نہیں..... تو بھول جا کہ کبھی تجھے یہ پیسے والے لوگ اپنے برابر لے کے آئیں گے۔ تجھے پیسہ ملے گا شہرت ملے گی، نام ملے گا..... بڑا نام اور بڑا پیسہ، بدلہ بھی بڑا مانگتے ہیں پاگل..... ہم اس قابل نہیں کہ اس کے بدلے کچھ دے سکیں..... اور ہمارے پاس دینے کو ہے بھی کیا..... ایک عزت کے سوا۔''

آخر میں اس نے نظریں چرا کے بہت دھیمے سے وہ بات کہی۔ جو ایک پھانس بن کے اس کے سینے میں اٹک گئی تھی۔

لالی نے اس کے کندھے سے سر ٹکا دیا اور دھیرے، دھیرے سسکنے لگی۔

''مجھے معاف کردو..... میں پاگل سمجھ ہی نہیں سکی..... میں نے اپنے سکون کی قیمت ابھی جانی ہے۔ میں تو ان لوگوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کے، ان جیسا بننے کا سوچنے لگی تھی۔ اس لیے مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ..... ہر بندہ اپنے نصیب میں لکھی محنت کرتا ہے۔ اور اسی کا پھل کھاتا ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے مشہور بننے کی ہڑک لگی تھی۔ ٹھیک کہتا ہے تو..... بڑا نام بڑی قربانی مانگتا ہے اور ہمارے پاس ہے کیا..... سوائے ایک عزت کے.....''

وہ وقت گزر ضرور گیا تھا۔ لیکن اسے اچھا سبق دے کے گیا تھا۔

''ہر چیز ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر بندہ ہر کام نہیں کر سکتا۔ میں بھی یہ سب نہیں کر سکتی جو آج سے پہلے کرنے کا سوچتی رہی۔ میں سیدھی سادی، کام والی عورت ہوں۔ مجھے چار دیواری میں چھت کے نیچے، زندگی گزارنی بھلی..... میں گمنام ہی اچھی ہوں۔''

وہ اکرم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے چسکیاں لے کے پی رہی تھی گویا آبِ حیات پی رہی ہو۔

❀❀❀

مکمل ناول

یقین کا سفر

غزالہ عزیز

دھند میں لپٹی صبحیں... اور کہر آلود اور ٹھنڈی شاموں والے اس شہر میں یوں تو اور بھی حسین رُتیں آتی تھیں مگر یہاں کے سرد موسم کا دورانیہ کچھ زیادہ ہی مستقل مزاجی سے قیام پزیر رہتا تھا۔ اور اسے یہی جاڑے کا موسم بہت اٹریکٹ کرتا تھا۔ سو اس شہر کا یہ موسم اسے بہت پسند تھا۔ یقیناً یہاں کے رہنے والے باشندوں کی رائے..... ''اس'' سے مختلف سی ہوگی۔ مگر وہ کیا کرتا..... وہ تو کراچی (پاکستان) میں پیدا ہوا

تھا۔ جہاں موسم سرما اور بارش دونوں ہی موسم بڑی منتوں، مرادوں کے بعد ہی دیکھنے کو ملتے تھے۔ وہ یہاں اپنی اسٹڈیز کی غرض سے آیا تھا۔ نانو (شاہ جہاں بیگم) کی خواہش تھی کہ وہ بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے..... لیکن بدقسمتی سے اس کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے سے پہلے ہی نانو ملکِ عدم سدھار گئیں۔ وہ ان کے خواب کی تکمیل کے سفر میں تھا۔ جب نانو کا انتقال ہوگیا۔ اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ مگر خدا کی رضا کے سامنے سرِخم تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن نانو کی خواہش پوری کرنے کے لیے اس نے بڑی محنت و لگن سے چھ ماہ بعد اپنی ڈگری کمپلیٹ کرلی تھی اور اب اس عالمی شہرت یافتہ شہر میں اپنے لیے اچھی سی جاب تلاش کرنی تھی۔ جس کا موقع اسے جلد ہی مل گیا تھا۔

قصہ مختصر کچھ یوں تھا کہ ایک چھوٹے سے روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے والے سعدان ابراہیم کو عالیان نے بروقت اسپتال پہنچا کر اُن کی مدد کی تھی۔ لہٰذا اسپتال سے فارغ ہونے کے بعد سعدان نامی شخص نے نہ صرف عالیان کا شکریہ ادا کیا بلکہ اس نے خوش ہو کر عالیان کو اپنی کمپنی میں جاب بھی آفر کردی تھی۔ وہ ایک فیشن ڈیزائنر تھا جو ''فیشن آئی کون'' نام سے اپنی کمپنی چلا رہا تھا اور چونکہ عالیان کو اس وقت جاب کی ضرورت بھی تھی لہٰذا سعدان کے بے حد اصرار پر اس نے یہ جاب آفر قبول کرلی تھی۔ حالانکہ پہلے اس نے انہیں منع کردیا تھا کہ ایک چھوٹی سی مدد کے عوض وہ کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو بس انسانیت کے ناتے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ لیکن سعدان کے خلوص کے آگے اسے مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی تھی اور وہ بہت خوش تھا کہ اب اس کی جان اس منوہر لال کی کمپنی سے چھوٹ جائے گی۔ جس کے ساتھ وہ رہائش کے نام پر ایک تھرڈ درجے کے اپارٹمنٹ میں ایک چھوٹا سا روم شیئر کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ نانی کی طرف سے جو تھوڑی سی پراپرٹی اسے ملی تھی اسے بیچ کر جو رقم وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اس کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ ہوگئی تھی۔ حالانکہ اپنی پڑھائی کے ساتھ وہ تین جابز بھی کرتا تھا۔ اسے اس کی نانی شاہ جہاں بیگم نے ہی پالا تھا۔ وہ اپنے ماں، باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ جو اس کے بچپن میں ہی ایک کار ایکسیڈنٹ میں فوت ہوگئے تھے۔ البتہ اس کی ذات سے منسلک دیگر خونی رشتوں کے بارے میں نانو نے جو کچھ اس کے جوان ہونے پر بتایا تھا۔ عالیان ہاشم نے اس پر صبر کرلیا تھا۔ بھلا وہ ان لوگوں کی طرف سے اپنے دل میں نفرت و کدورت پال کر کیا کرتا..... جن کا اسے کچھ اتا پتا ہی نہیں تھا۔ البتہ یہ اس کی نیک فطرت تھی یا پھر نانی کی بہترین تربیت کہ اس نے سچائی جاننے کے بعد بھی سب کو کھلے دل سے معاف کردیا تھا۔ اور اس کے اسی احسن عمل سے خوش ہو کر اس کے رب نے اسے سعدان ابراہیم نامی شخص سے ملا دیا تھا۔ جو دیارِ غیر میں اس کے لیے ایک مسیحا ثابت ہوا تھا۔

آج اس کی جاب کا پہلا دن تھا۔ لہٰذا صبح سویرے اٹھ کر اس نے آفس جانے کی تیاری شروع کردی تھی۔ پھر تیار ہو کر اس نے آئینے میں اپنا سراپا جانچا تو خود کو مطمئن پایا تھا۔ وہ اچھا خاصا ہینڈسم لڑکا تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بھی اسے خوب راس آئی تھی۔ جاب کے حوالے سے بہترین ڈریسنگ نے اس کی شخصیت کو مزید چارمنگ بنا دیا تھا۔ لہٰذا وہ بہت خوشگوار موڈ میں آفس کے لیے روانہ ہوا تھا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ لہٰذا وہ آفس کے لیے لیٹ ہوگئی تھی، اسی لیے اس کا موڈ بھی سخت آف تھا۔ اس لیے سعدان کے منع کرنے کے باوجود وہ بنا ناشتا کیے آفس کے لیے نکل گئی۔ آج آفس میں گیارہ بجے سعدان کے ساتھ میٹنگ کے علاوہ مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کی چند پوسٹس کے لیے انٹرویوز بھی شیڈول تھے۔ اور جب وہ آفس کی پارکنگ میں پہنچی تو کافی لیٹ ہوچکی تھی۔ لہٰذا کار کی چابی گارڈ کے حوالے کر کے

وہ تیزی سے بلڈنگ کی داخلی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔ اور اسی جلد بازی میں اچانک سامنے سے سیڑھیاں اترتے شخص سے ٹکراتے ہوئے لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ماربل کی چمکتی سیڑھیوں پر منہ کے بل گرتی..... اس سے ٹکرانے والے بندے نے بڑی احتیاط سے اسے شانے سے تھام کر سنبھالتے ہوئے گرنے سے بچالیا تھا۔ بس ایک لمحے کی بات تھی۔ جب عالیان نے اس نازک سی کومل لڑکی کو کسی کانچ کی گڑیا کی طرح سنبھال کر کھڑے ہونے میں مدد دیتے ہوئے اس کی سرمئی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔ جہاں ناگواری کا تاثر کافی نمایاں تھا۔ عائدہ نے ناگواری سے عالیان کے ہاتھوں کو جھٹکے سے اپنے شانوں پر سے ہٹاتے ہوئے غصے سے کہا تھا۔

''واٹ دا ہیل..... یہ کیا بدتمیزی ہے..... آپ سامنے دیکھ کر نہیں چل سکتے مسٹر..... یا پھر اتنی بڑی، بڑی آنکھیں رکھنے کے باوجود آپ کو سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ کر نظر آنا بند ہوجاتا ہے۔'' عائدہ نے قصور نہ ہونے کے باوجود اسے سخت جھاڑ پلادی تھی۔ جواباً وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ حالانکہ غلطی تو عائدہ کی تھی۔ اس نے جلدی کے چکر میں سامنے سے سیڑھیاں اترتے شخص کو بے دھیانی میں نہیں دیکھا تھا لیکن پھر بھی اس..... نے عائدہ کو سیڑھیوں پر گرنے سے بچالیا تھا۔ اس کے باوجود وہ عالیان کو ہی باتیں سنا رہی تھی۔ جیسے وہ جان بوجھ کر اس سے ٹکرایا ہو..... عالیان نے جواباً وضاحت دینے کے لیے کچھ بولنا چاہا تھا کہ عائدہ اسے راستے میں کھڑے دیکھ کر ناگواری سے بولی۔

''اب ایسے کیا گھور رہے ہو کھڑے، کھڑے..... راستہ دو مجھے..... میں پہلے ہی لیٹ ہوچکی ہوں..... اور اب تمہاری وجہ سے۔'' عائدہ نے لبوں کو بھینچ کر اسے گھور کر دیکھا تو عالیان فوراً ہی سائڈ پر ہوگیا۔ وہ تیزی سے اوپر سیڑھیاں چڑھتی آگے بڑھ گئی تھی۔

اور وہاں کھڑا عالیان اسے جاتا دیکھ کر سوچنے لگا کہ وہ تو صحیح سمت میں سیڑھیاں اتر رہا تھا مگر اسے کیا پتا تھا کہ اگر عائدہ جیسی لڑکی کا موڈ خراب ہو تو اسے اپنی غلطی بھی دوسروں کی کوتاہی نظر آتی ہے۔ وہ بس سوچ کر رہ گیا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے معاً اسے اپنے جوتے کی نوک کے پاس نیچے سیڑھی پر گری کوئی چیز نظر آئی تھی۔ عالیان نے جھک کر اس چیز کو اٹھالیا تو پتا چلا کہ یہ تو لڑکیوں کے بالوں میں استعمال ہونے والا کیچر ہے۔ جو شاید ابھی یہاں سے جانے والی اسی لڑکی کے بالوں سے گرا تھا۔ عالیان نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم چلا کہ وہ کوئی معمولی کیچر نہیں..... بٹر فلائی شیپ میں بنے اس اسٹائلش سے کیچر کے عین درمیان میں چمکتا ہوا ڈائمنڈ جڑا ہوا تھا۔ لہٰذا عالیان نے اسے کسی امانت کی طرح سنبھال کر اپنے رومال میں احتیاط سے رکھ کر کوٹ کی پاکٹ میں ڈال لیا تھا۔

☆☆☆

وہ واش روم کے مرر کے سامنے کھڑی اپنے معمولی سے بے ترتیب حلیے کو درست کررہی تھی۔ جب پتا چلا تھا کہ اس اجنبی سے ٹکراؤ کے دوران اس کے بالوں کا کیچر کہیں گر گیا ہے۔ یہ جان کر اس کا موڈ مزید خراب ہوا تھا۔ یہ اس کا فیورٹ کیچر تھا۔ جو پچھلی برتھ ڈے پر سعدان نے اسے گفٹ کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس شخص کو برا بھلا کہتی بالوں کا جوڑا بنا کر باہر نکل آئی تھی۔ جہاں آفس میں موجود ٹیبل پر اس کا فیورٹ ناشتا سروڈ تھا۔ اسے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے مسکرا کر محبت سے سعدان کے بارے میں سوچا جو اس کی چھوٹی، چھوٹی باتوں کا اتنے دھیان سے خیال رکھتا تھا۔ ماما، پاپا کی ڈیتھ کے بعد یہ سعدان ہی تھا جس کی محبت اور ساتھ نے اسے اس گہرے دکھ کی اذیت سے باہر نکلنے میں مدد دی تھی۔ وہ دو ہی بہن بھائی تھے۔ لہٰذا سعدان کی صورت میں اسے ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست بہت سارے رشتوں کا پیار ایک ہی رشتے یعنی (بھائی سعدان) میں مل گیا تھا۔ وہ اس کی محبت پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھی۔ وہ جانتی تھی، یہ ناشتا سعدان نے ہی اس کے لیے آرڈر کیا ہوگا۔ وہ صبح بنا ناشتا کیے ہی

آفس جو چلی آئی تھی۔ لہٰذا اسے بھائی کی کیئرنگ نیچر پر بہت پیار آیا۔ اور وہ سر جھٹک کر ٹیبل پر رکھی ٹرے میں کافی اور چیز سینڈوچز سے انصاف کرنے بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

''فیشن آئی کون'' نامی مشہور و معروف کمپنی کو سعدان کے مرحوم پاپا ابراہیم حیدر نے قائم کیا تھا۔ جو تقریباً اٹھائیس سال قبل پاکستان سے انگلینڈ آکر ہمیشہ کے لیے آباد ہوگئے تھے۔ اس وقت انہوں نے یہ بزنس چھوٹے لیول پر شروع کیا تھا۔ جو آہستہ، آہستہ ترقی کر کے ایک بڑی کمپنی کی شکل میں فیشن آئی کون، کے نام سے لندن کی فیشن انڈسٹری میں کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے کینسر جیسی موذی بیماری میں مبتلا ہو کر انتقال کے بعد سعدان نے اس کمپنی کو سنبھالا تھا۔ اس کے بعد عائزہ نے بھی اس کمپنی کو بطور فیشن ڈیزائنر جوائن کر لیا تھا اور آج اس کا شمار لندن کی مشہور و معروف فیشن ڈیزائنرز میں ہوتا تھا۔ اور اتفاق سے عالیان اس کمپنی میں مارکیٹنگ ہیڈ کے طور پر جوائننگ کے لیے آیا تھا۔ لہٰذا جب وہ پورے اعتماد کے ساتھ کانفرنس روم میں پہنچا تو اس کی پہلی نظر وہاں موجود اسی لڑکی پر پڑی تھی جو کچھ دیر پہلے آفس بلڈنگ کے باہر سیڑھیوں پر اس سے ٹکراتے، ٹکراتے بچی تھی۔ اسی لمحے عائدہ نے بھی اس شخص کو کانفرنس روم میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر تیزی سے ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔ جبکہ عالیان اسے وہاں دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہوا تھا۔ اس لڑکی سے کچھ بعید نہیں تھا۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں ہی پھر سے عالیان کو بے عزت کر کے رکھ دیتی۔ لہٰذا وہ یہاں سے پلٹ کر جانے کا سوچ رہا تھا۔ جب سعدان نے اسے دیکھ کر پکارا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر گرم جوشی کا اظہار کیا تھا۔ اور اس بار حیران و پریشان ہونے کی باری عائدہ کی تھی۔

''آیئے عالیان..... پلیز سٹ ہیئر..... اینڈ ویلکم ٹو یو فار جوائننگ آور کمپنی۔'' سعدان کے اتنے پُرجوش استقبال پر وہ چلتا ہوا..... اس کے دائیں جانب رکھی چیئر پر عین عائدہ کے سامنے آکر بیٹھ گیا تھا۔ اور اب سعدان کانفرنس روم میں موجود دیگر لوگوں سے عالیان کا تعارف کرانے لگا تھا۔ جبکہ عائدہ بس سنجیدہ تاثر کے ساتھ خاموش ہی رہی تھی۔

''یہ عالیان ہاشم ہیں..... جنہوں نے حال ہی میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے بڑی شاندار پوزیشن کے ساتھ اپنی ڈگری کمپلیٹ کی ہے۔ آج سے یہ ہمارے مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کو ہیڈ کریں گے۔'' اور سعدان کی یہ بات سن کر عائدہ کا موڈ ہی آف ہوگیا تھا۔ اسی شخص کی وجہ سے وہ اپنے فیورٹ کیچ سے محروم ہوگئی تھی۔ اور اب سعدان کی وجہ سے اس شخص کو روز آفس میں برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ چہرے پر ہلکی سی برہمی کا تاثر لیے خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اور دل ہی دل میں سعدان سے ناراض بھی ہوگئی تھی۔ جس نے اس سے ڈسکس کیے بغیر کمپنی کے لیے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔

''اور میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں۔ عالیان ہاشم ہماری کمپنی کے لیے بہترین چوائس ثابت ہوں گے۔ کیونکہ یہ بہت قابل، ذہین اور ذمّے دار انسان ہیں۔'' اور عالیان اپنی اتنی تعریف اور عزت دینے پر سعدان کا بے حد شکر گزار نظر آرہا تھا۔ جس کا اظہار وہ سعدان کی طرف دیکھ کر اپنی مسکراہٹ سے ادا کر چکا تھا۔ لہٰذا وہاں موجود تمام ایگزیکٹوز اور اسٹاف نے..... خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ عالیان کو اپنی سپورٹ اور کوآپریشن کا یقین دلایا تھا۔ پھر چند رسمی کارروائیوں کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہوگئی تھی۔ البتہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے وہ وہاں رک گیا تھا۔

''تھینک یو..... تھینک یو سو مچ سر..... اس اعتماد اور بھروسے کے لیے جو آپ نے مجھ پر اور میری صلاحیتوں پر کیا..... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں..... اس اعتماد اور بھروسے کے لیے میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔''

''آئی نو عالیان..... مجھے تم پر پورا بھروسا

ہے..... اور اب تم آج سے ہی اپنی ذمے داریاں سنبھال سکتے ہو۔ ارسل تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا۔ اور اگر کوئی پرابلم محسوس ہو تو تم مجھ سے بھی ڈسکس کر سکتے ہو۔'' جواباً سعدان نے مسکراتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا۔

اور سعدان کی بات کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ارسل کی ہمراہی میں کانفرنس روم سے باہر چلا گیا۔ اور عائدہ جو اتنی دیر سے اتنے ضبط اور صبر کا مظاہرہ کرتی رہی تھی عالیان کے کانفرنس روم سے باہر جاتے ہی بھائی سے مخاطب ہو کر اپنی ناراضی کا اظہار کرنے لگی۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو سعدی..... تم نے کمپنی کے انٹرسٹ میں اتنا بڑا فیصلہ لیتے ہوئے مجھ سے ڈسکس کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا..... اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جس کے بارے میں تم کچھ جانتے بھی نہیں ہو..... کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ واقعی قابلِ اعتماد ہے بھی یا نہیں.....؟ اور تم نے اسے ''فیشن آئی کون'' میں مارکیٹنگ ہیڈ بنا دیا ہے۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ ہماری کمپنی کے اسٹینڈرڈ کو ہینڈل کر سکے۔'' عائدہ نے ایک سانس میں ہی اپنے سارے اعتراضات سعدان کے سامنے پیش کر دیے تھے۔

اور عالیان جسے راستے میں عائدہ کی وہ امانت لوٹانے کا خیال آیا تھا۔ جسے وہ اپنی کوٹ کی پاکٹ میں رکھ کر بھول گیا تھا۔ کانفرنس روم کے ادھ کھلے دروازے کے باہر عائدہ کی آواز سن کر وہیں دروازے کا ہینڈل تھامے کھڑا رہ گیا۔ جبکہ سعدان کو جواباً مختصراً عائدہ کو اپنے ایکسیڈنٹ والے روز کے واقعے کے بارے میں بتانا پڑا تھا کہ عالیان ہی وہ شخص ہے جس نے اس کی مدد کی تھی۔ لہٰذا عائدہ کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس روز اس انجان شخص کے بروقت مدد کرنے سے ہی اس کا بھائی کسی بڑی مصیبت (انجری) میں پڑنے سے بچ گیا تھا۔ لیکن اس احسان کے باوجود ایک انجان شخص پر اتنا بھروسا کرنے پر عائدہ کو سعدان کی فیور پر اچھا خاصا اعتراض تھا۔

''اٹس اوکے سعدی..... میں مانتی ہوں اس شخص کا ہم پر واقعی بڑا احسان ہے تو کیا تم صرف ایک احسان کے بدلے میں اپنی کمپنی کے اتنے اہم عہدے پر اس شخص کو آنکھ بند کر کے فائز کر دو گے۔ چاہے وہ اس کا اہل ہو یا نہیں.....'' وہ اسے قائل کرنا چاہ رہی تھی۔ ''اور کیا تم ان لالچی ذہنیت رکھنے والے پاکستانی لڑکوں کو نہیں جانتے ہو۔ جو اپنے مطلب کے لیے یہاں کی مقامی لڑکیوں کے ساتھ پیپر میرج کا جھانسا دے کر اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد divorce کر دیتے ہیں یہاں تک کہ سٹیزن شپ کے حصول کے لیے بڑے سے بڑا جرم کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔'' وہ سخت بدگمانی کا شکار تھی۔

اور اب عالیان کی بس ہو گئی تھی۔ اس سے زیادہ وہ اپنی تذلیل و کردار کشی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جو وہ لڑکی بنا کسی ثبوت کے عالیان پر الزام لگا رہی تھی وہ ان مفاد پرست لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔ جن کی تعریف و توصیف عائدہ بھائی کے سامنے بیان کر رہی تھی۔

''آئی ایم سوری سر۔'' وہ ہلکے سے ڈور ناکنگ کے بعد کانفرنس روم میں داخل ہو کر بنا کسی تمہید کے بولنا شروع ہو گیا۔ جسے عائدہ اور سعدان ہکا بکا کھڑے دیکھنے لگے تھے۔ ''ایکچوئلی میں تو یہاں صرف مس عائدہ کی یہ امانت واپس کرنے آیا تھا۔ جو صبح ان کی کسی غلطی کی وجہ سے آفس بلڈنگ کے باہر سیڑھیوں پر گر گئی تھی۔ میں وہاں موجود تھا اس لیے اسے امانت سمجھ کر سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر..... اپنے بارے مس عائدہ کے خیالات جان کر مجھے صرف افسوس ہی نہیں، شرمندگی بھی ہوئی ہے کہ آپ لوگوں نے میرے خلوص کو احسان کا نام دے کر اتنے ہلکے ترازو میں تولا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ مجھے مجرم اور گناہ گار ہونے کے ساتھ دھوکے باز اور بے اعتبار بھی قرار دے دیا۔''

عالیان نے کچھ دیر پہلے بولے گئے عائدہ کے الفاظ کو من و عن دُہرایا جو اس نے عالیان ہاشم کے لیے ادا کیے تھے۔ جواباً سعدان نے کچھ فاصلے پر کھڑی بہن

کو ملامت سے دیکھا جس کے بعد وہ بھی ایک لمحے کے لیے خجالت میں مبتلا ہوئی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا۔ وہ شخص باہر کھڑے ہو کر اس کی ساری باتیں سن لے گا۔ جبکہ سعدان کی ظاہری حالت عائدہ سے کہیں زیادہ قابلِ رحم تھی۔ وہ شرمندگی کے مارے عالیان سے نگاہ تک نہیں ملا رہا تھا۔ کجا عائدہ کی اس معیوب حرکت کے لیے فوراً اس سے معذرت کرتا۔ عالیان وہاں سے جانے سے پہلے مزید بولا تھا۔

''آئی ایم سوری سر..... مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے۔ مگر اپنے بارے میں مس عائدہ کے تعریفی کلمات سننے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اس کمپنی میں کام نہیں کروں گا..... جہاں بات..... بے اعتباری سے شروع ہے۔ اور یہ امانت مس عائدہ کی ہے۔ میں یہی لوٹانے کے لیے آیا تھا.....''

عالیان نے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں سے رومال نکال کر عائدہ کے سامنے ٹیبل پر رکھا اور پلٹ کر تیزی سے کانفرنس روم سے باہر نکل گیا۔ اور پیچھے عائدہ اور سعدان کو چند لمحوں کے لیے جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ سعدان اسے ملامت کرتے ہوئے اس کی کلاس لیتا۔ عائدہ نے ہاتھ بڑھا کر جلدی سے ٹیبل پر رکھے اس رومال کو اٹھا کر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا تھا اور پھر اسی پھرتی سے کانفرنس روم سے باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے سعدان اس کی اس حرکت پر ششدر کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ صرف اپنی انا اور خودداری ہی نہیں بلکہ عائدہ کے لگائے گئے الزامات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنی شاندار نوکری پر لات مار آیا تھا۔ جہاں سے اسے اتنی بہترین رہائش اور پرسنل کنوینس (گاڑی) بھی میسر آ گئی تھی۔

مگر برا ہو اس ''ناک'' کا جو وہ اس مغرور سی اکھڑ لڑکی کے سامنے نیچی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اب اپنا یہ عظیم غم بھلانے کو اپنی فیورٹ کافی شاپ (کیفے) میں چلا آیا تھا۔ باہر بہت شدید سردی تھی۔ ہلکی، ہلکی برف باری بھی ہو رہی تھی۔ مگر کیفے کے اندر گرم ماحول اور گرما گرم کافی نے عالیان کے اعصاب کو کچھ سکون پہنچایا تھا جس کے بعد وہ یہ سوچنے کے قابل ہوا تھا کہ آخر اس لڑکی کے ساتھ پرابلم کیا ہے جو وہ عالیان جیسے بے ضرر سے انسان کے ساتھ اتنا تلخ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

جبکہ دوسری جانب عائدہ آفس سے گھر لوٹی تو اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اسے اپنے ہینڈ بیگ سے اپنا کیچر نکالنا تھا۔ اس نے بے پروائی سے ہینڈ بیگ کو ڈریسنگ روم میں رکھ دیا تھا۔ اسے عالیان ہاشم کا رومال نکال کر واپس کرنا بھی یاد نہیں رہا۔ اور اگلے دن ڈیزی نے عائدہ کے لیے نیا ڈریس اور ڈریس سے میچنگ ہینڈ بیگ نکال کر اس کی وارڈ روب میں رکھ دیا تھا۔ عائدہ ''کیچر'' اور ''رومال'' دونوں کو بھول چکی تھی۔

☆☆☆

البتہ رات ڈنر ٹیبل پر سعدان کو خاموش دیکھ کر عائدہ نے اس سے فوراً ہی معذرت کر لی تھی۔ وہ ناراض نہیں ہوتا تھا بس خاموش ہو جاتا تھا۔ عائدہ اس کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری سعدی..... پلیز تم اپنی ناراضی ختم کر دو..... میں تم سے سوری کر رہی ہوں ناں.....''

''مگر سوری تمہیں عالیان سے کرنی چاہیے۔ مجھ سے نہیں، تم نے ایک نہایت شریف اور معزز بندے کی انسلٹ کی ہے جس کا وہ ہرگز بھی حقدار نہیں تھا۔''

اور وہ پھر سے ''عالیان'' نامی ٹاپک شروع ہونے پر منہ بنا کر رہ گئی تھی۔

''تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے عائدہ..... عالیان ایسا انسان ہرگز نہیں ہے۔ جیسا تم اسے سمجھ رہی ہو..... میرا یقین کرو مجھے لوگوں کی تم سے زیادہ پہچان ہے۔ اور وہ اس قابل بھی ہے کہ اس جاب کو ڈیزرو کر سکے۔'' اور اس سے پہلے کہ وہ عائدہ کو کنوینس کرنے کے لیے مزید کچھ کہتا وہ اپنا ڈنر کمپلیٹ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اٹس اوکے سعدی..... میں تم پر اپنی مرضی

مسلط نہیں کروں گی۔ تم چاہو تو اسے دوبارہ جاب پر رکھ سکتے ہو۔ مگر میں اس سے سوری ہرگز نہیں کروں گی۔'' عائدہ قطعی لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلی گئی تو وہاں بیٹھا سعدان سوچنے لگا کہ وہ عائدہ کی بدتمیزی کا ازالہ کس طرح کر سکے گا۔ اور پھر اس نے فوراً ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہوگا۔

☆☆☆

کیفے میں بہت سارا وقت گزارنے کے بعد بھی وہ بے مقصد ہی لندن کی سڑکوں پر پھرتا رہا۔ کیونکہ گھر واپس جا کر اسی چھوٹے سے کمرے میں منوہر لال جیسے شخص کی ہمراہی میں وقت گزارنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ جو روز رات کو ڈرنک کر کے آتا تھا۔ اور نشے کی حالت میں جانے کس کو موٹی، موٹی گالیاں دیتا۔ جسے سننے کے بجائے عالیان کانوں میں روئی رکھ لیتا لیکن بہرحال وہ ساری رات تو اتنی سردی میں گھر سے باہر گزار نہیں سکتا تھا۔ اس لیے جب وہ اپنے روم میں داخل ہوا تو وہاں منوہر لال کے بجائے سعدان ابراہیم کا مہربان چہرہ دیکھنے کو ملا۔ منوہر لال اسے وہاں بیٹھا کر خود نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اور عالیان کو اس شخص پر بہت غصہ آنے سے زیادہ سعدان کو اس چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے دیکھ کر شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا سعدان نے کاؤچ سے اٹھ کر بے ساختہ کچھ فاصلے پر کھڑے عالیان کو گلے سے لگا لیا تھا۔ اور وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد جب سعدان اس سے الگ ہوا تو نہایت شرمندگی سے عائدہ کے بی ہیویئر کی معذرت کرنے لگا۔

''آئی ایم رئیلی سوری عالیان..... میں عائدہ کے بی ہیویئر کے لیے تم سے بہت شرمندہ ہوں..... اسی لیے تم سے معذرت کرنے آیا ہوں.....'' سعدان اسے حیران ہی نہیں بلکہ شدید خجالت میں بھی مبتلا کر چکا تھا۔

''نہیں سر..... اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا عالیان نے برجستہ سادگی سے کہا تھا۔ ''مس عائدہ کو میری طرف سے کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہوگی اسی لیے انہوں نے بنا کچھ بھی سوچے سمجھے مجھ پر اتنے الزامات لگا دیے۔ شاید وہ مجھے اپنی کمپنی میں دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اس لیے پلیز سر..... آپ میرے ریزیگنیشن لیٹر کو قبول کرلیں۔'' جواباً سعدان نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھانے کے انداز میں کہا تو عالیان خاموشی سے اس کی بات سننے لگا۔

''نہیں عالیان..... اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، تم سوچنے کے لیے کچھ وقت لے لو..... رہی بات عائدہ کی تو تم اس کی نیچر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو اسی لیے اس کی باتوں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے۔ لیکن یقین مانو عالیان..... میری بہن دل کی بہت شفاف اور... کھری ہے۔ وہ بس لوگوں پر جلدی بھروسا نہیں کر سکتی ہے لیکن تمہارے ساتھ اپنے رویے پر وہ شرمندہ بھی ہے اور اسے تمہارے ہماری کمپنی میں کام کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے میری تم سے ریکویسٹ ہے۔ تم کل سے دوبارہ جوائننگ لے کر اپنا کام شروع کردو۔'' اور اس کے اتنے اصرار اور وضاحتیں دینے کے بعد عالیان کے لیے واقعی انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس نے سعدان کی بات مان لی تھی۔ وہ اسے مایوس کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس سے مل کر ہمیشہ اپنائیت کا گہرا احساس ہوتا تھا۔ اور عالیان ہاشم کو بھی لوگوں کی خوب پہچان تھی۔ پھر وہ سعدان ابراہیم کے خلوص کو کیسے ٹھکرا سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد واپسی کے سفر میں جب سعدان بہت پُرسکون اور مطمئن ہو کر گھر لوٹا تو عائدہ سو چکی تھی۔ شاید اسے یقین تھا۔ سعدان اس سے زیادہ دن ناراض نہیں رہ سکے گا۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ سعدان کا موڈ خود بخود اچھا ہو گیا تھا۔ مگر عائدہ کا موڈ پھر سے خراب ہو گیا کیونکہ اگلے دن ہی اسے اپنے آفس میں ہر جگہ اس چہرے کو دیکھنا پڑ رہا تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ اب وہ دوبارہ کبھی لوٹ کر اس کمپنی کا رخ نہیں کرے گا۔ لیکن ایسا ہو چکا تھا۔ اور اب وہ سعدان

سے اس بارے میں کوئی بحث نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے مجبوراً کمپرومائز کرنا پڑا تھا۔

☆☆☆

آج کا سارا دن بہت اچھا گزرا تھا۔ اس کے آفس کولیگز اور دیگر اسٹاف کے لوگ عالیان کے ساتھ کافی کوآپریٹو اور respective تھے سوائے عائدہ ابراہیم کے ... جس کے چہرے پر اسے دیکھ کر ہی بیزاری کا تاثر نمایاں ہوجاتا تھا۔ پہلے دن سے آج تک اس کے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دوسرے ان دونوں کے ڈیپارٹمنٹ بھی الگ، الگ تھے اس لیے آپس میں بات چیت بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ حالانکہ عالیان بہت فرینڈلی نیچر کا مالک تھا۔ اسے عائدہ کا رویہ بہت محسوس ہوتا تھا۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ سعدان کی طرح عائدہ بھی اس سے اپنائیت سے نہ سہی مگر بیزاری کا مظاہرہ بھی نہ کرے۔ وہ اپنے ویل ڈیکوریٹڈ آفس میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی محنت اور لگن سے کام کرے گا کہ اپنے بارے میں اس لڑکی کی رائے اور سوچ کو ایک دن ضرور بدل دے گا۔ اور ثابت کردے گا کہ وہ دوسرے عام پاکستانی لڑکوں کی طرح نہیں ہے جو اپنے مفاد کی خاطر کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہیں..... وہ ویسا لڑکا نہیں ہے جیسا وہ پیاری سی لڑکی اسے سمجھتی ہے۔

یہ ایگزیکٹو فلور تھا۔ جہاں سعدان اور عائدہ کے علاوہ دیگر ایگزیکٹوز کے آفسز بھی موجود تھے۔ عالیان کا روم بھی اسی فلور پر واقع تھا۔ اور اتفاق سے عائدہ اور عالیان کا آفس آمنے سامنے تھا۔ لہٰذا آفس روم سے باہر نکلتے اور آتے جاتے گلاس وال کے پار سے ایک دوسرے پر غیر ارادی نگاہیں اٹھ جاتی تھیں۔ مگر وہ رسماً بھی مسکرانے کے بجائے دوسری جانب نظر پھیر لیتی۔ جانے عالیان ہاشم کی خود پر نظر پڑتے ہی اسے کیا ہوجاتا۔ اپنی پہلی ملاقات کے بعد سے وہ مستقل جھنجلاہٹ اور عجیب بے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہ شخص جب بھی اس کی طرف دیکھتا۔ عائدہ کو اپنی.... بے بسی و بے اختیاری کا گہرا احساس ہونے لگتا مگر بے بس ہونا یا ہارنا اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ اور اس شخص سے تو بالکل بھی ہارنا نہیں چاہتی تھی جس کی آنکھوں میں غلطی سے بھی نظر ڈالنے پر اس کے دل کی دنیا میں بے قراری سی پھیل جاتی۔

جبکہ عالیان کی دلی کیفیت اس سے یکسر مختلف تھی۔ اپنی پہلی ملاقات میں ہی وہ اس لڑکی کی شخصیت میں ٹھہرے وقار و تمکنت کے ساتھ پُراعتماد انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ اوپر سے اس کے چہرے کی دلکشی و رعنائی مقابل کے لیے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی۔ ایک سحر سا تھا اس کی شخصیت میں جو مقابل کو مسحور کرکے رکھ دیتا۔ عالیان بھی خود کو اس سحر میں مبتلا ہونے سے روک نہیں پایا تھا۔ شاید کچھ چہرے کچھ خدوخال اتنے پُرکشش اور دلکش ہوتے ہیں کہ انسان پہلی ملاقات میں ہی ان کا اسیر ہوکر رہ جاتا ہے۔ عالیان کا دل بھی ان گہری سرمئی آنکھوں کا اسیر ہوگیا تھا۔ لہٰذا اب وہ جب بھی ارادی یا غیر ارادی طور پر اس لڑکی کو دیکھتا وہ اسے اپنے دل کے قریب محسوس ہونے لگتی۔ اور ایسا کیوں ہورہا تھا۔ فی الحال عالیان اس جذبے سے بے خبر تھا۔

☆☆☆

اس وقت وہ سعدان کی کال پر اپنے آفس روم سے باہر نکلا تھا۔ جب نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظر سامنے آفس روم کی گلاس وال کے پار باس چیئر پر بے نیاز، مگن سی بیٹھی عائدہ پر پڑی تھی۔ وہ وہیں ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ اپنی مخصوص آفیشل ڈریسنگ میں گلے میں اسٹالر ڈالے بالوں کی نفیس سی فرنچ ناٹ بنائے وہ بہت فریش نظر آرہی تھی۔ عالیان لمحے بھر کے لیے اس کے صبیح چہرے کی دلکشی میں کھو سا گیا۔ جب ہی نگاہوں کے مستقل ارتکاز کو محسوس کرکے عائدہ نے چہرہ اٹھا کر سامنے دیکھا تو اسی شخص کو کھڑے پایا اور گلاس وال کے پردے برابر کردیے۔ لیکن اس سے پہلے اس نے ایک ملامتی سی خشمگیں نگاہ اس شخص پر

ضرور ڈالی۔ جسے دیکھ کر عالیان اپنی اس بے خودی پر شرمندگی وخجالت سے پانی، پانی ہوا تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ عائدہ وہاں سے فوراً ہٹ گئی تھی۔ اگر وہ روم سے باہر آکر عالیان کو اس کی اس فضول سی حرکت کے لیے باز پرس کرنے لگتی تو کیا ہوتا۔ اس لڑکی سے کیا بعید تھا۔ وہ لمحوں میں عالیان کو بے عزت کر کے رکھ دیتی اور عائدہ کے ہاتھوں یہاں کھڑے ہو کر بے عزت ہونے کے روح فرسا تصور سے عالیان نے جھرجھری سی لی اور فوراً ہی وہاں سے مڑ کر کاریڈور کی جانب سعدان کے آفس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عائدہ غصے اور جھنجلاہٹ میں مبتلا اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ وہ اسے اس کمپنی میں اور آفس میں صرف سعدان کی وجہ سے برداشت کر رہی تھی۔ لہٰذا تھک کر چیئر پر واپس بیٹھتے ہوئے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس شخص نے دوبارہ ایسی کوئی حرکت کی تو اس بار وہ اسے ایسا سبق سکھائے گی کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا۔

☆☆☆

اس وقت وہ سعدان کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ سعدان اس سے عائدہ کی نئی آنے والی ونٹر کلیکشن کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا۔ جب یونہی عالیان کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ جسے اس نے سعدان سے ڈسکس کیا تو سعدان کو اس کا آئیڈیا بے حد پسند آیا تھا۔ عالیان کا خیال تھا کہ جس طرح پچھلے کئی سالوں میں پاکستانی خواتین میں ڈیزائنر لان اور ڈیزائنر ملبوسات کے استعمال کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اسی طرح اگر عائدہ بھی پاکستانی خواتین کے لیے ایسٹرن ڈریسز ڈیزائن کر لے تو اس کے کام کی مانگ میں مزید اضافہ ہوگا۔ سعدان نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس بارے میں عائدہ سے ضرور بات کرے گا۔ ابھی وہ دونوں یہی باتیں کر رہی رہے تھے کہ عائدہ جو کسی کام سے سعدان کے آفس میں داخل ہوئی تھی اور ان دونوں کی گفتگو کا کچھ حصہ اس نے سن بھی لیا تھا تو اسے سعدان پر بھی غصہ آیا تھا جو اس شخص کے ساتھ عائدہ کی ذات کو ڈسکس کر رہا تھا۔ اس لیے وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر چلتی ہوئی آکر ان کے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی اور عالیان کو مخاطب کر کے جتاتے لہجے میں بولی۔

''ایکسکیوزمی مسٹر عالیان..... مگر یہ تو آپ کا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ دوسروں کے کاموں میں اپنی رائے دینے کے بجائے اپنے کام پر فوکس کریں کیونکہ مجھے اپنے کام میں آپ کے مشوروں کی ہرگز ضرورت نہیں۔''

عائدہ کے لہجے میں چھپی ناگواری کو محسوس کرتے ہوئے عالیان نے خجل سا ہو کر سامنے بیٹھے سعدان کو دیکھا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ عائدہ کی بات کے جواب میں کیا رسپانس دے جبکہ سعدان کو عائدہ کی بات سے زیادہ اس کا روڈ انداز معیوب لگا تھا۔ لہٰذا اس بار وہ عائدہ کو ذرا سی بھی رعایت دینے کے بجائے سخت لہجے میں سرزنش کیے بغیر نہیں رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے دوسری بار عالیان کے ساتھ روڈ ہوئی۔

''ریلیکس عائدہ..... عالیان نے صرف ایک suggestion دی ہے۔ جسے اس نے صرف مجھ سے ڈسکس کیا ہے۔ سو پلیز..... تمہیں اتنا روڈ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں اس بات کے لیے عالیان کے ساتھ تمہارے مس بی ہیوئیر کو برداشت کروں گا۔ اس لیے پلیز.....'' وہ اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے عالیان اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے ان دونوں بہن، بھائی کے درمیان مزید کوئی آرگیومنٹ شروع ہو جاتے۔ جبکہ عائدہ کا چہرہ عالیان کے سامنے اپنی انسلٹ کے احساس سے سرخ پڑ گیا تھا کیونکہ اس سے پہلے سعدان نے اس سے اتنے سخت لہجے میں کبھی بات نہیں کی تھی اور یہ صرف عالیان کی وجہ سے ہوا تھا۔ لہٰذا وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے رخ پھیر گئی تھی مگر پھر بھی عالیان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں معذرت کی تھی۔

''آئی ایم سوری مس عائدہ..... مجھے واقعی آپ کے کام میں انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ جبکہ عائدہ ہنوز اسی پوزیشن میں بے پروا تاثر کے ساتھ کھڑی تھی۔ تب سعدان اٹھ کر اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ روڈ ہوگیا۔

''واٹس دی پرابلم ددھ یو عائدہ..... آخر تمہیں عالیان کی ذات کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ جو اسے سامنے دیکھتے ہی اس کی تذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہو۔ تم اتنی ال مینرڈ اور آؤٹ اسپوکن تو کبھی نہیں ہوا کرتی تھیں۔ اب اچانک تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کیوں اس طرح بی ہیو کر رہی ہو تم۔''

اور عائدہ کو اس شخص پر مزید غصہ آنے لگا تھا۔ جس نے سعدان پر جانے کون سا منتر (جادو) پڑھ کر پھونکا تھا۔ جس کی حمایت کی خاطر وہ اپنی لاڈلی بہن سے بھی روز بروز بدظن ہوتا جا رہا تھا۔

''رئیلی عائدہ..... تمہارا یہ بی ہیوئیر میری سمجھ سے باہر ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔ آخر تم ایسا کیوں کر رہی ہو..... اس شخص کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے۔ میں واقعی پریشان ہوگیا ہوں۔'' وہ ایک غیر شخص کی خاطر اپنی سگی بہن کو ڈانٹ رہا تھا، ملامت کر رہا تھا۔ عائدہ کو اپنے بھائی کا یہ رویہ اور انداز بالکل برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''مجھے اس معمولی سے انسان کے ساتھ کیا پرابلم ہوسکتی ہے سعدان.....'' وہ نہایت غصے سے بولی۔ ''اس سے میرا تعلق ہی کیا ہے..... محض ''ایک ملازم اور مالک'' کا۔ لہٰذا اس شخص کی ذات میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ اس لیے میری بات اچھی طرح سمجھ لو..... تم آئندہ اس شخص کے سامنے میری انسلٹ نہیں کرو گے..... ورنہ میں ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ اپنی بات مکمل کرکے رکی نہیں تھی۔ اور سعدان نے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ شاید وہ رو رہی تھی۔

سعدان کو اپنے رویے اور لہجے پر افسوس ہوا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ افسوس اسے عالیان کے لیے ہوا تھا۔ جو پہلے دن سے آج تک عائدہ کے روڈ بی ہیوئیر کو برداشت کرتا آرہا تھا۔ صرف سعدان کی وجہ سے۔ اب تو اس کا رویہ سعدان کے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہونے لگا تھا۔ اس لیے وہ عالیان کے سامنے ہی اسے ٹوک بیٹھا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا۔ عائدہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے اتنی شدت سے ری ایکٹ کرے گی۔ آج اس نے اسے سعدی کے بجائے سعدان کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ جس کا صاف مطلب تھا اس کے رویے نے عائدہ کو ہرٹ کیا تھا۔ سعدان کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ وہ عائدہ کے لیے پریشانی میں مبتلا ہوا تھا۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں بات کرنے والی نہایت سلجھے ہوئے مزاج کی مالک تھی۔ وہ لوگوں میں زیادہ گھلتی ملتی نہیں تھی۔ اپنے آفس کولیگز اور دیگر میل اسٹاف کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت سنجیدہ اور لیے دیے والا ہوتا تھا۔ مگر وہ ان کی بے حد عزت بھی کرتی تھی۔ پھر آخر عالیان کے ساتھ اس کا رویہ اتنا قابلِ اعتراض کیوں ہوتا تھا۔ سعدان فرصت سے اس گتھی کو سلجھانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن فی الحال ابھی اسے ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی۔ لہٰذا کچھ دیر خود کو پوری طرح کمپوز کرنے کے بعد ہی وہ آفس سے باہر نکلا تھا۔

☆☆☆

رات وہ سونے سے پہلے بھی عائدہ کے مزاج میں آنے والی تبدیلی پر غور کر رہا تھا۔ وہ مردوں کے ساتھ فری ہوکر بات کرنا زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ نہ ہی کالج، یونیورسٹی میں اس نے کوئی میل فرینڈ بنایا تھا۔ یہاں تک کہ آفس کے میل کولیگز کے ساتھ بھی عائدہ کا رویہ نارمل ہی تھا۔ البتہ اپنے ماموں زاد ولید حسن سے وہ خاصی.... بے تکلف رہی تھی۔ مگر یہ چند سالوں پہلے کی بات تھی۔ اب تو وہ ولید کی فون کالز بھی ڈھنگ سے اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ جس کی وہ اکثر سعدان سے فون پر شکایت بھی کرتا تھا۔ بہرحال اگر ولید حسن کے ساتھ کزن ہونے کی حیثیت سے فرینڈلی بات کر لیتی تھی تو پھر عالیان بھی کوئی اجنبی

نہیں تھا۔ وہ تو اب باقاعدہ ملازم تھا۔

سعدان واقعی عائدہ کے لیے بہت فکر مند ہو گیا تھا۔ نتیجتاً وہ رات دیر تک جاگتا رہا پھر کچھ سعدان کی بے احتیاطی اور بدلتے موسم کی عنایت نے مل کر اسے بخار و فلو میں مبتلا کر دیا۔ عائدہ اسے آفس کے لیے تیار ہونے کا کہنے آئی تھی مگر جب اسے بستر میں یوں ہی لیٹا دیکھا تو فکر مندی سے اس کے پاس آ کر پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی طبیعت پوچھنی چاہی لیکن سعدان کو تیز بخار میں مبتلا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''تمہیں تو سخت بخار ہو رہا ہے سعدی...... تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں...... چلو ہم ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' عائدہ فوراً ہی فکر مندی سے بولی تو سعدان نے ہی اسے روک دیا۔

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں نے میڈیسن لے لی ہیں۔ بس کچھ تھکن محسوس کر رہا ہوں...... اس لیے آفس سے آف کر کے گھر پر ہی ریسٹ کرنا چاہتا ہوں...... لیکن تم ڈرائیور کے ساتھ ہی آفس جانا...... خود ڈرائیو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سعدان نے سنجیدگی سے کہا تو وہ وہیں بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''ہرگز نہیں...... میں کہیں نہیں جا رہی ہوں...... تمہیں یوں اکیلے بیماری کی حالت میں چھوڑ کر۔ تم ضرور ریسٹ کرو مگر میں گھر پر ہی رکوں گی۔'' اور عائدہ کی بچوں جیسی ضد پر سعدان پہلے اپنے لیے اس کی فکر مندی اور محبت کو دیکھ کر مسکرایا تھا پھر نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''کم آن عائدہ...... معمولی سا ٹمپریچر ہے۔ شام تک کم بھی ہو جائے گا۔ میں صرف تھکن کی وجہ سے گھر پر ریسٹ کرنا چاہتا ہوں...... رات دیر تک جاگتا رہا تھا۔ لیکن تمہارا آفس جانا ضروری ہے۔ آج ایک بہت ضروری میٹنگ ہے جو تمہیں میرے بی ہاف پر اٹینڈ کرنی ہو گی۔ ارسل (پی اے) تمہیں ساری ڈیٹیل بریف کر دے گا۔'' اور خلافِ توقع عائدہ نے مزید آرگیومنٹ کرنے کے بجائے اس کی بات مان لی تھی۔ پھر ڈیزی کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت دینے کے لیے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''او کے...... میں میٹنگ اٹینڈ کر کے جلدی واپس آ جاؤں گی لیکن تم اپنا خیال رکھنا...... میں ڈیزی کو بھی سمجھا دیتی ہوں۔'' جواباً سعدان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔ عائدہ وہاں سے چلی گئی تو وہ عالیان کو کال کرنے لگا۔

☆☆☆

جب فون پر اسے سعدان کی طبیعت خرابی کا پتا چلا تو وہ اسے دیکھنے گھر آنا چاہتا تھا لیکن سعدان نے اسے اطمینان دلا کر آنے سے روک دیا تھا۔ اور ساتھ ہی

دنیا کے کسی بھی کونے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی، ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1500 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 20,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 19,000 روپے

بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ

مرزا اثمر عباس: 0301-2454188
سرکولیشن منیجر سید منیر حسین: 0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی
مین کورنگی روڈ۔ کراچی

تاکید بھی کی تھی کہ وہ عائدہ کا خیال رکھے۔

آج صبح سے ہی موسم کے تیور کچھ اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ بارش متوقع تھی۔ لہٰذا سعدان نہیں چاہتا تھا کہ عائدہ آج آفس میں دیر تک ٹھہرے..... اور جواباً عالیان نے اسے مطمئن کردیا تھا کہ وہ عائدہ کا خیال رکھے گا اور سعدان کو واقعی اطمینان بھی ہوگیا تھا جبکہ عالیان اپنے آفس میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی تو ٹھیک سے اس سے بات تک نہیں کرتی تھی بھلا وہ عالیان کو اپنا خیال رکھنے کی اجازت دے گی۔ اسے سعدان کی معصومیت پر پیار اور عائدہ کی خوش نصیبی پر رشک آیا تھا۔ اور کاش وہ اس لڑکی کے دل میں تھوڑی سی ہی جگہ بنا پاتا تو زندگی کتنی آسان اور خوشنما ہوجاتی۔ اس کے دل نے ایک آہ سی بھری تھی۔

کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے
جاگتے، جاگتے ایک عمر کٹی ہو جیسے
جان باقی ہے مگر سانس رکی ہو جیسے

عالیان نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ عائدہ کا خیال آتے ہی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت تک اسے گھر چلے جانا چاہیے تھا۔

☆☆☆

سیکنڈ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ ایک ضروری فائل تیار کرنے لگی تھی۔ اور تیزی سے گزرتے وقت کا اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ گہری ہوتی شام سرمئی اندھیروں میں بدل کر رات کی تاریکی میں اترنے کو تھی۔ جب عالیان نے اس کے آفس روم ڈور پر ہلکے سے دستک دی تھی۔ مگر اندر سے جواباً کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ عالیان کو اس کی بیزاری کا احساس تھا۔ جو وہ عالیان کو سامنے دیکھ کر ظاہر کرتی تھی مگر اب واقعی بہت دیر ہوچکی تھی اور واچ مین نے بتایا کہ عائدہ اب تک آفس میں موجود ہے۔ لہٰذا وہ اس لڑکی کی ہر طرح کی ناراضی کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو سامنے ہی وہ اپنی چیئر کی بیک سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ریلیکس سی بیٹھی نظر آئی تھی۔ ایسا مستقل کام کرنے کی تھکن کے باعث ہوا تھا۔ عالیان اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے پچھلی تمام احتیاط اور دل کی ہدایتوں کو بھول گیا تھا۔ گہری سرمئی آنکھوں کی جھلیلیں سیاہ لانبی پلکوں کی بھاری جھالروں سے ڈھکی تھیں۔ صبیح چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے سیاہ سلکی بال کیچر سے نکل کر کچھ شانوں پر بکھر گئے تھے۔ وہ ٹرانس کی کیفیت میں چند لمحوں تک اس ساحر چہرے سے نگاہ ہٹا نہیں سکا تھا۔ کیا صرف خوب صورت چہرے ہی انسانوں کے لیے کشش کا باعث بنتے ہیں یا پھر اس پیاری لڑکی میں ہی کوئی خاص بات ہے۔ جو عالیان کا دل نہایت احتیاط کے باوجود بھی اسے سامنے دیکھ کر اس کی جانب خود بخود کھنچتا چلا جاتا تھا۔ وہ اگر بے خودی کے احساس میں گھرا نہ ہوتا تو ضرور اس بارے میں سوچتا..... کیوں عائدہ کی شخصیت کا سحر اسے اپنے حواس پر چھایا محسوس ہونے لگتا تھا۔ اب یہ صنفِ مخالف کی فطری کشش کا شاخسانہ تھا یا پھر کوئی خوب صورت جذبہ..... عالیان ابھی تک اپنی ان فیلنگز کو کوئی نام نہیں دے سکا تھا۔ مگر کسی کی مسلسل نظروں کے حصار میں مقید احساس میں گھر کر عائدہ نے بند آنکھیں کھولیں تو سامنے کھڑے عالیان ہاشم کو دیکھ کر بے ساختہ ناگواری سے دیکھتی چیئر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ یہاں اس وقت میرے آفس میں کیا کررہے ہیں مسٹر عالیان.....؟'' عائدہ نے نہایت سخت لہجے میں اسے مخاطب کرتے ناگوار تاثر کے ساتھ دیکھا بھی اور اس کی آنکھوں کے اس تاثر نے عالیان کو ایک بار پھر شرمندگی سے پانی، پانی کردیا تھا۔ اسے دل ہی دل میں اپنی بے اختیاری پر غصہ آیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ سچ مچ عالیان کی یہاں موجودگی سے کسی بدگمانی میں مبتلا ہوتی..... عالیان نے وضاحت دیتے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا تو وہ تھوڑا سا ہراساں ہو کر پیچھے ہوئی تھی۔ عالیان نے فوراً ہی اس سے

معذرت کی تھی۔

''آئی ایم سوری..... مگر میں نے اندر داخل ہونے سے پہلے ڈورناک کیا تھا۔ لیکن آپ کا جواب نہ پا کر مجھے مجبوراً اندر داخل ہونا پڑا۔ کیونکہ آفس ٹائمنگ آف ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے مگر آپ اب تک آفس میں اکیلی بیٹھی ہیں۔ آپ کو فوراً گھر جانا چاہیے مس عائدہ..... میں بس یہی بتانے آیا تھا۔''

اور عالیان کی بات سن کر عائدہ نے بے ساختہ گلاس وال کے پار پھیلی تاریکی کو پریشانی سے دیکھا تھا۔ واقعی اسے تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ جبکہ سعدان نے بھی اسے گھر جلدی آنے کی تاکید کی تھی مگر وہ کام میں مصروف ہو کر بھول چکی تھی اور اب خالی آفس میں اپنے اکیلے رہ جانے کے خیال سے اسے اپنی حماقت کا شدید احساس ہوا تھا۔ مگر وہ اپنی گھبراہٹ یا پریشانی کو اس شخص پر عیاں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے خود کو پُرسکون ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

''مگر آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ جائیں یہاں سے..... میں خود چلی جاؤں گی۔ آپ کو میرے لیے یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسے اندازہ تھا۔ وہ اسے اکیلے دیکھ کر اپنے ساتھ چلنے اور گھر ڈراپ کرنے کی آفر دے گا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ اکیلے کہیں بھی جانا نہیں چاہتی تھی اسی لیے دانستہ انکار کر دیا تھا۔ تاکہ وہ خود ہی یہاں سے چلا جائے گا اور پہلی بار عالیان کو اس لڑکی کی ضد اور ہٹ دھرمی ناگوار گزری تھی اسی لیے اس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر بے پروائی سے جواب دیا۔

''سوری مس عائدہ..... مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو گھر ڈراپ کیے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا..... اس لیے پلیز..... آپ بحث میں مزید ٹائم ویسٹ کرنے کے بجائے اسی وقت میرے ساتھ یہاں سے چلیں۔ ورنہ.....'' اسے واقعی اس لڑکی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ جو ہر لمحہ اس کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا رہتی تھی۔ اور جواباً عالیان کے آخری جملے نے عائدہ کو بھی

کورونا وائرس کے باعث پیدا ہونے والی صورت حال

لوگ گھروں تک محدود ہو گئے۔ یقیناً اس سے دشواری تو ہوئی لیکن اپنی فیملی کے ساتھ پہلے سے زیادہ وقت گزارنے کا موقع مل رہا ہے۔ ہم سب کو ہر حال میں اپنی سوچ مثبت رکھنی چاہیے اور اللہ سے امید رکھنی چاہیے کہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ ''ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔'' میں اللہ سے اور زیادہ قریب ہو گئی۔ اپنے لیے دعا کرنے سے پہلے دوسروں کے حق میں بھی دعائیں کریں۔

ہما، دبئی

طیش دلایا تھا۔ وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھ کر عالیان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''ورنہ..... کیا کرو گے تم..... اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی..... ہاؤ ڈیئر یو مسٹر عالیان.....'' عائدہ نے غصے سے لفظ چبا، چبا کر ادا کیے تو عالیان کو واقعی اپنے لفظوں اور لہجے کی تلخی کا احساس ہوا اور وہ لمحے بھر کے لیے خجالت کا شکار بھی ہوا تھا۔ مگر عائدہ کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

''تم اپنی چالاکیوں سے صرف سعدان کو ہی امپریس کر سکتے ہو۔ مجھ پر تمہارا کوئی منتر (جادو) اثر نہیں کرنے والا ہے۔ سو میرے سامنے زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر..... ناؤ گیٹ آؤٹ.....'' وہ پھر سے اس کی انسلٹ کرنے لگی تھی۔ مگر اس وقت وہ اس کے ساتھ کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا بنا کوئی جواب دیے اس نے آگے بڑھ کر ٹیبل پر سے عائدہ کا سیل فون اٹھا کر اس کے بیگ میں ڈالا پھر ہینڈ بیگ کو اٹھا کر پلٹ کر قریب کھڑی عائدہ کی کلائی کو سختی سے تھاما تھا۔ وہ خوف سے زرد پڑتی رنگت کے ساتھ ساکت رہ گئی تھی مگر عالیان اس کی موجودہ کیفیت کی پروا کیے بغیر اسے زبردستی ساتھ چلنے پر مجبور

کرتے ہوئے آفس روم سے باہر نکال لایا تھا۔ وہ شاک کی کیفیت میں مبتلا اس کے ساتھ کھنچتی چلی جارہی تھی۔ اور جب وہ آفس روم سے نکل کر کاریڈور میں داخل ہوئے تو عائدہ نے یک دم ہی غصے کی شدت سے شدید مزاحمت کرتے ہوئے اپنی کلائی اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔

''ہاؤ ڈیئر یو..... لیوی..... کہاں لے جارہے ہو مجھے۔ مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا ہے..... سعدان کو تمہاری اس بدتمیزی کا پتا چلے گا تو وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے شوٹ کردے گا۔'' عائدہ نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے اسے آخری حربے کے طور پر دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر عالیان جواباً اندھا، بہرہ اور گونگا بن چکا تھا۔ وہ بت کی طرح چپ اوڑھے اس کی مسلسل مزاحمت کو نظر انداز کرتے ہوئے آفس بلڈنگ سے باہر نکل آیا تھا۔ جہاں عائدہ کی چیختی، مزاحمت کرتی آواز پہچان کر واچ مین دوڑ کر ان کے پاس آیا تھا مگر عالیان کے ساتھ عائدہ کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک کر کچھ فاصلے پر رک گیا۔ تب ہی عالیان نے بھی واچ مین کا لحاظ کرتے ہوئے عائدہ کی کلائی پر اپنی گرفت ڈھیلی کردی تھی۔ اور بس ایک لمحے کا فائدہ اٹھا کر عائدہ نے جھٹکے سے عالیان کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑائی تھی پھر نہایت طیش کے عالم میں ایک زوردار تھپڑ عالیان کے چہرے پر مارا اور وہ اس ردِعمل کے لیے ہرگز بھی تیار نہیں تھا۔ عائدہ کی اس حرکت نے اسے بالکل گنگ کردیا تھا۔

''آئندہ میرے ساتھ اس طرح بی ہیو کرنے کا سوچنا بھی مت..... ورنہ سعدان سے پہلے میں تمہیں شوٹ کردوں گی۔'' اگلے لمحے اس نے آگے بڑھ کر نہایت درشتی سے عالیان کے ہاتھ سے اپنا ہینڈ بیگ چھینا تھا۔ پھر مڑ کر پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کمپنی میں سعدان کی وجہ سے عالیان کو جو اہمیت و مقام حاصل تھا اس سے کمپنی کا ہر ورکر یہاں تک کہ واچ مین بھی آگاہ تھا۔ لہٰذا عائدہ کو جاتے دیکھ کر واچ مین بھی وہاں سے کھسک لیا تھا۔

☆☆☆

عالیان کی اس جرأت پر مارے طیش کے اس کا برا حال تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عالیان اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے گا۔ اس نے واچ مین کو دیکھ کر اتنی ہمت کا مظاہرہ کرلیا تھا مگر اب بھی خود کو تنہا اور بے بس محسوس کر کے اس کے اندر خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ یہی خوف کچھ عرصہ پہلے بھی اس پر اسی طرح حملہ آور ہوا تھا جب وہ ولید کے بیڈ روم میں تنہا موجود تھی۔ اس وقت وہ کم عمر اور نادان تھی مگر اس وقت وہ کچھ سال پہلے والے اپنی زندگی کے سب سے بھیانک واقعے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

ابھی وہ سنسان سڑک پر ایک سائڈ پر گاڑی روک کر اپنے اندر اٹھتے غصے اور طیش پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی کہ قریب ہی سے اسے ہیوی اسپورٹس بائیکس پر بیٹھے شور مچاتے، سیٹیاں بجاتے وہ چار سیاہ فام لڑکے نظر آئے جو عائدہ کو اکیلے دیکھ کر خباثت سے اسے گھور رہے تھے۔ اگرچہ گاڑی لاکڈ تھی مگر پھر بھی وہ خوف کے مارے زرد پڑ گئی تھی۔ ایک غلطی اس نے آج آفس میں دیر تک رک کر کی تھی، دوسری غلطی رات کے اس وقت سنسان سڑک پر گاڑی روک کر کی تھی۔ شاید آج کا دن اس کی زندگی کا سب سے برا دن تھا۔ اپنے حلیے سے وہ اسٹریٹ کرمنلز دکھائی دیتے تھے۔ ویسے بھی اکثر ایشیز کے ساتھ ناخوشگوار واقعات ہوتے رہتے تھے۔ عائدہ کو دیکھ کر ان کے چہروں پر ناچتی وحشت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اس لمحے گڑگڑا کر دل میں خدا سے مدد کے لیے دعا مانگی تھی۔ اور دعا اگلے لمحے شرفِ قبولیت پا گئی تھی۔ یک دم ہی پیچھے سے آتی کار کے زور، زور سے بجتے ہارن اور تیز لائٹس کی روشنی چہرے پر پڑتے ہی وہ چاروں لڑکے (بائیکرز) قریب آئی کار کو دیکھ کر تیزی سے بائیک بھگاتے وہاں سے فرار ہوگئے اور عائدہ نے سکون کی سانس لیتے ہوئے اپنے قریب کار سے

اترتے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر پھر اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر چکی تھیں۔ جسے عالیان ہاشم کی نظروں سے چھپانے کے لیے رخ پھیر کر خود کو کمپوز کرنے لگی تھی۔ عالیان جو اس کی سیفٹی کے خیال سے اس کی کار کے پیچھے ہی آرہا تھا، وہ لڑکے عالیان کی کار کو دیکھ کر ہی وہاں سے فرار ہوئے تھے۔ عائدہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ حالانکہ اگر وہ سیل فون پر ایک کال کر دیتی تو پولیس فوراً اس کی مدد کو پہنچ سکتی تھی۔ لیکن اس وقت خوف سے اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ اور اسے اس حال میں دیکھ کر عالیان کو بہت افسوس ہوا تھا۔

''آر یو اوکے مس عائدہ.....'' عالیان نے جھک کر عائدہ سے دریافت کیا تھا۔ جواباً اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ لہٰذا وہ مزید گویا ہوا تھا۔

''اگر آپ کو مناسب لگے تو آپ میری گاڑی میں آجائیں..... میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔ آپ کا اس وقت اکیلے کار ڈرائیو کرنا مناسب نہیں رہے گا۔'' عائدہ نے بس خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کی گاڑی ابھی واچ مین آکر لے جائے گا..... ہم کمپنی آفس سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ آپ کہیں تو میں واچ مین کو کال کر دیتا ہوں۔'' عائدہ نے جواباً کچھ نہیں کہا..... بس چپ چاپ اپنی گاڑی سے اتر کر عالیان کی کار میں آکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی..... لہٰذا وہ سیل فون پر واچ مین سے بات کرنے لگا تھا۔ اور وہ اس کی کار میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اگر آج عالیان بروقت یہاں نہ آجاتا تو کیا ہوتا..... اس شخص نے اسے بہت بڑے نقصان سے بچا لیا تھا۔ جس کے بارے میں وہ کچھ دیر پہلے حد سے زیادہ بدگمان ہو رہی تھی۔ اس سے تو اچھا تھا وہ آفس کے باہر ہی عالیان کی بات مان کر اس کے ساتھ آجاتی..... اس کی بلاوجہ کی ضد بلکہ بدگمانی نے اسے اس خوفناک سچویشن سے دوچار کر دیا تھا۔ لہٰذا اگر اب بھی وہ عالیان کی بات نہ مانتی اور آگے جا کر وہ لڑکے پھر سے اس کا پیچھا کرتے تو وہ کیا کر لیتی۔ بس یہی سوچ کر وہ عالیان ہاشم کا یہ احسان لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اور کچھ دیر بعد جب عالیان اس کی گاڑی واچ مین کے حوالے کر کے واپس اپنی کار میں آکر بیٹھا تو عائدہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔ اس نے خاموشی سے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اور عالیان نے دیکھا اب عائدہ کے چہرے پر خوف و ہراس کے بجائے سکون و اطمینان کا تاثر تھا۔ یہ دیکھ کر اسے دلی سکون محسوس ہوا تھا اور عائدہ سوچنے لگی کہ وہ اس شخص سے اپنے کچھ دیر پہلے والے رویّے کے لیے سوری کرے یا پھر اس مہربانی بلکہ احسان کے لیے اس کا شکریہ ادا کرے..... مگر وہ یہ دونوں کام ہی کرنے کی خود میں ہمت و حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ لہٰذا چپ ہی رہی تھی۔ عالیان بھی خاموشی سے ڈرائیور کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس لڑکی کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ دیر پہلے شک اور بدگمانی ... دیکھ کر اسے بہت افسوس ہوا تھا۔ عائدہ دانستہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔ اسی لیے گلاس ونڈو کے پار بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے میں محو ہو گئی۔ مگر نہ جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے عالیان اسی کی طرف دیکھ رہا ہو۔

باقی کا سفر بھی گہری چپ کے ساتھ ہی کٹا تھا۔ البتہ گھر پہنچتے، پہنچتے راستے میں بارش شروع ہو گئی تھی۔ جس کے باعث عالیان بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جبکہ دوسری جانب سعدان موسم کی خرابی کی وجہ سے ان دونوں کے لیے پریشان اور فکرمند ان کا انتظار کر رہا تھا۔ حالانکہ اس نے فون پر اسے اطمینان بھی دلا دیا تھا کہ عائدہ اس کے ساتھ ہی ہے۔ لہٰذا وہ پریشان مت ہو..... پھر بھی وہ بارش کی پروا کیے بغیر پورچ میں ان کا منتظر کھڑا تھا۔ کار پورچ میں آکر رکی تو سعدان تیزی سے ان کے پاس آیا تھا۔ تب تک عائدہ ڈور کھول کر کار سے اتر چکی تھی۔ جسے دیکھتے ہی سعدان

سرزنش کیے بغیر نہیں رہا تھا۔

''حد کرتی ہو عائدہ..... تمہیں آفس میں اتنی دیر تک اکیلے رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے، میں تمہارے لیے کتنا پریشان ہو گیا تھا۔ وہ تو شکر ہے، عالیان نے مجھے فون کر کے اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ تمہیں ڈراپ کر دے گا۔ تمہیں آفس میں اکیلے موجود دیکھ کر تمہاری سیفٹی کے خیال سے اسے بھی وہیں آفس میں رکنا پڑا تھا۔''

اور سعدان کی زبانی ساری سچائی جان کر اس نے بے ساختہ ہی کار سے اتر کر کچھ فاصلے پر کھڑے عالیان کو دیکھا تھا۔

''تو کیا عالیان نے سعدی کو پہلے ہی فون کر کے بتا دیا تھا اور میں بلاوجہ ہی عالیان سے بدگمان ہو کر اس کے ساتھ اتنا برا سلوک کر بیٹھی۔ وہ کیا سوچتا ہوگا..... میں اسے اتنا ناقابلِ اعتبار انسان سمجھتی ہوں۔'' عائدہ نے وہیں کھڑے، کھڑے دل میں سوچا وہ کچھ فاصلے پر کھڑے عالیان سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ کجا کہ اس سے اپنے بدصورت ترین رویے کی معذرت کرتی وہ اس وقت جس ذہنی خلجان میں مبتلا تھی کچھ بھی کہنے، سننے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ لہٰذا عالیان کی موجودگی کے باعث وہ سعدان سے کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے گھر کے اندر کی جانب تیزی سے بڑھ گئی۔

''تھنک یو سو مچ یار..... اگر آج تم آفس میں عائدہ کی سیفٹی کے خیال سے اسے گھر ڈراپ کرنے کا فیصلہ نہ کرتے تو مجھے اس کی فکر میں واقعی بہت ٹینشن ہو جاتی۔ تمہارا بہت شکریہ عالیان.....'' سعدان نے دل سے عالیان کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''اٹس او کے سر..... میں نے تو صرف اپنا فرض پورا کیا ہے..... مس عائدہ کی جگہ اگر آفس میں کوئی اور لڑکی یا خاتون بھی ہوتی تو میں ان کے لیے بھی ایسا ہی کرتا۔ انہیں باحفاظت گھر تک ڈراپ کرنا میری ذمے داری ہوتی۔ کیونکہ میرے نزدیک ہر عورت بے حد قابلِ احترام ہے۔'' جواباً وہ متانت سے سنجیدہ لہجے میں بولا۔

اور سعدان اس کی بات سن کر امپریس ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ اس کی نانی نے واقعی عالیان کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔ سعدان نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا۔ وہ کتنی شفاف سوچ کا مالک تھا۔ اس کا اندازہ اس کی اچھی پرورش اور تربیت سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ بہرحال موسم کی خرابی کے باعث سعدان نے اسے اصرار کر کے اپنے گھر پر روک لیا تھا۔ حالانکہ عالیان نے اسے بہت منع بھی کیا تھا۔ لیکن سعدان نے اس کی ایک نہیں سنی تھی اور باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھر کے اندر کی جانب لے کر بڑھ گیا تھا۔

آج اچھا موقع میسر آیا تھا۔ وہ عالیان سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے ماضی کے کچھ حقائق اور سچائیوں سے بھی آگاہ کرنا تھا۔ یہ وقت اسے اس کام کے لیے بہت مناسب لگا تھا۔ کیونکہ وہ مزید دیر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

اس کے ماں، باپ کی کوئی نیکی تھی جس نے عائدہ کو ایک بار پھر سے اس قسم کی پریشان کُن سچویشن سے بحفاظت بچا لیا تھا۔ وہ خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔ شکریہ تو اسے اس شخص کا بھی ادا کرنا چاہیے تھا۔ جس نے عائدہ کے اتنے برے سلوک کے باوجود اس پر بنا کچھ جتائے اتنا بڑا احسان کیا تھا۔ وہ چاہتا تو عائدہ کے ہاتھوں تھپڑ کھانے کے بعد چپ چاپ وہاں سے اپنے گھر چلا جاتا۔ مگر وہ تو وہاں اس کی حفاظت کے خیال سے اسے اکیلا دیکھ کر رک گیا تھا۔ عائدہ کو عالیان کی طرف سے اپنی بدگمانی اور غلط فہمی کا سوچ کر ہی ندامت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو کتنا غلط سمجھا تھا۔ جس پر اس کا بھائی سعدان آنکھ بند کر کے بھروسا کرتا تھا۔ عائدہ نے اسی شخص کی نیت اور کردار پر شک کیا تھا۔ سعدان ٹھیک کہتا تھا۔ اسے واقعی لوگوں کی پہچان نہیں تھی۔ عائدہ نے دل ہی دل میں خود سے اعتراف کیا تھا۔ لیکن اس میں عائدہ کا بھی قصور نہیں تھا۔ انسان کی زندگی میں کبھی، کبھی کچھ ایسے حادثات و

واقعات رونما ہوجاتے ہیں جن کے بعد اس کا ہر کسی پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک، پھونک کر پیتا ہے۔ عائدہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ بہرحال اس بار وہ انا پرستی کا شکار ہونے کے بجائے دل سے عالیان کی احسان مند اور شکر گزار تھی۔

پچھلی رات عالیان ہاشم کے لیے نئے انکشافات کی رات تھی۔ سعدان نے ہمت کر کے اسے اپنے اور عالیان کے تعلق کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ البتہ اس کے پاپا نے بچپن میں عالیان ہاشم کے ساتھ جو حق تلفی کی تھی۔ اپنے سگے خون (بھتیجے) کی پرورش و دیکھ بھال کے حوالے سے جو بے پروائی برتی تھی وہ اس کے لیے واقعی بہت شرمندہ تھا۔ اور اس نے عالیان سے معافی بھی مانگ لی تھی۔ ساتھ ہی اپنے پاپا کے اس پچھتاوے اور ملال کا بھی ذکر کیا تھا۔ جو انہیں زندگی کے آخری ایام میں لاحق ہوگیا تھا۔ اسے اپنی اور (باپ) ابراہیم حیدر کی موت سے کچھ روز قبل کی وہ ساری باتیں بتا دی تھیں وہ کس طرح اپنے سگے بھتیجے عالیان اور اپنے بڑے بھائی، بھابی کی روحوں سے شرمندہ تھے۔ اگرچہ عالیان ان تمام حالات سے کسی حد تک واقف تھا۔ نانی نے اسے اس کے چچا ابراہیم حیدر کے بارے میں مختصراً بتا دیا تھا۔ لیکن سعدان اور عائدہ ہی اس کے وہ کزنز ہوں گے جن کو اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ بات عالیان کے لیے حیرت کا باعث ضرور بنی تھی۔ وہ تقریباً تین چار سال سے لندن میں موجود تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا اس کے اتنے قریبی خونی رشتے اس کے اتنے آس پاس موجود ہوں گے۔ اور وہ ان سب سے بے خبر تھا۔ کیونکہ ابراہیم حیدر برسوں پہلے ماں کے جنازے میں شریک ہونے کے بعد واپس لندن آئے تو دوبارہ کبھی لوٹ کر پاکستان جانے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ یہاں تک کہ اکلوتی بہن کی محبت اور یاد کی کشش بھی انہیں پاکستان اور یہاں رہ جانے والے چند رشتوں کے لیے واپس لوٹنے پر مجبور نہیں کر سکی۔

وہ اپنے بزنس کو آگے بڑھانے کے سفر میں رفتہ، رفتہ سب کچھ فراموش کرتے چلے گئے تھے۔ احساس تب ہوا جب عمر کی نقدی ختم ہونے کو تھی اور وہ بستر مرگ پر تھے کہ جس وقت سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بہرحال عالیان کے لیے دولت و جائداد وغیرہ کچھ خاص کشش کا باعث نہیں تھی اور پھر اب اتنے سالوں بعد وہ سعدان کی خواہش پر اپنے باپ کی پراپرٹی میں سے اپنا شیئر حاصل کر کے کرتا بھی کیا۔ اس کے ماں، باپ تو اس دنیا سے بہت پہلے ہی جا چکے تھے۔ رہی بات خود اس کی ذات کی تو اسے سیلف میڈ ہونے پر فخر ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی اور پہچان اپنی محنت و قابلیت سے بنانے پر یقین رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے سعدان کو یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے ماضی کو کب کا فراموش کر چکا ہے۔ اس لیے اسے کسی سے کوئی شکایت نہیں..... نہ ہی اپنے مرحوم چچا ابراہیم حیدر سے کوئی گلہ ہے، لہٰذا سعدان کو کسی بات کے لیے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ جان کر اسے بہت خوشی ہوئی تھی کہ دیارِ غیر میں اچانک ہی سعدان اور عائدہ کی صورت میں اسے اپنوں کا ساتھ مل گیا تھا۔ بالخصوص عائدہ ابراہیم کے لیے اس کے دل میں جو خاص جگہ تھی وہ اب پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ وہ لڑکی جس سے وہ پہلی ملاقات میں بہت امپریسڈ ہوا تھا۔ رفتہ، رفتہ وہی لڑکی اب اسے بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ مگر یہ بات وہ سعدان سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن اب سعدان کی خواہش جان کر وہ دل ہی دل میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کرنے لگا تھا۔

"کاش مجھے فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا..... حالانکہ میں جانتا ہوں..... عائدہ کبھی میرے کسی فیصلے سے انکار نہیں کرے گی۔ لیکن میں اس پر زبردستی اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ یہ میرے دل کی شدید خواہش میں سے ایک خواہش ہے کہ عائدہ اگر اپنے لائف پارٹنر کا انتخاب کرے تو وہ تم ہو..... کیونکہ میں

عائدہ کو کسی اجنبی ہاتھوں میں سونپنا نہیں چاہتا۔ وہ مجھے بہت زیادہ عزیز ہے اسی لیے میں نے اس کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو.....''

اور سعدان کی خواہش جان کر اس کے سارے وجود میں ایک سرشاری سی پھیل گئی تھی لیکن وہ اپنی فیلنگز کو اس پر کسی بھی صورت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہ صرف سعدان کے دل کی خواہش تھی۔ عائدہ ابراہیم کی نہیں..... وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ عالیان سے اس کا رشتہ اور تعلق کتنا قریبی اور اہم ہے۔

''میں نے جان بوجھ کر اب تک اسے تمہارے اور اپنے رشتے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ تم میرے اور عائدہ کے فرسٹ کزن ہو..... کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ تمہاری ذات کی اچھائیوں اور خوبیوں کو جاننے کے بعد ہی تمہارے قریب آئے۔ ایسا ناممکن تو نہیں ہے شاید اسی طرح میری خواہش پوری ہونے کا کچھ سبب بن جائے کیونکہ بہت کم عرصے میں تم مجھے عائدہ کی طرح ہی عزیز ہو گئے ہو۔''

اور عالیان نے دل میں سوچا کہ یہ اس کی خوش نصیبی ہے۔ جو بات وہ اس لڑکی کے سامنے کبھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ بات سعدان نے اتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ یہ بات اس کے گمان میں بھی نہیں تھی۔

''تھینکس سعدان..... مجھے واقعی بہت خوشی ہوئی ہے یہ جان کر کہ تم میرے بارے میں اتنی پوزیٹو سوچ رکھتے ہو..... اور عائدہ بہت خوش قسمت ہے۔ اسے تمہارے جیسے بھائی کا ساتھ ملا ہے جو اس سے اتنی محبت کرتا ہے، اتنی پروا کرتا ہے لیکن تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ عائدہ پر اپنی مرضی مسلط کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں..... البتہ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ میری کزن بھی ہے مگر اس سے پہلے میں اس کی بہت رسپیکٹ کرتا ہوں..... اس لیے میری تم سے ریکویسٹ ہے کہ میرے حوالے سے تم اسے اپنی خواہش کے لیے کچھ بھی فورس نہیں کرو گے۔''

وہ اتنی بہترین سوچ کا مالک ہوگا سعدان نے واقعی نہیں سوچا تھا۔ لہٰذا ایک بار پھر سے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اسے گلے لگا لیا تھا۔ اور عالیان نے دل میں شکر ادا کیا تھا کہ سعدان کے سامنے اس کا بھرم قائم رہ گیا۔ اگر اسے یہ علم ہو جاتا کہ اس کی یہ خواہش عالیان کے دل کی بھی اولین آرزو ہے تو جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا.....

☆☆☆

عالیان کے انکار کے باوجود سعدان نے اس کے حصے کی پراپرٹی (شیئرز) کو عالیان کے نام قانونی طور پر ٹرانسفر کرنے کے لیے اپنے وکیل سے بات کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے مرحوم پاپا ابراہیم حیدر نے اسے امانت دار بنایا تھا پھر وہ امانت میں خیانت کرنے کا مرتکب کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ صرف اس کے پاپا کی خواہش ہی نہیں تھی کہ سعدان ان کے بھتیجے کو ڈھونڈ کر اسے اس کا حصہ ضرور دے دے بلکہ یہ عالیان ہاشم کا شرعی و قانونی حق بھی تھا اور سعدان نے اپنے حصے کی ذمے داری پوری کرنے کا جلد ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ جس سے عالیان ہاشم بے خبر تھا۔

اگلی صبح وہ فریش ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آئی تو وہاں سعدان کے ساتھ عالیان کو بیٹھے دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ ان کے ساتھ جا کر بریک فاسٹ میں شریک ہو یا پھر واپس پلٹ جائے..... وہ تذبذب کی کیفیت میں تھی جب سعدان نے اسے وہاں کھڑے دیکھ کر پکار لیا تھا۔

''کم آن عائدہ..... تم وہاں کیوں کھڑی ہو..... جلدی سے آجاؤ..... ورنہ تمہارا فیورٹ بریک فاسٹ میں اور عالیان منٹوں میں صاف کر دیں گے۔''

اور عائدہ، بھائی کے اس شوخ انداز پر پہلے سے زیادہ حیران ہوئی تھی۔ صرف ایک رات ہی میں کیا ماجرا ہو گیا تھا جو سعدان اس شخص کی ہمراہی میں بیٹھا ایک ساتھ بریک فاسٹ کر رہا تھا۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ خوش بھی نظر آرہا تھا۔ کہیں عالیان نے اسے پچھلی رات عائدہ کے ساتھ پیش آنے والے اس ناخوشگوار واقعے کے بارے میں تو نہیں بتا دیا۔ یہ سوچ کر ہی لمحے بھر

میں عائدہ کے گلابی چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔

''کیا سوچنے لگی ہو عادی..... رات موسم بہت خراب تھا اسی لیے میں نے عالیان کو رات یہیں روک لیا تھا۔ ورنہ یہ تو اس طوفانی بارش میں ہی اپنے اپارٹمنٹ واپس جانے کی ضد کر رہا تھا۔''

اور بھائی کی اگلی بات سن کر عائدہ کی رکی سانسوں کے ساتھ رنگت بھی بحال ہوگئی تھی۔ جبکہ سعدان کے پکارنے پر ہی عالیان بھی مڑ کے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ اور عائدہ کو محسوس ہوا تھا جیسے عالیان ہاشم کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ بڑے انہماک بلکہ پُرشوق نظروں سے آنکھوں میں عجیب سی چمک لیے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر اس بار عائدہ نے اس کی اس حرکت پر ناگواری کے بجائے سنجیدہ سا تاثر کے ساتھ دیکھ کر اگنور کرتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی جانب قدم بڑھا دیے۔ اور جب وہ اس کے برابر میں ایک چیئر چھوڑ کر اپنی مخصوص ڈائننگ چیئر پر آ کر بیٹھی تو عالیان نے جھینپ کر کھسیاتے ہوئے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدل کر سامنے رکھے کافی کپ پر مرکوز کر دیا۔ اسے اچانک ہی اپنی بے اختیار حرکت کا احساس ہوا تھا۔ جس نے عائدہ پر نظر پڑتے ہی اسے اپنے اردگرد سے بے نیاز کر دیا تھا۔ مگر شکر تھا سعدان نے اس کی اس حرکت کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ تو عائدہ سے بات کرنے میں مگن تھا۔ اور وہ خود اب خاموشی سے ناشتا کرنے میں مگن ہوگئی تھی۔ اور یوں پوز کر رہی تھی جیسے اسے عالیان ہاشم کے کسی بھی زاویے سے دیکھنے بلکہ گھورنے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ البتہ عالیان اور سعدان آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے پھر عائدہ کی موجودگی میں وہ مزید دیر تک وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سعدان سے اجازت لے لی تھی۔ جواب میں اس نے عالیان کو اگلے ویک اینڈ پر ڈنر کے لیے انوائٹ کر لیا تھا۔ جس نے وہاں بیٹھی عائدہ کو مزید حیرتوں میں مبتلا کیا تھا۔ سعدان کی اس شخص پر بڑھتی ہوئی عنایتیں

زندگی کی رنگینیاں واپس لوٹ آئیں

سورج کی کرنیں ابھی نیند سے بیدار ہی ہوئی تھیں کہ ان کی چمک ماند پڑنے لگی اور سورج غروب ہونے لگا۔ ایک ایسا مشترکہ دکھ جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اچانک نمودار ہوا..... انسان، انسان سے دور بھاگنے پر مجبور تھا۔ ماں، بچے سے اور بچہ، ماں کے قریب جانے سے خوفزدہ تھا۔ ساری دنیا مل کے بھی اس پریشانی پر قابو نہ پا سکی۔ بڑے، بڑے ڈاکٹرز اور سائنسدان ہتھیار ڈالنے پر مجبور اور بے بس ہوگئے۔ مسلمان تو مسلمان کافر بھی سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ازل سے ابد تک رہنے والی ذات دنیا میں صرف اللہ ہی کی ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جس کا نہ تو کوئی علاج ممکن ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی کونا اس سے محفوظ تھا۔ وہ بیماری تھی کورونا وائرس۔

جہاں انسانوں کی بڑی تعداد اس بیماری کا شکار تھی وہاں ایک بڑی تعداد لوگوں کی ایسی بھی تھی کہ جو شدید خوف کا شکار تھی۔

لوگ ڈپریشن اور دماغی امراض کا شکار ہوئے جا رہے تھے ہر انسان سوچوں کی جنگ لڑ رہا تھا۔ جب ڈیتھ کی آیا تھا تب بھی جن لوگوں کی موت لکھی تھی وہی اس بیماری کا شکار ہوئے۔ مگر ایک مخصوص علاقے میں کئی اور بیماریاں ماضی میں ظاہر ہوئیں اور اموات ہوئیں۔ پر کورونا نے تو ساری دنیا کو ہی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ علاج تب ہی ممکن ہوگا جب رب کی طرف سے اذن ہوگا۔

یہ موقع ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اللہ پاک کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف کر کے اپنی آخرت سنوار چلیں نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سنور جائے گی۔

نہ صرف اس کورونا بلکہ ہر آنے والی بیماری سے بچنے کے لیے ہمیں ایک ہونا ہوگا۔ آج باطل کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بننے کا وقت آ گیا ہے۔ اب امتِ مسلمہ کے جاگنے، کمر کسنے اور میدانِ عمل میں اپنے جوہر دکھانے کا وقت آ گیا ہے۔ انسانیت کی بقا کے لیے ساری دنیا کو مل کر یہ جنگ لڑنا ہوگی۔

اس رب کے سامنے ہاتھ پھیلائیں کہ جس سے مانگنے کے لیے نہ کسی سفارش کی ضرورت ہے اور نہ ہی انتظار کی پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کی یہ مشترکہ پریشانی دور فرمائے اور ساری دنیا کے انسانوں کی زندگی کی رنگینیاں واپس لوٹائے، آمین۔

دعا گو..... از: جمیرا انجم وحید، واہ کینٹ

اسے واقعی حیرانی میں مبتلا کررہی تھیں۔

اور اس سے زیادہ حیرت اسے تب ہوئی جب جواباً عالیان نے خوش دلی سے سعدان کی دعوت کو قبول کرلیا تھا۔ اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا جبکہ عائدہ اس سوچ میں ڈوب گئی کہ کیا اب وہ سعدان کو عالیان کے معاملے میں پہلے جیسی روک ٹوک کرنے کا سوچ بھی سکے گی؟ جو سعدان کی زندگی اور دل میں بہت تیزی سے اپنی جگہ بنا رہا تھا مگر عائدہ کچھ نہیں کرسکتی تھی۔

☆☆☆

عالیان چاہتا تو سعدان کی دعوت قبول کرنے سے منع کرسکتا تھا۔ کوئی بہانہ بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن چاہنے کے باوجود وہ ایسا نہیں کرسکا۔ جانے کیوں اس کومل سی دلکش لڑکی کو بار، بار دیکھنے کی خواہش کو دل میں دبا نہیں سکا تھا۔ اس معاملے میں وہ خود پر اختیار کھوتا جارہا تھا۔ اور جانے اس کی ان انہونی سی خواہشوں کا آگے چل کر کیا انجام ہونے والا تھا۔ عائدہ کی جانب سے تو اسے کبھی کوئی پوزیٹو رسپانس نہیں ملا تھا۔ پھر بھی وہ چاہ کر بھی خود کو اس راستے پر قدم رکھنے اور بڑھتے چلے جانے سے روک نہیں پارہا تھا۔ جس پر چل کر منزل ملنے کی امید بھی نہیں تھی اس کی دانست میں.....

البتہ عائدہ کے لیے یہ بات سکون کا باعث تھی کہ عالیان نے اس رات کی تفصیلات کا سعدان سے ذکر نہیں کیا تھا۔ لہٰذا عائدہ کو اسے تاکید کرکے منع کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی..... اور اس بات کے لیے وہ عالیان کی دل سے شکر گزار بھی تھی۔ ورنہ اگر سعدان کو پتا چلتا تو جانے وہ کس طرح ری ایکٹ کرتا..... سعدان سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ اس واقعے سے گھبرا کر عائدہ کی سیفٹی کے لیے اس کے ساتھ گارڈ اور ڈرائیور رکھنے کا اعلان کردیتا۔ جس کے بعد عائدہ نے اکیلے گھر سے باہر کہیں بھی آنے جانے کی آزادی سے محروم ہوجانا تھا۔ البتہ سعدان کو اس بارے میں بتانے سے عائدہ کو ایک جھجک سی ضرور محسوس ہوئی تھی..... اس لیے فی الحال اس نے سعدان کو کچھ بھی نہ بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس دن کے بعد سے عالیان کے معاملے میں عائدہ کا رویہ اچھا خاصا پوزیٹو ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ سعدان کے مشورے پر اس نے پاکستانی خواتین کے لیے لان ڈیزائن کرنے کے بارے میں سوچنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ یہاں لندن بلکہ پورے انگلینڈ میں بہت سارے پاکستانی آباد تھے اور پاکستانی ڈریسز استعمال کرتے تھے۔ عالیان کا آئیڈیا اچھا تھا۔ جسے پہلے اس نے ری جیکٹ کردیا تھا۔ مگر اب اطمینان سے اس بارے میں سوچا تو اسے آئیڈیا برا نہیں لگا اور جب سعدان کی زبانی عالیان کو اس بارے میں پتا چلا تو اسے واقعی دلی مسرت ہوئی۔ اس کا مطلب تھا وہ اس مغرور سی اکھڑ لڑکی کے دل میں عالیان ہاشم کے لیے اتنی سی جگہ تو بن گئی تھی کہ اس نے اس کے آئیڈیے پر عمل کرنے کے بارے میں سوچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور شاید زندگی میں کبھی وہ دن بھی آجاتا جب یہ پیاری سی لڑکی عالیان ہاشم کی ذات کے بارے میں بھی سوچنے کا فیصلہ کرلے اور اسے بھی عالیان ہاشم سے محبت ہوجائے۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے لیے اس مشک جیسی لڑکی کی چاہ کی منت مان لی تھی۔

آج کل عالیان بہت مسرور رہنے لگا تھا کیونکہ اب جب بھی آفس میں یا کہیں اور اس سے سامنا ہوتا تھا اس لڑکی کی آنکھ میں عالیان کے لیے بیزاری اور ناگواری کا تاثر نہیں ابھرتا تھا۔ اس کی جھیل سی گہری سرمئی سیاہ آنکھوں کی گہرائی میں کیا چھپا تھا۔ عالیان نہیں جانتا تھا مگر وہ خوش تھا اس کے لیے یہی کافی تھا۔ عائدہ ابراہیم کی آنکھوں میں اس کے لیے اب ناپسندیدگی کا تاثر نہیں رہا تھا۔ چاہے یہ اس کی خوش گمانی ہی کیوں نہ ہو..... وہ اس کیفیت میں دیر تک مبتلا رہنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے آفس میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا اس کے خوشنما تصور میں گم تھا۔ اسے مستقل سوچتے رہنا اچھا لگ رہا تھا۔ اس رات عائدہ کی زندگی میں پیش آنے والا سب سے ناگوار واقعہ عالیان کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لے کر

آیا تھا۔ وہ اپنے خود ساختہ خول سے رفتہ، رفتہ باہر آرہی تھی۔ چاہے کام کے حوالے سے ہی سہی..... ان کی آپس میں ہلکی پھلکی بات چیت بھی ہوجاتی تھی اور عالیان اس کے بعد پہروں اس کے لہجے کی نرمی میں کھوئے رہنا چاہتا تھا۔ اگر یہ محبت تھی تو یہ بہت ہی دلفریب احساس تھا۔ اور عالیان ہاشم اس محبت نامی سحر میں خوشی، خوشی جکڑتا چلا گیا تھا۔ اسے عائدہ ابراہیم سے واقعی پیار ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اس روز وہ سعدان سے عالیان والے آئیڈیے کو ڈسکس کرنے آئی تھی۔ جب سعدان کو فون پر یقیناً زویا کے ساتھ بات کرتے دیکھ کر اور اپنا نام سن کر وہیں دروازے کا ہینڈل پکڑے کھڑی رہ گئی۔ زویا یقیناً پھر سے اس کی شادی کے ٹاپک کو ڈسکس کررہی ہوگی۔ نہ چاہ کر بھی عائدہ سننے پر مجبور ہوگئی۔

''کم آن زویا..... وہ میری بہن ہے..... میں اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر اس کے ساتھ زبردستی کیسے کرسکتا ہوں..... وہ اپنی زندگی کے بارے میں ہر فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔ اور میں کبھی اس پر اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ نہ ہی اسے فورس کرنا چاہتا ہوں۔'' سعدان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تو کیا وہ ساری عمر شادی کے لیے حامی نہیں بھرے گی تو تم بھی اس کے انتظار میں کنوارے بیٹھے رہوگے۔'' زویا اس کی فیانسی تھی۔ وہ اس سے محبت بھی کرتا تھا اور اس کی بہت عزت بھی کرتا..... لیکن عائدہ کے لیے اس کے منہ سے اس طرح کی باتیں سن کر چپ رہنا سعدان کے لیے بہت دشوار ہوجاتا۔ اس لیے وہ ہمیشہ زویا کو سمجھا بجھا کر چپ کرادیتا کیونکہ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ زویا کی اس کی زندگی میں اپنی جگہ تھی مگر عائدہ اسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ لہٰذا وہ کبھی نہیں چاہتا تھا کہ زویا اس کی بہن کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو اس لیے اسے سمجھاتے ہوئے جواباً تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''ایسی بات نہیں ہے زویا..... شاید وہ ابھی شادی جیسی ذمے داری نبھانے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہے۔ لیکن تم فکر مت کرو..... میں جلد ہی اس سے اس بارے میں بات کروں گا..... کیونکہ میں نے اس کے لیے ایک بہت اچھا لڑکا پسند کرلیا ہے اور اگر وہ عائدہ کو بھی پسند آگیا تو بلیومی..... میں اپنی ذمے داری ادا کرنے میں بالکل بھی دیر نہیں کروں گا۔'' اور سعدان کی آخری بات سن کر عائدہ کے ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل چھوٹ گیا۔ زویا نہ جانے اور کیا، کیا کہہ رہی ہوگی..... عائدہ نے صرف سعدان کی بات سنی تھی۔ پھر آہستہ سے دروازہ بند کرکے واپس پلٹ گئی۔ زویا اس کے ماموں زاد ولید حسن کی سالی تھی۔ ولید کی شادی میں ہی اس کی سعدان سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اسے اچھی لگی تھی۔ لہٰذا کچھ دنوں میں دونوں کی اچھی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ بھی ڈیولپ ہوگئی تو انہوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ اور اب تو ان کی منگنی کو بھی تین سال ہوچکے تھے۔ اس لیے زویا چاہتی تھی کہ اب وہ دونوں شادی کا فیصلہ کرلیں..... زویا کے پیرنٹس بھی کئی بار سعدان سے اس بارے میں بات کرچکے تھے مگر سعدان نے انہیں بھی یہی جواب دیا تھا کہ وہ عائدہ کی شادی کرنے کے بعد ہی اپنی شادی پلان کرلے گا۔ سعدان کی بات سن کر زویا کو کچھ اطمینان محسوس ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے اگلے ویک اینڈ پر مل کر اس بارے میں ڈسکس کرنے کا کہہ کر فون بند کردیا تھا۔ اور سعدان نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آج وہ عائدہ سے اس بارے میں حتمی بات ضرور کرے گا۔

جبکہ دوسری جانب اس کے آفس روم کے باہر کاریڈور میں آہستہ قدموں سے چلتی عائدہ اپنے آفس کی طرف جاتے ہوئے نہایت دلگرفتہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ سعدان کی خوشیوں میں رکاوٹ بننا ہرگز نہیں چاہتی تھی لیکن سچ تو یہ تھا کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ پھر حامی کیسے بھر سکتی تھی..... اور سعدان کہہ رہا تھا کہ اس نے اس کے لیے لڑکا بھی پسند کرلیا ہے۔ بس اسی

بات نے عائدہ کو پریشان کردیا تھا۔ وہ اسی کیفیت میں مبتلا اپنے روم کی جانب جارہی تھی۔ جب سامنے سے آتے عالیان نے اسے اس حالت میں دیکھ کر..... بے ساختہ رک کر تشویش کا اظہار کر ڈالا۔

''آر یو آل رائٹ مس عائدہ..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....؟'' عالیان واقعی اس کے لیے بہت فکر مند نظر آرہا تھا۔ عائدہ نے بھی اس کے چہرے پر پھیلی تشویش بھری بے چینی کو لمحے بھر کے لیے محسوس کر کے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا اسے یوں اچانک خود کے عیاں ہوجانے کا قلق ہوا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ عالیان کو کیا جواب دے..... حالانکہ اس وقت اسے ایک دوست کی اشد ضرورت تھی۔ جس کے سامنے وہ اپنے اندر بھری ساری گھٹن کو باہر نکال کر کسی حد تک پُرسکون ہوجاتی۔ لیکن اس کا صرف ایک ہی دوست تھا اور سعدان کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی سب سے بدصورت سچائی کو شیئر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے عالیان کی سوالیہ نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا۔

''جی میں ٹھیک ہوں..... آپ پلیز سعدی کو بتادیجیے گا، میں گھر جارہی ہوں۔'' عائدہ یہ کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی۔ اور آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ جبکہ پیچھے کھڑے رہ جانے والے عالیان کی تشویش میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کی فکر میں بے چین دل کے ساتھ سعدان کے آفس کی جانب بڑھ گیا تھا۔

سعدان کو عائدہ کا میسج دے کر وہ اپنے روم میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ اور مسلسل اسی کے بارے میں سوچے جارہا تھا۔ صبح تک تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک اچھے خاصے موڈ میں آفس آئی تھی پھر اچانک اسے کیا ہوگیا تھا۔ شاید اس کی طبیعت بہتر نہیں ہوگی۔ اسی لیے گھر جاکر ریسٹ کرنا چاہتی ہوگی۔ اور اس کے دل نے فوراً ہی کہا تھا کہ وہ فون کر کے اس سے پوچھے کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہے یا پھر یہ کہ اب اس کی طبیعت کیسی ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے ناں..... مگر عالیان اپنے دل کی کسی بات پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے بے چینی و بے قراری سے اٹھ کر روم میں اِدھر اُدھر واک کرنے لگا تھا۔ وہ خود کو بہت بے بس محسوس کررہا تھا جو اس وقت عائدہ کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

☆☆☆

اپنی پوری زندگی میں عائدہ ابراہیم نے اپنے بچپن کے دوست اور ساتھی سے صرف ایک ہی بات چھپائی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ فارس سے محبت کے نام پر دھوکا کھانے کے بعد بھروسے، اعتبار اور اعتماد جیسے لفظوں کے ساتھ مرد ذات پر سے بھی اس کا یقین و اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اس وقت وہ بہت کم عمر اور نادان تھی۔ شاید سترہ، اٹھارہ برس کی ہوگی۔ اس لیے نا سمجھی بلکہ معصومیت میں فارس کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر بیٹھی۔ وہ واقعی اسے اچھا لگتا تھا۔ فارس نے اسے پرپوز کیا تھا۔ سو جواب میں فارس کے اصرار پر اسے بھی بتانا پڑا تھا۔ وہ بھی فارس کو پسند کرتی ہے لیکن شادی کا فیصلہ وہ اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنے کے بعد ہی کرے گی۔ جس میں اس کے ماں، باپ کی مرضی بھی شامل ہوگی اور عائدہ کے اس جواب سے فارس کو مایوسی ہوئی تھی۔

فارس اس کے (ماموں زاد) ولید حسن کا دوست تھا۔ جس نے اسی آزادانہ ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی فیملی بھی خاصی لبرل تھی۔ وہ برسوں سے لندن میں آباد تھے۔ فارس بھی یہاں کے رنگین و آزاد ماحول میں پوری طرح رچ بس چکا تھا۔ عائدہ سے اس کی ملاقات ولید کے گھر پر ہوئی تھی۔ اور پہلی ملاقات میں ہی وہ عائدہ کی حد سے زیادہ معصومیت اور خوب صورتی سے امپریس ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ وہ اسے بہت اچھی لگی تھی۔ ان دنوں وہ ہر ویک اینڈ پر ماموں کے گھر آتی تھی۔ سارہ آپی اور ولید سے اس کی بہت اچھی دوستی تھی۔ فارس، ولید کا دوست تھا۔ شاید اسی اطمینان میں وہ اس پر بھروسا کر بیٹھی۔ اور اس کی فارس سے بھی دوستی ہوگئی۔ وہ ان دونوں کے ساتھ کبھی کبھار ٹیبل ٹینس کھیل لیا کرتی..... کبھی بیڈمنٹن کی باری لگتی تو کبھی کوئی اور

گیم..... مگر فارس کو جب بھی تنہائی میں موقع ملتا وہ عائدہ کی خوب صورتی، اس کی معصومیت کی تعریف ضرور کرتا۔ اس کی ڈریسنگ کو سراہتا۔ عائدہ ناسمجھی میں خوش ہو جاتی تھی اور پھر کچھ دن بعد اس نے عائدہ سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ بہت کنفیوز ڈ ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ بھی اسی آزادانہ ماحول اور مغربی معاشرے میں پلی بڑھی تھی۔ مگر اس کے ماں، باپ نے اس کی اور سعدان کی پرورش اور تربیت اپنی مذہبی و اخلاقی اقدار کے مطابق ہی کی تھی۔ لہٰذا کم عمری کے باوجود عائدہ نے بھی اپنی حدود و قیود کا ہمیشہ سے خیال رکھا تھا۔ اسی لیے اسے عائدہ کا جواب سن کر مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اس کے فرینڈز کی گرل فرینڈز کی طرح آزاد... خیال اور بولڈ نہیں تھی۔ اس لیے وہ وقتی طور پر مایوس ضرور ہوا تھا لیکن ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے پھر عائدہ کو ٹریپ کرنے کی پلاننگ کی تھی۔

اس روز فارس نے فون کر کے عائدہ کو ولید کے گھر بلایا تھا۔ اور وہ یہ سوچ کر ڈرائیور کے ساتھ فوراً چلی آئی تھی کہ ولید بھی ظاہر ہے ساتھ ہی ہوگا۔ مگر وہاں گھر پہنچ کر اسے پتا چلا تھا کہ ماموں، مامی گھر پر نہیں ہیں جبکہ ولید بھی کسی ضروری کام سے گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ فارس نے بڑی چالاکی سے اسے ٹریپ کرنے کا پلان بنایا تھا۔ ولید کو اس نے جان بوجھ کر کسی بہانے سے گھر سے باہر خود بھیجا تھا۔ اور عائدہ، فارس کی پلاننگ سے بے خبر تھی مگر اب اکیلے فارس کو دیکھ کر وہ فوراً گھر واپس جانا چاہتی تھی مگر فارس نے اسے باتوں میں لگا کر بہانے سے روک لیا کہ ولید ابھی آتا ہی ہوگا۔ وہ بڑی بے باکی کا مظاہر کر رہا تھا۔ عائدہ نے کچھ سمجھی... ناسمجھی کے عالم میں اسے اپنے سے دور کیا... تو وہ نام نہاد محبت جتانے لگا۔

''اوکم آن بے بی..... اس میں کچھ غلط نہیں ہے، تم میری گرل فرینڈ ہو اور ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، آزاد اور خود مختار ہیں، ہم جب چاہیں اپنی مرضی سے شادی کر سکتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں ہم شادی سے پہلے انڈر اسٹینڈنگ کے لیے کچھ وقت ایک دوسرے کی قربت میں گزاریں۔ شادی کی ذمے داری اٹھانے کے لیے تو پوری عمر پڑی ہے یار۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات کو.....'' فارس نے آگے بڑھ کر بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے قریب کیا تو عائدہ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اسے خود سے دور کیا تھا۔

''اسٹاپ اِٹ فارس..... دور رہو مجھ سے۔''

عائدہ نے غصے سے چیختے ہوئے پوری قوت سے فارس کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ بھی مارا۔ اور پلٹ کر وہاں سے جانے لگی جبھی فارس نے اپنی تذلیل کے احساس میں گھر کر غصے سے پاگل ہوتے ہوئے آگے بڑھ کر تیزی سے عائدہ کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی ساتھ، ساتھ ہذیان بکنے لگا۔ عائدہ کا بھروسا، اعتبار اور اعتماد سب لمحوں میں کرچی، کرچی ہو کر بکھر گیا تھا۔

''یو ڈیم..... اِٹ..... تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے تھپڑ مارنے کی..... خود کو بڑی پاک باز، پارسا بی بی سمجھتی ہو۔ کیا میں تم جیسی لڑکیوں کو جانتا نہیں ہوں..... جو لڑکوں کے ساتھ دوستیاں تو شوق سے کرتی ہیں اور جب دل بھر جاتا ہے تو نیک، پارسا، مسلم بن جاتی ہیں حالانکہ اس ماحول میں رہ کر تم جیسی کوئی بھی مسلمان لڑکی پارسا نہیں رہتی۔ اور اب میں تمہیں بھی پارسا کہلانے کے لائق نہیں چھوڑوں گا سمجھیں۔''

اور اپنی ذات بلکہ کردار کی ایسی تذلیل پر عائدہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ فارس نے اس کے اعتماد اور بھروسے کا خون ضرور کیا تھا مگر وہ اتنی بھی کمزور نہیں تھی کہ اپنی عزت کی حفاظت میں ایک آخری کوشش بھی نہ کر سکتی۔ اس نے اپنی طاقت لگا کر فارس کو پیچھے دھکیلا تھا۔ اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔ وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ عائدہ کی پشت پر سے اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی اور اسی کا فائدہ اٹھا کر وہ اسے دھکا دے کر وہاں سے پلٹ کر تیزی سے بھاگتے

ہوئے گھر میں داخل ہوتے ولید سے جا ٹکرائی تھی۔ ولید صورتِ حال کی نزاکت جان کر لمحوں میں ساری سچویشن سمجھ گیا تھا۔ عائدہ نے بھی اسے اچانک سامنے دیکھ کر روتے ہوئے بتا دیا تھا کہ فارس نے اسے یہاں دھوکے سے بلایا تھا۔ ولید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ..... مکوں، لاتوں اور گھونسوں سے فارس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس پر عائدہ کی حالت دیکھ کر جنون طاری ہو گیا تھا۔ شکر تھا کہ وہ بروقت وہاں پہنچ گیا تھا اور عائدہ کسی بڑے نقصان سے بچ گئی تھی۔ فارس کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا اور کس طرح دوسرے ملک میں پھر اپنے آپ کو defend کیا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے ....

بہرحال اس روز وہ خود عائدہ کو گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔ راستے میں روتی ہوئی عائدہ کو اس نے سمجھا دیا تھا کہ وہ گھر جا کر اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائے گی اور وہ بھی کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔ اس بات کو کئی سال گزر گئے تھے۔ شاید چھ، سات سال مگر آج بھی وہ واقعہ پوری جزئیات بلکہ بدصورتی کے ساتھ عائدہ کی یادداشت میں نقش بن کر محفوظ رہ گیا تھا۔ اور اتنے سال گزرنے کے بعد بھی ولید نے عائدہ کی زندگی کا یہ تاریک پہلو کسی کے سامنے عیاں نہیں کیا تھا۔ اس کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے پر اس کے لیے ولید کا پروپوزل بھی آیا تھا لیکن عائدہ کے انکار کے بعد اس نے اپنی کولیگ لائبہ سے شادی کر لی تھی۔

ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز، بہت تیز چلی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے
کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے

ماضی کا سفر واقعی انسان کو بری طرح تھکا دیتا ہے۔ مگر آج بھی کئی سال گزرنے کے باوجود اسے ولید کی اعلیٰ ظرفی پر حیرانی ہوتی تھی۔ اور اب عالیان ہاشم تھا۔ جس نے ولید کی طرح عائدہ کو کسی بھی شرمندگی میں مبتلا ہونے سے بچاتے ہوئے اس کا بھرم رکھا تھا۔ جس کے بعد عالیان ہاشم کی ذات سے متعلق عائدہ ابراہیم کی سوچ ہی نہیں رویے میں بھی خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔

وہ دوپہر سے شام اور پھر رات ہونے تک آفس سے آ کر اپنے روم میں بند تھی۔ ڈیزی (ملازمہ) کئی بار دروازے پر دستک دے کر جا چکی تھی۔ عائدہ نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تھا۔ یقیناً سعدی ڈنر پر اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ یہی سوچ کر وہ فریش ہونے کے بعد خود کو اچھی طرح کمپوز کرنے کے بعد ہی ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔ جہاں سعدان واقعی اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے چہرے پر عائدہ کے لیے فکر مندی کا گہرا تاثر بھی موجود تھا۔ وہ اس کے آفس سے جلدی گھر چلے جانے کے باعث اس کے لیے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ جب ڈنر ٹیبل پر آ کر بیٹھی تھی تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں عادی.....
عالیان بتا رہا تھا... تم آفس سے آف کر کے جلدی گھر چلی گئی تھیں۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں..... میں بھی تمہارے ساتھ گھر آ جاتا۔ وہ تو عالیان نے سمجھایا کہ تم ٹھیک ہو..... ورنہ میں تو اسی وقت گھر آ رہا تھا۔''

''عالیان ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ بھائی کی پریشانی دیکھ کر جلدی سے بشاش لہجے میں بولی۔ ''بس ذرا سا سر میں درد تھا۔ اس لیے سوچا تھا کہ آج آفس سے جلدی آف کر لوں..... تھوڑا ریسٹ کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گا اور اب میں واقعی اچھا فیل کر رہی ہوں اس لیے تم چھوٹی، چھوٹی باتوں پر میرے لیے ٹینشن مت لیا کرو..... میں اپنا خیال رکھ سکتی ہوں سعدی.....'' عائدہ نے سنجیدہ لہجے میں وضاحت دی مگر وہ اس کی روئی، روئی سی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر فکر مند ہوا تھا۔ اسے عائدہ کی وضاحت سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو ناں عادی..... کہیں مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو..... کیونکہ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم روئی ہو.....'' اور عائدہ نے بھائی کو چونک کر دیکھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں ہے..... تم ماما، پاپا کو یاد کر

کے روئی ہو۔'' وہ اس سے عمر میں زیادہ بڑا نہیں تھا مگر کبھی، کبھی اس کے لہجے میں عائدہ کو ماں، باپ جیسی شفقت محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اپنے لیے فکرمند سعدان کی محبت پر اسے رشک آیا تھا۔ سو اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے اسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا تھا۔

''ہاں، آج مجھے واقعی ماما، پاپا کی بہت یاد آرہی تھی۔ مگر تم یہ مت سمجھنا سعدی..... کہ تمہاری موجودگی میں بھی مجھے ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ تم نے مجھے کبھی اس کمی کا احساس نہیں ہونے دیا..... تم دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہو سعدی..... اور مجھے یہ کہتے ہوئے ہمیشہ بہت فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں واقعی بہت خوش نصیب ہوں جس کو تمہاری ذات کی صورت میں ہر رشتہ میسر آ گیا ہے۔''

اور اس کی اتنی محبتوں کے اظہار پر سعدان نے جھینپ کر مسکراتے ہوئے اپنے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی بہن کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کے ماتھے پر جھک کر بوسہ دیا تھا۔

''فخر تو مجھے اپنی اس پیاری سی بہن پر ہے جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور جس کا ساتھ، جس کی محبت اور اعتماد ہی میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔'' عائدہ نے نم پلکوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا کہ اگر سعدان کو پتا چل جائے کہ سالوں پہلے وہ نادانی میں ہی سہی اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا چکی ہے تو کیا تب بھی سعدان اس سے اسی طرح محبت اور فخر کرے گا..... اس کے ماضی کی وہ ایک نادانستہ کی گئی غلطی جس کے بعد مرد ذات پر سے اس کا اعتبار ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا تھا۔ شادی سے بار، بار انکار کی وجہ بھی یہی تھی۔ مگر وہ سعدان کو بھی یہ وجہ نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ تو شرم سے ہی مر جاتی جو سعدان اس سچائی کو جان جاتا۔ جو صرف ولید کو پتا تھی۔ اور جس کا سامنا عائدہ نے دوبارہ کبھی نہ کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

''چلو..... اب جلدی سے ڈنر شروع کر دو..... مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' سعدان نے گرما گرم پاستا کی ڈش اٹھا کر پیش کی تو وہ مسکرا کر اپنی پلیٹ میں کچھ پاستا ڈال کر رغبت سے کھانے لگی۔ سعدان سے چھپنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ وہ بھی مزید گہرائی میں جانے کے بجائے اس کی معصوم سی وجہ جان کر بہل گیا تھا۔ البتہ کھانے کے بعد جب وہ لان میں بیٹھے کافی پی رہے تھے تو سعدان نے بڑے سنجیدہ لہجے میں اس سے دریافت کیا تھا۔

''تمہارا عالیان کے بارے میں کیا خیال ہے عائدہ..... وہ تمہیں کیسا لگتا ہے؟''

اور عائدہ نے چونک کر نا سمجھی سے بھائی کے چہرے کو دیکھا۔

''میں تمہاری شادی کے حوالے سے بات کر رہا ہوں عائدہ..... کیونکہ مجھے عالیان بہت پسند ہے اور مجھے لگتا ہے وہ تمہارے لیے بہترین چوائس ثابت ہوگا۔ وہ واقعی بہت اچھا لڑکا اور بہترین انسان ہے اور تمہارے قابل بھی ہے، اسی لیے میں نے اسے تمہارے لیے پسند کیا ہے۔''

عائدہ کو کچھ، کچھ اندازہ تو تھا کہ زویا نے فون پر اس سے عائدہ کی شادی کے بارے میں ڈسکس کیا ہوگا۔ لیکن سعدان اس کی زندگی کے حوالے سے اتنا اہم اور بڑا فیصلہ ایک دن میں ہی کرے گا اس نے نہیں سوچا تھا۔ وہ عالیان ہاشم کا نام سن کر حیرانی میں ضرور مبتلا ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ سعدان کی غیر متوقع بات کے لیے کیا رسپانس دے۔ اس لیے چند لمحوں کے لیے چپ بیٹھی رہ گئی۔ تب اسے خاموش دیکھ کر سعدان نے ہی اسے اطمینان دلاتے ہوئے مزید کہا۔

''یو ڈونٹ وری عائدہ..... مجھے تمہارے جواب کی کوئی جلدی نہیں ہے..... تم اس بارے میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہی جواب دینا۔ لیکن میں نے بھی یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں دعویٰ تو نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اتنا ضرور یقین دلا سکتا ہوں تمہیں۔ عالیان ہمارے اعتماد اور بھروسے کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائے گا۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھ سکتا ہے عادی..... اس لیے اسے میری خواہش اور خوشی سمجھ کر اس بارے میں بہت سوچ

سمجھ کر ہی مجھے جواب دینا۔''

عائدہ خاموشی بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر سوچ کی پرواز اس شخص کے گرد گھوم رہی تھی۔ جو سعدان کا پسندیدہ ترین شخص تھا۔ اس انسان پر سعدان کا بھروسا اور اعتماد کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ اور اس بات کا اعتراف تو وہ اب خود سے بھی کر چکی تھی۔ لیکن وہ اپنے دل و دماغ کا کیا کرتی..... جو صرف یہی سوچتے تھے کہ کوئی بھی شخص عائدہ کی ماضی کی وہ سچائی جاننے کے بعد کیا عمر بھر اسے وہ عزت اور مقام دے سکے گا۔ جس کی وہ حقدار بن کر اس کی زندگی میں داخل ہوگی۔ کیا وہ واقعی اس کے سامنے ساری زندگی سر اٹھا کر کھڑی رہنے کے قابل رہ سکے گی۔ دوسری صورت میں وہ اپنی زندگی کے نئے سفر کی بنیاد کبھی جھوٹ پر نہیں رکھ سکتی تھی۔ لہٰذا چاہے عالیان ہاشم کی ذات میں دنیا جہاں کی خوبیاں موجود ہوتیں تب بھی وہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس شخص کے سامنے خود کو عیاں کرنے کے بعد بھی سر اٹھا کر کھڑی نہ ہو سکے۔ مگر وہ سعدان کو فوری پر انکار کر کے مایوس بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ انکار کی صورت میں سعدان اس سے وجہ پوچھتا تو وہ کیا کہتی..... عالیان ہاشم کی ذات میں بظاہر ایسی کوئی خامی نظر نہیں آ رہی تھی۔ جس کو جواز بنا کر وہ انکار کر سکتی۔ اس لیے سنجیدگی سے جواباً صرف اتنا ہی بولی۔

''ٹھیک ہے سعدی..... میں اس بارے میں سوچنے کے لیے تیار ہوں..... لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک پرامس کرنا ہوگا بلکہ میری بات ماننی ہوگی۔'' اور عائدہ کی بات سن کر سعدان ریلیکس ہو کر مسکراتے ہوئے فوراً ہی بولا تھا۔

''او کے عادی..... تم جو کہو گی..... میں ویسا ہی کروں گا..... یہ پرامس ہے تم سے..... تم عالیان کے بارے میں سوچنے کے لیے جتنا چاہے وقت لے سکتی ہو۔ بس ایک بات یاد رکھنا، مجھے آج تک ایسا کوئی شخص نہیں ملا ہے جس پر میں ایسا اعتماد کر سکوں کہ اپنی سب سے قیمتی متاع اس کے حوالے کر دوں..... مگر عالیان وہ شخص ہے جس کے بارے میں، میں نے ایسا سوچا ہے۔''

عائدہ خاموش رہی تھی۔ تب ہی ماحول کی اس گمبھیر سنجیدگی کو دور کرنے کے لیے سعدان کو شرارت سوجھی۔ اور مزید مسکراتے ہوئے بولا۔

''اور ہاں..... میں گارنٹی لیتا ہوں تم اگر چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گی ناں تو تمہیں پورے انگلینڈ میں لائف پارٹنر کے طور پر عالیان ہاشم جیسا لڑکا نہیں ملے گا۔''

جواباً سعدان کی شرارت کو سمجھتے ہوئے عائدہ بھی مسکرا دی تھی۔ پھر وہ دونوں اس بارے میں مزید کوئی بات کیے بغیر گڈ نائٹ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

سعدان بہت خوش تھا کہ عائدہ نے اس کی خواہش کو رد نہیں کیا تھا بلکہ سوچنے کے لیے حامی بھر لی تھی اور سعدان کو یقین تھا۔ وہ عالیان کے بارے میں ایمانداری سے سوچے گی تو اس کے پاس انکار کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہے گا..... اور اگر عائدہ نے شادی کے لیے رضامندی ظاہر کر دی تو وہ اسے اپنے اور عالیان کے تعلق اور رشتے داری کے بارے میں سب کچھ بتا دے گا۔ حالانکہ وہ اسے اس حقیقت سے بہت پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن اب ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے یہی وقت بتانے کے لیے مناسب ہے۔

☆☆☆

اگلے دن وہ آفس میں بیٹھی عالیان ہاشم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''کیا عالیان ہاشم بھی سعدان کی خواہش سے آگاہ ہے یا پھر سعدان کو اس شخص پر اتنا ہی بھروسا ہے کہ جب عائدہ کے جواب کے بعد وہ عالیان سے اس بارے میں بات کرے گا تو وہ شخص جھٹ سے اس کی بہن کا ہاتھ تھام لے گا..... اور کہے گا۔ شکریہ سعدان..... مجھے تمہاری لاڈلی بہن کا ساتھ دل و جان سے قبول ہے۔'' عائدہ کو یک دم ہی اپنی اس سوچ پر ہنسی آئی تھی۔ اور یہ ہنسی یقیناً طنزیہ ہی تھی۔ اسے اپنے

حوالے سے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی ایک لمحے کے لیے اس نے فرض کرلیا تھا۔ اگر عائدہ اپنے بھائی کے اس انتخاب عالیان کو آنکھ بند کر کے اپنی ہمراہی میں قبول کرلیتی تو کیا وہ شخص عائدہ کی ماضی کی اس چھوٹی سی لرزش کو فراموش کر کے اعلیٰ ظرفی سے اپنالے گا۔ جو مشرقی مردوں کے لیے انا اور غیرت کے لیے بہت بڑی سمجھی جاتی ہے لیکن اگر اس نے عائدہ کو ری جیکٹ کردیا تو..... کیا وہ اس انسلٹ کو برداشت کر پائے گی..... کیا اس شخص کو اپنے ماضی کی سچائی سے آگاہ کرنے کے بعد ساری زندگی سر اٹھا کے اس کے سامنے کھڑی رہ سکے گی۔

یہی خیال اسے بار ہا ستا رہا تھا۔ سو فیصلہ ہوگیا تھا۔ اس نے عالیان سے مل کر اس بارے میں بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہ اس شخص کے آفس میں کھڑی تھی اور عالیان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ عائدہ ابراہیم خود چل کر اس کے آفس روم میں آئی تھی اور اب اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ تو اسے اپنے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے عالیان..... کیا ہم کہیں باہر چل کر سکون سے بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں.....؟'' وہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔

عالیان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے بنا سوچے، سمجھے مثبت جواب دینے میں ذرا دیر نہیں کی تھی۔

''جی..... ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔'' اپنے دل کی خوشی بلکہ بے پایاں مسرت کو اپنے چہرے سے ظاہر نہ کرتے ہوئے عالیان نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر مڑ کے وہاں سے باہر چلی گئی۔ اور عالیان وہاں کھڑا اس کے ملبوس سے اٹھتی مسحور کن خوشبو کے حصار میں قید اس کے پیچھے چل دیا تھا۔ وہ عائدہ کی طرف سے چاہ کر بھی کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا مگر اس کے دل میں کھدبد... شروع ہوچکی تھی کہ عائدہ آخر اس سے کیا بات کرنا چاہتی ہے۔ عالیان کچھ دیر میں اسے اپنے فیورٹ کیفے (کافی شاپ) میں لے آیا تھا۔ وہ چہرے سے بہت کمپوزڈ اور کسی حد تک خوشگوار موڈ میں نظر آرہا تھا۔ اسی لیے عائدہ کے موڈ کی پروا کیے بغیر اسے اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتانے لگا۔

''یہ میری فیورٹ کافی شاپ ہے۔ یہاں کی کافی اور چیز سینڈوچز مجھے بے حد پسند ہیں، میں اکثر کافی کی طلب میں اسی کیفے کا رخ کرتا ہوں..... چاہے بہت خوش ہوں تب تھی اور چاہے بہت اداس ہوں تب بھی۔'' وہ عائدہ کو خاموش بیٹھا دیکھ کر خود ہی بولے جارہا تھا اور اپنے بارے میں ایسے بتا رہا تھا۔ جیسے وہ یہی سب کچھ جاننے... تو یہاں اس کے ساتھ آئی ہے۔ کیفے کے اندرونی پُرسکون ماحول پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اسے عالیان کی فیورٹ پلیس اچھی لگی تھی۔ وہ دونوں اپنے لیے بالکل الگ تھلگ ٹیبل منتخب کر کے بیٹھے تھے۔ عائدہ کے لیے چیئر عالیان نے خود پیش کی تھی۔ جانے وہ کیوں اس کی اتنی آؤ بھگت کررہا تھا۔ عائدہ کو یہ سوچ کر شرمندگی نے آگھیرا تھا۔ جو کچھ وہ یہاں کہنے آئی تھی۔ کیا یہ شخص اسے سننے کے بعد بھی ایسا ہی پُرسکون اور مطمئن نظر آئے گا۔ جیسا کہ ابھی دکھائی دیتا ہے۔ عائدہ شرمندگی سے سوچ کر رہ گئی۔ تب تک کافی اور چاکلیٹ براؤنیز کا آرڈر ان کی ٹیبل پر سرو ہوچکا تھا۔ عالیان نے فوراً ہی اپنا کافی کپ اٹھا لیا تھا۔ گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کی مخصوص خوشبو اسے بے چین کررہی تھی۔

''آپ لیں ناں کافی..... ریلی آپ کو بھی یہاں کی کافی بہت پسند آئے گی۔'' عالیان نے اسے یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے دیکھا تو حق میزبانی نبھانے کی کوشش کی۔ مگر عائدہ نے پھر بھی کافی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور پھر بولنا شروع ہوئی تو عالیان یک ٹک اس کے چہرے کو یک دم سادھے دیکھنے اور اسے سننے لگا۔ جیسے اردگرد اس کے اور عائدہ کے سوا کوئی نہ ہو۔ وہ

ایک انجانی سی مسرت کے حصار میں تھا۔ جو عائدہ کی بات شروع ہوتے ہی خود بخود اگلے لمحے میں دھند کے مانند چھٹنے لگی تھی۔

''مجھے نہیں پتا..... آپ کے پاس ایسا کون سا اسم (جادو) ہے۔ جسے سعدان پر پھونک کر آپ نے اسے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ آپ اس کے لیے فیورٹ بن چکے ہیں۔'' عالیان نے چونک کر اسے دیکھ کر کپ واپس ٹیبل پر رکھا تھا۔ وہ اس کے سنجیدہ لہجے سے زیادہ اس کے آنکھوں میں موجود رنگ پر غور کرنے لگا۔ (جھوٹ بولنے والی کی آنکھوں کا رنگ تبدیل جو ہو جاتا ہے) جانے اب عالیان کس رنگ کو تلاش کر پاتا۔

''میں آج تک حیران ہوں۔ ایک انجان شخص جس سے وہ بس کچھ دنوں پہلے ہی ملا ہے۔ سعدان اس پر ایسا اعتبار، ایسا بھروسا کرنے لگا ہے جیسے اسے برسوں سے جانتا ہو۔ میں واقعی بہت حیران ہوں مسٹر عالیان..... کیونکہ سعدی آپ پر ایسا ہی اندھا اعتماد اور بھروسا کرتا ہے۔ وہ بہت امپریسڈ ہے آپ سے..... مگر میں سعدی کی طرح نہیں ہوں۔''

اور خوش گمانی کے سارے پنچھی عالیان کے دل کی منڈیر سے پھُر سے اڑ گئے۔ وہ عائدہ کے لفظوں کے معنی و مطالب کی گھمن گھیریوں میں الجھنے لگا تھا۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ لڑکی اس سے کیا کہنے کی تمہید باندھ رہی ہے۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ سعدان نے ایسا کچھ محسوس کیا ہو یا نہ ہو..... مگر عالیان ہاشم کو اس سامنے بیٹھی لڑکی سے مل کر پہلے دن سے یہی محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کی روح میں کہیں بستی تھی۔ جس کی شناسائی اور ہمراہی میں وہ برسوں سے مبتلا رہا تھا۔ مگر وہ یہ سب اس لڑکی سے کہنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

''میں آپ کے سامنے لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گی۔ صرف اتنا کہوں گی کہ سعدی واقعی آپ سے بہت امپریسڈ ہے۔ اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ میں آپ سے شادی کے لیے ہاں کہہ دوں۔'' عالیان نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا یا پھر وہ کسی خواب کی کیفیت میں تھا۔

جاگتے' جاگتے اِک عمر کٹی ہو جیسے
جان باقی ہے مگر سانس رکی ہو جیسے
کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے

عالیان کو لمحے بھر کے لیے ایسا ہی لگا تھا جیسا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر عائدہ کے اگلے جملے نے اسے حقیقت کی بے رحم دنیا میں لا پٹخا تھا۔

''اور اسے لگتا ہے کہ اگر میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈوں تو مجھے لائف پارٹنر کے طور پر آپ جیسا انسان کہیں نہیں ملے گا۔'' اس نے آخری جملہ استہزائیہ انداز میں طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے عائدہ کے چہرے کے تاثر سے یہی اخذ کیا تھا کہ وہ عالیان کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ اس لیے یہاں اسے انکار کرنے آئی ہے۔

ہر ملاقات پر محسوس یہی ہوتا ہے
مجھ سے کچھ تیری نظر پوچھ رہی ہو جیسے
کوئی فریاد ترے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے

''میں نہیں جانتی..... سعدی نے آپ سے اس بارے میں کوئی بات کی ہے یا نہیں..... لیکن مجھے پتا ہے..... شادی کے لیے اب وہ میرا انکار ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اور مجبوراً مجھے اس کی بات ماننا پڑے گی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔'' اور عائدہ کی اس بات نے اسے واقعی بہت افسردہ کر دیا تھا۔

ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز، بہت تیز چلی ہو جیسے
کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے

چند لمحوں کے توقف کے بعد جب وہ کچھ نہ بولی تو عالیان نے سوالیہ نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تو آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مس عائدہ؟''

اور اس لمحے عائدہ کو عالیان کے لہجے میں اپنے لیے

اجنبیت محسوس ہوئی تھی مگر آنکھوں میں دلگرفتگی کا گہرا تاثر تھا۔ جسے وہ قصداً نظر انداز کرتے ہوئے بولی تھی۔

''میں چاہتی ہوں، آپ پاکستان واپس لوٹ جائیں۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے..... کیونکہ میں آپ سے شادی کرسکتی ہوں..... اور نہ ہی سعدی کو اس کی خوشیوں سے دور کرنا چاہتی ہوں۔''

اور عائدہ کی اس خواہش نے عالیان کے دل کو کرچی، کرچی کیا تھا۔ کاش وہ جان پاتی کہ اس کے انکار نے اس شخص کو کس قدر مایوس اور افسردگی میں مبتلا کردیا ہے۔ اس نے عالیان کی خواہش جاننے کی سعی کی ہی کب تھی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ وہ اس کے دل میں کیا حیثیت اختیار کرچکی ہے؟ عائدہ کو یہ جاننے کی پروا یا چاہ ہی کب تھی۔ پھر وہ کیوں سوچتی کہ عالیان ہاشم کیا چاہتا ہے۔ وہ تو صرف اپنا فیصلہ سنانے آئی تھی۔

اس طرح پہروں تجھے سوچتا رہتا ہوں میں
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے

اور عالیان نے اس سے کوئی جواز طلب نہیں کیا تھا۔ صرف فیصلہ کیا تھا کہ وہ عائدہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

''ٹھیک ہے مس عائدہ..... جیسا آپ چاہتی ہیں..... ویسا ہی ہوگا..... میں آپ لوگوں کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے بہت دور چلا جاؤں گا..... لیکن جانے سے پہلے بلکہ بچھڑنے سے پہلے آپ کے سامنے ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔''

اور عائدہ نے اچنبھے سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے ساختہ دیکھا تھا۔ لیکن نظر زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکی تھی۔ اس نے نگاہیں چرالی تھیں۔

''محبت کسی کو جاننے یا پرکھنے کے بعد نہیں ہوتی..... نہ ہی اس جذبے کا تعلق کسی مادی شے سے منسلک ہوتا ہے۔ یہ تو روح سے جڑا رشتہ، رگوں میں بہتا احساس ہوتا ہے۔ جو دل کسی بہت پسندیدہ شخص کی جانب خود بخود کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اور انسان کو بے بس و بے اختیار کردیتا ہے۔ جیسے میں ہوگیا ہوں۔ اس جذبے نے مجھے واقعی بے بس کردیا ہے مس عائدہ.....'' یہ عالیان کے لہجے کا فسوں تھا یا پھر محبت کے اظہار کی سحر انگیزی، عائدہ اس کے حصار میں خود کو جکڑا ہوا محسوس کررہی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا یا کہنے جارہا تھا۔ عائدہ کے وہم و گمان سے بھی بہت پرے تھا۔

''ہاں مس عائدہ..... میں محبت کرنے لگا ہوں آپ سے..... آج یا کل سے نہیں..... بلکہ تب سے جب میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس وقت سے جب پہلی بار آپ کو دیکھا تھا۔ تب دل میں صرف اپنائیت کا احساس جاگا تھا۔ اس کے بعد جتنی بار میری نظر نے آپ کے چہرے کی نظر اتاری۔ آپ کی محبت میں خود کو مبتلا پایا اور اس مضبوط حصار میں خود کو جکڑتا محسوس کرتا چلا گیا ہوں۔''

اور عائدہ اس اعتراف کو سن کر ہق دق سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور تھا۔ جب، جب اس شخص کی آنکھیں عائدہ کے چہرے پر اٹھتی تھیں وہ عجیب بے چینی میں مبتلا ہوجاتی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ وہ شخص اسی کی محبت میں مبتلا ہوجائے گا۔ عائدہ کو واقعی اس کے لیے بہت افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتی تھی۔

''شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ لیکن جب دل کسی کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے ناں تو اسے اس شخص کو جاننے یا پرکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دل اسے دیکھ کر خود بخود گواہی دیتا ہے۔ یہی ہے..... صرف یہی ہے، جس کا ساتھ آسمانوں پر اس کے نام کے ساتھ جڑ چکا ہے۔'' اور اس کے اس اعتراف کو جان کر عائدہ کو اپنی بدنصیبی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ وہ چاہے اسے جتنا بھی اگنور کرتی خود کو اس کے جذبوں سے بے پروا ظاہر کرتی مگر سچ تو یہی تھا کہ وہ اس شخص سے ہارنے سے ڈرتی تھی۔ اگر وہ ہار مان لیتی تو اس کا بھرم ٹوٹ جاتا۔ اور عائدہ ابراہیم کو خود کو اس شخص کے سامنے ساری زندگی سر اٹھا کر دیکھنے کی خواہش تھی۔ اس لیے نہایت ضبط سے خاموش بے تاثر بیٹھی رہی۔ تاکہ عالیان کو اس کے کسی

بھی عمل سے کوئی خوش فہمی لاحق نہ ہو سکے اور اسے مسلسل خاموش بیٹھا دیکھ کر عالیان چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''لیکن آپ بے فکر رہیں۔ سعدان کو اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلے گا۔ میں یہاں سے جانے سے پہلے خود تک پہنچنے کے سارے نقش مٹا کر جاؤں گا۔ میں آپ کی خواہش کیسے ٹال سکتا ہوں، کبھی بھی نہیں.....''

عالیان نے اب بھی اسے وہ سچائی نہیں بتائی تھی۔ جس سے سعدان واقف ہو چکا تھا۔ اگر عائدہ جان جاتی تو شاید اسے جانے سے ضرور روک لیتی۔ کوئی کسی کو اتنے صدقِ دل سے چاہے اور اس کے جذبوں کی تپش دوسرے شخص کے دل تک نہ پہنچے یہ ممکن نہیں ہے۔ عائدہ کا دل بھی ان جذبوں کی تپش کو محسوس کر کے پگھلنے لگا تھا۔ اسی لیے وہ اس سے اتنا خائف رہتی تھی۔ جان بوجھ کر اسے اگنور کر کے بیزاری کا تاثر دیتی تھی تاکہ وہ مایوس ہو کر پلٹ جائے۔ اور آج وہ واقعی پلٹ کر جا رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں سے مایوس جاتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں عائدہ کے لیے محبت زندہ تھی۔ جبکہ عائدہ کے دل میں محبت نے ابھی دھڑکنا شروع کیا تھا۔ اور پھر وہ وہاں سے اٹھ کر وہ اس کی زندگی سے دور چلا گیا۔ اور وہ یوں ہی چہرہ جھکائے بت بنی ساکت بیٹھی رہی۔ بس اس کی آنکھ سے ایک گرم سا آنسو سرد پڑ چکی کافی کپ کے کہیں آس پاس ہی گرا تھا۔ عالیان کا کپ یوں ہی آدھا ادھورا پڑا رہ گیا تھا۔ وہ کافی جو اسے بے حد پسند تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو گیا۔ جیسے اپنی محبت سے نگاہ چرا کر اسے چھوڑ جانا عالیان کی مجبوری بن گئی تھی۔ وہ اس کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔

☆☆☆

راہ چلتے ہوئے اکثر یہ گمان ہوتا ہے
وہ نظر چھپ کے مجھے دیکھ رہی ہو جیسے

اور وہاں سے جاتے ہوئے عالیان بار، بار یہی سوچتا رہا تھا کہ شاید وہ پلٹ کر اسے روک لے۔ جانے نہ دے..... لیکن یہ گمان کسی خوش گمانی میں نہیں بدلا تھا۔

عائدہ نے پلٹ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تک نہیں تھا۔ تب اسے عائدہ کے دل میں اپنے مقام کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ مایوس سا کیفے سے باہر نکل گیا۔ مگر جاتے ہوئے وہ نہیں دیکھ سکا..... عائدہ ہار گئی تھی۔ عالیان ہاشم کے اعتراف نے اسے ہرا دیا تھا۔

اگلے چند دنوں میں اس نے بڑی خاموشی سے پاکستان جانے کی تیاری مکمل کر لی تھی۔ سعدان ان دنوں کسی ضروری کام سے مانچسٹر گیا ہوا تھا۔ اور عالیان کو یہی مناسب وقت لگا تھا۔ جب وہ ان کی زندگی سے چپ چاپ نکل سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی فلائٹ کنفرم ہونے سے دو دن پہلے اس نے آفس آ کر سعدان کے پی اے (ارسل) کو گاڑی اور اپارٹمنٹ کی چابی واپس کر دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ سعدان واپس آئے تو اس کی یہ امانت اسے لوٹا دے۔ جواباً ارسل (پی اے) نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ وہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ اس نے عالیان کے جانے کے بعد اتنا ضرور کیا تھا کہ وہ امانت جا کر عائدہ کے آفس میں جا کر اس کے حوالے کر دی تھی۔

عائدہ نے سامنے ٹیبل ٹاپ پر رکھی عالیان کے اپارٹمنٹ اور گاڑی کی چابی کو افسردگی سے دیکھا۔ اور وہ چلا گیا۔ اس نے عائدہ کی بات نہیں ٹالی تھی۔ عائدہ نے دل میں سوچا تھا۔ کاش وہ لمحہ اور فارس نامی وہ دھوکے باز شخص عائدہ کی زندگی میں کبھی نہیں آتا تو آج وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان اور خسارے سے دوچار نہ ہوتی۔

وہ ابھی اپنی بدقسمتی کا سوگ کچھ دیر اور منانا چاہتی تھی۔ لیکن اس پل سعدان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اسے تو دو دن بعد واپس لندن آنا تھا۔ وہ اس سے پہلے کیسے آ گیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ جس دن عالیان نے ارسل کو گاڑی اور اپارٹمنٹ کی چابی دے کر سعدان کو لوٹانے کی بات کی تھی اور پھر اگلے دن آفس بھی نہیں آیا تھا۔ ارسل (پی اے) نے سعدان کو فون پر سب کچھ بتا دیا تھا۔ اور وہ

اپنے سارے ضروری کام ادھورے چھوڑ کر واپس لندن بھاگا چلا آیا تھا۔ تاکہ عالیان کو جانے سے روک سکے۔ لیکن شاید اس نے آنے میں دیر کردی تھی۔ اسے عالیان کا یوں خاموشی سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں بنا بتائے چلے جانے کے فیصلے کے پیچھے محرک بہت دیر سے سمجھ آیا تھا۔ اسے عائدہ سے ایسی امید نہیں تھی۔ وہ بہت دکھی ہوا تھا۔ اسی لیے سیدھا اس کے آفس روم میں چلا آیا۔ کیونکہ آج دوپہر دو بجے کی فلائٹ تھی۔ اور اس وقت چار بج رہے تھے۔ عالیان جا چکا تھا۔ اس کا ائرپورٹ جانا بیکار تھا۔ اور عائدہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا کر یوں کھڑی ہوئی جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کے لیے بڑی آسانی سے پکڑا گیا ہو۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی عائدہ..... تم نے واقعی مجھے مایوس ہی نہیں کیا بہت دکھ بھی دیا ہے۔''

اور عائدہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا جواز پیش کرے کہ اپنے اور سعدی کے مشترکہ دکھ اور نقصان کا ازالہ ہو سکے۔

''مجھے ارسل نے اسی دن فون کر کے بتادیا تھا۔ عالیان یہ آفس، یہ جاب چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس نے اپارٹمنٹ اور گاڑی کی چابی ارسل کو واپس دے دی تھی۔''

عائدہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

''اگر تمہیں شادی سے انکار ہی کرنا تھا تو مجھ سے کہہ دیتیں۔ میں دوبارہ تمہیں فورس نہ کرتا۔ لیکن تمہیں عالیان کو یہاں سے جانے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے تھا عائدہ.....''

اور عائدہ نے یک دم چہرہ اٹھا کر اسے ایسے دیکھا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو تو عالیان نے اسے سب کچھ بتادیا ہے۔ اس کا بھرم توڑ دیا ہے۔

''مجھے اس طرح مت دیکھو عائدہ..... کیونکہ عالیان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اس کا تو فون بھی مستقل بند جارہا ہے۔ لیکن کیا میں تمہیں جانتا نہیں ہوں..... تم نے مجھے انکار کرنے کے بجائے عالیان کو یہاں سے جانے پر مجبور کردیا۔ تم نے بہت برا کیا ہے عائدہ..... وہ اتنے سالوں بعد تو ہمیں ملا تھا۔ ورنہ میں تو اتنے سال اسے تلاش کرا کر مایوس ہوگیا تھا۔ لیکن تمہاری نادانی کی وجہ سے میں نے اسے پا کر بھی کھودیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے اب وہ ہمیں آسانی سے کبھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ مل کر بچھڑ جانے والے لوٹ کر واپس نہیں آیا کرتے۔''

سعدان کی باتیں سن کر اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ عالیان کون ہے؟ اور اس کا ان بہن، بھائی سے کیا رشتہ اور تعلق ہے۔ وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔

''میں نے تمہارے لیے عالیان کی صورت میں ایک بہترین ساتھی کا انتخاب کیا تھا۔ مگر تم نے اسے ری جیکٹ کر کے ثابت کردیا کہ تم بیوقوف ہی نہیں نہایت کم عقل بھی ہو..... بھلا کوئی اپنی خوش نصیبی کو اپنے ہاتھوں سے ٹھکراتا ہے۔ تم نے اپنی بے خبری میں عالیان جیسے سچے، کھرے اور بہت اعلیٰ انسان کو گنوادیا ہے کاش..... میں نے تمہیں عالیان کی سچائی کے بارے میں سب کچھ بتادیا ہوتا۔'' سعدان نے افسردگی سے ہاتھ ملتے کہا تو عائدہ اس پہیلی (عالیان) کو سلجھانے کے لیے سعدان کے پاس چلی آئی تھی۔ سعدان وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ عائدہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور پھر سعدان اسے ماضی کی ساری سچائی بتاتا چلا گیا۔

عالیان کوئی غیر نہیں ان دونوں کا سگا تایا زاد تھا۔ جو صرف دو سال کی عمر میں ہی ماں، باپ کی شفقت سے محروم ہوگیا تھا۔ والدین کی ناگہانی موت کے بعد وہ دادی اور چچا ابراہیم کی سرپرستی میں آگیا تھا۔ ابراہیم کی نسبت اپنی ماموں زاد فریسہ سے ..... طے تھی۔ بھائی، بھاوج کی حادثاتی موت کے بعد اصولی طور پر تو انہیں ہی بھتیجے کی دیکھ بھال کرنی تھی مگر وہ دو سالہ عالیان کو نانی کے سپرد کر کے خود اپنی اور بھائی کی جائداد فروخت کر کے انگلینڈ آبسے تھے کہ شادی بھی ہو جائے اور کاروبار بھی وہیں سیٹ کرلیا جائے، شادی شدہ بہن کو بوڑھی ماں کی

کفش (جوتے) آپ کا ڈی این اے.....!

جوتے، چپل یا پھر سینڈلز کسی بھی شخص کی پوری شخصیت ہوتے ہیں یعنی یہ آپ کی پروفائل ہیں۔
ممکن ہے میری اس بات سے، آپ میں سے بہت سے ہنس دیں اور کچھ مسکرا دیں۔
مگر یہ سچ ہے۔

میں شاعرہ کے علاوہ کہانی کار ہوں، کہانی لکھتی بھی ہوں اور تخلیق بھی کرتی ہوں۔ یہ دونوں باتیں تھوڑی سی مختلف ہیں لیکن تقریباً ایک ہی ہیں وہ اس طرح کہ میں نے کسی کی بیتی سنی اسے بنا سنوار کے سپردِ تحریر کر دیا۔ یہ کہانی لکھنا ہے۔
ایک کہانی میں نے خود تخلیق کی اپنے مرضی کے واقعات و کرداروں کے ساتھ وہ میری تخلیق ہے۔
لکھنے والا جب اور جہاں ہو، وہ بات کر رہا ہو، کھانا کھا رہا ہو، دوستوں کی محفل میں ہو یا خریداری کر رہا ہو وہ ایک فرض شناس سپاہی کی طرح ذہنی طور پر تخلیقی پہلو تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں تخلیق ہی کر رہا ہوتا ہے یعنی لکھنے والا ہر وقت آن ڈیوٹی ہوتا ہے۔
ایک عام آدمی میری اس بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گا۔
میں جب بھی دوسروں کی محفل میں ہوتی ہوں یا سفر میں یا کسی بھی جگہ میں لوگوں کے چہرے دیکھ کر انہیں پڑھ لیتی ہوں اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ چہرہ پڑھنے کے علم کو قیافہ شناسی بھی کہتے ہیں۔
میں نے اپنے بہت سے رشتے داروں، دوستوں، سہیلیوں ملنے والوں کو قیافہ شناسی کے ذریعے پڑھا اور جانا۔
(دھوکا کھایا یا محفوظ رہی یہ الگ کہانی ہے)
میں چہرے کے نقوش کو عام طور پر ''حروف و نقاط'' کہتی ہوں۔ لوگوں کی آنکھیں، ناک اور مسکرانے کے انداز نے

ذمے داری سونپتے ہوئے ان کا دل ذرا نہیں کانپا انہیں تو اپنے مستقبل کی فکر تھی یوں عالیان ہمیشہ کے لیے دو ھیالی رشتوں سے محروم ہو گیا۔

لندن پہنچتے ہی محض چند ماہ کے اندر، اندر ابراہیم حیدر نے اپنے ماموں اور ہونے والے سسر کی سپورٹ سے پہلے چھوٹے لیول پر گارمنٹس بزنس شروع کیا۔ جس میں انہیں توقع سے زیادہ کامیابی ملی۔ جس کے بعد ابراہیم نے ماموں زاد فریسہ سے شادی کر لی۔ فریسہ ان کے لیے بہت بھاگوان ثابت ہوئی۔ جس کے بعد ابراہیم حیدر نے ترقی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔ ابراہیم حیدر نے کچھ پروفیشنل ڈیزائنرز ہائیر کر کے ایک بڑے برانڈ کے نام سے اپنی ذاتی کمپنی کھول لی۔ اور پھر دن رات اس بزنس کو بڑھانے اور آگے جانے کی دُھن میں مصروف ہو کر یہ تک بھول گئے کہ وہاں پاکستان میں اکلوتے یتیم بھتیجے عالیان کی پرورش کیسے؟ اور کن حالات میں ہو رہی ہوگی؟ وہ تو بس ماں کے انتقال پر پاکستان آئے جو کچھ عرصے بعد ہی ہو گیا تھا۔ عالیان کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی انہیں کوئی خواہش نہیں تھی۔ لہٰذا ماں کی تدفین کے چند روز بعد وہ خاموشی سے واپس لندن روانہ ہو گئے۔ اور یہاں آ کر ان کے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی۔ انہیں اپنی کمپنی کو لندن کی فیشن انڈسٹری میں بہت اونچائی تک لے کر جانا تھا۔ اس دوران وہ ایک بیٹے سعدان اور بیٹی عائدہ کے باپ بھی بن گئے۔ جن کے تابناک مستقبل کے لیے ابراہیم نے خود کو پہلے سے زیادہ بزنس کے بکھیڑوں میں الجھا لیا۔

فریسہ ہاؤس وائف تھی۔ شادی کے بعد سے وہ شوہر کے وقت اور توجہ کی کمی کی ہمیشہ ہی شکایت کرتی رہی۔ اور ابراہیم حیدر اسے یہی کہہ کر بہلا دیتے کہ وہ یہ ساری جدوجہد اپنے بیوی، بچوں کو ایک لگژری لائف اور بہترین مستقبل دینے کے لیے ہی کر رہے ہیں۔
اور اس سارے سفر میں انہیں تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ انہوں نے جن بنیادوں پر اپنی کامیابی کا شیش محل تعمیر کیا

بہت کچھ سمجھنے میں مدد دی۔

سو فیصد رزلٹ کے لیے کسی کا مسکراتے سے آنکھوں کا انداز اس کی پوری شخصیت کھول دیتا ہے۔

کانوں کا بڑا چھوٹا ہونا کسی ایک سمت کو جھکا ہونا یا بیرونی سمت جھکاؤ وغیرہ وغیرہ شخصیت کا عکاس ہے۔

چہرے کے حروف ونقاط کے علاوہ کسی شخص کا اندازِ نشست و برخاست وہ کتنا بڑا قدم اٹھاتا ہے۔۔ دایاں یا بایاں کون سا قدم وہ پہلے اٹھاتا ہے۔ اس کا پنجا سیدھا پڑتا ہے یا ترچھا! اسی طرح ہاتھوں کی بھی اپنی الگ زبان ہے۔

ابتدا کی تھی جوتے سے تو اسی طرف آتی ہوں۔ اکثر پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ ''دشمن کی نگاہ سب سے پہلے آپ کے جوتے پر جاتی ہے۔''

میں اس پرانی کہاوت کو رد کرتی ہوں اور قطعاً نہیں مانتی۔

کیونکہ جوتوں پر میری اچھی خاصی ریسرچ ہے۔

جوتے آپ کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ گویا آپ کی پوری پروفائل ہیں، یہ آپ کا ڈی این اے بھی ہیں۔ یہ آپ کے کردار کو پورا کھول دیتے ہیں، یہ آپ کی معاشی و معاشرتی حیثیت کو بے نقاب کر کے رکھ دیتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک بہت بڑی تقریب میں ایک بڑی قد آور شخصیت کی صاحبزادی سے ملاقات ہوئی اگرچہ مختصر گفتگو رہی اور اس گفتگو سے قبل جب وہ میری جانب بڑھ رہی تھیں تو اُن کے جوتے دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔

دل میں آنے والا خیال ان خاتون کی طرف نہیں ان کے صاحبِ ثروت والد کی طرف گیا۔ کاش وہ بیٹوں کی طرح صرف ایک معاملے میں اپنی اس بیٹی کا خیال کر لیتے۔

تحریر: ناہید فاطمہ حسنین.....کراچی

ہے اس میں ان کے بڑے بھائی ہاشم حیدر کا اثاثہ حیات بھی شامل ہے۔ جس کی رو سے ان کا بیٹا عالیان ہاشم اس پراپرٹی میں برابر کا حصہ دار تھا۔ جسے وہ کب کا فراموش کر چکے تھے۔

اور جب انہوں نے سالوں کی جدوجہد کے بعد اپنے بزنس کو کامیابی کی بلندی پر پہنچا دیا تو پتا چلا کہ ان کے بوڑھے وجود کو کینسر جیسی موذی بیماری نے آکٹوپس کی طرح اپنے حصار میں جکڑ لیا ہے۔ تشخیص ہونے میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ کینسر کا زہر ان کے سارے وجود میں سرایت کر چکا تھا۔ اس وقت سعدان اپنے ماسٹرز کے فائنل ائیر میں تھا۔ جبکہ عائدہ بیچلر ڈگری کر رہی تھی۔ اور جب وہ موت کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہارنے کے قریب پہنچے تو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے اپنے بیٹے سعدان کے سامنے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ اپنی کامیابی کے سفر میں انہوں نے اپنے سگے بھائی اور بھتیجے کا حق غصب کر کے صرف خسارے کا سودا کیا تھا۔ جس کا احساس انہیں اب ہوا تھا لہٰذا بیٹے سے انہوں نے عہد لیا تھا کہ اگر زندگی انہیں مہلت نہ دے سکے تو وہ ان کے بھتیجے عالیان ہاشم کو اس کا حق ضرور واپس لوٹا دے۔ کیونکہ مرنے کے بعد وہ غاصب کہلانا نہیں چاہتے تھے۔ معلوم نہیں لوگ حقوق پورے کرنے کے لیے اپنی یا دوسرے کی موت کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔ بیوی اور بیٹی ان ساری باتوں سے بے خبر تھیں۔ شوہر کی اندوہناک بیماری اور موت نے انہیں بہت بڑے صدمے سے دوچار کیا تھا۔ وہ بہت کمزور پڑ گئی تھیں جبکہ عائدہ تو باپ کی موت کے صدمے سے مہینوں باہر نہیں نکل سکی تھی۔ وہ باپ کی بہت لاڈلی تھی۔ جس کی ہر خواہش اور ہر خوشی پوری کرنا وہ اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ عائدہ بھی ان سے ایسی ہی جان چھڑکنے والی محبت کرتی تھی۔ باپ کی موت کے بعد اسے سنبھلنے میں بہت وقت لگا تھا مگر سعدان نے بڑے حوصلے اور بہادری سے ماں اور بہن کو اس بڑے صدمے سے باہر نکال ہی لیا تھا۔ اس کی محبت، توجہ اور

ساتھ نے رفتہ، رفتہ اس زخم کو بھرنا شروع کر دیا تھا لیکن پھر ماں کی دو سال بعد موت نے سعدان جیسے مضبوط انسان کو بھی توڑ کر رکھ دیا تھا لیکن اس نے عائدہ کی خاطر خود کو سنبھال کر اپنی ساری توجہ بہن اور باپ کے بزنس پر مرکوز کر دی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کی ملاقات لندن میں عالیان ہاشم سے ہوئی۔ اور اس نے اسے اپنی کمپنی میں جاب آفر کی۔ تب اس نے عالیان کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں ساری انفارمیشن حاصل کر لی تھیں۔ تب ہی اسے پتا چلا تھا کہ عالیان ہاشم سے اس کا خون کا رشتہ بھی ہے۔ وہ اس کا سگا تایا زاد بھائی ہے۔ اس نے باپ کے انتقال کے بعد بھی پاکستان سے عالیان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جہاں سے صرف اتنا ہی پتا چلا تھا کہ اس کی نانی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ میں مقیم ہے۔ وہ اسے مزید ڈھونڈنے کے بجائے باپ کے چھوڑے بزنس ایمپائر کو سنبھالنے میں اتنا مگن و مصروف ہو گیا کہ عالیان ہاشم کو بھول ہی گیا تھا۔ اور شاید اسے یاد دلانے کے لیے قسمت سے اس روز وہ ایکسیڈنٹ والا واقعہ پیش آ گیا تھا جس نے دونوں بھائیوں کو ملا دیا تھا اور پوری سچائی جاننے کے بعد ہی اس نے عالیان کو اپنی کمپنی میں اتنے بڑے عہدے پر کام کرنے کے لیے جاب کی آفر کی تھی۔ بعد کے حالات جو بھی ہوئے مگر اب عائدہ کے لیے اس نے عالیان جیسے ہیرے کو چنا تھا۔

خراب موسم والی اس رات اس نے عالیان پر اپنے اور اس کے خونی رشتے کا تعلق آشکار کر دیا تھا۔ ساتھ ہی ماضی میں اس کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی اپنے مرحوم باپ کی طرف سے معافی بھی مانگی تھی اور عالیان نے بڑی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مرحوم چچا ابراہیم حیدر کو نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ اسے اب ان سے کوئی شکایت بھی نہیں تھی۔ ماں، باپ دنیا میں موجود نہیں رہے تھے۔ بہن، بھائی کوئی تھا نہیں..... پھر وہ کس کی خاطر گلے کرتا، رہی بات اس کی اپنی ذات کی تو اس کی نانی نے اپنے کسی بیٹے کو عالیان کی پرورش کی ذمے داری سونپنے کے بجائے خود ہی یہ ذمے داری اٹھائی تھی۔ اور اس کی پرورش و تعلیم وغیرہ کے سارے اخراجات اپنی مرحومہ بیٹی کی شرعی پراپرٹی کے حصے کو فروخت کر کے جو رقم ملی تھی اسی سے عالیان کی بچپن سے جوانی تک کے تعلیمی اخراجات اور دیگر ضروریات پوری کیں۔ لہٰذا مادی لحاظ سے وہ بچپن میں بہت زیادہ محرومی کا شکار نہیں رہا تھا۔ سوائے سگے خونی رشتوں کی محبت کے..... جس کی اسے اس وقت شدید ضرورت بھی تھی۔ بہر حال اب وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، ذہین قابل بھی تھا۔ لہٰذا بھلے دیر سے ہی سہی اسے یہاں لندن میں کہیں نہ کہیں ایک اچھی جاب مل جانی تھی اور اللہ کے فضل سے مل بھی گئی تھی۔

سعدان کے ساتھ، ساتھ وہ تو مس عائدہ کا بھی محسن تھا مگر انجانے میں اس نے اس اچھے انسان کے ساتھ بڑی زیادتی کر دی تھی۔ وہ انسان جو عائدہ ابراہیم کی تمام تر ناپسندیدگی اور برے سلوک و رویے کے باوجود عائدہ سے محبت کر بیٹھا تھا۔ سچی اور پُرخلوص محبت..... تب ہی تو خاموشی سے اس کی خواہش کو آسانی سے مان لیا تھا مگر آج بھائی کی زبانی ماضی کے سارے حالات اور عالیان کے ساتھ اپنے خونی رشتے کے تعلق کو جان کر عائدہ ابراہیم کو احساس ہوا تھا کہ سعدان ٹھیک کہتا تھا۔ عائدہ کو لوگوں کی پہچان نہیں تھی تب ہی تو وہ عالیان ہاشم کے اتنے پُرخلوص رویے کے باوجود اسے پہچان نہیں سکی تھی جس کا اسے بہت ملال تھا۔

☆☆☆

''جانتی ہو عائدہ..... سچائی جاننے کے بعد عالیان کی زبان پر کوئی حرفِ شکایت تک نہیں آیا تھا۔ اس نے پاپا کی ہر کوتاہی کو اس طرح نظر انداز کر دیا۔ جیسے اس کے دل میں اپنے سگے چچا کے لیے کوئی بدگمانی کوئی ملامت ہے ہی نہیں جبکہ اس کی نانی نے جوان ہونے پر اسے پاپا کے ہر عمل کے بارے میں بتا دیا تھا مگر اس طرح نہیں کہ وہ اپنے سگے خونی رشتوں سے...

بدظن اور متنفر ہو جاتا بلکہ اس کی نانی نے اس کی شخصیت سازی میں زندگی کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کی پرورش کی تاکہ وہ ایک مکمل اور مثبت فکر رکھنے والا انسان بن سکے۔ اس کی شخصیت میں کوئی جھول نہ رہ جائے۔ اور عالیان کی اسی اعلیٰ ظرفی نے میرا دل جیت لیا تھا۔ اس کی ذات کی دیگر خوبیاں تو مجھ پر بعد میں منکشف ہوئیں۔ جبھی تو میں نے تمہارے لیے اس اچھے انسان کا انتخاب کیا تھا..... کیونکہ مجھے یقین تھا۔ وہ ہمارے بھروسے کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائے گا لیکن تم نے اسے گنوا دیا عائدہ..... اب میں اس جیسا کوئی دوسرا شخص تمہارے لیے کہاں سے ڈھونڈوں گا..... جس پر میں آنکھ بند کر کے اعتبار کر سکوں.....'' آخر میں سعدان کی آواز رندھ گئی تھی۔

یہ سب کچھ جان کر عائدہ کی آنکھ سے پچھتاوے اور ملال کا ایک آنسو گر کر ہتھیلی میں بند ہو گیا تھا۔ جسے سعدان سے چھپانے کے لیے اس نے چہرہ جھکا لیا تھا لیکن سعدان کی زیرک نگاہوں نے یہ منظر دیکھ کر تاسف سے اس کے جھکے چہرے کو دیکھا تھا۔ اب وہ اسے اور کیا ملامت کرتا جو اس وقت خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ پچھتاوے کا احساس اس کے چہرے کی افسردگی سے صاف عیاں ہوتا نظر آتا تھا۔ اور عائدہ وہاں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ سعدان نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ واقعی بہت اعلیٰ ظرف شخص ہے۔ تب ہی سعدان کے بعد عائدہ کو بھی زیادہ نہ سہی مگر تھوڑا بہت اعتماد ہونے لگا تھا اس پر اور اس کے رویے میں بھی مثبت تبدیلی آنے لگی تھی۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس وقت عالیان کو اپنے ماضی کی وہ نادانستہ کی گئی غلطی کے بارے میں بتا دیتی تو وہ اچھا انسان اسے کبھی مایوس نہ کرتا۔ اسے یہ یقین آج آیا تھا کہ وہ عالیان پر بھروسا کر سکتی ہے۔ اور اسی یقین کے ساتھ وہ یک دم ہی صوفے سے اٹھی تھی۔ سعدان نے اسے اچنبھے سے دیکھا تھا۔ اگرچہ بہت دیر ہو چکی تھی لیکن وہ اپنے دل کی موہوم سی امید پر ایک کوشش ضرور کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے بھائی سے کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو عائدہ..... کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کی فلائٹ دو بجے کی تھی۔ اور اب ساڑھے چار بج رہے ہیں وہ جا چکا ہوگا۔ تم نے دیر کر دی ہے اور اسے جانے کی جلدی تھی کیونکہ وہ تمہاری بات ٹالنا نہیں چاہتا تھا۔'' سعدان نے پیچھے سے اسے پکارا تھا۔

عائدہ نے پلٹ کر افسردگی سے اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر آفس سے باہر نکل گئی۔ اور پیچھے بیٹھے رہ گئے سعدان نے اپنی بہن کے یقین اور امید کے بر آنے کی صدقِ دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

اس طرح پہروں تجھے سوچتا رہتا ہوں میں
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے

کسی بہانہ پر اس کی فلائٹ کینسل ہو چکی تھی اور اب اگلی صبح کی فلائٹ سے وہ یہاں سے روانہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے کچھ وقت یہاں بیٹھ کر گزارنا چاہتا تھا۔ جہاں اس روز وہ عائدہ کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اپنی فیورٹ کافی شاپ (کیفے) میں۔ بس ایک رات ہی کی تو بات تھی۔ اس کے بعد اگلے دن اسے اس لڑکی کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جانا تھا۔ تب ہی ویٹر اس کا آرڈر سرو کر کے گیا تھا۔

اس کی فیورٹ کافی اور براؤنیز کی پلیٹ سامنے ٹیبل پر رکھی تھی۔ مگر خواہش کے باوجود وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا نہیں سکا تھا۔ اس سے ہمیشہ کے لیے جدائی کا تصور ہی رگوں کو کاٹ رہا تھا اور وہ سر جھکائے اذیت میں مبتلا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

آج موسم خاصا خراب تھا۔ شام ہوتے ہی ہلکی برف باری بھی شروع ہو چکی تھی مگر عائدہ موسم کی پروا کیے بغیر آندھی، طوفان کی طرح تیز ڈرائیونگ کر کے ائرپورٹ پہنچی تھی۔ ڈیپارچر لاؤنج میں..... داخل ہوتے ہی اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ جسے وہ ہاتھ

سے صاف کرتی تیزی سے وہاں موجود انفارمیشن کاؤنٹر کی جانب بڑھی اور وہاں پہنچ کر بے قراری سے دو بجے والی فلائٹ کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ کاؤنٹر کے پار کھڑی نیگرو (سیاہ فام) لڑکی نے ایک نظر عائدہ کے چہرے کو دیکھا اور جب اس نے بتایا کہ موسم کی خرابی (برف باری، بارش) کی وجہ سے آج کی تمام فلائٹس کینسل ہوچکی ہیں تو خوشی اور تشکر کے مارے عائدہ کی آنکھیں ایک بار پھر سے چھلک پڑی تھیں۔ وہ روتے ہوئی آنکھوں سے مسکراتی جارہی تھی اور اس منظر کو دیکھ کر کاؤنٹر کے پار کھڑی لڑکی نے کچھ حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ جواباً عائدہ اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرادی تو لڑکی کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی عائدہ کے لیے مسکرادی۔ پھر وہاں کھڑے، کھڑے ہی اس نے سوچا کہ عالیان فلائٹ کینسل ہونے کے بعد کہاں گیا ہوگا۔ ''اپنے اپارٹمنٹ کی چابی تو وہ پہلے ہی لوٹا چکا تھا اور سعدان کے گھر تو وہ کبھی آنا نہیں چاہے گا..... تو پھر.....''

''یہ میرا فیورٹ کافی شاپ (کیفے) ہے۔ میں اکثر یہاں کافی پینے آتا ہوں۔ چاہے بہت خوش ہوں تو بھی چاہے بہت اداس ہوں تو بھی۔''

عالیان کی کچھ دن پہلے کہی بات کی اس کے ذہن میں بازگشت ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے ڈیپارچر لاؤنج سے باہر کی جانب بھاگی تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں اس شخص کو کھونا نہیں چاہتی تھی جس کی محبت میں وہ خود بھی مبتلا ہوچکی تھی۔ لیکن بس زبان سے اعتراف کرنے سے ڈرتی تھی۔ شاید آج وہ دن آگیا تھا۔ جب عائدہ کے دل و ذہن سے ہر خوف، ہر خدشہ مٹ گیا تھا۔

☆☆☆

وہی کیفے تھا۔ وہی ماحول اور باہر ویسی ہی غضب کی سردی پڑرہی تھی۔ عائدہ کیفے کے اندرونی گرم ماحول میں داخل ہوکر پرسکون ہوئی تھی۔ اور کافی شاپ ایریا میں نظر دوڑائی تھی۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ وہ اسی مخصوص جگہ پر اسی ٹیبل کے گرد بیٹھا نظر آگیا تھا جس کے چہرے کی افسردگی اور دلگرفتہ تاثر کو وہ اتنی دور کھڑے ہوئے بھی صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی ٹرے میں کافی کپ اور براؤنیز رکھی تھی۔ عائدہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی اس کی پشت پر جاکر کھڑی ہوگئی۔

''پلیز..... میرے لیے بھی ایک کپ کافی آرڈر کردیں عالیان.....'' اور وہ جو سر جھکائے افسردہ بیٹھا پرانی یادوں کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔ اس آواز کو سن کر غیر یقینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے پر مجبور ہوا تو عائدہ اس کی پشت سے نکل کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور اس کے چہرے پر نظر اٹھتے ہی عالیان بت بن گیا تھا۔ کیا وہ خواب دیکھ رہا تھا یا پھر وہ اس کا الوژن تھا۔ جبکہ عائدہ کو اس کے چہرے اور آنکھ میں تیزی سے اترتے تاثر نے لمحوں میں سمجھا دیا تھا کہ وہ عائدہ کی وہاں موجودگی کو اپنا الوژن سمجھ رہا ہے۔ اس لیے اسے یقین دلانے کے لیے دو قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ اور بے پروائی سے عالیان کے سامنے رکھے کافی کپ کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری..... مجھے واقعی بہت سردی لگ رہی ہے۔ اس لیے آپ اپنے لیے دوسری کافی آرڈر کرلیں۔'' وہ یک دم ہی غیر یقینی کی کیفیت سے باہر آیا تھا۔ تب تک وہ اس کے کافی کپ کو اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا چکی تھی۔ وہ عائدہ کے مزاج سے ہٹ کر شوخ لہجے اور بے تکلفی کو محسوس کرکے ایک بار پھر سے دل کو یقین دلانے میں بالآخر کامیاب ہوگیا تھا کہ وہ لڑکی واقعی اس کے سامنے بیٹھی ہے۔ محض اس کا خواب یا الوژن نہیں ہے۔

''مجھے آپ کی فلائٹ کینسل ہونے کا پتا چل گیا ہے عالیان..... اس لیے اب آپ اگلی فلائٹ سے پاکستان جانے کے بجائے میرے ساتھ اپنے چچا ابراہیم حیدر کے گھر چلیں گے۔ کیونکہ سعدان آپ کے لیے بہت اداس ہیں۔ لہٰذا اب صرف سعدان ہی نہیں، میں بھی آپ کو پاکستان واپس

جانے نہیں دوں گی۔''

اور عالیان نے بے ساختہ اپنے خوشی سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ کہیں وہ مارے خوشی کے باہر ہی نہیں آجائے اور عائدہ سوچنے لگی کہ عالیان کو مایوسی کی اس کیفیت سے باہر لانے کے لیے وہ مزید کوئی اعتراف نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ اسے عائدہ کے لیے سعدان نے پسند کیا تھا لہٰذا جس کو (عالیان) شادی کے لیے اپنے پروپوز کرنا چاہیے تھا، وہ تو ابھی تک سامنے خاموش بیٹھا تھا۔ اب عائدہ اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی تھی۔ اسے عالیان کا ساتھ قبول ہے۔ اور جواباً عالیان نے صرف اتنا کہا۔

''تھینک یو عائدہ...... تھینک یو سو مچ۔''

جواباً وہ کپ ٹیبل پر رکھ کر سنجیدگی سے بولی۔

''آئی ایم سوری...... میں اپنے اب تک کے بی ہیویئر کے لیے آپ سے بہت شرمندہ ہوں عالیان۔ کیونکہ اب بدگمانیوں کے سارے موسم گزر چکے ہیں۔ اب میں یقین کے سفر میں ہوں...... جہاں ہر قدم پر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ سعدان نے آپ کے بارے میں جو بھی کہا، سچ کہا۔ آپ واقعی بہت اچھے انسان ہیں اور میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔ آپ کے ساتھ نے میری ذات کے گرد بنے برسوں پرانے سخت خول کو توڑ کر مجھے ماضی کی تکلیف دہ قید سے آزاد کردیا ہے۔''

عالیان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

''میں ماضی کے حوالوں پر بات کرنے کا قائل نہیں ہوں عائدہ......'' وہ گلا کھنکھار کر بولا۔ ''میں حال میں جینے والا بندہ ہوں اور اسی پر بھروسا کر کے جیتا ہوں مگر یہ میری شدید دلی خواہش ہے کہ میرے حال اور مستقبل کے سارے موسموں میں آپ میرے ساتھ ہوں...... کبھی نہ بچھڑ جانے کے لیے۔'' عائدہ کے دل کی کلی کھل چکی تھی۔

بالآخر عالیان نے اسے پروپوز کر ہی دیا تھا۔ کیا ہوا جو روایتی انداز میں ایک گھٹنا ٹکا کر پھول پیش کرتے ہوئے شادی کے لیے عائدہ سے اس کی مرضی دریافت نہیں کی۔ عائدہ کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اسے بچھڑنے سے پہلے واپس مل گیا ہے۔

''تو کیا آپ مجھے پروپوز کررہے ہیں مسٹر عالیان......؟'' عائدہ نے ذرا سنجیدہ انداز اپناتے ہوئے کہا تو جواباً اس کے ہونٹوں میں دبی ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر عالیان بھی اسی انداز میں بولا تھا۔ اور باقاعدہ چیئر سے اٹھ کر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ عائدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''یس مادام...... ول یو میری می......؟'' جواباً عائدہ نے دلکشی سے مسکراتے ہوئے عالیان کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اس کا وہی رومال رکھ دیا تھا جو غلطی سے اس روز عائدہ کے بیگ میں ہی رکھا رہ گیا تھا۔ اور عائدہ اسے واپس کرنا بھول گئی تھی۔

''یہ آپ کی امانت ہے جو اس روز میرے ہینڈ بیگ میں رکھا رہ گیا تھا۔ جس روز آپ نے میری امانت مجھے اپنے رومال سمیت لوٹائی تھی۔ اور اپنا رومال واپس لینا بھول گئے تھے۔''

عائدہ کے چہرے پر بڑی نرم سی مسکراہٹ تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں موجود اپنے رومال کو دیکھ کر اسے اس روز کا واقعہ یاد آگیا تھا۔ وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیا تھا۔ عائدہ چیئر سے اٹھ کر اب اس کے مقابل کھڑی مطمئن سی مسکرا رہی تھی۔ عالیان نے اس کی مسکراہٹ پر نثار ہوتے اس کے ہاتھ سے اپنا رومال لے کر اپنا کوٹ اتار کر اسے پہنا دیا تھا۔ کیونکہ باہر بہت سردی تھی اور یہاں آتے ہوئے جلدی میں عائدہ اپنا لانگ کوٹ پہننا بھول گئی تھی۔ لہٰذا اسے سردی سے محفوظ رکھنے کے لیے عالیان نے اسے اپنا لانگ کوٹ پیش کیا تھا۔ جسے پہن کر وہ خوشدلی سے عالیان کا ہاتھ تھام کر اس کی ہمراہی میں کیفے سے باہر نکل گئی۔ کیونکہ اب ان کے لیے پھولوں بھری راہ اور یقین کی منزل سامنے تھی۔

❀❀❀

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

محبت کا سفر عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک

شائستہ زریں

قارئینِ کرام! السلام علیکم

رواں سال اپنے اختتام کی جانب رواں دواں ہے۔ یوں تو سارا سال ہی ہم محبتوں کی تقسیم کے عمل سے گزرتے ہیں لیکن سال کے آخر میں قارئینِ پاکیزہ کو "محبت نمبر" کی سوغات دیتے ہیں اور اس ہدیۂ محبت میں کبھی کسی محبتوں سے گندھی شخصیت کا انٹرویو تو کبھی محبت کے شفاف جذبے سے مزین موضوع پر سروے رپورٹ کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

قارئینِ من! اس امر سے تو ہم سب ہی واقف ہیں کہ محبت اس کائنات کی وہ سچائی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

میر

محبت ایک نہایت بینا جذبہ ہے جو طلب سے ماورا ہے اس لیے محبوب کے وصال و ہجر کو محبت کی کامیابی و ناکامی سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔ محبت دل میں نمو پاتے، پاتے بسا اوقات عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ عشقِ مجازی کا مسافر ہجر کی آگ میں سلگنے لگتا ہے، معشوق کو پانے کی تڑپ اور طلب اس کے اندر پروان چڑھتی رہتی ہے اور پھر راہِ عشق میں وہ ساعت بھی آجاتی ہے جب عاشق کا دل معشوق کی طلب میں اس دربار میں حاضری دینے لگتا ہے جہاں سے عطا کے در وا ہوتے ہی دل غنی ہو جاتا ہے۔ عاشق اپنے معشوقِ مجازی کو پانے کی سچی لگن میں بے دریغ سجدے کرتا ہے۔ اس خالقِ حقیقی کا کمال تو دیکھیے کہ وہ عاشق کے دل کی دنیا میں عجب انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اپنے ربِ عظیم سے اپنے مجازی عشق کی شدت سے طلب کرتے، کرتے وہ اپنے دل میں عجب سی کسک محسوس کرنے لگتا ہے رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے اس کا دل عشقِ مجازی کی طلب سے ... بے نیاز ہو کر عشقِ حقیقی کی تپش کو محسوس کرنے لگتا ہے یوں عشقِ مجازی کی دُھن میں مگن عاشق کی رسائی عشقِ حقیقی تک ہو جاتی ہے۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

اقبال

گویا محبت کا سفر طے کرتے، کرتے عاشق عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی منزل تک پہنچ گیا۔ اسی خیال کے پیشِ نظر ہم نے شرکا سے معلوم کیا کہ

سوال 1☆ آپ کی نظر میں محبت میں کامیابی اور ناکامی کا معیار کیا ہے؟

سوال 2☆ آپ کے خیال میں محبت اور عشق ایک ہی جذبے کے دو نام ہیں؟

سوال 3☆ کیا یہ درست ہے کہ عشقِ مجازی، عشقِ حقیقی کی راہ دکھاتا ہے؟

شہناز احمد

ا: سوال یہ ہے کہ آپ کس محبت کی بات کر رہی ہیں؟ اگر آپ کا مقصد یہاں آدم اور حوا کی اولاد کے درمیان پلنے والے جذبے سے ہے تو معاف کیجیے وہ محبت کے علاوہ اور سب کچھ ہوتا ہے بلکہ اس بات کو یوں مختصر کر لیتے ہیں کہ یہ ایک خاص عمر کے منہ اٹھاتے جذبات کا جنسِ مخالف کی طرف رغبت کا اظہار زندگی میں کئی بار ہوتا

ہے۔ محبت کا دوسرا روپ والدین اور اولاد کی محبت ہے.... بے لوث، بے مطلب۔ خاص طور پر والدین کی محبت کا ایک ٹھاٹیں مارتا سمندر ہے۔ جس کی لہریں کم ہوتی ہیں نہ دھیمی۔ وقت کے ساتھ، ساتھ محبت کے روپ بدلتے رہتے ہیں۔ بہن، بھائی، استاد، شاگرد، دوست، احباب محبت کے خوب صورت روپ ہیں۔ ان مراحل میں کامیابی و ناکامی کا صیغہ اس اوائل عمر کی محبت پر ہی لاگو ہوتا ہے جو میرے حساب سے محبت نہیں ہوتی اور اس کی کامیابی سے مراد اگر دو افراد کا ایک بندھن میں بندھ جانا ہے تو یہ بھی کوئی کمال نہیں۔

۲: عشق تو میرے حساب سے بہت پہنچا ہوا جذبہ ہے۔ بندہ بشر اس کا اہل نہیں، یہ تو محبت میں بھی خیانت کر رہا ہوتا ہے تو عشق کیسے کرے گا۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی تقابل نہیں۔ آپ نے سنا نہیں ''عشق نہ پچھے ذات.....''

۳: عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں عشق کی انتہاؤں کی باتیں ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ بندہ بشر اس کی خاک کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لیے روح کی بالیدگی چاہیے۔ خیال کی پاکیزگی چاہیے۔ گنہگار انسان کہاں اس قابل ہے!

دلشاد نسیم

۱: محبت کی نظر میں دنیاوی کامیابی و ناکامی مختلف ہے۔ ہم پانے کے عمل کو محبت کی کامیابی اور جب محبوب نہ ملے تو محبت کو ناکام تصور کرتے ہیں۔ لیکن محبت اتنی معمولی چیز نہیں کہ اسے پانے نہ پانے کے ترازو پر رکھ دیں۔ یہ اس سے بہت اعلیٰ جذبہ ہے۔ آپ کسی کو عمر بھر یاد رہیں اصل محبت یہ ہے۔ کوئی آپ کو کبھی نہیں بھولا عشق اسے کہیں گے۔ نہ کہ آپ کی محبت کی شادی ہوئی اور سب نارمل ہو گیا۔ یا تو آپ کی محبت اس معراج پر ہو کہ جس کو آپ نے پالیا اس کے لیے عمر بھر اللہ کا احسان مانیں اور شکر گزار رہیں (دونوں فریقین) کیونکہ محبت اللہ کا انعام ہے آپ کا حق نہیں۔ مل جائے تو شکر کیجیے نہ ملے تو ناکام محبت کے جواز ڈھونڈ کر خود کو خوار نہ کریں، ہو سکتا ہے محبوب مل جاتا تو آپ اس کی محبت کھو دیتیں۔ مختصر یہ کہ محبت کو پانا میری نظر میں یہ ہے کہ محبوب دور بھی ہو تو دل میں رہے ورنہ پاس رہ کر بھی دوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۲: محبت اور عشق ایک ہی جذبے کے نام ہیں۔ محبت کو اب وہ مقام حاصل نہیں رہا جس کا حقدار یہ جذبہ ہے، لوگوں نے بہت عامیانہ کر دیا ہے۔ پھر بھی ہم محبت کے احساس کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ جذبہ کسی کے بھی دل میں کسی کے لیے بھی جاگ سکتا ہے، ہم ساتھ رہتے ہیں، ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے۔ درحقیقت وہ محبت نہیں عادت ہوتی ہے، ہم عادت کو محبت سمجھنے لگتے ہیں۔ بہرکیف محبت ہوتی ہے کسی بھی عمر میں کسی سے بھی۔ یہ انسانی رویے کا مقدس فعل ہے۔ جب آپ کسی کو عزت دیتے، چاہت کا اظہار کرتے ہیں۔ محبت سے اگلا قدم عشق ہے۔ عشق کا نام آتے ہی محبت کی کئی ان مٹ کہانیاں، قصے اور محبت میں مرنے والے ذہن میں آجاتے ہیں۔ سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا، سسی پنوں اور دو حقیقی کردار زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام۔ عشق یہ ہے کہ اپنا ہوش نہ رہے، میں اور تو کا جھگڑا نہ رہے۔ عشق مجازی ہو یا حقیقی خود کو بھولنا ہی معراجِ عشق ہے۔

۳: مولانا رومی کا بہت خوب صورت شعر ہے جس کا ترجمہ ہے

عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی بنتے دیر نہیں لگتی

ہر انسان کے ساتھ عشق کی تاثیر کا رنگ الگ ہوتا ہے۔ عشق کی اپنی قسمت ہوتی ہے کبھی عشق مٹی کر دیتا ہے۔ کبھی یہی عشق سونا بنا دیتا ہے۔ کبھی تخت چھوٹ جاتے ہیں۔ کبھی تخت مل جاتا ہے۔ جب عشق میں رقابت کی مہک جاتی رہے وہ عشقِ حقیقی کا روپ دھار لیتا ہے۔ محبت کو پانے کی دعائیں اکثر عاشق کو محبت عطا کرنے والے رب کے بہت قریب کر دیتی ہے۔

ذکیہ سلطانہ

ا: میرے سلیقے سے میری سبھی محبت میں تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا میر

مسلسل محبت میں رہنا، تاوقتِ آخر محبت میں گرفتاری ہی کامیابی ہے وگرنہ ناکامی۔

۲: محبت اور عشق ایک ہی جذبے کا مرحلہ وار تسلسل، پہلے محبت پھر عشق (جس کی کوئی حد نہیں)

۳: جی درست ہے۔

عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
اقبالؔ

عشرت معین سیما

ا: میرے نزدیک محبت انسانی فطرت کا ایک مثبت جذبہ ہے اور جب بات مثبت احساس کی ہو تو اس میں ناکامی کے مواقع کم ہوتے ہیں کیونکہ اپنے پیاروں کا احساس کرنے اور ان کی قدر کرنے والے ناکام نہیں ہوتے اس کے برعکس اگر مخالف سمت سے جوابی ردِعمل احساس سے عاری ہو تو ظاہری بات ہے کہ ایک پہیے پر گاڑی گھسیٹی تو جا سکتی ہے مگر چلائی نہیں جا سکتی۔ محبت میں کامیابی کی وجہ محبوب اور اس سے متعلقہ لوگوں اور چیزوں سے بھی محبت کرنا اور ان کا احساس کرنا ہے اگر انسانی جذبے سے احساس مر جائے تو دنیا کا کوئی بھی رشتہ اور انسان کا کوئی بھی مثبت جذبہ نمو نہیں پا سکتے۔

۲: محبت اور عشق ایک ہی جذبے سے وابستہ ہیں جس کا احساس بنیادی زینہ ہے ''محبت'' اس کی سیڑھیاں اور ''عشق'' اس کی منزل ہے۔ محبت آپ کو پیڑ پودوں اور اپنے کسی پسندیدہ لباس سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور کسی عادت سے بھی لیکن عشق کے لیے ایک فریقِ ثانی کا وجود ضروری ہے چاہے وہ وجود مادی ہو یا غیر مادی۔ کیونکہ عشق بھی درجات اور اصناف رکھتا ہے۔ جب عشقِ مجازی ہو تو وہاں سجدہ کرنا بھی جائز سمجھا جاتا ہے لیکن جب عشقِ حقیقی ہو تو بندہ سجدے سے سر اٹھانا ہی نہیں چاہتا۔

۳: عشقِ مجازی، عشقِ حقیقی کے راستے کا نشان ہے۔ جب مجازی خدا کے لیے دنیا کی نفی کر کے عشق کرنا سہل اور باعثِ خوشی لگے گا تب ہی خالقِ عشق و عقل کے لیے ذات و حقیقت کو تیاگ دینا اطمینان کا باعث اور عشق کی معراج تک پہنچنے کا راستہ بنے گا۔ یہی عشق کا تقاضا بھی ہے اور نشانی بھی۔

شاہانہ جاوید

ا: یہ ایک جذبہ ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔ لیکن زیادہ مشہور صنفِ مخالف کی ایک دوسرے سے محبت جسے شاعری میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

ظاہر ہے محبت میں کامیابی اور ناکامی تو اسی محبت

سے تعلق رکھتی ہے جو ایک فرد اپنے محبوب سے کرتا ہے معیار تو وہاں قائم ہو جب محبت کی ایک حد مقرر ہو۔ کہا جاتا ہے "محبت اندھی ہوتی ہے" یا پھر "دل تو گدھی پر بھی آجاتا ہے" معیار بس یہی ہے کہ محبت سوچ سمجھ کر کی جائے جبکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ محبت کو تادیر قائم رکھنے کے لیے قربانی کا جذبہ دل میں ہو تو محبت کامیاب ہو جاتی ہے۔ جہاں ذاتی انا، لالچ آڑے آجائے وہاں محبت کا پودا نہیں پنپتا مرجھا جاتا ہے۔ یہی ناکامی ہے۔ یہی معیار ہے کہ محبت قربانی مانگتی ہے، صلہ مانگتی ہے۔ آپ میں حوصلہ ہے تو محبت کے سمندر میں چھلانگ لگائیں ورنہ دور سے نظارہ کریں۔

۲: محبت ایک جذبہ ہے لیکن عشق اس کا دوسرا نام نہیں بلکہ ایک جنون کی کیفیت ہے جو محبت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ عشق گہری اور شدت کی چاہت ہے جو کسی قاعدہ قانون کی پابند نہیں۔ عشق میں انسان مجنوں بن کر صحراؤں کی خاک چھانتا ہے۔ اپنے آپ کو فنا کر لیتا ہے، نہ دین کا ہوش ہے نہ دنیا، بس اس شے کی طلب مقصدِ حیات ہوتی ہے۔ یہ طلب مجازی اور حقیقی دونوں ہو سکتی ہیں۔

۳: عشقِ مجازی میں انسان فانی شے یا صنف کی محبت میں غرق ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے بس اس کو حاصل کرنے کے لیے دیوانگی کی حد سے گزر جاتا ہے

رانجھا، رانجھا کردی نیں میں آپے رانجھا ہوئی

لیکن عشقِ حقیقی میں انسان وجود سے ماورا ہو کر صرف اس ذات کی کھوج میں لگ جاتا ہے جس نے کائنات بنائی۔ یہاں خدائے لم یزل سے عشق کا آغاز ہوتا ہے یہ تصوف کی منزل ہوتی ہے۔ بس یہی عشقِ حقیقی ہے۔ یہ کہنا کسی حد تک درست ہوگا کہ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کی راہ دکھاتا ہے، لیکن عشقِ حقیقی ایک الگ وجود بھی رکھتا ہے اور صرف خالقِ کائنات کے لیے دل میں پیدا ہوتا ہے یہیں سے صوفی ازم کی شروعات ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت میں دنیا بھلا کر صرف اس کے لیے خود کو وقف کر دیتے ہیں گویا عشقِ حقیقی ہی اصل عشق ہے۔

طیبہ عنصر مثل

ا: ناکامی دراصل کامیابی کے سفر میں ایک پڑاؤ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے اب تک جو تجزیہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ محبت چونکہ ہوتی ہے کی نہیں جاتی تو یہ بات دماغ میں لازمی رکھیں کوئی بھی انسان خامیوں سے پاک نہیں ہوتا اور ابتدائی طور پر عموماً محبوب کی خامیوں کا نظر آنا محال ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ آپ کچھ عرصہ اپنے ساتھی سے الگ ہو کر دیکھیں یا ناراض ہو جائیں تو آپ کو اپنے ساتھی کی خامیاں پرت در پرت کھلتی نظر آئیں گی اور خوبیاں نہ ہونے کے برابر ہو جاتی ہیں تو اس کے نتیجے میں محبت سراسر ناکام ہو جاتی ہے۔ شادیاں ٹوٹ جاتی ہیں، علیحدگی جنم لیتی ہے۔ اس لیے میرے خیال میں محبت کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں اس کو تمام تر خامیوں سمیت قبول کر کے ہی کامیاب بنانا ہوگا۔ ہر بات پر سمجھوتا مشکل ہے لیکن اگر بات محبت کی ہے تو اس کا سب سے پہلا معیار بے غرض اور بے لوث چاہت کا ہونا ہے۔ پھر اس میں ہر طرح کی مادیت پرستی سے اجتناب کرنا ہوگا۔ مزاج کا اختلاف بھی معنی رکھتا ہے تو اس میں دونوں فریقین کا ایک دوسرے کے مزاج میں ڈھلنا ضروری ہے، ورنہ محبت کی کامیابی ناممکن امر بن جاتی ہے۔

۲: عشق ایک دیوانگی ہے جو عاشق سے عقل و شعور کو ختم کر کے اسے پاگل پن میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس کے

بعد اسے کسی قسم کے نفع نقصان کی تمیز نہیں رہتی بس اپنی خواہش پوری کرنے اور معشوق کو حاصل کرنے کا خیال اس پر ہر وقت حاوی رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کے کام سے عاجز ہو کر بیکار بن کر معاشرے میں عضوِ معطل بلکہ بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ لیکن محبت ایک خوب صورت جذبہ ہے۔ یہ جذبہ اپنے اندر ہر طرح کی محبت کے لیے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ محبت اپنی حدود کے دائروں میں بہت وسعت رکھتی ہے جبکہ کوئی بھی عورت کسی پاکیزہ ترین ہستی کے ساتھ برملا لفظ عشق استعمال نہیں کرے گی اور کوئی بھی مرد دنیا کی عظیم ترین خواتین کے لیے ''میں ان کا عاشق ہوں'' نہیں کہہ سکتا جبکہ عقیدت اور حُب کے معنی بہت محترم حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میرے خیال میں محبت اور عشق دو مختلف جذبوں کے نام ہیں۔ عشق ایک دیوانگی ہے جبکہ محبت محتاط جذبہ ہے جس میں عقل پاسبان رہتی ہے۔ بہرحال محبت ایک بے حد دلکش جذبہ ہے۔ اور اگر محبت سچی ہو تو پوری کائنات آپ کو جھومتی محسوس ہوتی ہے لیکن خاص محبت آج کل خال خال نظر آتی ہے۔

۳: اصل میں یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں، عشقِ مجازی سیڑھی ہے عشقِ حقیقی تک پہنچنے کی لیکن یہ روح نہیں ہے یہ عقیدت کا معاملہ ہے۔ ایک نیورو فزیشن کے مطابق ''چونکہ عاشق ہر وقت اپنے معشوق کی یاد میں گم رہتا ہے، ہر وقت بدحواسی، بے چینی میں مبتلا رہتا ہے نتیجتاً دماغ ضرورت سے زیادہ بوجھ اٹھانے کے باعث ماؤف ہو جاتا ہے۔'' ہینگر ائٹی، ڈپریشن اور کئی دماغی عارضے لاحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ کو حاصل کرنے کے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اعمال بتائے ہیں۔ اللہ نے انبیا کو اپنی معرفت حاصل کرنے کے لیے ہی تو بھیجا ہے۔ خدا کی معرفت راہ پیغمبری سے ملے گی، عشقِ مجازی میں مبتلا ہو کر راہ شیطانی سے نہیں۔ ہم وسیلہ بناتے ہیں ان ہستیوں کو جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور جن کی حب وعقیدت ہمارے دل میں ہے۔ عشقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہمارے دل میں خود ہی اتار دیتا ہے۔ اویس

نظم

چلو چاند پہ چلیں
ڈر یہاں سے لگتا ہے
زمیں پہ بڑھ گئی ہر بیماری
ڈر یہاں سے لگتا ہے
گھنٹوں دوڑ کر پکڑا کرتے تھے ہم مرغی
اور مزے سے کھاتے تھے ترکاری
اب ٹیکسوں کا بوجھ ہے کندھوں پر میرے
ہر چیز ہوگئی سرکاری
ڈر یہاں سے لگتا ہے
چلو چاند پہ..... چلتے ہیں
تھا تانگا گھوڑا تو لپک کر بیٹھا کرتے تھے
اب سب نے لے لی اپنی سواری
سڑک پہ چڑھنے سے ڈر لگتا ہے
چلو چاند پہ چلتے ہیں
پیپل کے نیچے سوتے تھے
کپڑے برتن ایک پہ دھوتے تھے
لہلہاتے تھے باغ اور ہر کیاری
اب تو ہوا بھی ہوگئی سرکاری
ڈر یہاں سے لگتا ہے

کاوش: ثوبیہ راجپوت، سیالکوٹ

غزل

اب شہر میں روشن کوئی چہرہ نہیں ملتا
اک بھیڑ ہے لیکن کوئی اپنا نہیں ملتا
تخریب و خرافات کے رستے تو بہت ہیں
تعمیر و مساوات کا رستہ نہیں ملتا
ہر سمت نظارے تو ہیں بکھرے ہوئے لیکن
اک اس کے تبسم کا وہ جلوہ نہیں ملتا
گھائل ہے میری روح مگر مُہر بہ لب ہوں
سر رکھ کے جہاں رووٴں وہ کاندھا نہیں ملتا
کردار و عمل میں جو مثالی ہو بہر طور
یمنیٰ رہ دل میں کوئی ایسا نہیں ملتا

شاعرہ: یمنیٰ احمد
پسند: مونا رضوان، کراچی

قربانی بنا دیتا ہے لیکن میں یہ تسلیم نہیں کرتی کہ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کی سیڑھی بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میرے حبیب کا ہی لفظ مناسب سمجھا تو ساری بات یہیں واضح ہو جاتی ہے۔

خوشبو رفیق

۱: میری نظر میں محبت ایک ایسا جذبہ ہے، جسے کامیابی و ناکامی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ محبت ایک احساس ہے کوئی مقابلہ نہیں جس میں ہار جیت کا سوال ہو۔

۲: جی ہاں میری نظر میں محبت اور عشق ایک ہی جذبے کے دو نام ہیں۔ بس اس جذبے کی شدت میں فرق ہے۔ محبت شدید ہو جائے تو عشق بن جاتی ہے۔

۳: ایسا عین ممکن ہے کہ عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔

عرفانہ شاہین

۱: عمومی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ محبت مل جائے تو کامیابی ہے مگر میری نظر میں جو آپ کو کچھ بنا دے، سنوار دے وہ محبت ہے، جو رسوا کر دے وہ ناکامی ہے۔

۲: محبت بار، بار ہو سکتی ہے۔ عشق ایک بار ہوتا ہے۔ دونوں کے درجے الگ ہیں۔

۳: عشقِ مجازی کے بغیر عشقِ حقیقی کی سمجھ نہیں آتی۔

☆☆☆

عزیز قارئین!

محبت میں کامیابی اور ناکامی ملن اور جدائی کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ بلاشبہ محبت ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو شدت اختیار کر جائے تو عشق کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ محبت کے حصول کے لیے خود غرض بن جانے والے محبت کے مدعی ضرور ہوتے ہیں لیکن محبت کے امین نہیں ہوتے۔ عشقِ مجازی کے لیے ہر حد سے گزر کر دیوانگی کی حد کو چھونے والے عاشقی کے دعویدار ضرور ہوتے ہیں لیکن سچے عاشق نہیں ہوتے کہ

عالم ذات میں درویش بنا دیتا ہے
عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا

سلیم کوثر

گویا محبت سفر کرتے، کرتے عشق کی راہ تک پہنچی اور عشقِ مجازی کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے عاشق کو عشقِ حقیقی کا وصل حاصل ہو گیا اور عاشق کو صحیح معنوں میں منزلِ عشق مل گئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ

عشق کے عین سے عبادت ہے
عشق روح کا اناج ہوتا ہے

عزیزو 2020ء عالمی سطح پر آنے والے کورونا وائرس کی وجہ سے ہر لحاظ سے آزمائشوں کا سال بنا رہا۔ ان آزمائشوں نے نہ صرف انسانوں کو ایک دوسرے سے بلکہ ربِ کائنات سے بھی بہت نزدیک کر دیا۔ ہماری دعا ہے کہ آنے والا سال ساری دنیا کے انسانوں بالخصوص عالمِ اسلام کے لیے بہت مبارک ثابت ہو۔ الٰہی آمین۔ محبت اپنے اندر بہت وسعت رکھتی ہے، محبت کی شمعیں روشن کر کے رواں سال کو رخصت کرتے ہوئے آنے والے سال کا استقبال کیجیے۔ کہ یہی محبت تو ادارہ پاکیزہ کا پیغام بھی ہے اور وصف بھی۔

میں محبت ہوں حدوں میں نہ کرو قید مجھے
روشنی بن کے فضاؤں میں بکھر جانے دو

ممتاز مرزا

☆☆☆

شمع ہدایت

اختر شجاعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

تمام تر حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جو میرا اللہ ہے، میرا رب ہے، میرا معبود ہے، وہ میرا خالق ہے، مالک ہے، زندگی اور موت دینے والا ہے۔ ہماری تمام امیدیں، کامیابیاں اور ناکامیاں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ میں اپنے اللہ کو اس کی ذات اور اس کی صفات کے ذریعے ہی پہچانتی ہوں اور جیسے، جیسے اس کی صفات پر غور کرتے جائیں تو اچھائیوں، خوبیوں، قدرتوں اور حکمتوں کا ایک سمندر ہے بقول میرے رب کے..... ''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر جیسے سات سمندر مزید روشنائی بن جائیں تب بھی اللہ کی باتیں اس کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی۔'' (سبحان اللہ)

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''احد'' بہت زبردست ہے، وہ اپنی ذات میں تنہا ہے، اپنی صفات میں تنہا ہے، ہر چیز میں دوسروں سے منفرد ہے۔

اپنے عظیم رب کی عظمت و بلندی اس کی وحدانیت اس کی بادشاہت اور سلطنت میں صرف اس کا اختیار غرضیکہ ہر تعریف میں وہ اکیلا ہے جب ان جذبوں کے ساتھ اپنے رب کو دیکھوں تو روح سرشار ہوجاتی ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں، وہ بے مثل ہے..... وہ ذات جو ہمیں نوازنے کے بہانے تلاش کرتی ہے۔

میں نے اس کو جانا..... اس کے کلام سے..... میں نے اس کو پہچانا، اس کی تخلیق سے، میں نے اسے مانا..... اپنی تدابیر کے ادھورا رہ جانے سے۔ وہ دل میں اتر آیا، اپنے ودود ہونے کی صفت سے..... دل میں آبسا..... کہ یہ اسی کا مقام ہے..... آپ صفاتِ خداوندی پر جتنا غور کرتے جائیں اتنا ہی زیادہ اور سب سے بڑھ کر اللہ کو اپنا دوست پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کامیاب زندگی گزارنے کے طریقے بتائے کہ دنیا کی زندگی ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں ہے اس کے بعد آخرت کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد ہے کہ انسان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرے اور یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے کیا احکامات ہیں..... کیا تعلیمات ہیں.....؟ اس کی ہدایت کیا ہے؟ بھلائی کس طریقے پر حاصل ہوگی، یہ تمام باتیں سمجھانے کے لیے سلسلۂ ہدایت شروع کیا اور ہر امت کے لیے نبی، رسول اور پیغمبر بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو نیکی کا اور سچائی کا راستہ بتائیں اور برائیوں سے روکیں..... تمام انبیا ایک ہی مشن لے کر آئے کہ خدائے واحد کی بات کریں سب نے جس دین کی طرف بلایا وہ دین حنیف اسلام ہی تھا۔

بنی نوع انسان کو تاریکی جہالت سے نکالنے کے لیے اپنے محبوب ترین رسولؐ کو ہمارے لیے بھیجا..... اس کائنات میں جس شخصیت کو بھیجا جن کا مثالی کردار زندگی کے ہر شعبے میں کامل رہنما کا درجہ رکھتا ہے۔ روزمرہ کے کھانے پینے کے آداب سے لے

کر رہن سہن، میل ملاپ، تجارت کی اونچ نیچ سے سیاست کے پیچ وخم تک وہ کون سی جگہ ہے، مقام ہے جہاں ایک ہی ذات، ایک ہی نام..... مجسم اخلاقی پیکر بنا ہوا لوگوں کو تقلید کی دعوت دیتا نظر آتا ہو..... ذات کا کوئی پہلو ہو..... زندگی کا کوئی گوشہ ہو..... دنیا کا کوئی مسئلہ ہو..... ایک ہی نام ہے جو ہر وقت ہر جگہ محبتوں کے پھول کھلاتا اور ہمیں فلاح کا راستہ دکھاتا نظر آتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ نام خدائے بزرگ و برتر کے بعد کائنات کا سب سے بڑا اور محترم نام ہے۔ یقیناً یہ نام اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس نام کی عظمت و بڑائی کے سامنے کائنات کی ساری رفعتیں اور اس عالم رنگ و بو کی ہر چیز کم تر اور ہیچ ہے۔

جو اپنے رب کے محبوب ہیں، جن کے ذکر سے قلب ونظر منور ہو جائیں تو اے میرے رب..... درود و سلام ہو اس عظیم ہستی پر یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تیرے حبیب اور محبوب ہیں۔

اپنے پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ سیرت مقدسہ کی تحریروں کو پڑھتے وقت ادب و احترام لازم ہے بہتر یہ ہے کہ پڑھنے سے پہلے درود وسلام ایک بار پڑھ کر اس کا مطالعہ کریں اگر باوضو ہوں تو سبحان اللہ.....

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہِ رسل، امتوں کے شفیع، دو جہاں کے سردار، ہدایت کا نور، اللہ کے حبیب..... لوگوں کے سردار مقصود تو صرف حضورؐ کی ذات ہے باقی تو سب طفیلی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ''اور مجھے حضورؐ کے احوال اور صفاتِ ذات اور ان کی تحقیق میں کلام کرنے میں حرج تمام ہے کیونکہ وہ میرے نزدیک متشابہات سے متشابہ ترین ہیں جو ان کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو شخص جتنا کہتا ہے وہ اپنے قدر اور فہم و دانش کے اندازے کے مطابق کہتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے فہم و دانش سے برتر بلند و بالا ہیں..... وہ اس سے بلند ہیں کہ خیال میں آئیں..... صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو جیسا کہ وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ خدا کو جیسا جاننا چاہیے انؐ کے بغیر کسی نے نہ جانا.....

''کسی کو رسول اقدسؐ کے بلند مرتبے اور مقام اقدس کے پالینے اور دریافت کرنے کی طاقت نہیں۔''

''حضورؐ کا چہرہ شریف اللہ تعالیٰ کے جمال کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی انوار کا مظہر ہے۔''

حضور اکرمؐ کے اتنے فضائل اور کمالات ہیں کہ اگر تمام انبیائے کرام کے سب فضائل کو جمع کر کے حضورؐ کے پہلو میں رکھیں تو حضورؐ کے فضائل ان سب پر غالب آئیں۔

''تمام مخلوق کی سمجھ انبیا علیہم السلام کے کمالات میں حیران ہے اور تمام انبیا علیہم السلام کی سمجھ حضور پاکؐ کے کمالات میں حیران ہے دوسرے انبیا کے کمالات محدود اور مقرر ہیں لیکن حضورؐ میں حد اور تعین کی گنجائش نہیں ہے اور خیال و قیاس کو حضور اکرمؐ کے کمالات کے علم میں راہ نہیں ملتی۔''

مولائے کائنات حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''آپؐ کی تعریف کرنے والا جب آپؐ کی تعریف کرنے سے عاجز آتا تو یہ کہتا کہ میں نے حضورؐ سے پہلے اور حضورؐ کے بعد حضورؐ جیسا نہ دیکھا اور اسی وجہ سے کسی فتنہ اور مصیبت میں پڑ کر بے عقل نہ ہو حالانکہ حضورؐ کو کل حسن عطا ہوا۔''

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ ''خبردار! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے بزرگ و بلند و بالا ہیں کہ وصف آپ کے فضائل کا احاطہ کر سکے اور آپ اس سے اشرف ہیں کہ آپ کے جواہر کو نظم جمع کر سکے یا جڑے ہوئے پتھر۔''

حضرت امام قسطلانیؒ کا نورانی بیان..... ''حضور نبی اکرمؐ کو اپنی مثل کہنے والا اور نبی سے ہمسری کا دعویٰ کرنے والا اسے غور سے پڑھو۔'' جاننا چاہیے کہ حضورؐ

پر ایمان لانے کی تکمیل سے ہے کہ اس بات پر ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے بدن شریف کی پیدائش اس طریقے پر کی کہ حضورؐ سے پہلے اور حضورؐ کے بعد کسی آدمی کی خلقت اس طرح نہ ہوئی۔'' (حضورؐ خلقتاً بے مثل ہیں)

حضرت امام عبدالرؤف مناوی محدثؒ فرماتے ہیں کہ علمائے عظام اور آئمہ کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کمال ایمان یہ ہے کہ یہ اعتقاد ہو کہ کسی انسان کے بدن میں اُتنے محاسن ظاہرہ جمع نہ ہوئے جتنے کہ حضورؐ کے بدن شریف میں جمع تھے اور محاسنِ ظاہرہ محاسنِ باطنہ کی علامات ہیں محاسنِ باطنہ اور محاسنِ ظاہرہ میں کوئی حضورؐ سے اکمل نہیں بلکہ برابر بھی کوئی نہیں۔''

حضرت امام علامہ زرقانیؒ امام بوصیریؒ کے اشعار مذکورین میں سے اولین کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

''حضورؐ وہ ذات ہیں کہ جن کا باطن کمالات سے مکمل ہے اور جن کا ظاہر صفات سے مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا پیدا کر کے پھر اپنا محبوب بنا لیا۔ حسن میں کوئی حضورؐ کا شریک نہیں۔''

امام قسطلانیؒ اور امام زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ ''تو وہ کون ہے کہ جس کی طاقت اس قدر ہو کہ حضورؐ کے مرتبے کا اندازہ لگا کے بیان کر سکے'' یعنی کسی میں یہ قدرت نہیں کہ جو اُن تک پہنچ ہی نہیں سکتا تو ان کو وہ بیان کیسے کرے گا؟

''آپ شرفِ فضیلت میں اس درجے کو پہنچے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔''

بعض عارفوں نے تو یہاں تک فرمایا کہ ''مخلوق نے اللہ کو تو پہچان لیا لیکن حضورؐ کو نہ پہچان سکے۔''

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں..... ''اس بات کا یقین کر کہ حضورؐ کے فضائل کی تفصیل اور شمائل کی تحصیل ان چیزوں سے ہے جن کی حدیں اور جن کا شمار نہیں بلکہ یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کا شمار ہو سکے یا ان کی تہ تک رسائی ہو سکے۔''

امام محدث محمد عبدالرؤف مناویؒ فرماتے ہیں کہ ''جب خصالِ کمال اور صفاتِ جلال و جمال اس قدر حضورؐ میں ہیں کہ جن کی حد نہیں اور نہ ہی ان کا احاطہ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں حضورؐ کی توصیف فرمائی کہ

''اور بے شک تم اخلاقِ حسنہ عظیمہ (غیر متناہیہ) کے مالک ہو۔''

''بے شک حضورؐ کے فضائل بے حد ہیں۔''

اور آپؐ کی صفات کا شمار نہیں ہو سکتا۔ تو حضور سید المرسلینؐ کی کما حقہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضورؐ کے علمی و عملی صورتی و سیرتی حسن و جمال، فضائل و کمال، محامد و محاسن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔'' (سورۂ کوثر)

اور فضائل کثیرہ عطا کر کے تمام خلق پر افضل کیا۔ حسنِ ظاہر بھی دیا۔ حسن باطن بھی۔ شب عالی بھی۔ نبوت بھی۔ کتاب بھی۔ حکمت بھی۔ علم بھی۔ شفاعت بھی۔ حوضِ کوثر بھی۔ مقامِ محمود بھی۔ کثرتِ امت بھی۔ دین پر غلبہ بھی۔ اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائیں۔

آج ہم یہاں صرف حضورؐ کے معجزات کا ذکر کریں گے بلکہ کوشش کریں گے کیونکہ معجزات کا باب اس قدر فراخ ہے کہ اس کی تہ کو پانا ممکن نہیں اور اس کا استیعاب (احاطہ کرنا) متصور (تصور میں لانا) نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا و رسل علیہم السلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے ان کو معجزات عطا فرمائے۔

معجزے کی تعریف کرتے ہوئے علمائے اسلام نے تحریر فرمایا ہے:

''معجزہ اس امر کو کہتے ہیں جو عادت کے خلاف وقوع پزیر ہو اور معجزہ دکھانے والا منکرین کو اس معجزے کے ذریعے چیلنج کرے کہ اگر تم مجھے اللہ کا سچا رسول نہیں سمجھتے تو میرے چیلنج کو قبول کرو۔''

تو معجزہ اس کو کہا جاتا ہے جو عادت کے خلاف ہو۔ ایسے معجزات اللہ نے اپنے تمام انبیا و رسل کو عطا فرمائے۔ ان معجزات کو دیکھ کر وہ لوگ جن کے دلوں میں حق قبول کرنے کی ادنیٰ سی رمق بھی ہوتی وہ کفر سے باز آ کر حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے کرۂ ارض پر بسنے والے اپنے خلیفہ حضرت انسان کو بہت سی قوتوں سے نوازا ہے لیکن اس کی حدود مقرر فرمائی ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے کُن کہنے کی دیر ہے کہ اس کی منشا کے مطابق ہر چیز معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ اس کے اسباب کی حاجت نہیں..... میرے رب کی قوت و قدرت کا یہ عالم ہے کہ اگر انسان ایسا کام کرتا ہے جو اس کی طاقت میں نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ قوت اسے قادرِ مطلق نے عطا فرمائی ہے اور اپنی قوت کو کام میں لا کر یہ حیرت انگیز چیز بناتا ہے اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ تو ایسا کام جو انسان کے امکان میں نہ تھا وہ ایسا کام کر دکھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قادرِ مطلق کی دی ہوئی قوت سے کام کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو ہر طبقہ، ہر فرقہ، اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات معجزہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت معجزہ تھی۔ اور جو کتاب حضور پر نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بے حد و بے شمار ہیں..... اور ان میں سے کثیر تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ ہم ان بے شمار معجزات میں سے چند معجزات یہاں پیش کرتے ہیں..... اللہ تعالیٰ ان معجزات کے آئینے میں اپنے ہادی برحق راہبر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل دکھائے جس سے ہمارے دلوں کی دنیا آباد ہو جائے۔

☆ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزوں میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ جس کی ایک سورت بلکہ ایک آیت جیسی عبارت کوئی بھی نہیں بنا سکتا۔ اس میں آئندہ کی اور سچی، سچی غیب کی خبریں موجود ہیں۔

☆ ایک معجزہ یہ ہے کہ ہجرت کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں چھپے تو مکڑی نے اس غار کے منہ پر جال تن دیا تا کہ دیکھنے والوں کو لگے کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے۔

☆ ہجرت کے دوران سفر پر جب جا رہے تھے تو مکے کا مشہور شہسوار سراقہ بن مالک آپ کے بہت نزدیک پہنچ گیا لیکن اچانک ایسا ہوا کہ اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر گیا۔ پھر حضور کی طرف بڑھا لیکن چند قدم چلا کہ پھر ٹھوکر لگی اور اس کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ پہلے تو یہی سمجھا کہ گھوڑے کو اتفاق سے ٹھوکر لگی لیکن جب تیسری بار زمین پر گرا اور اپنے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنسے دیکھے تو سمجھ گیا کہ یہ کوئی غیبی طاقت ہی ہے جو اسے آگے بڑھنے سے روک رہی ہے تب اس نے بہت اونچی آواز میں کہا کہ ''میں سراقہ ہوں رک کر میری بات سن لیجیے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' پھر سراقہ نے اپنے آنے کی وجہ بتا کر کہا کہ ''اب میرا ارادہ بدل گیا ہے اب مجھے اونٹوں کا لالچ نہیں رہا.....'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا..... ''اے سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تجھے کسریٰ (ایران کے بادشاہ) کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' یہ ایک خوشخبری تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ کو سنائی۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے، چلتے ایک دیہاتی عرب بدو ابو معبد خزاعی کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس کی بیوی اُمِّ معبد خزاعی سے کچھ دودھ طلب کیا۔ اُمِّ معبد نے کہا کہ ہمارے پاس ایک ہی بکری ہے جو بہت کمزور ہوگئی ہے اور دودھ بالکل سوکھ گیا ہے۔ یہ بات سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اپنا مبارک ہاتھ لگایا تو تھنوں میں اتنا دودھ بھر گیا کہ سب نے پیٹ بھر کر دودھ پیا..... ابو معبد جب واپس آیا تو بیوی نے پوری بات بتائی تو وہ بولا کہ یہ مبارک مسافر ضرور وہی رسول ہیں جن کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ اس زمانے میں پیدا ہوں گے۔''

☆ حضرت حبیب بن فدیکؓ کے والد کی آنکھوں میں ایک سفید داغ پڑ گیا جس سے وہ نابینا ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر دم کیا تو اسی وقت ان کی آنکھوں میں روشنی (بینائی) واپس آ گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں 80 برس کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈالتے ہوئے دیکھا۔

☆ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ''سیدھے ہاتھ سے کھاؤ.....'' اس نے کہا کہ ''میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا.....'' جبکہ اس کا سیدھا ہاتھ صحیح تھا لیکن محض تکبر کی وجہ سے اس نے یہ بات کہی..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا..... ''تو سیدھے ہاتھ سے کھانا نہ کھا سکے گا.....'' چنانچہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا وہ ساری زندگی اپنا سیدھا ہاتھ منہ تک نہ لے جا سکا۔

☆ حضرت حمزہؓ نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصلی صورت دکھائیں..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... آپ دیکھ نہ سکو گے..... انہوں نے فرمایا کہ آپؐ دکھا دیجیے..... حضور نے فرمایا..... بیٹھ جائیں..... اور وہ بیٹھ گئے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کعبہ پر اتر آئے حضورؐ نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا کہ دیکھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جسم سبز زمرد کی طرح چمکدار ہے۔ حضرت حمزہؓ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ راستے میں ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ گاؤں والے حضورؐ کی آمد کا سن کر استقبال کے لیے باہر تشریف لے آئے اور انتظار کرنے لگے۔ حضورؐ کے آنے پر انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گاؤں میں ایک نوجوان عورت ہے جس پر ایک جن عاشق ہو گیا ہے اب نہ وہ کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ عورت بہت خوب صورت تھی حضورؐ نے اسے بلایا اور فرمایا..... ''اے جن! تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میں اللہ کا رسول محمدؐ ہوں اس عورت کو چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ فرماتے ہی وہ عورت ٹھیک ہو گئی اور اس نے اپنے منہ پر نقاب ڈال لیا۔

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم حدیبیہ میں پہنچے تو وہاں ہمیں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا ڈول رکھا تھا۔ جس سے حضور وضو فرما رہے تھے۔ لوگ جب وہاں پہنچے تو حضورؐ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے یہ بھگدڑ کیوں مچا رکھی ہے؟ عرض کی..... یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے پاس پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں جس سے ہم پیاس بجھا سکیں یا وضو کر سکیں..... سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس چمڑے کے ڈول میں ڈال دیا اور فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ ہم سب نے خوب اس سے سیر ہو کر پیا اور بڑی تسلی سے وضو کیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ کتنی تعداد تھی؟ آپؓ نے فرمایا۔ ''اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا..... انگلیوں سے پانی کے چشموں کا ابلنا یہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔

☆ حضور اقدسؐ آرام فرما تھے..... حضورؐ کا سر اقدس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر تھا۔ حضرت

علیؓ نے ابھی عصر کی نماز ادا نہ کی تھی..... لیکن آپؓ نے یہ جسارت نہ کی کہ اپنے آقا کو بیدار کردیں۔ چنانچہ سورج ڈوب گیا۔ اس کے بعد حضورؐ بیدار ہوئے تو پتا چلا کہ حضرت علیؓ کے چہرے مبارک پر اپنی نماز کے رہ جانے کا دکھ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی۔

''ارے میرے اللہ! علیؓ تیری اطاعت اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا۔ مہربانی فرما کر سورج کو واپس لوٹا دے تاکہ تیرا یہ بندہ نمازِ عصر ادا کرسکے۔'' حضرت اسما فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا کہ وہ غروب ہوگیا تھا پھر میں نے دیکھا کہ وہ پھر طلوع ہوگیا..... حضرت علیؓ اٹھے وضو کیا اور نمازِ عصر ادا کی..... پھر سورج غروب ہوا۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا جو معجزہ شق القمر کے نام سے مشہور ہوا۔

☆ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کسی کو بھیجا..... اس نے اللہ تعالیٰ اور حضور کی شان میں گستاخی کی اور کہا..... رسول اللہ کون ہوتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کون ہیں؟ سونے کا چاندی کا یا تانبے کا؟ ایک دم اس پر بجلی گری اور اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا..... حضور مکہ سے باہر کسی طرف نکلے میں بھی حضورؐ کے ساتھ تھا۔ راستے میں جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا وہ کہتا..... ''السلام علیک یا رسولؐ اللہ.....''

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھوڑے چھوارے لایا اور عرض کیا..... کہ ان چھواروں میں برکت کی دعا کیجیے..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھواروں کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا.....

''انہیں اپنے توشہ دان میں ڈال لو جب تمہارا دل چاہے اس میں سے ہاتھ ڈال کر نکال لینا مگر اسے جھاڑنا مت.....'' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ان چھواروں میں ایسی برکت ہوئی کہ میں نے اتنے من چھوارے اللہ کی راہ میں خرچ کیے اور اس میں سے خود بھی کھاتا رہا اور اوروں کو بھی کھلاتا رہا۔ وہ توشہ دان ہمیشہ میری کمر کے ساتھ بندھا رہتا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن (تقریباً 30 سال بعد) میری کمر سے وہ کٹ کر گر گیا۔

☆ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا میں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں..... تب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... مجھے اس کی قبر دکھاؤ..... وہ شخص حضور کو لے گیا اور اس کی قبر پر کھڑا کردیا..... اللہ تعالیٰ کے محبوب رسولؐ نے اس کا نام لے کر اس کو بلایا فرمایا..... یَا فُلَانَۃُ! اس نے سیکڑوں من مٹی کے نیچے سے جواب دیا۔ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ..... ''یا رسول اللہ! حضورؐ کی یہ خادمہ حاضر ہے..... ساری سعادتیں آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔''

حضورؐ نے فرمایا..... کیا تو یہ پسند کرتی ہے کہ تو واپس دنیا میں آجائے.....؟ اس نے عرض کی..... یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں، باپ سے زیادہ رحمت وشفقت کرنے والا پایا ہے اور آخرت کو دنیا سے کہیں بہتر پایا ہے۔

☆ ایک روز حضرت جابر بن عبد اللہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کے چہرے کی رنگت متغیر ہے فوراً واپس پلٹ کر اپنی زوجہ کے پاس آئے اور بولے کہ میں نے آج رسولؐ اللہ کا چہرۂ مبارک دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پیہم فاقہ کشی سے چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی ہے کیا تمہارے پاس

کھانے کی کوئی چیز ہے جو میں بارگاہِ رسالت میں پیش کروں......؟ اس نے کہا کہ بخدا ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ ہے اور کچھ بچے ہوئے جو ہیں...... چنانچہ میں نے اس کو ذبح کیا اس نیک بخت نے جو پیسے پھر روٹی پکائی پھر اس کی ثرید بنائی پھر اس کھانے کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا...... حضورؐ نے فرمایا...... اے جابر......! اپنی ساری قوم کو بلا کر لے آ...... چنانچہ میں نے ان کو بلایا وہ کھانا کھا کر واپس چلے گئے جب لوگ کھانا کھاتے تو حضورت ہدایت فرماتے کہ گوشت کھاؤ لیکن ہڈیوں کو نہ توڑنا...... ہم سب کھانا کھا چکے تو ان ہڈیوں کو جمع کیا گیا حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک ان ہڈیوں پر رکھا پھر کچھ پڑھا جسے میں نے نہیں سنا پھر وہ ہڈیاں چشم زدن میں ایک ساتھ مل گئیں گوشت نے ان کو ڈھانپ لیا اور وہ بکری فوراً زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی...... حضرت جابرؓ نے بتایا یہ وہی بکری ہے جس کو ذبح کر کے ہم نے حضورؐ کی دعوت کی تھی۔ بے ساختہ اس نیک بخت کی زبان سے نکلا...... اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ...

☆حضور کی بارگاہ اقدس میں ایک نوجوان پیش کیا گیا۔ جو بالکل گونگا تھا آج تک اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا...... مَن اَنَا...... اے نوجوان......! بتاؤ میں کون ہوں......؟ اس گونگے نے جو شکم مادر سے ہی گونگا پیدا ہوا تھا جھٹ سے کہا...... ''اَنتَ رَسُولُ اللہ...... آپ اللہ کے سچے رسول ہیں......'' ایک گونگے کو چشم زدن میں گویا کرنا اللہ کے محبوب کا عظیم الشان معجزہ تھا۔

☆حضرت قتادہ بن نعمانؓ جنگِ احد میں شریک ہوئے جنگ میں آپ کو تیر لگا جس سے آپ کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ نکلا...... آپؓ نے اس ڈھیلے کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور بارگاہِ نبوت میں عرض کیا...... میری آنکھ پر نظرِ کرم فرمائیں...... حضورِ اکرم نے اس ڈھیلے کو لیا اور آنکھ میں اس کے مقام پر رکھ دیا پھر دعا دی۔ ''یا اللہ اس کے چہرے کو حسین وجمیل بنا دے......'' حضور کی برکت سے ان کی ضائع شدہ آنکھ ٹھیک ہوگئی۔

☆قبیلہ خشعم کی ایک خاتون اپنے بچے کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... یہ بیمار ہے بات نہیں کر سکتا...... رحمتِ عالم نے پانی منگوایا کلی کی اور اپنے دست مبارک کو دھویا اور وہ دھوون اس بچے کی ماں کو دیا اور فرمایا۔ ''یہ پانی بچے کو پلا دو......'' اور حضور نے اپنا دستِ مبارک اس کے اوپر پھیرا وہ بچہ فوراً شفایاب ہوگیا اور اپنے زمانے کے دانشوروں اور عقلمندوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

☆قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ کلثوم بن حصینؓ فرماتے ہیں...... میری گردن پر تلوار کی ضرب لگی...... میں حاضرِ خدمت ہوا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک میرے اس گہرے زخم پر لگایا تو اسی وقت میرا زخم ٹھیک ہوگیا اور میں صحت یاب ہوگیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کو اپنے دستِ مبارک سے چھو لیتے اس کی حالت بدل جاتی۔ بیماریاں اور لاعلاج امراض دور ہو جاتے تھے۔ حضور کے لعب و دہن سے زخم ٹھیک ہو جائے۔

☆حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک تھے وہ جب بھی یہ ٹوپی پہن کر کسی جنگ میں شرکت کرتے تو ہمیشہ مظفر و منصور ہوا کرتے تھے۔

☆حضورؐ کی دعاؤں کی شانِ قبولیت کا یہ عالم تھا کہ چند کلمات اپنے رب کریم کی بارگاہ میں عرض کیے اور لوگوں کی بگڑی بنا دی۔ شقاوت کو سعادت میں بدل دیا۔

☆سب سے بڑا معجزہ تو واقعۂ معراج ہے کہ چشم زدن میں آسمانوں تک کا سفر...... اور اس مقام پر پہنچے کہ جہاں جبرائیلؑ رک گئے اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تک پہنچے۔ سبحان اللہ...... مگر اس کی تفصیل

کے لیے تو دفتر کے دفتر چاہئیں۔ (ان شاء اللہ پھر کبھی سہی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک نے بہت سوں کو شفا عطا کی اور ان کی برکت سے بکری نے دودھ دیا۔ پتھر بول اٹھے۔ شاخوں اور درختوں پر پتے اگ آئے۔ ان ہاتھوں نے مٹی پھینکی تو کافر قوم اندھی ہوگئی۔ ان کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن سے پانی کی مٹھاس بڑھ گئی۔ کھجور کا تنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی سے رونے لگا۔ بھیڑیے اور گوہ نے رسالت کی گواہی دی۔ اونٹ نے اپنے مالک کے ظلم کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑے لشکر کو صرف ساڑھے تین سیر کھانا کھلا کر سیر کر دیا۔

قرآن کریم کا ایک یہی معجزہ کافی ہے کہ اسے ایک طویل زمانے تک لکھا جاتا اور تلاوت کیا جاتا رہے گا۔ قرآن وہ شفا ہے جس سے دل زندہ ہوتے ہیں۔

تو اے مخاطب! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو تم اسی وقت گن سکتے ہو جب تم ریت کے ذرّوں اور کنکریوں کو گن لو گے..... آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے کثرت سے معجزات ہیں کہ ان چند صفحات پر ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا..... اور سچ جانیے ان کا تو حق پوری، پوری کتابیں لکھ کر بھی ادا نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درود وسلام کے بعد عرض ہے کہ تعظیم و تعریفِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھ چڑھ کر کرنی چاہیے..... کیونکہ حضورؐ کے فضائل اور کمالات اور معجزات کی کوئی حد نہیں..... آخر میں حضرت عبدالمصطفیٰ اعظمیؒ کی دعا کے چند اشعار جو ہمارے بھی دل سے نکلے ہیں اللہ کریم ہمارے حق میں قبول فرمائے..... مولا کریم اس کنیز کو ہمیشہ، ہمیشہ حضور کی حاضری میں رکھے اور خاتمہ ایمان پر ہو..... آمین۔

اے خداوندِ جہاں اے کردگار
تیری رحمت کا ہوں میں امیدوار
تو نے ایسا فضل مجھ پر کر دیا
رحمتوں سے میرا دامن بھر دیا
اے خدا جب تک رہیں لیل و نہار
دو جہاں میں ہو یہ میری یادگار
غنچۂ امید کھل کر پھول ہو
نور کی سرکار میں مقبول ہو
آنکھ روشن پڑھ کے ہر دل سیر ہو
اور میرا خاتمہ بالخیر ہو
ہوں میرے ماں، باپ یا رب جنتی
از طفیل رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِی
میرے سب استاد بھی احباب بھی
جنت الفردوس پا جائیں سبھی
کر دعا اعظمی (ہم سب کی) یارب قبول
بہرِ اصحاب نبی آل رسول
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
(آمین)

حرفِ آخر:

اے میرے رب کریم! تیرے محبوب کی شان میں ٹوٹا پھوٹا جو کچھ لکھنے کی کوشش کی اے میرے رب..... انتہائی ادب اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ دعا گو ہوں کہیں کمی، کوتاہی، کم علمی یا بشری تقاضے کے تحت ہوگئی ہو تو مالک مجھے معاف کر دے۔ درگزر فرما دے..... یا الٰہی معاف فرما دے۔ (آمین) ان عظیم ترین ہستیوں کے لیے دعاگو ہوں کہ جن کی کتب سے میں نے ان مضامین کا انتخاب کیا اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند فرمائے..... آمین۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا..... اے میرے رب تیری یہ کنیز تجھ سے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی شرمندہ ہے۔

تمام پڑھنے والوں کے لیے دعائے خیر کے ساتھ اجازت.....

انداز نو

بنتِ زیب

ہر فن مولا، اپنے کام سے
مخلص و منصف، مجسم اخلاص
آصف الیاس
سے خوشگوار نشست

راہِ عمل میں جذبہ کامل ہو جس کے ساتھ
خود اس کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی
آصف الیاس بھی اسی شعر کے مصداق ہیں...

نوعمری ہی سے لگن اور مہارت کے ساتھ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فنونِ لطیفہ کی مختلف شاخوں میں اپنے مصمم عزم، عملِ پیہم اور ان تھک

محنت سے کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ اگر آصف کا جوش خطابت قابلِ سماعت ہے تو آپ کے قلم کی کاٹ بھی اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہے۔ کامیاب اداکار ہیں۔ مکالموں کی ادائیگی میں دسترس حاصل ہے۔ مصوری اگر کمال کی ہے تو کارٹون بھی بہت عمدہ بناتے ہیں۔ ڈبنگ ہو یا وائس اوور غضب کی مشاقی دکھاتے ہیں۔ عمدگی سے اردو، انگریزی، سندھی زبانوں میں وائس اوورز کیں۔ اپنے ہیومنسٹ تھیٹر گروپ کے علاوہ اوروں کے لیے بھی ہدایتکاری کے جوہر دکھائے۔ زرخیز تخلیقی ذہن کے حامل آصف الیاس آج کل ایڈآرٹس ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں بحیثیت کاپی رائٹر اور وائس اوور آرٹسٹ اپنی منصبی ذمّے داریاں خوش اسلوبی سے نباہ رہے ہیں۔ کامیابی کے اس سفر میں آصف الیاس نے متعدد اعزازات بھی حاصل کیے۔

☆ تدریس کے شعبے میں آرمی پبلک اسکول بیسٹ ٹیچر ☆ دی اسکول آف ڈرامیٹک آرٹس تھیٹر ڈائریکٹر، سندھ مدرسۃ الاسلام ڈراما ڈائریکٹر ایوارڈ ☆ تقریری مقابلوں میں میٹرک بورڈ کی جانب سے سلور اور گولڈ میڈل ☆ محکمۂ تعلیم حکومت سندھ کی جانب سے فرسٹ پرائم منسٹر ایوارڈ۔ مصوری میں اینٹی نار کارٹکس ایوارڈ ☆ کل پاکستان مقابلۂ پوسٹر سازی میں پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کی جانب سے پہلا انعام ☆ ریڈیو پاکستان کی جانب سے جشنِ طلبا ایوارڈ ☆ پاکستان ڈیبیٹنگ سوسائٹی کی جانب سے بچوں کی دنیا کے بھائی جان ایوارڈز، مسلسل دس سالہ بطور میزبان بھائی جان (بچوں کی دنیا) خدمات پر اعزازی سند ☆ بچوں کے لیے پی ٹی وی میں قائداعظم کے یوم پیدائش پر ادارہ اور ایوان صدر کی جانب سے توصیفی سند ☆ ہمدرد نونہال اسمبلی میں مسلسل تین سال پارلیمانی تھیٹر کرنے پر ہمدرد ایوارڈ ☆ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور محکمہ ثقافت کی جانب سے بہترین اداکار کا ایوارڈ ☆ تھائی لینڈ (بنکاک) میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے موضوع پر تھیٹر کرنے پر سماجی تنظیم مددگار انٹرنیشنل ایوارڈ ☆ پہلا اسلامی تھیٹر ''رہنما'' پر منہاج القرآن ثقافتی ایوارڈ ☆ حکومت سندھ کی جانب سے یوتھ ایوارڈ ☆ پاک رشیا فرینڈ شپ سوسائٹی ایوارڈ ☆ چھاتی کے سرطان پر پہلا پروگیم تھیٹر کرنے پر لیاقت نیشنل اسپتال اونکولوجی ایوارڈ وغیرہ ☆ ارطغرل کے بعد شروع ہونے والے ڈراما یونس ایمرے میں طبیب میکال کا کردار صدا بند کروا رہے ہیں۔

''کئی بہنوں اور بھائیوں کے ''آصف بھائی'' اپنی بہنوں کے اکلوتے، لاڈلے بھائی ہیں لیکن سر چڑھے ہرگز نہیں۔ اپنے اخلاص، اخلاق اور منکسر المزاجی سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور دل تو آصف نے اپنی شریکِ حیات اسما آصف کا بھی موہ لیا۔ آپ بھی آصف الیاس کے فن کے قدردانوں

جرمن کونسلر سے صادقین ایوارڈ میں اعزازی سند لیتے ہوئے

میں سے ایک ہیں۔ ایسی قدر دان جو برملا اظہار رائے سے گریز نہیں کرتیں اور یہ صفت تو آصف الیاس میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

مزید جاننے کے لیے پڑھتے ہیں ہمارے سوالوں کے جواب میں آصف الیاس کے اثبات و انکار اور ان کے جواز.....

❁ میرا بچپن بہت یادگار تھا!

◯ جی ہاں۔ میرا بچپن بہت یادگار تھا۔ کیونکہ اپنے ابو کو خوش اور امی کو تنگ بہت کیا۔

❁ بچپن میں بہت ہی کام چور تھا!

◯ نہیں۔ میں کام چور نہیں کام سے کام رکھنے والا بچہ تھا۔

❁ بچپن میں بہت ہی معصوم بچہ تھا۔ ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا!

◯ نہیں۔ نام بدل کر ''آصف'' رکھنے کے بعد میں اتنا شریر ہو گیا تھا کہ جب تک امی سے پٹائی نہ ہو کونے میں چپ نہیں بیٹھتا تھا۔

❁ اسکول نہ جانے کے ۱۰۱ بہانے مجھے ازبر تھے!

◯ نہیں۔ کیونکہ میں ہمیشہ خوشی خوشی اور شوق سے اسکول گیا۔

❁ میری کھلنڈری طبیعت سے گھر بھر عاجز تھا!

◯ نہیں۔ کھلنڈری تو نہیں، البتہ کبھی کبھار میری فنکارانہ طبیعت سے عاجز ہوتے تھے کہ کبھی کسی کی نقالی تو کبھی گلوکاری، کبھی اداکاری وغیرہ۔

❁ بہار کے موسم میں میری شوخیاں عروج پر ہوتی ہیں!

◯ نہیں۔ کیونکہ میری مستیاں اور شوخیاں بہار کی محتاج نہیں، نہ ہی کسی خاص وقت اور عمر کی۔

❁ موسم گرما میں بلاوجہ ہی موڈ خراب رہتا ہے!

◯ نہیں۔ کیونکہ میرا موڈ کسی موسم کی وجہ سے یا بلاوجہ خراب نہیں ہوتا۔

❁ بارشیں تو بس بچپن ہی کی اچھی تھیں!

◯ ہاں۔ کیونکہ بچپن کی بارشوں میں ندی نالے اور شٹر بہتے تھے، اب تو شاہراہیں اور گٹر بہتے ہیں۔

❁ اگر جو کبھی میں خاموش ہو جاؤں تو لوگ خود ہی سمجھ جاتے ہیں بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے!

◯ نہیں۔ کیونکہ خاموش بہت ہی کم ہوتا ہوں، اور طوفانی میری طبیعت نہیں۔

❁ میری زندگی میں کوئی کمی ہی نہیں!

◯ ہاں۔ سوائے کیلشیم کے خیر یہ تو مذاق کی بات ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ امی کی کمی محسوس کرتا ہوں اور یہ وہ خلا ہے جو کوئی نہیں بھر سکتا۔

❁ کبھی کبھی میں بہت بداخلاق ہو جاتا ہوں!

◯ ہاں۔ لیکن لوگ اسے بھی میری جانب سے اصلاح لے لیتے ہیں اور میں اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہوں۔

❁ ان خوش بختوں میں سے ایک ہوں جس کا دامن محبتوں سے مالا مال ہے!

◯ جی۔ الحمدللہ۔

❁ محبت عزت سے ملے تو اثاثہ ورنہ سراسر تماشا!

◯ ہاں۔ کیونکہ محبت اور عزت لازم و ملزوم ہیں۔

❁

اپنے بھی خفا مجھ سے ہے بے گانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

◯ ہاں۔ کیونکہ ہم ہر ایک کو خوش نہیں رکھ سکتے

❁ سنگار پر مردوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ خواتین کا!

◯ نہیں۔ عورت کے لیے سنگار مرد کے لیے سگار (وہ بھی شو مارنے کے لیے)

❁ صبح سویرے اٹھنا میرے بس کی بات نہیں!

◯ ہاں۔ لیکن آرمی پبلک اسکول اور سندھ مدرسہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات کے لیے علی الصباح جاگتا تھا۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کی والدہ سے بہترین مقرر کا اعزاز لیتے ہوئے

❁ نصیحت مجھے زہر لگتی ہے!

☾ نہیں۔ لیکن اگر وہ فرد (مرد وعورت) نصیحت کرے جسے خود اصلاح درکار ہے۔ تب زہر لگتی ہے۔

❁ عادت کی بات اور ہے دل کا برا نہیں ہوں!

☾ ہاں۔ یہ میں نہیں مجھ سے واقف کہتے ہیں۔

❁ میرے ہر خواب نے میرا جذبہ عمل بیدار کیا!

☾ ہاں۔ دلچسپ بات خواب نہیں دیکھے لیکن تعبیریں پائی ہیں اور پا رہا ہوں۔ الحمدللہ

❁ ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا!

☾ ہاں۔ لیکن اگر وہ اور آپ سے اوڑ اور کر کے کام کرواتے رہیں تو بہتر ہے آپ دوسروں کے کام آئیں۔

❁ روٹھنے میں کمال ہوں تو منانے میں مشاق ہوں!

☾ نہیں۔ کیونکہ نہ میں کمال ہوں نہ مشاق، میں آصف الیاس ہوں۔

❁ بھوک کا اتنا کچا ہوں کہ اللہ کی پناہ!

☾ نہیں۔ البتہ چٹورا اتنا ہوں کہ اللہ کے بندے پناہ مانگتے ہیں۔

❁ دسترخوان پر بیٹھا نہ ہو تو دسترخوان خالی، خالی لگتا ہے!

☾ ہاں۔ لیکن نہ ہو تو میں میٹھی باتوں سے دل بہلا لیتا ہوں۔

❁ بچپن ہی سے بھائی بھلکڑ مشہور ہوں!

☾ نہیں۔ میں صرف ''بھائی'' مشہور ہوں (ماسوائے اپنی شریک حیات کے)

❁ میری فرمانبرداری بھی مثالی ہے!

☾ ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ الحمدللہ

❁ لوگوں میں آسانیاں تقسیم کرنے کی عادت ہے مجھے!

☾ ہاں۔ ضرب، جمع، تقسیم میں کچا ہوں۔ لیکن آسانیاں بانٹنے میں خدا کے فضل سے پکا ہوں۔

❁ روایت اور جدت کو ساتھ لے کر چلتا ہوں!

☾ ہاں اور نہیں۔ یعنی روایت پسند ہوں، جدت ساتھ لے کر نہیں چل پاتا (کیونکہ اب بیگم کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔)

❁ میں نے اپنی ہر ناکامی سے حصولِ کامیابی کا درس لیا ہے!

☽ ہاں۔ اور الحمدللہ اس کے بعد مجھے ڈھیروں کامیابیاں ملیں۔

❁ خوش باش انسان ہوں!

☽ ہاں احباب تو یہی کہتے ہیں کہ میں خوش باش ہوں اور ارطغرل غازی دیکھنے والے کہتے ہیں ''میں کوچا باش ہوں'' (کیونکہ یہ منفی کردار میری آواز میں صدا بند ہے۔

❁ معاف کرنے میں جلدی کرتا ہوں!

☽ ہاں۔ لیکن اکثر اس میں کبھی کبھار والی تاخیر ہو جاتی ہے۔

❁ باورچی خانے میں چلا جاؤں تو سب تلپٹ کر دیتا ہوں!

☽ شادی سے پہلے اسی لیے بہنیں نہیں جانے دیتی تھیں، شادی کے بعد بیگم اسی لیے جانے دیتی ہیں کہ ''کر کے دکھاؤ تلپٹ!''

❁ امی کی باتیں اور یادیں میری سب سے بڑی طاقت ہیں۔

☽ بالکل اور اسی لیے اب تک حوادثِ زمانہ کے باوجود میں کمزور نہیں پڑا۔ شکر الحمدللہ۔

کل پاکستان مقابلہ پوسٹر سازی میں فاطمہ ثریا بجیا سے پہلا انعام لیتے ہوئے

❁ موقع کوئی بھی ہو تاخیر مجھ سے برداشت نہیں ہوتی!

☽ نہیں۔ ہو جاتی ہے کیونکہ میں خود بہت بڑا لیٹ لطیف ہوں (جبھی تو اپنے ذاتی، نکاح، بارات اور ولیمہ میں تاخیر سے پہنچا)

❁ بات کا بتنگڑ بنانا کوئی مجھ سے سیکھے!

☽ نہیں۔ کیونکہ اس کا انسٹی ٹیوٹ میں نے نہیں کھولا نہ ہی بتنگڑ یعنی جرح مجھے پسند ہے۔

❁ تحفے دیتا کم اور لیتا زیادہ ہوں!

☽ نہیں۔ سب جانتے ہیں میں حد درجہ کنجوس ہوں، تحفے بالکل نہیں دیتا اور کوئی دے تو منع بھی نہیں کرتا۔ (دل بھی تو نہیں توڑنا)

❁ سیرت کو صورت پر ترجیح دیتا ہوں!

☽ ہاں۔ الحمدللہ، جب لوگ میرے معاملے میں ایسا کرتے ہیں تو میں کیوں نہ کروں؟

❁ اسراف بے جا سخت ناپسند ہے!

☽ بالکل اور یہ تربیت والدین سے ملی ہے۔

❁ ہر کام منصوبہ بندی کے تحت کرتا ہوں!

☽ ہاں۔ لیکن زیادہ منصوبہ بندی کا قائل نہیں۔

❁ دعوتیں اڑانے سے زیادہ دعوتیں کھلانے میں لطف آتا ہے۔

☽ نہیں۔ کیونکہ مذاق اڑانے سے بہتر ہے دعوت اڑالی جائے، بچت بھی رہتی ہے!

❁ بہت ہی جلد باز واقع ہوا ہوں میں!

☽ نہیں۔ ورنہ شادی بیس سال پہلے ہو چکی ہوتی۔

❁ کاہل کیا بحرالکاہل ہوں میں!

☽ بالکل..... لیکن اب یہ بات کسی کو پتا نہ چلے۔

❁ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ورلڈ سوشل فورم میں میر واعظ عمر فاروق کا انٹرویو لینے کے بعد

☾ ہاں، لیکن اب وہ جوان رہے نہ وہ محبتیں
اس لیے اقبال سے معذرت کے ساتھ

شفقت مجھے ان نونہالوں سے ہے
ماں باپ کا نام جو کرتے ہیں بلند

✿ محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے!

☾ ہاں۔ بالکل اور اس کے بعد سلگ، سلگ کے چور، چور ہو جاتا ہے۔

✿ شوہر کے دل کا راستہ اس کے معدے سے ہو کر گزرتا ہے!

☾ ہاں۔ اور میرے دل کا راستہ اسی شاہراہ معدہ سے بڑے مزے سے گزرا ہے۔ الحمدللہ بلکہ ماشاءاللہ۔

✿ بیگم کے سامنے زبان نہ کھولنے والا شوہر ہی کامیاب شوہر ہے!

☾ ہاں۔ چاہے بیگم اختیار بھی دے دیں کہ آپ مجھے ڈانٹیں لیکن آپ چپ چاپ محبت بانٹیں۔

✿ بیگم کے ساتھ خریداری کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے!

☾ ہاں۔ بس کر بہن رلائے گی کیا؟

✿ خواتین کی بھاؤ تاؤ کی عادت مجھے تاؤ دلا دیتی ہے!

☾ لیکن اس بھاؤ تاؤ میں اپنے تاؤ دینے کے بعد بیگم کا برتاؤ دیکھنے کے بعد دل خود کہتا ہے ''اور تپاؤ اور ستاؤ''۔

✿ بعض لوگوں کو غصے میں دیکھ کر خود بخود ہنسی آ جاتی ہے!

☾ ہاں۔ اور اس کا ثبوت میں خود ہوں۔

✿ یہ جملہ لوگ کیا کہیں گے ہمارے سماج کا مسئلہ ہی نہیں المیہ بھی ہے!

☾ ہاں۔ اور یہ ایسا المیہ ہے کہ اس سے اللہ ہی ہمیں بچائے! آمین۔

✿ بچپن میں پہلی مرتبہ بچوں کی دنیا میں شرکت کے لیے ریڈیو پاکستان کراچی کی عمارت میں جھجکتے ہوئے داخل ہوا تھا!

☾ نہیں۔ فخریہ نہا دھو کے عید کے کپڑے پہن کر گیا تھا۔

✿ بچے کسی کے بھی ہوں ان میں میری جان اٹکی رہتی ہے!

☾ ہاں۔ اسی لیے تو ''بچوں کی دنیا'' کا بھائی جان ہوں۔ (تقریباً بارہ سال سے)

✿ لڑکپن ہی سے ''بھائی جان'' کا اعزاز مل گیا تھا!

◯ نہیں۔ ہاں البتہ بچپن سے بھائی کا صیغہ لیے پھر رہا ہوں۔ بچوں کی دیا نے یہ اعزاز مجھے دیا کہ منی باجی (میری ریڈیو استاد) کے بعد اب میرا نام لیا جاتا ہے وگرنہ میں جانتا ہوں معروف بھائی جان ظفر صدیقی کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔

❁ پی ٹی وی پر جونیئر اسٹار کا اسکرپٹ لکھنے کا تجربہ بہت کامیاب رہا!

◯ ہاں۔ اور اتنا مزہ آیا کہ اس کے چار سیزن لکھے جبکہ تیسرے سیزن میں کردار تخلیق کیے اور اس میں سے ایک میں پرفارم بھی کیا!

❁ بیرون ملک بچوں کے لیے تھیٹر کرکے وطن کا نام روشن کیا۔

◯ ہاں۔ ضیا اعوان کی فلاحی تنظیم ''مددگار'' کے تعاون سے اقوام متحدہ کی جانب سے ہونے والے بنکاک (تھائی لینڈ) میں منعقدہ اجلاس میں ''بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی'' پر تھیٹر کیا اور پاکستان کی نمائندگی کا اعزاز حاصل ہوا۔

❁ تھیٹر کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ دورانِ کارکردگی رواں تبصرہ سننے اور دیکھنے کو مل جاتا ہے۔

◯ ہاں۔ اسی لیے تھیٹر میرا جنون ہے۔

❁ فلم آزاد نہ ہو تو لکھنے کا سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے!

◯ ہاں۔ مجھے یاد ہے 18 اکتوبر والے زلزلے کے سانحہ پر میرا ریڈیائی ڈرامے کا مسودہ اسی لیے مسترد ہوا تھا جبکہ اس کا اختتام مثبت تھا۔

❁ تھیٹر کے لیے اسکرپٹ لکھنے سے زیادہ مشکل کام ڈائریکشن ہے!

◯ نہیں۔ کیونکہ مجھے لکھنا مشکل لگتا ہے.... دراصل تھیٹر کا مسودہ ہی تو کھیل کی اصل روح ہے۔ اگر مکالمے بے جان ہیں تو اداکاری جتنی اچھی اور ہدایتکاری جتنی معیاری ہو ادا کیے جانے والے جملے سر سے گزر جائیں تو تھیٹر بے معنی ہے۔

❁ مزاح تخلیق کرنا بہت بڑی ذمے داری ہے!

◯ ہاں۔ کیونکہ اس میں بھانڈ پن، لچر اور جگت بازی سے پرہیز کرتے ہوئے معیاری مزاح لکھنا مزاح نگار کے ذہن و قلم کی ذمے داری ہے۔

❁ ادارت بالخصوص کسی تعلیمی ادارے کے مجلے کی ادارت جتنی دلچسپ ہے اتنی ہی مشکل بھی!

◯ ہاں۔ اور اس کا احساس اسکول اور کالج کے دیواری مجلے کی تیاری سے ہوا۔

❁ اشتہارات لکھتے وقت سینسر کی پابندی بہت گراں گزرتی ہے!

◯ نہیں۔ کیونکہ اب ہم عادی ہیں اور یہ نوکری کا حصہ ہے۔ ذہنی طور پر تیار رہتے ہیں۔ بلکہ اب تو پہلی بار کاپی منظور ہو جائے تو ہمیں کلائنٹ کے ہوش و حواس پر گمان ہونے لگتا ہے۔

❁ اشتہار بناتے ہوئے کبھی کبھی شدید تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جو مجھے سخت ناپسند ہے!

◯ ہاں۔ لیکن جہاں تنقید ہو وہیں اصلاح مضمر ہے تو میں تنقید سے اپنی اصلاح کا پہلو نکال لیتا ہوں۔

❁ اشتہار بناتے ہوئے کلائنٹ سے زیادہ اپنی تخلیقی صلاحیت پر بھروسا رکھتا ہوں!

◯ ہاں۔ لیکن اکثر کماؤ پوت کی خواہشات ماننی پڑ جاتی ہیں کہ اس کا اشتہار، اس کی مرضی۔ اور اس کی مرضی سے کس کو انکار۔

❁ ٹی وی کے لیے اشتہارات بنانا کارِ محال ہے!

◯ نہیں اور ہاں۔ مزہ بہت آتا ہے۔ لیکن یہ کام بہت ساری تکنیکی جزئیات پر مشتمل ہے اس لیے تھکا دیتا ہے۔

❁ جس اسکول سے پڑھا وہاں پڑھانے کا تجربہ بہت دلچسپ ہے!

◯ ہاں۔ دلچسپ ہی نہیں یادگار اور تاریخی بھی ہے کہ قائداعظم کی مادرِ علمی سندھ مدرسۃ الاسلام میں پڑھ کر پڑھانے کا شرف بہت کم افراد کو حاصل ہوا اور یہ اعزاز میرے حصے میں آیا۔ الحمدللہ۔

کل کراچی مقابلہ تقریر میں پہلی پوزیشن اور امی جان کی خوشی

❁ آرٹ ٹیچر بننا میری خواہش تھی!

◯ ہاں۔ کیونکہ آرٹ میرا پہلا عشق اور ٹیچر بننا میری سب سے پہلی خواہش تھی (اور اب تک ہے)

❁ مجھے اپنے شاگردوں سے شکایت ہے!

◯ نہیں۔ ریڈیو، پی ٹی وی، تھیٹر، مصوری، آرمی پبلک اسکول اور سندھ مدرسۃ الاسلام سے وابستہ ہر شاگرد میرا فخر ہے۔

❁ ٹیڑھے ترچھے خط کھینچنے کا خبط نوعمری میں بہت تھا!

◯ جی ہاں۔ بچپن میں ہی پتا چل گیا تھا کہ قلم (لکھنے والا) اور قلم (مصوری والا) دونوں سے میری پکی یاری ہے۔

❁ لڑکپن ہی سے میرے گھر کے در و دیوار میرے اداکاری کے شوق کے گواہ ہیں!

◯ نہیں۔ شعور سنبھالتے ہی پہلی صلاحیت مجھ پر مصوری کی آشکار ہوئی تھی اور میں نے اسی وجہ سے واقعتاً گھر کی ہر دیوار اپنے فن سے کالی کی اور اسے ڈرائنگ روم، میورل اور فن پارہ بنا دیا۔

❁ میری مصوری میں جان میرے تخیل سے پڑتی ہے!

◯ ہاں اور میں نے زیادہ تر تخیلاتی مصوری کی ہے۔

❁ قلم و قرطاس سے وابستہ ہونا میرا فخر ہے!

◯ ہاں۔ کیونکہ یہ میرا سرمایہ بھی ہے یعنی مددگار، سازگار اور روزگار۔

❁ محض مسلسل کوشش سے بنا کسی استاد کے کارٹون بنانے سیکھ گیا!

◯ جی نہیں۔ ماہنامہ ہمدرد نونہال اور ہمدرد صحت میں کارٹون بنانے لگا تو فرقان وہاب سے بہت سیکھا۔ اسی لیے اسے آج بھی ''گرو'' کہتا ہوں۔

❁ موضوع سامنے ہو پھر بھی ایک کارٹون بنانے میں سارا دن لگ جاتا ہے!

◯ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ کسی کی تصویر بنانی چاہی، اس میں سارا دن لگ گیا اور پورا دن کارٹون بناتا رہا۔

❁ ڈبنگ میں میرا پہلا تجربہ ایرانی فلم کا ہے!

◯ ہاں۔ ڈبنگ میں مجھے اعتصام الحق (ارطغرل غازی فیم) نے متعارف کرایا اور میں نے پہلی فلم ایرانی (حضرت یوسف علیہ السلام) ڈب کی تھی۔ پھر مختار نامہ میں۔ عمر سعد بن ابی وقاص کا کردار کیا اور سلسلہ چل پڑا۔

❁ سنبل آغا سے زیادہ بلبل آغا اور اس سے زیادہ گل آغا کی ڈبنگ میں پزیرائی ملی!

◯ نہیں۔ شہرۂ آفاق ترکی ڈراما ''میرا سلطان'' کے مشہور کردار ''سنبل آغا'' نے بطور ڈبنگ آرٹسٹ مجھے پاکستان ہی نہیں دنیا بھر میں پہچان دی۔ جس کے بعد ''بلبل آغا'' پھر ''میرا سلطان'' دوسرے چینل کے لیے دوبارہ ڈبنگ پر ''سنبل آغا'' کے علاوہ

''گل آغا'' کا بھی کردار کیا اور پزیرائی ملی لیکن ''سنبل آغا'' سے مجھے سب سے زیادہ توصیف ملی۔ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''آنگن ٹیڑھا'' میں ''سلیم ناصر'' کے کردار اکبر کی یاد دلا دی اس کردار کے لیے میں اپنے محسن ندیم اسد کا شکر گزار ہوں۔

❁ ارطغرل غازی میں بیک وقت باپ، بیٹے کے کردار کی ڈبنگ بہت مشکل تھی!

☾ ہاں۔ اور یہ کام مجھ سے کامران نقوی نے مہارت سے لیا، اس اعتماد پر خرم جمشید کا بھی شکر گزار ہوں۔

❁ پوسٹر بنانے میں مجھے کمال حاصل ہے!

☾ ہاں۔ اور اس سلسلے میں کراچی سے لے کر آل پاکستان لیول تک کے ایوارڈ اپنے نام کیے۔

❁ تشہیری اسکرپٹ لکھنے کا اپنا ہی لطف ہے۔

☾ ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں جنگل لکھنا ہو، کیپشن، کاپی یہ میرے لیے بہت مزے کا کام ہے۔

❁ میرا جوشِ خطابت قابلِ سماعت ہوتا ہے!

☾ ہاں۔ ہائے جب سندھ مدرسہ کی سماعت گاہ میں تقریر کرتا تھا تو تالیوں سے پورا ہال گونجتا تھا۔ سر واجد علی شاہ کی لکھی تقریر یہ جب سابق وائس چانسلر ڈاکٹر محمد علی شیخ کی داد ملتی تھی تو پورا اسکول رشک کرتا تھا۔

❁ وہ بھی کیا پل تھا جب تقریر کے دوران زبردست ہوٹ ہوا!

☾ نہیں۔ الحمدللہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کیونکہ تک بندی، اداکاری یہ میرا ہتھیار ہوتے تھے اور میں بچ جاتا تھا۔

❁ بزم ہمدرد نونہال کے تحت ہونے والے تقریری مقابلوں نے میرے شخصی اعتماد میں اضافہ کیا!

☾ نہیں۔ کیونکہ ریڈیو سے تربیت ملی تو اس کے زیرِ سایہ ادب سے دب کے رہا، اس میں بے باکی تھیٹر سے مشروط آئی۔

❁ حکیم سعید صاحب نے کبھی میری تعریف نہیں کی!

☾ نہیں۔ مسلسل تین سال تک نونہال اسمبلی میں تھیٹر کیا۔ اکثر حکیم سعید مجھ سے خوش ہو کر کہتے۔ ''تم بہت شریر ہوتے جا رہے ہو'' ''بھئی اسے انور مقصود سے ملواؤ''۔

❁ میری ماں نے اپنی شرکت سے میری کامیابی کو یادگار بنا دیا!

☾ ہاں۔ ایک آل کراچی مقابلۂ تقریر جس کی ریڈیو، پی ٹی وی میں تشہیر ہوئی اور اس نے اگلے دن مجھے ''فخرِ سندھ مدرسہ'' بنا دیا اور دوسرا کل پاکستان مقابلۂ پوسٹر جس میں اول انعام میں نے بجیا کے ہاتھوں سے لیا۔ موضوع ''ممتا اور زچگی'' تھا۔ میرے ہاتھ میں بھاری ایوارڈ، سند اور نقد اعزازیہ تھا۔ لیکن ان سب سے بھاری بھرکم خوشی یہ تھی کہ میری ماں میرے ساتھ تھی۔

❁ میں اپنی شاعری سے بالکل مطمئن نہیں!

☾ ہاں۔ کیونکہ مجھے تو ابھی تک بے تکی یا تُک بندی لگتی ہے لیکن اس کے باوجود میں نے اپنی بہنوں کے علاوہ کئی لوگوں کے (فرمائشی سہرے لکھے، بچوں کی دنیا (ریڈیو پاکستان) اور جونیئر اسٹار (پی ٹی وی) کڈز زون (پی ٹی وی) کے لیے گیت لکھے جو کمپوز ہو کر نشر بھی ہوئے۔

❁ میں اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں!

☾ بلاشبہ میری ماں۔ میری محسن ہے۔ اس کے بعد میری بہنیں، والد، اساتذہ اور ریڈیو پاکستان بچوں کی دنیا۔

❁ فنی دنیا میں میری کامیابی میں میرے مداحوں کا کردار بہت اہم ہے جب ہی تو میں ان سے کہتا ہوں!

☾ ہاں۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں وہ ماں کی دعاؤں اپنی محنت اور آپ سب کی محبتوں کی بدولت ہوں۔

☆☆☆

گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں..... مگر ایسی نشتر زنی بخاطرِ اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔
مشتاق احمد یوسفی مزاح نگاری کا بہت بڑا نام..... آج اس عظیم ادیب کی کتاب آب گم سے ایک پُر روح اقتباس دھیرج گنج کا پہلا یادگار مشاعرہ.....

اردو ٹیچر کے فرائض غیر منصبی

اگلے دن اعلیٰ الصباح بشارت اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوگئے۔ مولوی مظفر نے ان سے تحریری چارج رپورٹ لی کہ آج صبح فدوی نے باضابطہ چارج سنبھال لیا۔ ''چارج'' بہت جامع اور دھوکے میں ڈالنے والا لفظ ہے۔ ورنہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ جو چیزیں ان کے چارج میں دی گئیں وہ بغیر چارج کے بھی کچھ ایسی غیر محفوظ نہ تھیں۔

کھادی کا ڈسٹر (ڈیڑھ عدد) تر وحہ (دستی پنکھا۔ ا عدد) رجسٹر حاضری (اعدد) سفالی مٹی کی دوات (۲عدد)

مولوی مظفر نے بلیک بورڈ کا ڈسٹر ان کی تحویل میں دیتے ہوئے تنبیہہ کی تھی کہ دیکھا گیا ہے کہ ماسٹر صاحبان چاک کے معاملے میں بہت فضول خرچی کرتے ہیں۔ لہٰذا مجلسِ منتظمہ نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ماسٹر صاحبان چاک خود خرید کر لائیں گے۔ کھجور کے پنکھے کے بارے میں بھی انہوں نے مطلع کیا کہ گرمیوں میں ایک مہیا کیا جائے گا۔ ماسٹر بالکل بے پر واواقع ہوتے ہیں۔ دو ہفتے میں ہی ساری بُنائی اُدھڑ کے جھونترے نکل آتے ہیں۔ نیز اکثر ماسٹر صاحبان چھٹی کے دن اسکول کا پنکھا گھر میں استعمال کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ بعضے کاہل الوجود بھی ہیں۔ اسی کی ڈنڈی سے لونڈوں کو مارتے ہیں۔ حالانکہ دو قدم پر نیم کا درخت بیکار کھڑا ہے۔ اور ہاں مولوی مظفر نے ایک چوبی ہولڈر بھی ان کی تحویل میں دیا جو اُن کے پیشروؤں نے غالباً مسواک کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس کا بالائی حصہ عالمِ فکر میں مسلسل دانتوں تلے رہنے کے باعث جھڑ گیا تھا۔ بشارت کو اس بے جا استعمال پر بہت غصہ آیا۔ اس لیے کہ اب وہ اس سے کمر بند نہیں ڈال سکتے تھے۔

چارج مکمل ہونے کے بعد بشارت نے کورس کی کتابیں مانگیں تو مولوی مظفر نے مطلع کیا کہ مجلسِ منتظمہ کے ریزولیوشن نمبر 5 مجریہ 3 فروری 1935ء کی رو سے ماسٹر کو کورس کی کتابیں اپنی جیب سے خرید کر لانی ہوں گی۔ بشارت نے جل کر پوچھا۔ ''سب؟ یعنی کہ پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک؟'' فرمایا۔ ''تو کیا آپ کا خیال ہے کہ پہلی جماعت کے قاعدے سے آپ مڈل کا امتحان دلوادیں گے؟''

مولوی مظفر نے چلتے، چلتے یہ اطلاع بھی دی کہ مجلسِ منتظمہ بے جا اخراجات کم کرنے کی غرض سے ڈرل ماسٹر کی پوسٹ ختم کر رہی ہے۔ ''خالی گھنٹوں میں آپ پڑھے، پڑے کیا کریں گے؟ اسٹاف روم ٹھالی ماسٹروں کے اینڈنے اور لوٹیں لگانے کے لیے نہیں ہے۔ خالی گھنٹوں میں ڈرل کرادیا کیجیے..... (پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بادی بھی چھٹ جائے گی۔ جوان آدمی کو چاق و چوبند رہنا چاہیے۔'' بشارت نے کھردرے اختصار سے جواب دیا۔ ''مجھے ڈرل نہیں آتی۔'' بہت شفیق اور شیریں لہجے میں جواب دیا۔ ''کوئی مضائقہ نہیں..... کوئی بھی ماں کے پیٹ سے ڈرل کرتا ہوا پیدا نہیں ہوتا۔ کسی بھی طالب علم سے کہیے..... سکھا دے گا۔ آپ تو ماشاء اللہ سے ذہین آدمی ہیں۔ بہت جلد سیکھ جائیں گے۔ آپ ٹیپو سلطان اور طارق،

فاتح اندلس کے نام لیوا ہیں۔“

بشارت بڑی محنت اور لگن سے لڑکوں کو اردو پڑھا رہے تھے کہ دو ڈھائی ہفتے بعد مولوی مظفر نے اپنے دفتر میں طلب کیا اور فرمایا کہ آپ الحمدللہ مسلمان کے فرزند ہیں۔ جیسا کہ آپ نے درخواست میں لکھا تھا۔ اب جلد از جلد نمازِ جنازہ اور نیاز دینا سیکھ لیجیے......کوردیہ ہے۔ وقت بے وقت ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ نمازِ جنازہ تو کورس میں بھی ہے۔ ہمارے زمانے میں تو مکتب میں غسلِ میت بھی ”کمپل سری“ تھا۔ دینیات کے ٹیچر کی بیوی پر بارہ بنکی میں جن دوبارہ سوار ہوگیا ہے۔ اماوس کی راتوں میں چارپائی الٹ دیتا ہے۔ اسے اتارنے جارہا ہے۔ پچھلے سال ایک پڑوسی کا جبڑا اور دو دانت توڑ کے آیا تھا۔ اس کی جگہ آپ کو کام کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے اس حرام خور کی عوضی کرنے آسمان سے فرشتے تو اترنے سے رہے۔

تین چار دن کا بُھلاوا دے کر مولوی مظفر نے پوچھا۔ ”برخوردار آپ اتوار کو کیا کرتے رہتے ہیں؟“ بشارت نے جواب دیا۔ ”کچھ نہیں“۔ فرمایا۔ ”تو یوں کہیے فقط سانس لیتے رہتے ہیں۔ یہ تو بڑی معیوب بات ہے۔ سر محمد اقبال نے فرمایا ہے، کبھی اے نوجوانِ مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟ جوان آدمی کو اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار نہیں بیٹھنا چاہیے۔ جمعہ کو اسکول کی جلدی چھٹی ہوجاتی ہے۔ بعد نمازِ جمعہ یتیم خانے کی خط و کتابت دیکھ لیا کیجیے......آپ تو گھر کے آدمی ہیں۔ آپ سے کیا پردہ؟ آپ کی تنخواہیں دراصل یتیم خانے کے چندے ہی سے دی جاتی ہیں۔ تین مہینے سے رکی ہوئی ہیں۔ میرے پاس الٰہ دین کا چراغ تو ہے نہیں۔ دراصل یتیموں پر اتنا خرچ نہیں آتا جتنا آپ حضرات پر......اتوار کو یتیم خانے کے چندے کے لیے اپنی سائیکل لے کر نکل جایا کیجیے......کارِ خیر بھی ہے اور آپ کو بیکاری کی لعنت سے نجات مل جائے گی سو الگ......آس پاس کے دیہات میں الحمدللہ مسلمانوں کے کافی گھر ہیں۔ تلاش کرنے سے خدا مل جاتا ہے، معطی (عطیہ دینے والا) کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔“

بشارت ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ”معطی“ کو کیسے تلاش اور شناخت کریں گے کہ اتنے میں سر پر دوسرا بم گرا۔ مولوی مظفر نے کہا کہ ”چندے کے علاوہ گردونواح کے دیہات سے موزوں یتیم بھی تلاش کر کے لانے ہوں گے۔“

آئیڈیل یتیم کا حلیہ

یتیم جمع کرنا بشارت کو چندہ جمع کرنے سے بھی زیادہ دشوار نظر آیا۔ اس لیے کہ مولی مجن نے یہ پخ لگادی کہ یتیم تندرست، مسٹنڈے نہ ہوں۔ صورت سے بھی مسکین معلوم ہونے چاہئیں۔ خوش خوراک نہ ہوں۔ نہ اتنے چھوٹے ٹوئیاں کہ چونچ میں چوگا دینا پڑے۔ نہ اتنے ڈھو کے ڈھو اور پیٹو کہ روٹیوں کی تھئی کی تھئی تھور جائیں اور ڈکار تک نہ لیں۔ پر ایسے گلبدن بھی نہ ہوں کہ گال پر ایک مچھر کا سایہ بھی پڑجائے تو شہزادہ گلفام کو ملیریا ہوجائے۔ پھر بخار میں دودھ پلاؤ تو ایک ہی سانس میں بالٹی کی بالٹی ڈکوس جائیں۔ بعضا، بعضا لونڈا ٹخنے تک پولا ہوتا ہے۔ لڑکے باہر سے لاغر مگر اندر سے بالکل تندرست ہونے چاہئیں۔ نہ ایسے نازک کہ پانی بھرنے کنوئیں پر بھیجو تو ڈول کے ساتھ یوسفِ بے کارواں خود بھی کھچے، کھچے کنوئیں کے اندر چلے جارہے ہیں۔ بھرا گھڑا سر پر رکھتے ہی ٹھکوں نچنیوں کی طرح کمر لچکار ہے ہیں۔ روز ایک گھڑا توڑ رہے ہیں۔ جب دیکھو حرام کے جنے ثبوت میں ٹوٹے گھڑے کا منہ لیے چلے آرہے ہیں۔ ابے مجھے کیا دکھارہا ہے؟ یہ ہنسلی اپنی میّا بہنا کو پہنا......میانہ قد اور درمیانہ عمر کے ہوں۔ اتنے بڑے اور ڈھیٹ نہ ہوں کہ تھپڑ مارو تو ہاتھ گھنٹے بھر تک جھنجھناتا رہے اور ان حرامیوں کا گال بھی بیکا نہ ہو۔ جاڑے میں زیادہ جاڑا نہ لگتا ہو۔ یہ نہیں کہ ذرا سی سردی بڑھ جائے تو سارے قصبے میں کانپتے، کپکپاتے، کٹکٹاتے پھر رہے ہیں اور یتیم خانے کو مفت میں بدنام کررہے ہیں۔ اور ہاں یہ ضرور تصدیق کرلیں کہ رات کو بستر میں پیشاب نہ کرتے ہوں۔ خاندان میں ٹی اور سر میں لیکھیں نہ ہوں۔ اٹھان کے بارے میں مولی مجن نے وضاحت کی کہ وہ اتنی معتدل بلکہ مفقود ہو کہ ہر سال جوتے اور کپڑے تنگ نہ ہوں۔ اندھے، کانے، لولے، لنگڑے، گونگے، بہرے نہ ہوں۔ مگر لگتے ہوں۔ لونڈے خوش شکل ہرگز نہ ہوں......منہ پر مہاسے اور ناک لمبی نہ ہو۔ وہ آئیڈیل یتیم کا حلیہ بیان کرنے لگے تو بار، بار بشارت کی طرف اس طرح دیکھتے جیسے آرٹسٹ پورٹریٹ بناتے وقت ماڈل کا چہرہ دیکھ، دیکھ کر کینوس پر آؤٹ لائن بناتا ہے۔ وہ بولتے رہے لیکن بشارت کا دھیان کہیں اور تھا۔ ان کے ذہن میں ایک سے ایک منحوس تصویر ابھر رہی تھی۔ بلکہ tableau کہنا چاہیے۔ جس میں وہ خود کو کسی طرح فٹ نہیں کرپارہے تھے۔

☆☆☆☆

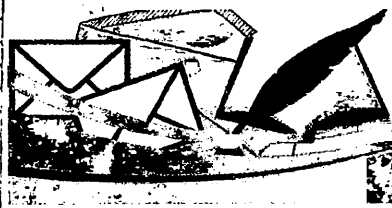

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ!

تمام حمد وستائش اس ذات والا صفات کو زیبا جو کل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا ووحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود وسلام حبیبِ خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ نہ صرف ہمارے وطن پاکستان بلکہ پوری دنیا سے اس وبا کا خاتمہ کردے، انسانیت کو امان ہو اور ہم بحیثیت مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں حقیقی معنوں میں بخشش وعنایات پائیں۔ (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی محفل میں حاضر ہوں..... کیسے کیسے مزاج ہیں۔ پورے ملک میں موسم سرما کا آغاز ہو چکا ہے۔ جہاں سب اس خوب صورت موسم کو انجوائے کررہے ہوں گے وہیں چند احتیاطی تدابیر بھی ضرور اختیار کریں۔ خصوصاً بچوں اور بزرگوں کے لیے..... اور جو وائرس ملکی اور عالمی سطح پر پھیلا ہوا ہے اس سے بھی بچاؤ کی ضروری ہدایات پر لازمی عمل پیرا ہوں..... اللہ آپ سب کو صحت وسلامتی سے رکھے..... آمین!

آج سب سے پہلے تو میں عزیزی اختر شجاعت کو ڈھیروں دلی دعاؤں سے نوازوں گی کہ اتنے شاندار اور سبق آموز مضامین ہمارے قارئین کی نذر کررہی ہیں اور میں اچھی طرح واقف ہوں کہ ایک مضمون لکھنے میں کتنی محنت، کتنا مطالعہ اور تحقیق چاہیے ہوتی ہے اور وہ اپنی پوری جاں فشانی اور عرق ریزی سے ان کا حق ادا کررہی ہیں۔ اختر تمہارے لیے دلی دعائیں ہیں۔ تم اپنی صحت وتندرستی کے ساتھ پاکیزہ بہنوں کو اتنے ایمان افروز مضامین سے مستفید کرتی رہو۔

میری نند (ماہ مبین) شدید بیمار ہونے کے باوجود چند چیزیں پڑھ پاتی ہیں، ان میں تمہارے مضامین سرفہرست ہیں۔ ان کی طرف سے ڈھیروں دعائیں ہیں۔

اس دفعہ فصیحہ آصف خان نے اپنی تحریر کے ذریعے بہنوں کو بہت اچھا مشورہ دیا جو کہ کئی شادی شدہ بچیوں کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ فصیحہ عموماً اچھی تحریریں دیتی ہیں۔ دردانہ نوشین تم نے اپنے ناولٹ کا بہت دل گداز اختتام کیا۔ امید ہے مزید تحریریں بھی جلد بھیجو گی۔

باقی مصنفات کی تحریریں بھی اچھی رہیں۔ سب پر تبصرہ ممکن نہیں۔ جیسا میں نے پہلے بھی کہا کہ نئی لکھنے والی بچیاں لکھیں ضرور مگر تحریر پر مکمل گرفت رکھیں تاکہ کوئی جھول نہ آنے پائے۔ اپنے سینئرز کو ضرور پڑھیں۔

ان شاء اللہ بہنو بشرط صحت وزندگی، آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ اختتام ہوتے برس سے اچھا سبق لیتے ہوئے سالِ آئندہ کے لیے نیک تمناؤں اور خوش امیدی کی دعاؤں کے ساتھ اجازت..... اللہ نگہبان

دعا گو عذرا رسول

اب بہنو! حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس

کے بعد تین بار آیتِ کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، شاعرہ، مصنفہ ماہر تعلیم اور اپنے علاقے کی معروف سماجی معزز شخصیت افتخار شوق، میاں چنوں کی شاعری کی کتاب اکیلا چاند کا دوسرا ایڈیشن منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اور یہ مزید اضافوں اور رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔ افتخار شوق کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ وہ میاں چنوں کے ہائی اسکول میں پرنسپل کی حیثیت سے تعینات ہوگئی ہیں۔ (بہت مبارک ہو)

☆ آل پاکستان رائٹرز ویلفیئر ایسوسی ایشن کی سالانہ تقریب ایوارڈ میں نامور رائٹر، تبصرہ نگار، شاعرہ، مصنفہ.....سعدیہ ہما شیخ نے ایز اے اسپیکر شرکت کی۔ ان کے افسانوں کے مجموعے بالِ ہما کی رونمائی ہوئی اور صحافتی اور ادبی سرگرمیوں پر شیلڈ پیش کی گئی۔ (بہت مبارک ہو)

☆ مصنفہ مدیحہ شاہد، لاہور نے اپنے بوتیک کا انعقاد کیا ہے جس میں گوٹا کناری، ہاتھ کی کڑھائی، مقیش اور شادی اور مہندی کے ملبوسات شامل ہیں۔ عروسی ملبوسات کے لیے ان سے اس فون نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ 03404209818۔

☆ پچھلے دنوں پنجاب کے زرعی اور ادبی سرگرمیوں کے لحاظ سے بھی زرخیز شہر چیچاوطنی میں شاعرِ مشرق حکیم الامت، علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی بیدار شاعری پر پنجاب آرٹس کونسل ساہیوال ڈویژن کے زیرِ اہتمام ایک کانفرنس ہوئی۔ جس کا موضوع نسلِ نو کا اقبال......اہمیت اور معنویت تھا۔ اس میں ملکی اور بین الاقوامی اسکالرز نے اقبال کی شاعری اور افکار کے حوالے سے بہت خوب صورت تجزیاتی گفتگو کی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں علامہ اقبال کے جواں سال پوتے منیب اقبال نے بڑی فکر انگیز اور عالمانہ گفتگو کی......اس پُرروح تقریب کی مزید تفصیل ان شاءاللہ اگلے ماہ افتخار شوق کے قلم سے شائع ہوگی۔

☆ پاکیزہ کی رائٹر اور نعت خواں سویرا فلک نے پچھلے دنوں محفل نعت خوانی و میلاد میں بھرپور شرکت کی اور اپنی پرسوز آواز سے حق نعت خوانی ادا کیا۔ (جزاک اللہ)

شادی خانہ آبادی

☆ مستقل پاکیزہ قاری و تبصرہ نگار شگفتہ حیا ترمذی، وادیِ کاغان کی پیاری پھپھو سیدہ ساجدہ عزیز جو ان کی استاد بھی ہیں کا نکاح ہمراہ سید قاسم گیلانی سے بخیر و خوبی انجام پایا۔ (بہت مبارک ہو)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری و تبصرہ نگار ساجدہ ظفر، کمالیہ کی پیاری بیٹی اس ماہ پیا دیس سدھار رہی ہیں۔ اللہ پاک ہر بچی کو خوش نصیبی عطا ہو، الٰہی آمین (بہت، بہت مبارک باد)

☆ مستقل تبصرہ نگار ثمینہ کوکب، جہلم کو اپنی شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو۔

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نرگس نسیم، صابہ موہڑہ کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ پاکیزہ کی بیٹی، دوست اور سہیلی امینہ عندلیب، سلانوالی کے لیے دعائے صحت کی التماس ہے۔

☆ مستقل قاری رفیعہ ابدالی، کراچی پچھلے دنوں آنکھوں کی تکلیف کا شکار رہیں۔

☆ پیاری دوست، رائٹر، شاعرہ اور مخلص ہستی ہما بیگ پچھلے دنوں کافی بیمار رہیں اب الحمدللہ روبصحت ہیں۔

☆ مستقل قاری و تبصرہ نگار فرخندہ جعفری، گجرات کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ ان کی نظر روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہے اور شوگر کے باعث ہاتھ میں بھی درد رہتا ہے۔

☆ مصنفہ، شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار، طیبہ عنصر مغل اب روبصحت ہیں۔ ان شاءاللہ جلد ہی اپنی تحریر سے نوازیں گی۔ جن بہنوں نے ان کے لیے دعائے صحت کی ان کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ذوالنورین، ہری پور کے والد محترم رضائے الٰہی سے وفات پاگئے۔ دعائے مغفرت کی

درخواست ہے۔

☆حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ کے پیارے ماموں حمید اعوان کا حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال ہو گیا۔ ابھی پچھلے ماہ انہی ماموں کی بیٹی کا انتقال ہوا تھا اسی کے صدمے نے ان کی جان لے لی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا ہو۔ الٰہی آمین.....

☆مستقل قاری و تبصرہ نگار مسرت رانی خلیل، کراچی کی چھوٹی بہن قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں۔ مسرت کو پچھلے دنوں اپنے تین قریبی عزیزوں کی موت کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ اللہ پاک مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور مسرت رانی و اہل خانہ کو صبرِ جمیل عطا ہو۔ الٰہی آمین.....

☆☆☆

اب بہنوں آتے ہیں آپ کے پیارے، پیارے خطوط کی طرف۔

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اس بار دلہن نمبر تین تاریخ کو ملا اور چھ تاریخ کو تبصرہ ارسال کر رہی ہوں۔ (بہت اچھا کیا) سرورق ہمیشہ ہی جاذب نظر ہوتا ہے۔ مجھے کچھ کہنا ہے، میں آپ فرماتی ہیں کہ مقامِ شکر ہے کہ ہمارا شمار امت محمدیؐ میں ہے۔ بس اس شکر کا اپنے افعال و اعمال کے ذریعے اظہار ہمارا شرعی فریضہ ہے۔ بالکل درست فرمایا۔ دین کی باتیں پڑھ کر روح کو سرشار کیا۔ ہم لباس، ہم خیال کپل کے بارے میں جان کر اور تصاویر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انداز نو میں اس بار معروف ڈراما نگار فصیح باری خان تھے ان کے تمام ہی ڈرامے کامیاب ہوتے ہیں۔ یعنی کامیاب ڈراموں کی پہچان فصیح باری خان..... ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاون مدیرہ آمنہ حماد کے بڑے بھائی شاہ انور کلیم کو اور تمام مرحومین کو جنت میں جگہ دے اور اللہ تعالیٰ طیبہ عنصر مغل، فریدہ جاوید فری، فریدہ افتخار، امینہ عندلیب کو صحت دے، آمین..... اللہ تعالیٰ دکھی بہن کو سکون دے۔ آمین۔ عذرا آپی نے درست فرمایا ہے کہ ہم اور آپ سب مل کر دعا کریں کہ حالات بہتر سے بہتر ہو جائیں اور مہنگائی سے جو ساری قوم نبرد آزما ہے اسے بھی سکون ملے، الٰہی آمین) ٹرمپ سے جان چھوٹی اللہ کرے جو بائیڈن پاکستان کے لیے بہتر ثابت ہو، آمین.....'' (کون کہاں کس کے لیے بہتر ہے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے)

ساجدہ ظفر، کمالیہ سے۔ ''امید ہے کہ پاکیزہ کی پوری ٹیم بخیر و عافیت ہوگی۔ (الحمدللہ) اکتوبر کا پاکیزہ ملا۔ ضروری اور زیادہ پسندیدہ کالم پڑھ چکی ہوں۔ مثلاً آپ کی محفل، بزم پاکیزہ، میں اکثر گنگناتی ہوں اور روحانی مشورے مگر افسانے اور ناول پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ دسمبر کے پہلے ہفتے بیٹی کی شادی ہے۔ آپ نے سالگرہ نمبر کے حوالے سے پرائز میں مجھے کتاب انعام میں دینے کی بات کی ہے بلکہ آفر کی ہے۔ تبصروں پر سالگرہ نمبر میں انعامات دیے جانے تھے۔ (جو کورونا کی نذر ہو گئے) تو آپی! میں آپ کی آفر شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہوں۔ کیونکہ مطالعہ تو میرا بہترین ہے۔ خاص طور پر مذہبی کتب کا..... (سب سے پہلے تو بہت مبارک ہو اللہ پاک بچی کا نصیب اچھا کرے، آمین۔ کتاب حاضر ہے آخر قدر دانوں کو ہی قدر ہوتی ہے ناں) نومبر کا پاکیزہ دلہن نمبر کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ دیدہ زیب سرورق تو دل میں اتر گیا۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں اس کے ذریعے پاکیزہ بہنوں کے حالات اور دیگر سرگرمیوں کا پتا چل جاتا ہے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں خوب صورت اشعار پڑھنے کو ملے۔ پاکیزہ ڈائری میں شائع شدہ تحریریں بھی قابلِ تعریف ہیں۔ بزم پاکیزہ کے سوالات بھی دلچسپ اور کرارے بلکہ بارہ مسالے والی چاٹ جیسے تھے۔ ہاں گوشہ ظرافت اس بار میری پسند کا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر یونس بٹ میرے پسندیدہ رائٹر ہیں۔ جن کی مزاحیہ تحریریں بہت مزہ دیتی ہیں۔ (اسی لیے تو دیا تھا) اختر شجاعت صاحبہ کا مضمون نیت بھی حسب روایت نہایت محنت سے تحریر کیا گیا ہے۔ پڑھ کر دینی معلومات میں اضافے کا سبب بنا اور یہ بھی پتا چلا کہ عطر یا پرفیوم بھی شہرت کے لیے نہیں لگانا چاہیے ورنہ پرفیوم تو دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے ہی لگایا جاتا ہے تاکہ دوسرے متوجہ ہو کر پرفیوم کی تفصیل پوچھیں۔ اختر شجاعت صاحبہ اتنا خوب صورت مضمون تحریر کرنے پر مبارک باد کی مستحق ہیں۔ آخر میں پاکیزہ کی تمام قارئین اور اسٹاف کو نئے سال کی ایڈوانس مبارک باد قبول ہو۔'' (جی آپ کو بھی ایڈوانس مبارک باد اور دعائیں)

کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ ''سلام محبت کافی عرصے بعد حاضر ہوں۔ وجہ لاہور والا، بیٹا، بہو اور دو پوتے۔
رونق کی بھی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے ناں۔ مصروفیت اور ذمے داری بڑھ گئی ہے۔ بہو صرف گھر کے کام نہیں سلائی بھی کرتی
ہے۔ اپنی اور بچوں کی زائد ضرورتوں کے لیے۔ بڑا پوتا ربیع ثمر داخل بھی کر دیا ہے، اسکول اور سپارہ دوسرے رسالہ پڑھے
بنا تبصرہ اور خط کا مزہ نہیں آتا...... بہر حال، ہر ماہ سات، آٹھ رسالے پڑھ ضرور لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ادبی رفقا
کتابیں بھیجتے ہیں۔ وہ بھی پڑھنا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے بہادر سی عذرا معراج کو خصوصی سلام اور دعائے صحت پھر نسنبل
ملک سے لے کر فریدہ فری، اینہ عندلیب تک سبھی کو دعائے خیر قبول ہو۔ مرنے والوں کے درجات کی بلندی کی دعا حاضر
ہے۔ اور خوش باشوں کو خوشیاں مبارک ہو۔ پروین افضل کے بیٹے کو پیار...... اور غائب لوگوں کو بھی ہماری دعائیں پہنچیں۔
ادارے سمیت مستقل سلسلے نہایت دل پذیر لگتے ہیں...... شمع ہدایت سب سے بہترین سلسلہ ہے، اسلامی تاریخی واقعات کی
بنا پر۔ انجم انصار اور عظمیٰ آفاق کو بھی خصوصی سلام دعا قبول ہو۔ (جی ضرور) میرا سارا زنگ اتار دو، مجھے پھر سے فصلِ
بہار دو۔ میں عشق ہوں، نہایت پُر اسرار سا۔ پریوں کا دیس، صرف محبت کرنے والوں کو نظر آتا ہے۔ کاہے کو بیاہی......
میں دکھیاری کب دیکھوں گی پیا کا دیس...... تری تمکین۔ بے حد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے۔ ایسے حالات کے لیے ہی تو طلاق کا
حق ملا ہے ناں...... ایک ہی راہ ہے مسافت کی، ذرا پیار سے چلنا پیارے ورنہ منہ کے بل گرو گے...... میں انمول، پیار سے
لُٹ گئی۔ ع، عورت، ق قتل۔ آخر ٹوٹ گیا صبر کا بندھن۔ گڑیا کا قاتل مرنا ہی چاہیے۔ یہ کہانی پہلے بھی پڑھی ہے۔ (جی اس
موضوع پر کافی تحریریں آتی رہیں) شباہت کا بھرم رہ ہی گیا آخر فوجن آپا...... صبر کا درس سنا گئیں۔ برے نصیب مرے،
ویری ہو یا پیار مرا...... نصیب کے دھکے کھانے ہی پڑتے ہیں چاہے شادی ماں، باپ کی مرضی سے ہو یا اپنی مرضی سے۔
شام ڈھلے ٹھوکر کھا کے گھر لوٹے۔ بے نام مسافتیں، کٹ ہی گئیں آخر...... سانولی کو گورا مل ہی گیا آخر...... اور ہاں ٹائٹل
گرل کے تاثرات دل کھینچ رہے۔ شاعری بھیج رہی ہوں جگہ ملے گی؟'' (جی ضرور ملے گی آپ کی چیزیں تو ضرور ہی لگتی
ہیں۔ کافی دنوں کی غیر حاضری کا کچھ تو فائن ہوگا ناں بھئی اگلے ماہ لگ جائے گی)

خالدہ اعجاز، اوکاڑہ پنجاب سے۔ ''تقریباً 1989ء سے پاکیزہ کی قاری ہوں، اپنا ہر دکھ سکھ اس رسالے سے
شیئر کیا ہے کبھی والدہ کی طرح ڈھارس دی کبھی بہن کی طرح غم بانٹا اور کبھی دوست بن کر سارے اندر کے جذبے مل کر
بانٹے اور زندگی گزارنے کے بہت سے اصول بھی اسی سے لیے لیکن اتنا وقت نہ ملا کہ کبھی آپ لوگوں سے براہ راست رابطہ
کر سکتی۔ دل کا رابطہ تو ہمیشہ رہا لیکن قلم کا رابطہ نہ ہو سکا۔ اب جبکہ زندگی کے اس مقام پر پہنچ کر دل و جاں بہت اداس اور تنہا
ہیں تو دل چاہا آپ کی محفل میں شریک ہو جاؤں شاید کچھ سننے سے زندگی کا بار ہلکا ہو جائے۔ عذرا آپ کے گراں قدر شوہر
کی وفات کا بہت ہی صدمہ ہوا یوں لگا جیسے کوئی بہت ہی اپنا سا چلا گیا ہے، اس وقت ایک نظم ذہن میں آئی جس میں آپ کا
اور میرا دکھ سانجھا تھا بلکہ اور بھی بہنوں کا درد ہمارے ہی جیسا ہے لیکن نہ جانے کیوں آپ کو بھیج نہ سکی۔ گو کہ میں شاعرہ نہیں
ہوں لیکن کبھی، کبھی کوئی جذباتی حادثہ یا کوئی اثر انگیز واقعہ شعری لفظوں میں لبوں تک آجاتا ہے۔ کورونا ایسی نامراد بیماری
جس) نے تمام دنیا کو دکھی کر دیا ہے۔'' (پیارے محبت نامے کا شکریہ آپ باقاعدہ تبصرہ بھی لکھیں، آپ کے تاثرات عذرا
آپی تک پہنچ گئے ہیں۔ اجزاک اللہ)

فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ''نومبر میں بھی پہلے کی طرح اچھی، اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں اور آپ سب کی
صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صحت وتندرستی سے رکھے۔ اگلا ماہ تو 2020ء کا آخری مہینہ ہے یہ سال تو
اتنے زخم دے کر رخصت ہو رہا ہے اللہ کرے اگلا سال 2021ء سب کے دکھوں کا ازالہ کرے سب کی کھوئی ہوئی خوشیاں
واپس لوٹائے اور اس موذی مرض کورونا سے نجات ہو۔ دنیا میں امن وامان ہو، غریبوں کو عزت کی روٹی کھانی نصیب ہو۔
(الٰہی آمین) کاہے کو بیاہی، دردانہ نوشین خان نے کہانی کا اینڈ اچھا کیا ہے مگر ثمینہ کو گھر چھوڑنے کے بجائے ان سب
سے بدلہ لینا چاہیے تھا جنہوں نے اس پر ظلم کیے اور اپنے بچوں میں رہنا تھا اسی طرح ہر لڑکی میدان چھوڑ دے تو دکھوں کا
مداوا کون کرے گا۔ کہانی بہت سبق آموز تھی والدین کو جلد بازی میں بیٹیاں جہنم رسید نہیں کرنی چاہئیں۔ وہ ایک لمحہ

عائشہ خان، اچھی کہانی ہے بعض لوگ بناوٹی اچھے بنے ہوتے ہیں، اپنی تعلیم کے رعب میں رہتے ہیں مگر جب بولنے پر آتے ہیں تو کسی کا لحاظ نہیں کرتے اصلی چہرہ سامنے آجاتا ہے مگر ان کے مقابلے میں بعض ان پڑھ اور سادے لوگ وہی کہتے ہیں جو اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ وہ بڑوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ کہانی سبق آموز ہے۔ لاک ڈاؤن لڈو، شبینہ گل رائٹر نے بہت اچھی کہانی کا نقشہ کھینچا ہے۔ بندہ اگر ہمت کرے تو ہر کام ہوسکتا ہے۔ بعض گھروں میں تو ہل کر پانی بھی نہیں پیا جاتا۔ لاک ڈاؤن ہوا تو ہر کام گھر میں ہوگیا۔ لاک ڈاؤن نے بھی سادگی کا درس دیا ہے۔ جوانی سے بڑھاپے تک، شمیم فضل خالق، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر دے، دل کو چین دے، واقعی اگر زندگی کا ساتھی مخلص اور قدم سے قدم ملا کر چلنے والا ہو دکھ درد کا ساتھی ہو تو اس کے جانے کے بعد دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ اور ایسے ساتھی کسی، کسی کے نصیب میں ہوتے ہیں مگر بعض کے ساتھ تو سمجھوتے کی چادر اوڑھ کر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ کانچ کی چوڑیاں، عذرا فردوس ہونے بہت اچھی کہانی لکھی ہے بعض لوگ اندر سے کچھ اور ہوتے ہیں باہر سے کچھ اور ہر کسی سے فوراً فری نہیں ہو جانا چاہیے جو ہمسائے مدتوں سے ساتھ رہ رہے ہیں وہ تو اپنے رشتے داروں سے بھی زیادہ اچھے لگتے ہیں ہر دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں مگر نئے اور اجنبی جن کا کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔ وہ لوگ آہستہ، آہستہ سے کھلتے ہیں۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ سب کی محنت کا ثمر ہے پاکیزہ رسالے کو اس طرح ترتیب دینا اور ہر آئٹم کو اپنی، اپنی جگہ پر رکھنا بہت محنت طلب کام ہے۔ پاکیزہ کے تمام ورکرز محترم معراج رسول صاحب کے لگائے ہوئے شجروں کو باقاعدگی سے پانی دے کر تروتازہ رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سلامتی اور تندرستی سے رکھے، آمین۔'' (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

فریدہ جاوید، فری، لاہور سے۔ ''نومبر کا پاکیزہ ملا ٹائٹل خوب صورت لگا تمام افسانے ایک سے بڑھ کر ایک لگے مگر فصیحہ آصف کا افسانہ مان پڑھ کر بے حد مزہ آگیا۔ واہ فصیحہ آصف جی بس کمال کر دیا خوش رہو..... بڑی بہو کانچ کی چوڑیاں، پتھر کے راستے، اعتبار سبھی نے متاثر کیا ... کمر کے درد کی وجہ سے بہت مشکل سے لکھ رہی ہوں سب کو بے حد پیار اور دعا..... شمیم فضل خالق صاحبہ کے شوہر کے انتقال پر دل بے حد دکھی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔ عذرا رسول، انجم انصار کو آپ کو اختر شجاعت کو میری طرف سے سلام۔'' (مختصر ترین خط کا شکریہ اللہ آپ کو صحتِ کلی عطا کرے، آمین)

جبینا، کراچی سے۔ ''تمام پڑھنے، لکھنے اور سننے والوں کو صحت و سلامتی کی ڈھیروں دعائیں۔ نومبر کا پاکیزہ جلد ملا۔ جلد پڑھا تو تبصرہ دیر سے کیوں..... (اچھا کیا جلدی بھیج دیا) سب سے پہلے بہنوں کا حال احوال جانا پھر پاکیزہ ڈائری کھولی ماشاء اللہ روز بروز نکھر رہی ہے۔ شاعری بہت اچھی رہی دل کو لگی کارنر یا کسز میں براجمان شاعری بھی خوب صورت لاجواب۔ فریدہ فری، پروین افضل، شگفتہ شفیق، مشی علی، طیبہ عنصر اور افتخار شوق قابلِ ذکر ہیں۔ شکریہ اتنا اچھا مواد پڑھوانے کا۔ محترمہ اختر شجاعت کے مضمون کی تعریف کے لیے تو الفاظ کم پڑ جاتے ہیں ان گنت نیکیاں کمار ہی ہیں ہم جیسوں کی آنکھیں کھول کر..... آپی میرے ساتھ ایک مسئلہ یہ ہے کہ میں کسی کے دکھ میں رو تو سکتی ہوں مگر اس کے ساتھ افسوس مجھے نہیں آتا الفاظ کبھی گونگے ہو جاتے ہیں یا پھر ذہن کی تاریکیوں میں گم اسی لیے میں اپنی اتنی محترم ہستیوں کے غم میں کچھ نہ کہہ سکی جن میں..... محترم عذرا آپی، سلمیٰ غزل صاحبہ، شمیم فضل خالق صاحبہ، پاکیزہ سے میرا پہلا تعارف انجم انصار صاحبہ، آمنہ حماد اور بہت سے دوسرے جن کے نام ذہن سے نکل گئے ہیں۔ اللہ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین) پورا مہینہ انتظار کے بعد کا ہے کو بیاہی ایک نشست میں پڑھ ڈالا۔ بس یہی آہ نکلی کہ شمینہ بیچاری کا ہے کو بیاہی..... مجیدے کی بربریت سہنے۔ اس کی حیوانی نسل بڑھانے..... سجو ماسی کی چلتر بازیاں اور مکاریاں دیکھنے اور گھر والوں کی بے حسی کا ماتم کرنے یا اپنی ناقدری کا غم منانے..... کئی جگہ رلایا اور اس کا وہ آخری خط کاش ایسے بے حس رشتوں سے منہ موڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہم میں سے اکثریت اپنا قیمتی وقت اور نایاب آنسو بچالے۔ مان اور بوجھ بہترین تحریریں رہیں۔ بڑی بہو اور پس آئینہ ملتی جلتی لگیں دلہن نمبر، بھابی نمبر لگ رہا ہے۔ کانچ کی چوڑیاں، پتھر کے رشتے، اعتبار، عطا

ٹھیک ہی رہیں۔عورت کہانی کو ہمیشہ ایک الگ زاویے سے پڑھتی ہوں کیونکہ لکھنے والی بھی ہماری صنف پڑھنے والی بھی اور جس کے بارے میں لکھا جارہا ہے وہ بھی.....تو یہ کہ اب عورت کو کس بلندی یا کس پستی میں دکھایا جارہا ہے۔بہت بہترین سُپرون کہانی تھی۔اب سال کے آخری پاکیزہ کا انتظار ہے یقیناً یادگار ہوگا اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیے۔'' (ہاں ضرور مختصر تبصرے کا شکریہ.....اللہ پاک آپ کو حوصلہ واستقامت عطا کرے،آپ پریشان نہ ہوں)

فریدہ افتخار،اسلام آباد سے۔''خوب صورت سرورق اچھا لگا۔دلہن نمبر پسند آیا۔جوئی،نئی دلہن بنی ہیں اللہ ان کی جھولی خوشیوں سے بھر دے،آمین اور جو وقت ہم نے دیکھا۔گزارہ،اپنے گھر سے سسرال تک وہ حاصلِ زندگی ہے.....بس دعا ہے کہ پروردگار قدر کرنے والے،عزت دینے والے اور رشتوں کو نبھانے والے شوہر،سسرال دے سب کو.....سرد وگرم،اونچ نیچ ہر جگہ ہوتی ہے لیکن اگر ساری دنیا آپ کے خلاف ہو اور ایک شوہر آپ کا ہمدم وساتھی آپ کے ساتھ ہو تو آپ کا گھر آباد وشاد رہ سکتا ہے۔اس کے لیے صبر،شکر اور زبان پر کنٹرول ایک گھر کو آباد رکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔ساس کی،ماں کی دعائیں لیں۔(بالکل درست کہہ رہی ہیں) اور ہاں میرا قلم رک گیا۔شمیم فضل خالق.....خدا نہ کرے آپ بوڑھی ہوں،بوڑھے ہوں آپ کے دشمن.....آپ کا دکھ،غم اپنی جگہ مگر آپ نے ہمت وحوصلے کے ساتھ جینا ہے اپنے لیے عندلیب اور اس کے بچوں کے لیے.....پروردگار آپ کا حامی وناصر ہو،آمین.....درمکنون کی زندگی کا زنگ آہستہ،آہستہ اتر رہا ہے۔سارے سلسلے قابلِ ستائش ہیں.....خوش رہیں،خوشیاں پھیلائیں.....چند روزہ زندگی میں کچھ اچھا کر جائیں.....یہ دولت دنیا،سونا ہیرے جواہرات سب دنیا دکھاوا ہے۔سب یہیں رہ جاتا ہے۔بس انسان خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔اس کے اعمال زادِ راہ ہوتے ہیں۔(جی بالکل) دعا ہے کہ ہمارے وطن،ملک سے ساری زمینی آسمانی آفات وبلیات دفع دور ہوں اور جو اس ملک کا دشمن ہے اسے سزا ملے ' الٰہی آمین''۔(دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

شفا سعید،کوئٹہ۔عزیز بیٹی شفا آپ کی دو تحریریں قابلِ اشاعت ہیں۔آپ میں،بہت ٹیلنٹ ہے بس مشق جاری رکھیں۔رسالے پر بھی تبصرہ کریں۔پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ اپنے علاقے کا تعارف اور اپنی سرگرمیاں اور مشغولیات بھی لکھ سکتی ہیں۔

آنسہ رانا،لاہور۔رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ آپ فی الحال مطالعہ کریں۔سینئر رائٹرز کو پڑھیں اور انداز تحریر کو سیکھیں۔کوشش کرتی رہیں۔آہستہ،آہستہ ہی انسان سیکھتا ہے۔خداداد صلاحیتوں کو نکھارنا ہوتا ہے۔امید ہے آپ سمجھ رہی ہوں گی۔

شمیم فضل خالق،پشاور سے۔''پیاری نزہت جن،جن بہنوں نے میرے شوہر کی وفات پر تعزیت کی ان سب کا شکریہ۔انجم انصار کی حالت بھی میرے جیسی ہے۔پھر بھی انہوں نے مجھے فون کرنے میں پہل کی ان کو بھی میری طرف سے شکریہ کہہ دینا۔(جی بالکل انجم باجی ضرور روایات نبھاتی ہیں) افسانے شائع کرنے کا شکریہ.....سب کو سلام.....'' (شمیم بہن اللہ آپ کو صبر دے.....بس اسی طرح پاکیزہ میں حاضری دیتی رہیں)

صائمہ آفریدی،باڑہ کھجوری،پشاور سے۔''پاکیزہ بہت اچھا جارہا ہے۔ہم شوق سے پڑھتے ہیں۔اللہ پاکیزہ کو مزید بلندیاں عطا فرمائے۔آمین۔'' (شکریہ.....تفصیلی تبصرہ اور رائے بھی دیں)

ندرت نایاب،کوہاٹ سے۔''کوہاٹ میں پاکیزہ بہت دیر سے آتا ہے۔ستمبر کا تو نہیں مل پایا۔ہاں اکتوبر کا مل گیا (جی شارٹیج ہوگئی تھی۔ستمبر کے پرچے کی۔الحمدللہ کہ آپ کو اکتوبر کا جلد مل گیا) میرا سارا رنگ اتار دو،بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔'' (شکریہ.....اور بھی رائے دیجیے گا)

فہمیدہ جاوید،ملتان سے۔''نومبر 2020ء شمارے کا ٹائٹل بس نارمل تھا۔زیادہ دلہن سجی نہیں تھی۔کاش بھاری نتھ پہن لیتی۔تمہارا اداریہ اور اختر شجاعت کا کالم حسبِ معمول زبردست رہا۔(بہت شکریہ) انشاں جی کے ناول میں میرا پسندیدہ کردار شہرین ہے۔بہت پیاری نیچر کی ہے اور اظہار صاحب کو تو میں گولی مار دوں بس چلے تو۔(او ہو بھئی ہاتھ ہولا رکھیں) نایاب جی کے ناول کی یہ قسط بورنگ رہی جلدی میں پڑھی اسی وجہ سے۔بوجھ.....واہ روحیلہ خان کا نام

2005ء سے پہلے بھی باقاعدگی سے پڑھتی رہی ہوں۔ مزہ آیا لیکن جب دیکھا کہ آئندہ ماہ لکھا ہے۔ روحیلہ جاناں آتی رہنا۔ میں انمول، بھی بس ٹھیک رہی بس بلا وجہ کی طوالت لگ رہی ہے۔ شبینہ کے ناول کا عنوان پسند آیا۔ ناول بھی اچھا تھا مگر مکمل ناول کو طویل ہونا چاہیے۔ چالیس صفحات لازمی...... (ارے زیادہ طوالت اور بہنوں کو گراں گزرتی ہے) پاکیزہ کا ہر شمارہ افسانہ نمبر لگتا ہے کہ اتنے سارے افسانے لگتے ہیں پلیز مکمل وطویل ناول و ناولٹ بھی لگاؤ نزہت...... میری جیسی پسند شاید کسی اور بہن کی بھی ہو۔ قسط وار ناول زیادہ پسند ہیں مجھے۔ (چلیں بہنوں سے پوچھ لیتے ہیں کیا پسند ہے) افسانے سب اچھے اور سبق آموز خاص کر عطا، مان، بڑی بہو اور پس آئینہ...... بہنوں کے ڈرائنگ روم میں مجھے بلا کر لمبی نشست کے لیے شکریہ اور صفیہ، مانسہرہ سے تم ہر ماہ آؤ اتنی پرانی قاری ہو۔ میں تمہاری، حدیث اختر، شہلا نواز، امینہ عندلیب، رفیعہ ابدالی اور زرتاشیہ نعمان وزرینہ خانم لغاری اور دوسری تمام بہنوں کی آمد کی منتظر رہوں۔ نام اور بھی ہیں مگر طوالت کے ڈر سے نہیں لکھے ہر خط میں کچھ، کچھ لکھتی رہوں گی۔ (جی ضرور) کسی ماہ نزہت تم خطوط نمبر نکالو کہ ہم دل کھول کر ایک دوسرے کے لیے لمبے خط لکھیں اور زیادہ خط آئیں چاہے افسانے کم کر دینا۔ (اچھا یہ کیسی تجویز ہے، تم ہر ماہ خط لکھو بھئی) بزم پاکیزہ میں مجھے بھی انعام یافتہ بننے کا شوق ہے۔ فری کی کتاب ملے گی تحفے میں بھئی مجھے بھی شامل کرو۔ (ہاں ضرور) نظم وغزل و اشعار کے کالم اور پاکیزہ ڈائری اچھی رہی۔ اب میرے احوال کا تو بہنیں بتائیں گی کہ کیسا لگا ہاں اور بہنوں میں صدف آصف نے اچھا لکھا۔ پاکیزہ کی خوبی جو بڑی پسند ہے کہ کارنر پر کیپشنز لگاتا ہے، یہ اعلیٰ معیار ہے۔ میرے پسندیدہ رسالے کا جی...... تمام دلہنیں اچھی لگ رہی ہیں اور شوہر سے شرما، شرما کر تصاویر بنوا رہی ہیں۔ (بہت خوب کہا) ہم لباس، ہم خیال کپل کا مضمون مزے کا تھا۔ کاش جلدی سے کوئی پاکیزہ کی گیدرنگ ہو اور مزید احوال پڑھیں میری آنکھیں۔ (دعا کریں کہ اس وبا کا خاتمہ ہو) اندازِ نو مجھے سلسلہ ہی پسند نہیں۔ میں نہیں پڑھتی یکسانیت کا شکار۔'' (ارے بالکل نئے انداز کے سوال ہیں پڑھ کر تو دیکھو۔ طویل (تبصرے کا شکریہ)

✉ زرتاشیہ نعمان، ملتان سے۔ ''اس بار تو کمال ہی ہو گیا جناب...... پاکیزہ تین تاریخ کو میرے ہاتھوں میں تھا۔ یقین کریں دل میں کئی لڈو ایک ساتھ ہی پھوٹے (اچھا ہوا ناں) ارے لڈو سے یاد آیا۔ شبینہ گل کا مکمل ناول لاک ڈاؤن لڈو اچھی تحریر تھی تھوڑی بہت ہنسی ومزاح کے ساتھ۔ کافی ساری نصیحت آمیز باتیں پڑھنے کو ملیں...... لاک ڈاؤن میں سب کا یہی حال تھا...... سب کام خود کیے اور بہت احسن طریقے سے کیے۔ بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ یہ وبا اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے (آمین) دردانہ نوشین خان کا کا ہے کو بیاہی...... اختتام پزیر ہوا۔ اس ناولٹ کی تعریف کے لیے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ انتہائی عمدہ تحریر ہے (دردانہ سینئر رائٹر ہیں۔ ان کی ہر تحریر ہی لاجواب ہوتی ہے) روحیلہ خان، نیا ناولٹ بوجھ لے کر آئی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ناولٹ کا اونٹ اپنے بوجھ سمیت کس کروٹ بیٹھے گا۔ (اب دیکھ لیا) میں عشق ہوں، اور میں انمول کی سبک رفتاری سے بہتی ندیوں کے سنگ ہم بھی بہتے جاتے ہیں۔ دیکھیے کہ یہ سفر کہاں تمام ہو۔ فرحین اظفر کی تحاریر روز بروز نکھرتی جا رہی ہیں۔ ہر ماہ وہ کوئی اچھوتا ٹاپک لے کر آتی ہیں۔ جس کے لیے انہیں مبارک باد (جی فرحین کی طرف سے شکریہ) افسانے بھی اچھے لگے ماسوائے فصیحہ آصف خان کا افسانہ مان اس کا تال میل دلہن نمبر کے ساتھ کچھ بیٹھ نہیں رہا تھا۔ (ارے آپ کہاں سُر کے تال میل میں پڑ گئیں) پاکیزہ ڈائری میں اپنی غزل دیکھی بہت خوشی ہوئی۔ میرے انعامی سوال پر آپ نے جو ایک خوب صورت کتاب کا تحفہ بھیجا اس کے لیے بے حد شکریہ...... سب کے لیے نیک تمنائیں اور دعائیں۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔'' (جی ہم سب بہنوں کو دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں)

✉ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''ایک ماہ اسلام آباد کیا رہ کر آئی کہ کراچی کو دیکھ، دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ ہمارے کراچی سے زیادہ صاف ستھرا تو پشاور ہے۔ پشاور کے صدر میں رش جو کراچی جیسا ہی تھا لیکن سب کی آنکھوں میں احترام، لہجے میں شائستگی...... کسی نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا نہ گھورا خیر کیا کر سکتے ہیں۔ (سب شہر پیارے، ہم لوگ ہی بدتہذیب ہو گئے ہیں) اس مرتبہ اختر نے نیت پر خوب لکھا جو بالکل حقیقت ہے کہ نیت کا بھی ثواب ہے بے شک عمل پورا نہ ہو لیکن اللہ کی نظر

میں انسان سرخرو ہو جاتا ہے اس مرتبہ تبصرہ کرنا خاصا مشکل لگا کہ افسانے ایک سے بڑھ کر ایک خاص طور پر انتہائی مختصر لیکن بامقصد..... ہر افسانے میں اصلاح کا پہلو یعنی دریا کو کوزے میں بند کرنا شاید یہیں صادق آتا ہے۔ وہ ایک لمحہ، عائشہ تنویر کا لاجواب..... گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو وہ عالم نہیں بن جاتا۔ کچھ انسان بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مان بھی فصیحہ آصف خان کا بے مثال کاش ساری ساسیں رقیہ بیگم جیسی ہو جائیں۔ (آمین) عطا، فرحت جبیں کی لاجواب تحریر ہے۔ واقعی اللہ کبھی ناامید نہیں کرتا۔ منزل پروانہ، افشاں علی نے بے روزگاروں کو صحیح راستہ دکھایا ہے۔ ہم امریکا جا کر ہر کام کر لیتے ہیں کیونکہ وہاں کوئی کام ادنی نہیں ہوتا لیکن پاکستان میں ایسے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی جگہ تضحیک کی جاتی ہے بلکہ کوئی لڑکی بھی دینا پسند نہیں کرتا۔ یہ ہم پاکستانیوں کا المیہ ہے امریکا میں میرے بیٹے کے گھر کا لان کافی بڑا ہے۔ میں نے کہا یہ لڑکا جو گھاس کاٹ رہا ہے شکل سے ہی ٹھیک، ٹھاک لگ رہا ہے، بہو بولی۔ امی یہ ہمارے پڑوسیوں کا بچہ ہے پڑھتا ہے اور اپنا خرچہ اس طرح نکالتا ہے۔ اللہ تیری شان پھر ہم کہتے ہیں ہمارا ملک ترقی نہیں کر رہا۔ شبینہ گل کا لاک ڈاؤن لڈو حقیقت سے بھرپور، فرحین اظفر تو چھا گئیں اللہ نے عیب ڈھکنے کو کہا ہے اور نگینہ نے یہی کیا ویل ڈن۔ عذرا فردوس، کانچ کی چوڑیوں میں مائرہ کو اچھا سبق دیا۔ قرۃ العین سکندر نے پس آئینہ میں لڑکیوں کو صحیح نصیحت کی ہے لیکن کیا ساسیں رضیہ بیگم کی طرح فوراً سدھر جاتی ہیں۔ میرے خیال میں تو صرف کہانیوں اور افسانوں میں ہوتا ہے۔ (ایک راہ تو مل جاتی ہے ناں) حرا احمد نے پتھر کے رشتے میں ماں، باپ کو خوب آئینہ دکھایا ہے کہ پسند کرنا گناہ نہیں۔ نظیر فاطمہ کی اعتبار بھی خوب رہی۔ DNA ٹیسٹ نے کافی مسئلے حل کر دیے ہیں۔ مریم شہزاد کی بڑی بہو ٹھیک رہی مگر زیادہ مزہ نہیں آیا۔ شادی مبارک میں آسیہ عامر کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر خوشی ہوئی اور کیا لکھوں۔ اس مرتبہ بہت اچھا رہا ہر افسانہ نگینے کی طرح سلسلے وار پر پھر تبصرہ کروں گی۔'' (بہت شکریہ سلمیٰ آپ باقاعدگی سے نہایت دقیق تبصرہ کرتی ہیں جس سے ہماری اور رائٹرز کی رہنمائی ہوتی ہے، سلامت رہیں)

❁ آسیہ عامر، کراچی سے۔ ''بہنوں کی محفل میں طیبہ عنصر مغل کی بیماری کا پتا چلا اللہ تعالیٰ انہیں تندرستی دے بلکہ سب بیماروں کو..... شمیم فضل خالق صاحبہ آپ نے تو رلا دیا۔ اللہ پاک آپ کو صبر دے، یہ نظام کائنات ہے جو اسی طرح چلتا رہے گا۔ فصیحہ آصف خان کا مان سچ ہے بیوی کی عزت شوہر ہی کرواتا ہے ورنہ تو ساری زندگی چاکری کر کے بھی جوتیاں ہی پڑتی ہیں۔ پاکیزہ میں جگہ، جگہ پر آسیہ عامر کو دیکھ کر دل باغ، باغ ہو گیا۔ (اچھا جی کیا بات ہے آپ کی) فرحین اظفر کا ''کردار'' کہانی میں آخر تک سسپنس رہا سب سے اچھی بات یہ جو کہانی کا اصل مقصد تھا۔ دوسروں کے عیب چھپائے جائیں بہت محنت کر رہی ہیں فرحین، جیتی رہیں۔ اختر شجاعت صاحبہ نے اس دفعہ مضمون میں جو اسٹارٹ لیا ہے بہت خوب صورت ہے بہت اچھی مثال بیان کی ہے ہم پر جو افتاد آ رہی ہیں وہ ہمارے حکمرانوں کی نیتوں کا پھل ہے جو ہمیں مل رہا ہے اور ہمارا خدا کتنا غفور الرحیم ہے اچھائی کی نیت ہی کر لیتے ہیں ... تو ثواب مل جاتا ہے اور جب تک گناہ نہ کریں سزا نہیں دیتا۔ مریم شہزاد کا بڑی بہو مختصر سے افسانے میں مریم شہزاد نے بڑا کچھ سمجھا دیا۔ نظیر فاطمہ کا اعتبار بھی اپنے اعتبار سے سسپنس لیے ہوئے تھا۔ مرد گھر بیٹھی عورت پر اعتبار نہیں کرتا جبکہ خود پورا دن گھر سے باہر رہتا ہے پھر بھی بیوی شوہر پر شک نہیں کرتی اس کا مطلب انسان اپنی سوچ کے مطابق چلتا ہے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے اسے وہی نظر آتا ہے۔ قرۃ العین سکندر کا پس آئینہ کہ ہر بہو عالی جیسی اور نند حنا جیسی ہو جائے یہی خواہش ہے اس کے بعد ساس بھی راہ راست پر آ جائے..... پر مشکل ہے..... کانچ کی چوڑیاں، مائرہ جیسی سمجھدار عورتیں دوسروں کا منہ لال دیکھ کر اپنا منہ تھپڑوں سے لال نہیں کرتیں۔ میرا سارا زنگ اتار دو، افشاں آفریدی نے عکرمہ سے بہت اچھا فیصلہ کروایا ہے۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی درمکنون کو اتنی تکلیف کے بعد دنیا میں ہی جنت ملنے جا رہی ہے بقیہ ابھی پڑھا نہیں۔'' (اتنے ہی تبصرے کا شکریہ، آئندہ بروقت پوسٹ کر دینا۔)

❁ مسز اکرم شہزاد، لاہور سے۔ ''ماہ نومبر کا پاکیزہ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ ملا۔ بہت پسند آیا۔ پاکیزہ ڈائری، اشعار اور گوشہ ظرافت غرض تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ بزم پاکیزہ کی تو کیا ہی بات ہے۔ مجھے ہمیشہ

پسند آتا ہے مگر اس بار زیادہ پسند اس لیے آیا کہ میرا سوال انعامی قرار پایا تھا۔ بہت خوشی ہوئی مگر اس کے ساتھ ایک گلہ بھی ہے کہ اگست 2020ء کے پاکیزہ میں بھی میرا سوال دوسرے انعام کا مستحق قرار پایا تھا۔ مگر افسوس کہ تین ماہ گزر جانے کے باوجود انعام تادم تحریر نہیں ملا۔ جبکہ مجھے انعامی کتاب کا شدت سے انتظار ہے۔ میری فرینڈ نے بتایا تھا کہ اسلامی کتاب بھیجی جاتی ہیں تو آپ سے گزارش ہے کہ میرے دونوں انعام (دونوں اسلامی کتب) اکٹھے ارسال کردی جائیں۔ از حد نوازش ہوگی۔'' (جی بالکل بھیجا جائے گا۔ مکمل پتا چاہیے ہوتا ہے۔)

مسرت عزیز، شہتدر کے پی کے سے۔'' میں بہت عرصہ سے پاکیزہ سے وابستہ ہوں اور اس کے علاوہ سسپنس اور جاسوسی کو بھی بہت پسند کرتی ہوں۔ اس پسندیدگی کی وجہ ان دونوں ڈائجسٹ کی وہ کہانیاں ہیں جو انسان کو اپنے حصار میں لے لیتی ہیں۔ اور انسان ان کو پڑھتے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ (اچھا تھوڑی بہت خبر گیری بھی رکھ لیا کرو) اس کے علاوہ پاکیزہ ایک معیاری رسالہ ہے اپنے نام کی طرح پاکیزہ کی ساری تحاریر بھی پاکیزہ ہوتی ہیں اگر ہمارا بھائی، شوہر یا بچے ہماری یہ کتاب اٹھا کر پڑھ بھی لے تو ہمیں کوئی تردد نہیں ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ (جی بالکل اکثر بھائی لوگ اس نیت سے ہی پڑھتے ہیں) پاکیزہ کی تحریروں میں زندگی کو ہر، ہر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے اور زندگی کے پیچیدہ مسائل کے حل..... پاکیزہ کی تحریروں میں ہی ہم دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیں گے کہ پاکیزہ کی تحاریر ہماری زندگی میں بطور ٹپس کے کام کرتی ہیں، اس میں بہت سے واقعات اور حالات ایسے ہوتے ہیں کہ جو بہت سے لوگوں کی زندگی میں درپیش آتے ہیں۔ یوں تو بے شمار کہانیاں اور ناول ایسے ہیں جو اب تک ذہن پر نقش ہیں مگر برسوں پہلے قیصرہ حیات صاحبہ کا ایک ناول سایۂ دیوار بھی نہیں..... کی ہر قسط کو دل کی آنکھوں سے پڑھا، بے حد خوب صورت انداز و بیان اور الفاظ آج بھی دل پر نقش ہیں۔ جس میں عورت کے لیے ایک سبق آموز پیغام تھا۔ اس کے علاوہ محترمہ انجم انصار صاحبہ کا ناول اچھا لگتا ہے کو بار، بار پڑھا اور آج بھی روزِ اول کی طرح اچھا ہی لگتا ہے جملوں کی بے ساختگی اور برجستگی کوئی انجم صاحبہ سے ہی پوچھے اور بات جب انجم صاحبہ کی ہو اور جلترنگ کا ذکر نہ کیا جائے تو بے انصافی ہوگی کہ جلترنگ تو واقعی میں جلترنگ ہے۔ اس کو پڑھ کر دل باغ، باغ ہو جاتا ہے۔ اور اب ماشاء اللہ سے نزہت اصغر صاحبہ نے انجم صاحبہ کی کمی محسوس نہ ہونے دی اپنی خوب صورت باتوں، لہجے کی مٹھاس اور اپنائیت نے ہمیں بھی مجبور کر دیا کہ اب ہم بھی پاکیزہ کے اور بھی قریب ہو جائیں۔ نزہت صاحبہ بہت طریقے، سلیقے سے اور نہایت محنت سے ڈائجسٹ کو چلا رہی ہیں۔ اس ماہ پاکیزہ خلافِ معمول جلدی مل گیا تو تبصرہ لکھنے کو دل چاہا، سب کہانیاں بہترین ہیں ناولٹ کا ہے کو بیاہی بہترین ہے۔ میں انمول، میں عشق ہوں اور افسانوں میں اعتبار، مان، پتھر کے رشتے، بڑی بہو بہتر ہیں باقی سب کہانیاں بھی اچھی رہیں۔ باقی سب سلسلے بھی پسندیدہ ہیں۔ حسن نکھار یے میں ہاتھ پاؤں کو خوب صورت اور نرم و ملائم بنانے کی ٹپس بھی بتایا کریں سردیوں میں ہمارے علاقے میں بہت خشک اور ٹھنڈی ہواؤں کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔'' (آپ نے خط پہلی دفعہ لکھا ہے اس لیے من و عن شائع کیا گیا ہے ورنہ تو تعریفیں تھوڑی کم ہی دیتے ہیں کہ ہمیں تعمیری تنقید کی بھی ضرورت ہوتی ہے)

عظمیٰ مشتاق، نارووال سے۔'' پاکیزہ کے دلہن نمبر کا انتظار ختم ہوا روایتی سرورق تا جو ہر جو شاندہ تک سب سے محظوظ ہوئے افشاں آفریدی لاکھ کہیں میرا سارا زنگ اتار دو بھئی ہم تو معترف ہیں یہ زنگ کچے رنگ لائے گا۔ عائشہ تنویر کا وہ اِک لمحہ۔ واقعی کمال نصیحت دے گیا۔ فصیحہ کا مان، پڑھ کر مرحا پر رشک آیا کہ اسے جاذب جیسا شوہر ملا۔ میں انمول پڑھتے ہوئے اچانک باقی آئندہ تک جا پہنچے۔ فرحت جبیں کا عطا خوب تھا۔ ہمیں رحمتِ خداوندی سے نا امید نہیں ہونا چاہیے کس وقت ہماری دعائیں شرفِ قبولیت پائیں یہ اسی قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے۔ افشاں علی نے نوجوان نسل کو منزل پر دانہ سے واقعی آگہی دے دی کہ محنت کرنے سے آدمی چھوٹا نہیں ہو جاتا کوئی کام مشکل ہے نہ ہوتا ہے کامیاب زندگی کے لیے جذبہ چاہیے۔ لاک ڈاؤن لڈو پڑھ کر اپنی شادی یاد آگئی۔ ہر طرف لڈو ہی لڈو نظر آنے لگے، اچھا لگا۔ (اچھا ہوا ناں) عورت کہانی پسند آئی۔ کانچ کی چوڑیاں، انسان صرف ظاہری آن بان سے متاثر ہو کر واقعی فراڈ اور دھوکے کا

شکار ہو جاتا ہے، شکر ہے مائرہ بچ گئی۔ قرۃ العین سکندر نے پس آئینہ خوب تحریر کیا۔ کاہے کو یہ ہی پڑھ کر دل رنجیدہ ہوا۔ پتھر کے رشتے حساس ماں، باپ کے لیے ایک آگہی ہے بڑی بہو ایشانہ جانے معصومیت تھی یا دور اندیشی بالآخر اسے بڑی بہو بننا پڑا۔ بوجھ اتنا بڑھا کہ اگلے ماہ تک اٹھانا پڑے گا، ہم لباس، ہم خیال اور شوہر کے تعاون والا سلسلہ بھی پسند آیا۔ شادی مبارک پڑھا۔ فصیح باری خان سے ملاقات پسند آئی۔ بہنوں کی محفل، پاکیزہ ڈائری سب پڑھ ڈالے۔'' (بہت نوازش اتنے غور سے پڑھا اور رائے دی)

رخسار احمد، کراچی سے۔ ''اس وقت رات کا ایک بجنے والا ہے۔ اور میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ (بہت خوب بھئی) آپ سے فون پر بات ہوئی نہایت مختصر..... میں اپنے جذبات و احساسات کو اپنے دل میں ہی دبا کر رہ گئی۔ کچھ آپ کی شخصیت کا رعب اور کچھ آپ کے قیمتی وقت کا احساس..... جتنا قارئین سے سنا تھا بلاشبہ اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ اتنا میٹھا لہجہ و انداز..... ان کے فون کے بعد میں کافی دیر تک ان کے لہجے کی مٹھاس اور آواز کے سحر میں گم رہی تھی۔ میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ اس میں شائع ہونے والے ناول عکس، کہیں دیپ جلے، میں چاندنی اور اب میرا سارا زنگ اتار دو، آخری ہجرت میرے پسندیدہ ناول ہیں۔'' (آپ بہنیں دور دراز سے خط لکھتی ہیں، فون کرتی ہیں، وقت نکال کر بات کرنا تو ہمارا فرض ہے ناں شکریہ کہ آپ وقت نکال کر فون کرتی ہیں۔ کہانی کے سلسلے میں فی الحال معذرت ہے)

راشدہ عفت احمد مطیع، جرمنی سے۔ ''ستمبر اور اکتوبر کے شمارے بھی وقت پر مل گئے ہیں ماشاء اللہ شاندار ہیں محترمہ شائستہ زریں صاحبہ کے سروے بہت پسند آتے ہیں۔ ان کو سلام عرض ہے۔ ایک سجدہ، محترمہ عائشہ خان صاحبہ نے بہت اچھا لکھا۔ خاص طور پر آخر میں جب عین موقع کی مناسبت سے قرآن کے ترجمے مکالموں میں لکھے گئے جس کی بدولت ایک انگریزی ٹائپ آزاد خیال لڑکی کو سیدھا راستہ مل گیا۔ اتنا اچھا ناولٹ لکھنے پر مبارک باد ہو آمین..... اسی طرح مدیحہ شاہد صاحبہ نے بھی پریوں کا دیس بہت شاندار لکھا۔ مبارک باد ہو۔ اداریہ بہت اچھا لگا واقعی ہم سب عورتوں کو مثبت سوچ کے ساتھ اور اچھی امیدوں کے ساتھ اپنی منزلوں کو مدِنظر رکھنا چاہیے۔ اللہ پر توکل بڑی چیز ہوتی ہے۔ (جی بالکل) ناہید سلطانہ اختر کا ترجیح کا سفر پڑھ کر اچھا لگا رونا بھی آیا تھا۔ اسی طرح طیبہ عنصر مغل صاحبہ کا کیسی ریت کیسے رواج بھی اچھا تھا۔ ہمارے ملک میں واقعی اکثر گاؤں میں ایسا ہوتا ہوگا ہم کچھ نہیں کر سکتے یہ ان کے رواج ہوتے ہیں جس کو وہ لوگ ٹھیک قرار دیتے ہیں۔ محترمہ عذرا رسول صاحبہ کا بہنوں کی محفل میں خطاب ہمیشہ دل خوش کرتا ہے۔ بنہی فردوس صاحبہ کا فوجن آپا نے خوب ہنسایا۔ میرے جیسے بھی حالات تھے اگر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ اگر یہ کسی مصنفہ سے اس طور پر لکھوایا جائے کہ جو مرد عورتوں کو باہر کے ملکوں میں لا کر ذلیل کرتے ہیں ان کی بے قدری کرتے ہیں تو پھر یہاں کے قانون بھی سخت ہیں جن کی پکڑ میں ایسے مرد آجاتے ہیں اور باہر کے ملکوں میں عورتوں کی سنی جاتی ہے حالانکہ یہ عیسائی قومیں ہیں ہمارا اسلامی ملک کاش گورنمنٹ عورتوں کے لیے بھی بنیادی قانون میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی شق بنائے اور عورتوں کو عورتوں کی ہمت بندھانی چاہیے جس طرح یہ جرمن قوم عورتیں، عورتوں کی عزت کرتی اور ہر دم ہمت بندھاتی اور یہاں کی عورتیں تمام دوسری قوموں سے مضبوط عورتیں ہیں۔ اچھا میری پیاری بہن دعاؤں میں یاد رکھیں۔'' (شکر الحمد للہ کہ آپ تصنیف ہیں آپ کی تصاویر مل گئی تھیں۔ اس طرح کے ہزاروں کیسز پر تحریریں بھی آئی ہیں اور ڈرامے بھی)

ثمینہ کوکب، ضلع جہلم سے۔ ''پیاری سی دلہن کے ٹائٹل کے ساتھ پاکیزہ بہت اچھا لگا۔ نزہت اصغر صاحبہ کا مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ کی ذاتِ مقدس کے بارے میں بہت ہی پُراثر اور دل کو چھو جانے والی تحریر تھی مبارک باد کی مستحق ہیں۔ دین کی باتیں اور آنحضرتؐ کے اسمائے گرامی پڑھ کر ایمان تر و تازہ ہو گیا اور بہن اختر شجاعت نے نیت مقبول الٰہی بہت بہترین موضوع پر لکھا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں ہماری نیتوں کو نیک بنا دے۔ اختر شجاعت صاحبہ ہمیشہ ہی ہر موضوع پر بہت خوب لکھتی ہیں گزارش ہے کہ مکافاتِ عمل پر بھی اپنی تحریر سے نوازیں۔ (جی آپ کی فرمائش پہنچا دی گئی ہے) دلہن کا سہیلیوں سے رابطہ اور شوہر کا تعاون شائستہ زریں صاحبہ کا مضمون پڑھا سب کی رائے علیحدہ اور دلچسپ تھی۔

شادی مبارک بھی اچھا تھا۔ فصیح باری خان صاحب سے ملاقات بہت ہی اچھی لگی۔ عذرا آپی کو میری طرف سے بہت سی دعائیں اور سلام کہ وہ ہمیشہ اپنی پیاری باتوں سے بہنوں کے حوصلے بڑھاتی ہیں۔ خوش رہیں، سلامت رہیں۔ (جی وہ آپ بہنوں کی خوشی کی خاطر ہی تو محفل میں حاضری دیتی ہیں اور سب بہنوں کے لیے نیک دعاؤں کا اظہار کرتی ہیں۔) میرا اساراز نگ اتار دو، افشاں آفریدی، نایاب جیلانی، میں عشق ہوں، بہت دلچسپ طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ لاک ڈاؤن، لڈو شبینہ گل منی ناول میں انمول سعدیہ رئیس دونوں ناولٹ کاہے کو بیاہی بد ..... دردانہ نوشین صاحبہ بوجھ، روحیلہ خان افسانوں میں مان، فصیحہ آصف خان، وہ اک لمحہ، عائشہ تنویر، عطا، فرحت جبیں، منزل پروانہ، افشاں علی، عذرا فردوس کا کالج کی چوڑیاں، بڑی بہو، مریم شہزاد، ع عورت ک کردار فرحین اظفر صاحبہ اور نزہت اصغر صاحبہ کا ہم لباس ہم خیال کپل بہت اچھا لگا۔ پاکیزہ رسالہ شروع سے ہی اپنی تحریروں کے حوالے سے بہت ہی منفرد اور بہنوں، بیٹیوں اور بیٹوں کے لیے بھی بہت ہی بہترین رسالہ ہے۔ ہماری بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ مجھے ابھی تک اس میں کوئی قابل تنقید بات نظر نہیں آئی۔ میری دعا ہے کہ..... عروج زمانے میں ہو تجھے نصیب ایسا..... کہ آسماں بھی تیری رفعتوں پر ناز کرے، آمین۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں انعامی سلسلہ شروع کرنے کی میں بہن پروین افضل شاہین کی حامی ہوں۔ (جی کوشش ہے) پاکیزہ کے باقی تمام سلسلے بھی بہت خوب ہیں۔ نومبر کے مہینے میں میری شادی کی سالگرہ بھی آتی ہے۔ (پہلے بتا دیتیں) تازہ بہ تازہ سرگرمیوں میں سب کو اپنی خوشیاں مبارک..... محمد حمید صاحب کو بیٹی کی شادی مبارک خدا اسے دائمی خوشیاں نصیب کرے، آمین۔ تمام بہنوں کی صحت وسلامتی اور مکمل صحت یابی والی زندگی کے لیے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ بلند ہیں۔ شمیم فضل خالق صاحبہ کی تحریر نے رلا دیا۔ اللہ پاک اُن کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اُن کے شوہر کی مغفرت فرمائے، آمین۔ آخر میں دعا ہے کہ پاکیزہ بہنوں کی یہ محفل ہمیشہ یونہی سجتی رہے اور آنے والا وقت سب کے لیے خوشیوں کی برسات لے کر آئے، آمین۔'' (دعاؤں کے لیے نوازش، بس اسی طرح تبصرہ کرتی رہیں)

✉ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''نومبر کا پاکیزہ پڑھا حقیقی معنوں میں دل خوش ہو گیا۔ نزہت بھئی یہ کیا ہو رہا ہے سارے ناولز افسانے ایک سے بڑھ کر ایک ہو رہے ہیں۔ ڈھونڈنے سے بھی کوئی نقص یا تنقید مل نہیں رہی، ہم نے خوب چاہا کہ کسی نہ کسی ناول یا افسانے میں کوئی مین میخ نکال ہی لیں مگر شاباش ہے پاکیزہ مجال ہے جو کوئی غلطی کر دے۔ (ارے آپ تو بہت سر چڑھا رہی ہیں تعریف کریں ضرور مگر تعمیری تنقید بھی ضرور کریں) تو پاکیزہ خوب پھولو پھلو، ہماری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ (شکریہ دعاؤں کے لیے) اور جناب لگتا ہے میرا اساراز نگ اتار دو اب اپنے اصل رخ پر آ رہا ہے۔ ویسے دلکش ناول ہے۔ اور شبینہ گل کے لاک ڈاؤن لڈو نے تو اتنا مزہ دیا کہ کہنا پڑا کہ مزہ دوبالا کر دیا۔ ویلڈن شبینہ خوش رہیے۔ دردانہ نوشین خان کے کاہے کو بیاہی کی کیا بات ہے۔ اتنا عمدہ حقیقت سے قریب ترین جاندار ناول نے پاکیزہ کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر دیا۔ یقین جانیے پڑھتے وقت آنسو نہیں رک سکے۔ دردانہ بہن مبارک باد کی مستحق ہیں۔ (جی بالکل) روحیلہ خان کا بوجھ پڑھا مگر ابھی کوئی رائے نہیں کیونکہ پہلی قسط نے کوئی خاص تاثر نہیں دیا ہے۔ اس کے علاوہ افسانوں میں عائشہ تنویر کا وہ ایک لمحہ بہت اچھا لگا اسی طرح فصیحہ آصف خان کا مان بھی عمدہ رہا اور فرحت جبیں کا عطا کو بھی پسندیدگی کی سند دے دی۔ پسِ آئینہ بھی قرۃ العین سکندر نے زبردست لکھا ہے۔ اور عورت کہانی کی تو چھب ہی نرالی ہے۔ فرحین اظفر بہت جم کے لکھ رہی ہیں اس بار بھی عورت کردار پر ان کی کہانی کو شاندار کہہ سکتے ہیں۔ شادی مبارک میں پاکیزہ بہنوں کے احوال مزیدار لگے۔ خاص طور پر آسیہ عامر کی شادی کا قصہ پڑھ کر بڑا مزہ آیا۔ ویسے آسیہ آپ دلہن بن کر اچھی بھی بہت لگ رہی تھیں۔ (آسیہ اب خوشی سے پھول نہ جانا) ہماری پیاری سی استاد محترمہ سلمیٰ غزل صاحبہ کی خدمت میں پیار بھرا سلام عرض ہے۔'' (جی ان کی صرف سے وعلیکم السلام)

✉ عائشہ مصطفیٰ، واہ کینٹ دیکھیں آپ کی بھیجی گئی تحریر چھپ بھی گئی دوبارہ سے رابطہ بحال ہو گیا۔ ظاہر ہے پاکیزہ سے اتنا لمبا ناتا ایک دم تو قطع نہیں ہونا چاہیے ناں..... دیگر مراسلات اور تبصرہ بھی ضرور بھیجیں..... بیٹی کی کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی۔ ان شاء اللہ رابطہ رہے گا۔

❁ مسرت رانی خلیل، کراچی سے۔ ''قریبی عزیزوں کی وفات سے دل بہت غمزدہ ہے۔ بس یہی تو دنیا کی بے ثباتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے سب بتا رہا ہے اور ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے۔ ہر غم، تکلیف سے بچائے۔ جانا تو سب کو ہے بس زندگی جیسی نعمت کی شکر گزاری نصیب ہو۔ اللہ پاک کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں، آمین۔'' (ہاں بہن ہر دن کی خبریں ہیں بس یہی زندگی ہے اللہ پاک ناگہانی سے بچائے اور ہمیں توبہ و استغفار کی توفیق نصیب ہو، الٰہی آمین)

❁ فرزانہ اے شاہ، راول پنڈی سے۔ ''آج 9 نومبر 2020ء کا دن میرے لیے ایک دیرینہ خواب کے پورا ہونے کا دن تھا۔ میرے پیارے رب، تیرا جتنا شکر ادا کروں کم ہے..... واؤ..... کیا خواہشیں ایسے بھی پوری ہوا کرتی ہیں جہاں میری پسندیدہ رائٹرز کو میں پڑھتی رہی وہاں اپنا نام اور اپنا خط دیکھ کر میں تو خوشی سے نہال ہوگئی۔ میرے پیارے پاکیزہ میں مجھے بھی جگہ دی گئی مجھے تو ایک ان دیکھی خوشی اور تحفہ دے دیا گیا۔ بہت شکریہ بہت، بہت نوازش۔ (ارے یہ تو آپ قارئین کا حق ہے، شکریے کے لیے جزاک اللہ) اپنی پیاری انجم آپی کے میاں کی رحلت یقیناً ان کے لیے اور ان کے سب پیاروں کے لیے سانحہ عظیم ہے۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اف..... کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے کسی پیارے سے جدا ہونا۔ کیونکہ پچھلے چند سالوں میں، میں بھی اپنے تین بہت پیارے رشتوں کو اس مٹی کے حوالے کر چکی ہوں تو غم کی اس انتہا گہرائی اور گھور اندھیرے سے خوب واقف ہوں۔ اللہ پاک آپ کو صبر عظیم عطا فرمائے، آمین۔'' (اللہ مرحومین کی مغفرت فرمائے)

❁ حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ سے۔ ''دعاؤں میں آپ سب لوگ ہمیشہ یاد رہتے ہیں..... آپ میری شاعری کی کچھ اصلاح کر کے لگا دیں تاکہ میری ہمت بڑھے۔ مجھے بہت شوق ہے شاعری کا اور مضمون لکھنے کا بس آپ میری حوصلہ افزائی کرتی رہا کریں۔ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے، اللہ پاک ہمارے پاکیزہ کو بہت ترقی دے۔'' (کوشش تو کرتے ہیں کہ کچھ اصلاح کر کے لگا دیں۔ بہنیں شاعری بہت کرتی ہیں، ہم حوصلہ افزائی کرتے ہیں مگر معیار کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے)

❁ اسما مخدوم، ایبٹ آباد سے۔ ''میں تو پاکیزہ کی بہت پرانی قاری ہوں یقین کریں پاکیزہ کی حیثیت .... تو ہمارے گھر میں بڑی اماں کی سی ہے۔ بہت کچھ سیکھا ہے اس سے۔ کالج لائف سے شروع کیا تھا۔ اب تو میرا بیٹا کرنل ہے۔ ہم نے بشام آ کے پٹن میں باقاعدہ ان رسالوں کی لائبریری بنا دی تھی تاکہ دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ (بہت خوب، بہت اچھا کام کیا) پہلے انجم انصار سے تو بات چیت رہتی تھی۔ بہت اچھی طرح وہ بھی محفل سجاتی تھیں (جی بس انہی کی رہنمائی اور تجربے سے ہم نے بھی سیکھا) اسلام آباد میں میرے بھائی ڈاکٹر بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) بابر حسین اور انجم انصار کے بھائی ڈاکٹر سہیل ایک ہی اسپتال KRL میں جاب کرتے ہیں اس حوالے سے بھی ہماری شناسائی ہے۔ اللہ پاک آپ کو اور ترقی دے اور ہمت دے بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔'' (جی اسما بہت شکریہ دعاؤں کے لیے تبصرہ بھی کیجیے گا۔ بس ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے پڑھنے والوں کو بہتر سے بہتر مواد دیں۔)

❁ نرگس نسیم، صابہ موہڑہ، چکوال سے۔ ''2020ء کا سال خوشیاں کم غم زیادہ لایا۔ کورونا کی وبا سے جانی و مالی نقصان بہت سے پیاروں کی جدائی، دنیائے ادب کے جگمگاتے روشن ستارے محترم معراج رسول کی جدائی بھی تازہ لگتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی مصنفات بہنوں کی اپنوں سے ابدی جدائی ہوئی۔ سب سے پہلے ڈیئر عذرا رسول آپی آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین اور آپ کا سایہ ہمارے اور آپ کی فیملی کے سروں پر سلامت رکھے، آمین..... ڈیئر آپی انجم دعا ہے آپ کی صحت یابی کی اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پناہ میں رکھے۔ ڈیئر نزہت، آمنہ، شائستہ زریں سدا خوش رہو یونہی ہمارے لیے خوشیوں کی ضامن اور پیارے سے گلشن (پاکیزہ) کی آبیاری کے لیے رب العزت سے آپ کی صحت و ہمت کے لیے دعا گو ہوں۔ (جزاک اللہ) ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت صاحبہ جزاک اللہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ جو ماشاء اللہ اتنے اچھے موضوع پر پاکیزہ میں لکھا اور اس نیکی کا اجر ان شاء اللہ اللہ پاک آپ دونوں کو لازمی دے گا کہ بہت سی بہنیں آپ کے مضمون پڑھ کر نیکی کی جانب گامزن ہوئیں۔ آپ دونوں

کی صحت و کامیابی کے لیے خصوصی دعا گو...... مجھے اپنی محبتوں بھری دعاؤں میں یاد رکھیے گا لازمی۔ پیاری اینہ عندلیب میں تمہارے لیے خصوصی دعا کرتی ہوں۔ ڈیئر ناہید سلطانہ اختر اسکول کے زمانے سے میں آپ کی فین ہوں۔ اسی طرح تمام لکھنے والی بہنوں کے لیے پُرخلوص دعائیں حاضر ہیں۔ رائٹر بہنوں میں نے سب کی کہانیاں پڑھ، پڑھ کر تبصرے کر، کر کے اپنی آنکھیں پھوڑیں تو اب آپ سب کا حق بنتا ہے چلو جلدی، جلدی سب اپنی، اپنی ایک بک نکالیں اپنا، اپنا آٹوگراف ڈیئر نرگس کے نام نزہت آپی سے میرا ایڈریس لے کر کتابیں پارسل کریں کہ میں نے یادگاری لائبریری بنانی ہے۔ (ارے واہ اچھی فرمائش ہے) تمام تبصرہ نگار بہنوں ادارے کے تمام ملازمین، اسٹاف، قاری بہنوں...... مصنفات کے لیے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ 2020ء ختم ہونے کو ہے نیا سال آنے کو ہے دعا ہے کہ آنے والا سال تمام امت کے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئے، آمین۔ بہت سی مصنفات و تبصرہ نگار بہنیں اب ہم میں نہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھے، آمین۔ اور سب بہنیں میری مشکلات کے حل کے لیے خصوصی دعا کیجیے گا۔ (جی ضرور) زندگی کے اگلے پل کا کچھ پتا نہیں اگر جانے انجانے میں میری طرف سے کسی کا دل دُکھا ہو تو معافی کی طلب گار ہوں۔" (یہ گزارش تو ہم سب بہنوں کو ایک دوسرے سے کرتے رہنا چاہیے اللہ تمہیں صحت و سلامتی سے رکھے۔ آمنہ حماد آپ کے تعزیت نامے پر جزاک اللہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی دل جوئی یقیناً مرہم کا کام کرے گی)

اور اب بہنوں محفل ایک ماہ کے لیے برخاست کرتے ہیں...... اگلے سال کے شمارے کے ساتھ ملاقات ہوگی۔ اللہ پاک سے سب مل کر دعا کریں کہ آئندہ برس صرف پیار، محبت، مروت، رواداری، خیر خواہی میں بسر ہو۔ آمین......!

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمام دنیا سے اس بیماری کا خاتمہ جلد سے جلد ہو جائے...... ہمارے ملک میں امن، سلامتی اور خوشحالی کی فضا پروان چڑھے۔ ہم گناہ گاروں پر اللہ پاک رحم کرم جود و سخا کی بارش فرمائے اور سالِ آئندہ ہر لحاظ سے بہترین ثابت ہو، الٰہی آمین۔

خیر اندیش

نزہت اصغر

چند گزارشات عرض ہیں

1۔ تمام لکھنے والوں اور تبصرہ کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ صاف اور واضح لکھائی میں لکھیں۔ 2۔ اپنا نام و پتا رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔ 3۔ خط کتابت کے لیے دو پتے دیے جاتے ہیں ایک دفتر کی بلڈنگ کا ایڈریس دوسرا پوسٹ بکس نمبر...... یہ آپ سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ پوسٹ بکس نمبر پر رجسٹرڈ پوسٹ نہیں جاتی یہ آپ کے علاقے کے ڈاک خانے کے عملے کو معلوم ہے اور انہیں آپ کو ضرور آگاہ کرنا چاہیے۔ 4۔ کوریئر یا رجسٹری کرنا ہو تو دفتر کا پتا لکھا کریں تا کہ ڈاک بہ آسانی پہنچ جائے ورنہ پوسٹ بکس سے پہنچ تو جاتی ہے مگر بہت دن لگ جاتے ہیں اس لیے خوب دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر ڈاک روانہ کیا کریں۔ عام ڈاک تو پوسٹ بکس پر پہنچ جاتی ہے مگر رجسٹری نہیں رسید کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں تا کہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔ 5۔ اپنی نگارشات بھیجنے کے ہفتہ دس دن بعد درج ذیل نمبروں پر رابطہ کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ڈائریکٹ نمبر 02135386783 صبح 10 بجے سے شام 5 بجے۔ 02135802552 Ext-110 صبح 10 سے شام 5 بجے۔ 02135895313 Ext-110

موبائل نمبر۔ 03316266612 صبح 11 بجے سے شام 4 بجے فون کریں میسج کسی بھی وقت send کر سکتی ہیں۔

جوابی ٹیکسٹ کا انتظار کریں۔ جواب ضرور دیا جاتا ہے اگرچہ کچھ دیر سے ہی سہی۔ امید ہے ہماری پیاری اور بے حد سمجھدار بہنیں ان وضاحتوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔ اب دفتر کا پتا بھی نوٹ فرمالیں محفل کے آغاز میں پی او باکس اور ای میل ایڈریس واضح لکھ دیا گیا ہے۔

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد ذوالجلال والاکرام

یہی ہے آرزو میری بلے رب کی ثنا مجھ کو
میں لکھوں چشمِ نم کے ساتھ تکے ساری فضا مجھ کو
قیامت آنے والی ہے سنبھل کے رہنا اے دل تو
فنا سے ناتا مت رکھنا کہ مل جائے بقا مجھ کو
جدھر دیکھوں مجھے تو ہی نظر آئے مرے مولا
سنائے تیرا ہی پیغام لا، لا کر صبا مجھ کو
تری قدرت میں گم ہو کر تلاشوں تیرے جلووں کو
سوا اپنے خداوندا صنم سارے بھلا مجھ کو
ملا مجھ کو مرے مولا ابی محبوب ہستیؐ سے
عبادت تیری کرنے کو پھر ہر دم اٹھا مجھ کو
ترے در پر میں ہر پل ہی جھکاؤں سر سعادت سے
کسی بھی غیر کے آگے تو کبھی بھی نہ جھکا مجھ کو
گزاروں زیست میں ساری توبہ کے چراغوں میں
علم دیں کا ملے مجھ کو عمل سے دے سجا مجھ کو
نہ مانگا ہے نہ مانگوں گی جو دینا ہو خود ہی دے دے
رہی مطلوب تیری ہی مرے مولا رضا مجھ کو
تیرے ہی نام پر واروں مرے گھر آئے جو پونجی
فقط خواہش ہے سوداؔ کی کہ مل جائے سخا مجھ کو

کاوش: کوثر خالد سوداؔ، فیصل آباد

نعت رسول مقبولؐ

مجھے اتنا دیتے ہیں میرے سرکارؐ ہمیشہ
دل میرا بنا رہتا ہے گلزار ہمیشہ
کیوں پاس رہیں میرے، الم دنیا کے سارے
رہتا ہے مجھ پہ سایۂ سرکار ہمیشہ
چاہے نہ کھلے کوئی بھی در دنیا کا مجھ پر
کھلتا ہی رہے گا تیرا دربار ہمیشہ
آئے جو بھلا حشر تیری دید تو ہوگی
رہتی ہیں میری آنکھیں یوں تیار ہمیشہ

عقیدت گزار: جبینا، کراچی

دعا

اے خدا تو پاک ہے پاک دل کر دے عطا
بخش دے سب لغزشیں اور معاف کر دے ہر خطا
ہر برائی سے بچانا صرف تیرا کام ہے
دل کے ہر خانے میں جو لکھا وہ تیرا نام ہے
وسوسے آتے ہیں دل میں کیونکہ میں کمزور ہوں
تیری قدرت اتنی زیادہ شیطان کا کیا کام ہے
کافر و مشرک کی چالوں سے بچانا اے خدا
ڈوبنے والی ہے کشتی تو بچا لے اے خدا
ایک کر دے تو مسلمانوں کو اے رب کریم
تو ہی کر سکتا ہے ایسا تو ہے رحمٰن و رحیم
ملک جو تو نے دیا تھا اس کو مشکل سے نکال
تو کرم کر دے خدایا ورنہ جینا ہے محال
ہیں مسلماں راہ سے بھٹکے ہوئے رستہ بتا
غیرتِ ایمان بالکل مٹ گئی تو ہی بچا
سب مسلماں ایک ہو جائیں تو بیڑا پار ہو
یا الٰہی ایسا ہی ہو اور دشمنِ دیں خوار ہو

کلام: ذکیہ بلگرامی

منافقین کی محفل سے بچو

اللہ تعالیٰ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا کہ ”جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ

لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں۔ ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔'' سورۂ منافقون۔

اللہ قرآن میں پہلے بھی حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں اس کے احکام کا انکار اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو، وہاں ہرگز مت بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے۔ البتہ جس وقت وہ دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اُن کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔

ویسے یہ مسلمانوں کی دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ جس محفل میں اللہ کی کتاب کا مذاق اڑایا جارہا ہو، وہاں سے اٹھ جائیں وہاں مت بیٹھیں۔

منافقین دنیا میں تو مسلمانوں کی برادری میں شامل ہیں۔ قانونی طور پر مسلمان شمار ہوتے ہیں مگر درحقیقت یہ منافق ہیں۔ آخرت میں ان کی منافقت کا پردہ چاک کردیا جائے گا اور کفار کے ساتھ انہیں بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ سب عبرت ناک انجام سے دوچار کیے جائیں گے۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سچے مومنین اور منافقین کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ اس دن حقیقت آشکار ہوجائے گی اور اللہ کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ خیر و شر کے اس معرکے میں بالآخر فتح اہلِ حق کو حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے عملی تقاضے پورے کرنے اور نفاق سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، الٰہی آمین۔

از: سنبل بک، شاہدرہ، لاہور

حدیثِ رسولؐ

حدیثِ رسولؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا کہ میرے اس مومن بندے کہ جس کی کوئی عزیز چیز میں دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔

(صحیح بخاری)

انتخاب: فصیحہ آصف خان، ملتان

اللہ کو راضی کرلے انسان

اے انسان امیدِ دنیا چھوڑ دے، دوسروں پر بھروسا چھوڑ دے، دوسروں سے توقعات رکھنا چھوڑ دے، مٹ جا، مرجا، فنا ہوجا صرف اللہ کی سن، اللہ کی مان، صرف اللہ کو راضی کرنا سیکھ لے۔ یہ جو تو سارا وقت انسانوں کو راضی کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہے تو سن لے تیرا کچھ نہیں بننے والا اسے راضی کرلے جس نے زندگی دی ہے تجھے، اسے خوش کر جس نے خوشیاں دی ہیں اسے یاد کر جس نے سہارا دیا ہے، جس نے تیرا ساتھ کسی حال میں بھی نہیں چھوڑا۔ بس اسی کو راضی کرلے بھائی تیرا سب سنور جائے گا۔ تیری مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔ بس اسی کا ہوجا جس کا تو ہے۔

ایک درویش کی نصیحت

از: رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

اُف کو رونا

اُف کو رونا تو نے ڈھایا کیا ستم
دوستوں کی محفلیں ترسے ہیں ہم
بلبل و قمری کی آوازیں تو ہیں
پر مری سکھیوں کی آوازیں کہاں
ہائے یہ کیونکر ہوا، کیسے ہوا
سُونا، سُونا کر گیا شہروں کو یہ
ہم نے کیا، کیا تھیں سجائیں محفلیں
یہ نہ سوچا تھا کبھی بچھڑ جائیں گے ہم
ایک دن میلا سجائیں پھر سے ہم
اپنی سکھیوں کو بلائیں پھر سے ہم
کیسے بھولیں وہ ملاقاتیں صنم
تم چلے آؤ بہاروں کی قسم

کاوش: فریدہ افتخار، اسلام آباد

غزل

آنکھیں ہجر سمندر جگنو
آجاتے ہیں اکثر جگنو
رات کی گہری تاریکی میں
ہر سو رقص میں ناچیں جگنو
میرے گورے گال پہ یونہی
چھو جاتے ہیں اکثر جگنو

میری قسمت جیسے جگنو
گھوم رہے ہیں بے گھر جگنو
دامن میں برسات ہے فری
میرے باہر اندر جگنو

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

حُسنِ سلوک

آٹھ سالہ علی دس سالہ مانی سے پوچھ رہا تھا۔ ''تم دو مہینے کی چھٹیاں گزارنے اپنے خالو، خالہ کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ وہ تمہاری شرارتوں سے تنگ تو نہیں آئے؟''

''بالکل بھی نہیں..... انہوں نے بڑے پیار سے مجھے رکھا۔ روزانہ خالو مجھے کشتی میں بٹھا کر سیر کے لیے لے جاتے۔ واپسی میں مجھے تیر کر آنا پڑتا۔''

''وہ کیوں؟''

''وہ بے خیالی میں مجھے دریا میں پھینک دیتے تھے۔''

''اتنی دور سے تیر کر آنا تمہیں مشکل تو لگتا ہوگا؟''

''تیرنا تو کچھ مشکل نہیں تھا۔ اصل مشکل تو مجھے بوری سے نکلنے میں پیش آتی تھی۔''

جھوٹ سچ

ایک صاحب جو ملک بھر میں بہت جھوٹے مشہور تھے۔ کسی شہر میں آئے تو اُن کی شہرت سن کر ایک ستر سالہ بوڑھی عورت اس سے ملنے آئی اور بولی۔

''بیٹے کیا تم وہی ہو..... جس سے بڑا جھوٹا اور کوئی نہیں.....''

جھوٹے نے جواب دیا۔

''محترمہ چھوڑیے اس بات کو۔ میں آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں۔ کمال ہے یہ عمر اور اس پر یہ حُسن یہ جمال یہ کشش۔ جواب نہیں آپ کا۔''

وہ خاتون شرما کر بولی۔

''ہائے اللہ لوگ کتنے جھوٹے ہیں جو ایک ''اچھے خاصے آدمی کو جھوٹا'' کہتے ہیں۔''

پوتے کی سمجھداری

دادا جان نے پوتے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا کام کرو..... بیکار پھرنا اچھا نہیں۔ جب میں تمہاری عمر کا تھا تو میں نے 20 روپے ماہوار پر نوکری کر لی تھی اور پھر پانچ سال بعد اسی دکان کا مالک بن گیا تھا۔''

پوتے نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''دادا جان آج کل ایسی دھاندلی نہیں چلتی۔ ہر ایک دکان پر اب باقاعدہ حساب کتاب لکھا جاتا ہے۔''

از: ماہ نور خان، بہارہ کہو

عجیب لوگ

لوگ کہیں چین نہیں دیتے۔ بات، بات پر پریشان کرتے ہیں۔ سیدھی بات کہہ دو تو بدتمیز بنا دیتے ہیں۔ خوش اخلاقی سے پیش آؤ تو ڈپلومیٹ کا طعنہ دیتے ہیں۔ اگر کسی سے اختلاف کرو تو بے ادب کہلاتے ہیں اور اگر اختلاف کرنے کے بجائے چُپ سادھ لو تو کہتے ہیں کہ بڑا ہی منافق آدمی ہے۔ پھر کیا، کیا جائے۔

از: ساجدہ ظفر، کمالیہ

اعتراف

تو کیا یہ دل سے محبت کا اعتراف نہیں
کسی بھی بات پہ اب تجھ سے اختلاف نہیں
خدا خبر کہ یہ دنیا ہمیں کہاں رکھے
ہمارے دل میں محبت بھی واشگاف نہیں

شاعر: میثم علی آغا
پسند: نیر فہیم خان، کراچی

سب کچھ ہو سکتا ہے

خوشیاں بانٹی جا سکتی ہیں
دکھ بھی سانجھے ہو سکتے ہیں
دل کی دنیا تنگ نہ ہو تو
غیر بھی اپنے بن سکتے ہیں
حسد، بغض، کینہ رکھنے سے
رشتے کھوٹے ہو سکتے ہیں
دیر سویر تو ہو جاتی ہے
لیکن جو تم کر گزرو گے کل وہ سامنے آ سکتا ہے
پھر سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ، قلم اٹھاؤ، ہونٹ ہلاؤ

تمثیلہ کا عشق ہے سچا
کیوں بھلا پھر مات کریں گے
شاعرہ: تمثیلہ لطیف، جوڑھالہ

چٹ پٹیاں

یہ جو منہ ہے
ہنستے جو دیکھتے ، بس کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھے، دیکھ کر روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

میں نے جونہی شعروشاعری شروع کی اماں نے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور بولیں جو منہ میں آتا ہے اول فول بک دیتی ہو۔ میرے منہ پر بارہ بج رہے تھے۔ حنا نے دیکھا تو منہ میں چیونگم ڈالی اور بولی کیوں منہ لٹکا لیا۔ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آجاؤ کچھ نیا بناتے ہیں، آج منہ کرارا کرنے کو .....ارے عاتکہ کی تو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی عادت ہے۔ جلدی سے کہتی ہوئی ندا پاس سے گزری..... منہ سنبھال کر بات کرو، میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ ویسے کوکنگ میں تو میرا کوئی ثانی نہیں اس دن بھی میرے بنائے گلاب جامن دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ چھوٹا منہ بڑی بات، سویرا نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ منہ توڑ دوں گی جو تمہارے منہ سے اب ایک لفظ بھی نکلا۔ برے، برے منہ بنا کر سلیفیاں بناتی ہوئی ایما ایمن بولیں یہ منہ اور مسور کی دال کوکنگ میں کروں اور کریڈٹ یہ لے جائیں۔ وہ طنزاً کہنے لگیں نرا جھوٹ۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر ندا نہیں آتی

ہاہاہا سب نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔ پھپھو حمیدہ کی چھپ کر باتیں سننے کی عادت تھی، نہ رہا گیا ان سے اچانک ہال میں انٹری دی۔ دُرِ فٹے منہ اس تعلیم کا جس نے تمہیں منہ پھٹ بنا دیا۔ پھر نہ جانے منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑائیں۔ میں خاموش تھی میری طرف آئیں اور ارشاد فرمایا۔ منہ سے کچھ تو پھوٹو، منہ میں زبان نہیں میں نے عرض کیا۔

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش پوچھو کہ مُدعا کیا ہے؟

از: عظمیٰ مشتاق، نارووال

کہ
سب کچھ اچھا ہو سکتا ہے
رشتہ سچا ہو سکتا ہے
خود کو بس تم پاک رکھو اور
دل کو اپنے صاف رکھو تو ہر رشتہ پکا ہو سکتا ہے
از: سباس گل، رحیم یار خان

سلیقہ

میں درد لکھتی ہوں
لوگ لفظ پڑھتے ہیں
میں ذرا سا مسکراتی ہوں
لوگ شکر کرتے ہیں
آتا نہیں سلیقہ
بات کرنے کا کسی کو
ظلم خود کر کے انسانیت کی بات کرتے ہیں
کاوش: اریبہ ارشد، راول پنڈی

غزل

تنہائی سے بات کریں گے
پھر غم کی برسات کریں گے
اپنے دل کی ساری باتیں
ساجن تیرے ساتھ کریں گے
یاد کریں گے پچھلی باتیں
اشکوں کی سوغات کریں گے
کس نے پیار میں دھوکے بخشے
شامل تیری ذات کریں گے
میرے پیار کے قابل کب تھے
کیا تیری اوقات کریں گے
شاید وصل ہمارا ہو گا
شکوے ساری رات کریں گے
پھر سے خوشیاں لوٹ آئیں گی
خوشیوں کی بارات کریں گے
تیرے ہاتھ کا بوسہ لوں گی
شامل سب جذبات کریں گے

☆اریبہ ارشد.....راول پنڈی

دنیا کو میں جان گئی ہوں
رشتوں کو پہچان گئی ہوں
ہے محض یہ مٹی کا اِک پتلا
انسان کو بھی میں جان گئی ہوں

☆فصیحہ آصف خان.....ملتان

تیری یادیں دھیرے، دھیرے چاٹ رہی ہیں
مر جاؤں تو پھر نہ کہنا ربّ کی مرضی

☆عرشیہ جنید.....کراچی

کوشش کے باوجود بھی مطلب کی کب ملی
میں زندگی کو لے کے کئی بار رو پڑا

☆سباس گل.....رحیم یار خان

جن لوگوں پر ہے انعام ترا
ان لوگوں میں لکھ دے نام مرا

☆ثمرینہ قیصر.....ذیشان کالونی

کسی کا عشق کسی کا خیال تھے ہم بھی
گئے دنوں میں بہت باکمال تھے ہم بھی
ہماری کھوج میں رہتی تھیں تتلیاں اکثر
کہ اپنے شہر کا حُسن و جمال تھے ہم بھی

☆مہرین نواز.....چارسدہ

بنتے، بنتے ڈھے جاتی ہے دل کی ہر تعمیر
خواہش کے بہروپ میں شاید قسمت رہتی ہے

☆انجم نیاز.....فیصل آباد

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بہت دیر سے ملا ہے مجھے
تو محبت سے کوئی چال تو چل
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھے

☆ایمن رانی.....کمالیہ

تقدیر کے مضمون پر کیا سوچ رہے ہو
تم نے کبھی پُتلی کا تماشا نہیں دیکھا

☆نرمین اعجاز.....حیدرآباد

دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہے فُسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
اول، اول کی محبت کے نشے یاد تو کر
بے پیے بھی ترا چہرہ تھا گلستاں جاناں

☆بدر بودلہ.....عارف والا

پھر نئے سال کی سرحد پہ کھڑے ہیں ہم لوگ
راکھ ہوجائے گا یہ سال بھی حیرت کیسی

☆سنبل ملک.....شاہدرہ

بہت دنوں سے نہیں ہے کچھ اس کی خیر خبر
چلو فراز کوئے یار چل کے دیکھتے ہیں

☆ماہ نور خان.....بہارہ کہو

عمر بھر کون نبھاتا ہے تعلق اتنا
اے میری جان کے دشمن تجھے اللہ رکھے

☆عروبہ ناز.....کوٹلی

ہمیں خبر ہے کہ وہ آج رات رو...ئے ہیں
کہ ان کے شہر سے جھونکے ہوا کے نم آئے

☆فردوس شازیہ.....لاہور

دسمبر کی یہ پہلی شام ہی کتنی ظالم ہے
آغاز شام ہی سے یادوں کے بادل چھائے

☆ثمینہ کوکب.....ضلع جہلم

لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے
زندہ رہے تو پھر ملیں گے
مگر آپ سے مل کر ایسا لگا
ملتے رہے تو زندہ رہیں گے

☆جینا.....کراچی

اپنی بھی دستار میں ہوتا ضبط کا کوئی پھول کلیم
دنیاداری ہم نے نہ سیکھی ہم ٹھہرے دیوانے لوگ

☆فریدہ جاوید فری.....لاہور

تیری میری درد کہانی
دریا جیسی ایک روانی
شاید میں تو بھول گئی ہوں
رکھ کر تیری ایک نشانی

☆ماہین مسعود.....کمالیہ

خواہشوں کا اگر غلام نہ ہو
دل وہی سرفراز رہتا ہے
ہاتھ ایک بار پھیل جائے اگر
زندگی بھر دراز رہتا ہے

☆پروین.....پنجاب

کبھی ہمت تو کبھی حوصلے سے ہار گئے
ہم بدنصیب تھے جو ہر کسی سے ہار گئے
عجب کھیل کا میدان ہے یہ دنیا بھی
کہ جس کو جیت چکے تھے اسی سے ہار گئے

☆کوثر خالد.....جڑانوالہ

باندھ لو بہار کو زنجیروں سے اب کے برس
کہ پھر خزاں اس چمن کا کبھی رخ نہ کرے

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ

تم نے تو پھر بھی سیکھ لیا دنیا کا چال چلن
ہم تو کچھ بھی نہ کر سکے تجھ سے محبت کے سوا

☆پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

اس شہر باکمال میں اِک ہم کو چھوڑ کر
ہر شخص بے مثال ہے ہر شخص لاجواب

☆تسنیم کوثر.....کراچی

نکلتا سورج روشنی دے آپ کو
مہکتا پھول خوشبو دے آپ کو
میں کچھ دوں یا نہ دوں
زندگی دینے والا زندگی دے آپ کو

☆لائبہ رانا.....فیصل آباد

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں محسن
ایک تجھے نہیں آتا ایک مجھے نہیں آتا

☆نگہت آصف.....لاہور

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملے
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملے

☆واصفہ علی.....کراچی

اپنے بالوں کی سفیدی سے ڈر جاتا ہوں
زندگی اب تیری رفتار سے ڈر لگتا ہے

☆تسنیم.....الیف بی ایریا

تمہاری یاد بھی محسن کسی مفلس کی پونجی ہے
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں

☆فرخندہ جعفری.....گجرات

مسئلے تو نئے سال کے اپنی جگہ رہے
سب سوچتے رہے کہ نیا سال آگیا
خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی بات تھی نئی
گزرا ہوا یہ سال بھی عمریں بڑھا گیا

☆رخسانہ ناصر.....کراچی

جانے کہاں تھے اور چلے تھے کہاں سے ہم
بیدار ہوگئے کسی خوابِ گراں سے ہم
اے نو بہارِ ناز تری نکہتوں کی خیر
دامن جھٹک کے نکلے ترے گلستاں سے ہم

☆نرمین سرھیو.....حیدرآباد

اب تو شہروں سے خبر آتی ہے دیوانوں کی
کوئی پہچان ہی باقی نہیں ویرانوں کی

☆ایمن زرناب.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

مجھ سے الگ اِک اپنے لیے گھر بنائے گا
اب وہ بغیر سانس کے جی کر دکھائے گا
مجھ کو اذیتوں سے سجانا ہے اس کا شغل
ناراض بھی کرے گا مناتا بھی جائے گا

☆☆☆

منتخب غزلیں

ماہ دسمبر اردو ادب کی معروف شاعرہ پروین شاکر کا ماہِ وفات
ہے اسی مناسبت سے ان کا کلام آپ جیسے باذوق قارئین کے لیے . . .

پت جھڑ سے گلہ ہے نہ شکایت ہوا سے ہے
پھولوں کو کچھ عجیب محبت ہوا سے ہے

سرشاری شگفتگیِ گُل کو کیا خبر
منسوب ایک اور حکایت ہوا سے ہے

رکھا ہے آندھیوں نے ہی ہم کو کشیدہ سر
ہم وہ چراغ ہیں جنہیں نسبت ہوا سے ہے

اس گھر میں تیرگی کے سوا کیا رہے جہاں
دل شمع پر ہیں اور ارادت ہوا سے ہے

بس کوئی چیز سلگتی ہے دل کے پاس
یہ آگ وہ نہیں جسے صحبت ہوا سے ہے

صرصر کو اِذن ہو جو صبا کو نہیں ہے بار
کُنجِ قفس میں زیست کی صورت ہوا سے ہے

تخت ہے اور کہانی ہے وہی
اور سازش بھی پرانی ہے وہی

قاضیِ شہر نے قبلہ بدلہ
لیکن خطبے میں روانی ہے وہی

خیمہ کش اب کے ذرا دیکھ کے ہو
جس پہ پہرہ تھا، یہ پانی ہے وہی

صُلح کو فسخ کیا دل میں مگر
اب بھی پیغام زبانی ہے وہی

آج بھی چہرۂ خورشید ہے زرد
آج بھی شام سہانی ہے وہی

بدلے جاتے ہیں یہاں روز طبیب
اور زخموں کی کہانی ہے وہی

حجلۂ غم یونہی آراستہ ہے
دل کی پوشاک شہانی ہے وہی

شہر کا شہر یہاں ڈوب گیا
اور دریا کی روانی ہے وہی

24 نومبر 1952ء تا 26 دسمبر 1994ء

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسپی'' لے کر آئے ہیں۔ (مدیرہ)

یخنی پلاؤ

اشیا: مرغی کی یخنی، چھ کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ ابلے ہوئے چاول، آدھا کپ۔ گاجر، باریک کٹی ہوئی آدھا کپ۔ بند گوبھی، آدھا کپ۔ ثابت گوبھی، آدھا کپ۔ شملہ مرچ، ایک عدد۔ ہری مرچ، تین سے چار۔ سرکہ، دو کھانے کے چمچ۔ چینی، ایک کھانے کا چمچ۔ وائٹ پیپر، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ کوئی سے بھی بینز یا مٹر۔ کارن فلور، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: سب سے پہلے یخنی میں تمام سبزیاں بوائل کرلیں مگر شملہ مرچ کو آخر میں ڈالنا ہے۔ بوائل کرتے وقت کم نمک استعمال کرنا ہے۔ سبزیاں ابل جائیں تو سرکہ ڈالیں اور چینی ڈالیں اور حسب ذائقہ نمک استعمال کرنا ہے۔

اب بوائل کیے ہوئے چاول ڈال کر کارن فلور بھی آدھا کپ پانی میں گھول کر ڈالیں۔ ایک دو ابال آجائے تو سوپ تیار ہے۔ یہ زیادہ گاڑھا نہیں ہوتا۔

مکھنڈی حلوا

اشیا: سوجی، ڈیڑھ کپ۔ دودھ، تین کپ۔ گڑ کی شکر، دو کپ۔ کشمش، اخروٹ، کاجو، پستہ، بادام حسب پسند، چھوٹی الائچی، آدھا چائے کا چمچ۔ گھوپرا، تھوڑا سا کاٹ لیں۔

ترکیب: ایک پیالے میں سوجی ڈالیں اور دودھ بھی ڈالیں اور مکس کرلیں اور دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دو ٹیبل اسپون، گھی میں اخروٹ، بادام اور کاجو فرائی کرلیں اب اس میں پستہ اور کشمش بھی فرائی کریں اور اب اس کو الگ پلیٹ میں نکال لیں۔ ایک کڑاہی میں گھی ڈالیں۔ اس میں شکر شامل کرلیں۔ اس وقت تک پکائیں جب تک کہ شکر پگھل جائے اور شکر کا رنگ بدل جائے اگر لگے کہ شکر چپک رہی ہے تو دو چمچ پانی شامل کردیں۔ اب چولھے کی آنچ کو کم کردیں اور اس میں سوجی اور دودھ بھیگا ہوا مکسچر شامل کریں اور چمچ چلاتی رہیں۔ پانچ سے چھ منٹ کے بعد اس میں کھوپرا شامل کردیں۔ چھوٹی الائچی شامل کریں اور اس وقت تک پکائیں کہ حلوا گھی چھوڑنے لگے اور اس کا دانا الگ، الگ ہونے لگے۔ چمچ کو چلاتے رہیں۔ اب اس میں کٹے ہوئے میوہ جات ڈال دیں اور پندرہ منٹ مزید ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب چمچ کی مدد سے حلوے کو دبا، دبا کر گھی الگ کریں اور ڈش میں نکال لیں۔ چاہیں تو گارنشنگ کے لیے پسا ہوا کھوپرا چھڑک سکتی ہیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

سوجی کی کھیر

اشیا: سوجی، ایک پاؤ۔ چینی، ایک پاؤ۔ چھوٹی الائچی، تین سے چار عدد۔ مکھن، دو چمچ۔ بادام، پستے، حسب ضرورت کوٹ لیں۔

ترکیب ﴿ پہلے دیگچی میں مکھن ڈال کر گرم کرلیں پھر سبز الائچی چھیل کر کڑ کڑائیں پھر سوجی ڈال کر بھونیں۔ جب سوجی گولڈن ہوجائے تو چینی ڈال کر ہلائیں پھر ایک گلاس پانی شامل کر کے چمچہ ہلاتی رہیں۔ آنچ ہلکی رکھیں۔ جب محلول تھوڑا گاڑھا ہوجائے تو نیچے اتار کر بادام، پستہ چھڑک لیں۔ ایک پیالے میں ڈال کر ٹھنڈا کرلیں اور وقفے، وقفے سے بچوں کو بھی کھلائیں اور خود بھی کھائیں۔ پانی کی جگہ دودھ بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

از: سنبل ملک اعوان، شاہدرہ، لاہور

روہنی مچھلی کا سالن

اشیا ﴿ مچھلی، آدھا کلو۔ (بغیر کانٹے کی) میتھی دانہ، آدھا چائے کا چمچ۔ (ہلکا سا کوٹ لیں) لال مرچ پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ڈیڑھ کھانے کا چمچ۔ ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ ثابت سیاہ مرچ، دس عدد۔ لونگ، دو عدد۔ بڑی الائچی، ایک عدد۔ لہسن پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز (پیسٹ بنالیں) تین عدد درمیانی۔ تیل، حسبِ ضرورت۔ دہی، آدھا کپ۔

ترکیب ﴿ سب سے پہلے مچھلی کے قتلے کو اچھی طرح دھو کر خشک کرلیں۔ ایک برتن میں مچھلی پر دہی لگا کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں میتھی دانہ ڈال کر ہلکا سا گولڈن فرائی کرلیں۔ پیاز اور لہسن کا پیسٹ ڈال کر لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی، نمک، ثابت سیاہ مرچ، لونگ اور بڑی الائچی ڈال دیں اور تھوڑا، تھوڑا پانی ڈال کر اچھی طرح بھونتی رہیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے تو پانی کا چھینٹا دے کر مچھلی ڈال دیں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ چمچہ بالکل نہیں چلائیں۔ دیگچی کو صافی سے پکڑ کر ہلاتے رہیں۔ جب اچھی طرح بھن جائے تو کفگیر کی مدد سے مچھلی کی سائڈ تبدیل کردیں۔ حسبِ ضرورت پانی ڈال کر شوربہ بنالیں۔

مزے دار مچھلی کا سالن تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

از: آسیہ عامر، کراچی

کوکونٹ کریم چکن

اشیا ﴿ مرغی کا گوشت، ایک کلو۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ ثابت دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ ثابت لال مرچیں، چھ عدد۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لہسن (چوپ کیا ہوا) ایک کھانے کا چمچ۔ ادرک، (چوپ کیا ہوا) ایک چائے کا چمچ۔ تیل، ایک چوتھائی کپ۔ مکھن، ایک کھانے کا چمچ۔ ہری مرچیں۔ (چوپ کرلیں) تین عدد۔ لیموں (رس نکال لیں) ایک عدد۔ چینی، دو چائے کے چمچ۔ فش ساس، دو چائے کا چمچ۔ کوکونٹ کریم، دو کپ۔

ترکیب ﴿ ساس پین میں گوشت، نمک، ہری مرچیں، لہسن، ادرک، کوکونٹ کریم اور ایک کپ پانی ڈال کر مکس کرلیں۔ ڈھک کر درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے لیکن کریم باقی رہ جائے۔ توے پر ثابت لال مرچیں، ثابت دھنیا، زیرہ بھون لیں اور پیس لیں۔ الگ سالن پین میں تیل گرم کر کے اس میں یہ مسالا فرائی کر کے گوشت اور کریم ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں۔

اب چینی، فش ساس، مکھن اور لیموں کا رس شامل کر کے ایک منٹ پکا کر چولھے سے اتار لیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر گرم، گرم سرو کریں۔ یہ ڈش چاولوں کے ساتھ مزہ دے گی۔

از: نورمینہ خان، بہاولپور

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ فہمیدہ جاوید......ملتان

سوال ⁂ تعلیم انسان کا زیور ہے مگر عورتیں کیسے حاصل کریں کہ زیور تو اب خاصا مہنگا ہے؟

جواب ⁂ یہی زیور تو سستا ہے بہن...... سمجھنے کی بات ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ فرخندہ جعفری...... گجرات

سوال ⁂ اگر اولاد نیک ہو تو باپ کی...... اگر نالائق ہو تو ماں کی...... ایسا کیوں؟

جواب ⁂ بس یہ بھی ہم عورتوں کی پھیلائی باتیں ہیں، ننھیال، ددھیال میں تفرقہ ڈالنے کو۔

☆ ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال ⁂ زبان کا وزن بہت کم ہوتا ہے مگر پھر بھی لوگ اسے سنبھال کیوں نہیں پاتے؟

جواب ⁂ بیچاری جہالت کے شکنجے میں جو آجاتی ہے۔

سوال ⁂ عورت کی ایک ادا مرد کی تمام عقل پر بھاری ہے پھر مرد اپنے آپ کو عقل مند کیوں سمجھتا ہے؟

جواب ⁂ ارے اچھا ہے انہیں خوش فہم ہی رہنے دو۔

☆ جبینا......کراچی

سوال ⁂ پڑوسن سے جب بھی جھاڑو مانگتی ہوں وہ خود دینے چلی آتی ہے کیوں......؟

جواب ⁂ اچھا ہے تمہارا گھر صاف ہو جاتا ہے ناں اس کے دینے سے۔

سوال ⁂ خواب میں اب اکثر نظر آتے ہیں ٹماٹر بھلا کس بھاؤ......؟

جواب ⁂ من کے بھاؤ۔

☆ ایمن رانی......کمالیہ

سوال ⁂ سیاست میں ہوا زیادہ مخالف ہوتی ہے یا سائیکل پر؟

جواب ⁂ ہمارے ہاں تو بیچاری بہوؤں کے لیے ہوا مخالف ہوتی ہے۔

سوال ⁂ عورتیں عقل مند مردوں کو پسند نہیں کرتیں تو کیا وہ عشق گدھوں سے کرتی ہیں؟

جواب ⁂ اونہوں بری بات تمہارے "وہ" ناراض ہو جائیں گے۔

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

سوال ⁂ میری سالگرہ والے دن اگر میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین دوسری بیوی گھر لے آئیں اور مجھے کہیں کہ اب تم ہمیشہ اس کے لیے کھانا بنایا کرو گی تو بھلا میں سب سے پہلا کام کیا کروں گی؟

جواب ⁂ کھانا بنانے کے لیے سودا منگواؤ گی ناں۔

سوال ⁂ اگر کوئی اپنا بے وفا ہو جائے تو کیا کریں؟

جواب ⁂ کھانا پکانا اور صرف خود ہی کھانا۔

سوال ⁂ جب انسان خود کو تنہا اور بے بس محسوس کرے تو کیا کرے؟

جواب ⁂ بس کھانا کھائے اور کیا کرے۔

☆ ثمرینہ قیصر......کمالیہ

سوال ⁂ میرے حسن کو دیکھ کر روٹیاں کیوں جل جاتی ہیں؟

جواب ⁂ اُف کیا بات کی...... پھوہڑپنا دکھا دیا ناں......!

سوال ⁂ دلِ ناداں کو اچانک کوئی خرابی کا سگنل

ملے تو کیا کرے؟

جواب ﴿ ماہرِ امراضِ قلب زندہ باد۔

☆ تسنیم کوثر..... کراچی

سوال ﴿ وفا نبھانا ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا مگر بے وفائی کا حوصلہ بھی شاید کسی، کسی میں ہی پایا جاتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب ﴿ بے وفائی میں بھلا کیسا حوصلہ..... ہٹ دھرمی کام کرتی ہے بھئی۔

سوال ﴿ آگ میں وہ آگ کہاں جو لوگ باتوں سے لگاتے ہیں، کیوں ٹھیک ہے ناں؟

جواب ﴿ بات تو سو فیصد ٹھیک ہے۔

سوال ﴿ کہتے ہیں کہ کامیابی کا زینہ ناکامیوں کی سیڑھیوں کو عبور کر کے بنتا ہے؟

جواب ﴿ جی بالکل گرتے ہیں شہ سوار ہی.....

☆ ثمینہ کوکب..... جہلم

سوال ﴿ ایک لکڑی کی کرسی کے لیے ہمارے سیاستدان اتنا کیوں لڑتے ہیں؟

جواب ﴿ ان کے گھر میں جو یہ کرسی نہیں ہوتی۔

سوال ﴿ شادی کے بعد مرد اتنا سنجیدہ کیوں ہو جاتا ہے، حالانکہ شادی سے پہلے بہت ہنس مکھ ہوتا ہے؟

جواب ﴿ بڑا ہی درد ناک سوال کر لیا۔ کیا بتائیں بہن بس صبر کرو۔

☆ زرتاشیہ نعمان..... ملتان

سوال ﴿ اڑتی چڑیا کے پر گننے کے لیے آنکھوں میں کون سا سرمہ لگاؤں؟

جواب ﴿ پڑوسن سے لے لو تم بھی تو انہی کی ٹوہ میں رہتی ہو جاناں۔

سوال ﴿ صابن کی پرانی... تکیہ نئے صابن پر کیوں چپکا دی جاتی ہے؟

جواب ﴿ سمجھا کرو..... کفایت شعاری بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔

☆ فرخندہ جعفری..... گجرات

سوال ﴿ بے شک سب سے افضل ذات تو پیارے رب کی ہے۔ پھر انسانوں میں ذات کے جھگڑے کیوں ہیں؟

جواب ﴿ نادانی، کم عقلی، جہالت ہے اور کیا۔

سوال ﴿ کیا انسانی فطرت تبدیل ہو سکتی ہے؟

جواب ﴿ بھئی خراب فطرت کو کچھ بہتر کیا جا سکتا ہے، عادتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

سوال ﴿ مہمان رحمت کے بجائے زحمت کب بنتے ہیں؟

جواب ﴿ اپنی ہی حرکتوں کی وجہ سے کہ جب میزبان کو شرمندہ کرنا مقصود ہو۔

☆ فہمیدہ جاوید..... ملتان

سوال ﴿ ہر کوئی مجھے گھور، گھور کر دیکھتا ہے آج کل..... شاید میں زیادہ ہی..... بھلا کیا؟

جواب ﴿ موٹی ہو گئی ہو۔

سوال ﴿ میں نے اس سے کہا کہ میں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں، اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی بھلا کیا؟

جواب ﴿ اب چلی بھی جاؤ صرف کہہ کیوں رہی ہو۔

سوال ﴿ وہ دن کب آئے گا جب میں.....؟

جواب ..... ماہنامہ پاکیزہ کے دفتر آؤں گی۔

☆ حمیرا انجم دحید--- واہ کینٹ

سوال ﴿ پہلے سوچو اور پھر بولو کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب ﴿ سمجھدار لوگ ہمیشہ سوچ کر ہی بات کرتے ہیں۔

سوال ﴿ اچھے لوگوں پر ہی کیوں آزمائش آتی ہے؟

جواب ﴿ کیونکہ اللہ پاک اپنے نیک بندوں کو ہی آزماتا ہے۔

سوال ﴿ عشق کا کیا مطلب ہے؟

جواب ﴿ بہت مشکل سوال ہے بس یوں سمجھو عشق، عشق ہے۔

سوال ﴿ سب عاشق جان کی بازی لگانے کے لیے کیوں تیار ہو جاتے ہیں؟

جواب ﴿ وہ اس لیے اس دور میں جو سب سے سستی ہے وہ انسانی جان ہی تو ہے۔ ☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

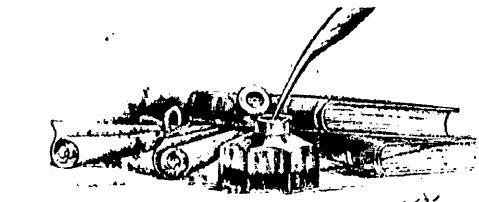

برائے حاجت

مروی ہے کہ سات روز تک ہر روز بعد نمازِ صبح خضوع وخشوع کے ساتھ بغیر کسی سے بات کیے سو بار سورۂ توحید قل ھو اللہ احد پڑھے ان شاء اللہ ہفتہ تمام نہ ہوگا کہ حاجت روا ہوگی۔

تجربہ ہوا ہے کہ ہر حاجتِ شرعی کے لیے سورۂ قل ھو اللہ احد اٹھارہ روز تک ہر روز تین مرتبہ اس طرح پڑھے کہ اللہ الصمد کی ہزار مرتبہ تکرار کرے اور ہر روز بعد تمام کرنے کے ایک مرتبہ سورۂ آل عمران کی ۱۵۴ آیت اور سورۂ فتح کی یہ آخری آیت اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ تا آخر سورہ پڑھے۔ چاہیے کہ مکانِ خلوت میں باطہارت رو بقبلہ پڑھے ان شاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔

اکتالیس روز تک ہر روز اکتالیس مرتبہ سورۂ توحید (سورۂ اخلاص) پڑھے۔ بعد ازاں تیرہ بار یہ دعا یا مُفَتِّحُ مُفَتِّحُ یا مُفَتِّحُ فَتِّحْ پڑھے باذنِ خدا حاجت دینی و دنیوی پوری ہوگی۔

وظیفہ آیت الکرسی

کتب معتبرہ علمائے حق نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ آیت الکرسی میں دس وقف ہیں اگر حسبِ طریقہ ذیل عمل کر کے دعا کی جائے تو بہ برکت اس آیت شریفہ کے ان شاء اللہ دعا مستجاب ہوگی۔ طریقہ یہ ہے کہ جب آیت الکرسی پڑھنی شروع کریں تو پہلے وقف پر داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی بند کرے اسی طرح ہر وقف پر بہ ترتیب ایک انگلی بند کرتا جائے حتیٰ کہ آخر کے دسویں وقف پر بائیں ہاتھ کا انگوٹھا بند ہو۔ یُنْفِعُ عِنْدَہٗ کے دونوں عین کے درمیان اپنی حاجت طلب کرے۔ اگر دفعِ شر مقصد ہو تو یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ کے دونوں میم کے درمیان میں عرض کرے جب دس وقف تمام ہو جائیں تو تین مرتبہ سورۂ الم نشرح اور تین بار سورۂ قل ھو اللہ اور تین مرتبہ درود پڑھ کر آسمان کی طرف سر اٹھائے اور دعا مانگے۔ اس کے بعد دس مرتبہ سورۂ حمد پڑھے اور ہر دفعہ حمد پڑھنے کے بعد ایک ایک انگلی کھولے اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ابتدا کرے اور داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر تمام کرے۔ جس سے بند کرنے کی ابتدا کی گئی تھی۔ تمام انگلیاں کھولنے کے بعد آسمان کی طرف نظر کرے اور بارگاہِ خداوندی سے اپنی حاجت طلب کرے۔ چالیس روز تک قضائے حاجات کے لیے یہ عمل کرے۔ (مقصدِ حاجت غیر شرعی اور کسی مومن کو نقصان پہنچانے کا عندیہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کے قلب و ذہن کو پاک و طاہر رکھے الٰہی آمین۔)

سورۂ ھود

ہر حاجت کے لیے باوضو ہو کر تیرہ بار پڑھ کر دعا کرے۔ جتنا ممکن ہو..... اتنے دن عمل کر سکتے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل

ہر حاجت اور مشکل کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی سات مرتبہ تلاوت کرے ان شاء اللہ مشکل آسان ہوگی۔

سورۂ طٰہٰ

اگر اس سورہ کو قریبِ طلوعِ صبح صادق ایک مرتبہ

پڑھنے کی مداومت کرے تو خداوند عالم ایسی جگہ سے روزی کرامت فرمائے گا کہ جہاں کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔ دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔

سورۂ یٰسین

ہر حاجت اور مشکل کے لیے اول بہ نیت تلاوت قرآن وقضائے حاجت وضو کرے اور قبلہ رو ہو کر حضور قلب سے سو مرتبہ محمد وآل محمدؐ پر درود بھیجے اور سورۂ یاسین کی تلاوت شروع کردے۔ تین موقعوں پر اپنے مقصد کا تصور کرکے دل میں قضائے حاجت کی دعا کرے اول امام مبین پر دوسرے بعد فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ کے۔ تیسرے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کے اور اس آیۂ سلام کی چونتیس مرتبہ یا چودہ بار یا سات دفعہ تکرار کرے۔

سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کرے۔ جب آیہ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ تک پہنچے تو ستر مرتبہ تک بھی اس کی تکرار کرے اور اپنے مطلب کے لیے درگاہ خدا میں عرض کرے۔

روز جمعہ سے شروع کرے اور آئندہ پنجشنبہ تک ہر روز تین مرتبہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرے تاکہ سات روز میں اکیس مرتبہ ہوجائے۔

گھریلو مسائل

ہر پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں موجود ہے۔ لہٰذا ہر نماز کے بعد خصوصی دعا کیا کریں کہ نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، مفہوم حدیث ہے کہ والد کی دعا اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے نبیؐ کی دعا امتی کے حق میں۔ ہر پریشانی سے نجات کے لیے ایک وظیفہ ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' یہ وظیفہ بغیر گنتی وضو بے وضو سارے گھر والے پڑھتے رہیں۔ بچی کی شادی کے لیے دن میں کسی بھی وقت یا قاضی الحاجات یعنی اے حاجات کو پورا کرنے والے اور ہر نماز کے بعد ۱۱۱ مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کرے۔

کاروبار میں نقصان سے بچیں

اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ جھوٹ بول کر مال بیچنے سے بچیں، حدیث پاکؐ کا مفہوم ہے جھوٹ بول کر مال تو بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہوجاتی ہے۔ ساتھ ہی پانچوں نماز کی بالخصوص پابندی رکھیں اور صبح کام پر جانے سے پہلے دو رکعت نماز چاشت پڑھیں۔ حدیث شریف کا خلاصہ ہے کہ نماز چاشت روزی میں برکت کا ذریعہ ہے۔ پھر ۳۱۲ مرتبہ یَا غَنِیُّ کا ورد کریں۔ گھر سے نکلتے وقت دعا پڑھیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ اِلَى اللّٰهِ اور راستے میں یَا رَزَّاقُ یَا اللّٰهُ پڑھتے جائیں۔

حادثات سے حفاظت

سب سے بہترین وظیفہ سنتؐ پر عمل کرنا ہے۔ گھر سے نکلتے وقت دعا کرنا سنت نبویؐ ہے، جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جس نے گھر سے نکلتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔'' یہ دعا پڑھ لی تو گھر لوٹ آنے تک اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے حفاظت کا ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے۔ اس دعا کو خود بھی یاد کریں اور اپنے تمام گھر والوں کو یاد کروائیں۔ ان شاء اللہ تمام حادثات سے محفوظ رہیں گے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس شخص کی سب سے پہلی فکر دنیا ہوتی ہے تو اس کے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں ہوتی۔ (مکاشفتہ القلوب) لہٰذا آپ کی صبح نماز فجر کے لیے ہونی چاہیے اس کی برکت سے سارا دن رحمت و برکت کا نزول ہوگا۔ ان شاء اللہ

☆☆☆

DON'T WAIT TO LOSE WEIGHT

وزن گھٹائیں
خوبصورت و تندرست ہو جائیں

ہر دس میں سے چار افراد موٹاپے کی وجہ سے ذیابیطس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہر دس میں سے دو افراد موٹاپے کی وجہ سے دل کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ہر دس میں سے چار افراد موٹاپے کی وجہ سے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

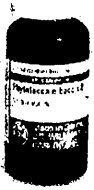

Phytolacca e baccis Ø
10 drops thrice a day

+

Phytolacca americana 3x
1 tablet thrice a day

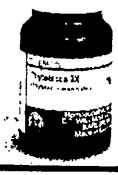

Dr. Willmar Schwabe Germany
From Nature, For Health.

Partner
Dr. Hamid
General Homoeo (Pvt.) Ltd.

Original Medicines of Schwabe Germany, easily available now at all Homoeo Pharmacies

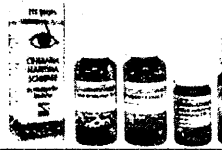

شوابے ہومیو کلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

پیٹ میں گیس

ندیم...... پنڈی گھیپ

گزشتہ 10 سال سے مجھے گیس پرابلم ہے۔ سارا دن گیس خارج ہوتی رہتی ہے۔ گرمیوں میں صبح نہار منہ یا ناشتے کے بعد الٹی ہوجاتی ہے۔ تمام گرمی یہی مسئلہ رہتا ہے۔

جواب۔ سوتے وقت دودھ نہ پیا کریں۔
ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Carboveg 30 کے 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں دو مرتبہ لیں (صبح وشام) 15 دن بعد حال بتائیں۔

شریر بچے

نرما...... لاہور

میرے بچے کہنا نہیں مانتے، ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ باہر کام والے بچوں کی طرح گالم گلوچ کرتے ہیں۔ سبق بھی جلدی یاد نہیں کرتے اور اعتماد کی کمی ہے۔ میرے ساتھ تو بڑی بدتمیزی کرتے ہیں، دوسروں کے سامنے اور ٹیچر کے سامنے بولتی بند ہو جاتی ہے۔ جواب آتا بھی ہے لیکن پھر بھی بولا نہیں جاتا۔
جواب۔ 6 سال میں 3 بچے بھی ہو گئے۔ اور علم کی کمی بھی کہ اوپر تلے کے بچوں کو کیسے لے کر چلنا ہے۔ ان

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جنوری 2021ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______________

پتا: ______________

____

کی غذا کیسی ہو، تربیت اور تعلیم کیسے کرنی ہے۔ اس بارے میں عموماً غور ہی نہیں کرتے۔ ماں باپ میں مکمل ذہنی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ اس طرح بچوں کی نشوونما اور تربیت میں انتہائی آسانی ہو جاتی ہے اور وہ بچے اچھے اخلاق والے، سمجھدار اور پڑھائی میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ شوہر کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کیجیے۔ تاکہ مل کر بچوں پر توجہ دے سکیں۔ ہر چیز کا دوا سے علاج نہیں ہوتا۔

لیکوریا

رامین.....لاہور

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے پانچ چھ سالوں سے لیکوریا کی شکایت ہے جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں کسی بھی وقت کم یا زیادہ سفید اخراج ہوتا ہے۔ میری اس بیماری سے چھٹکارا دلانے میں میری مدد کیجیے۔ ساری عمر دعائیں دوں گی۔ پچھلے کچھ عرصے میں میرا وزن بے حد بڑھ گیا ہے۔

جواب۔ آپ Serum Prolactin, Insulin, Thyroid Profile چیک کرا کر رپورٹ بھیجیں، ان تمام چیزوں سے بچیں جو ذہنی انتشار کا باعث بنیں۔ Iodium 30, Natr-Mur 30, Borax 30 کے 7,7 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔

ناک کا بڑھا ہوا گوشت

مبین.....راولپنڈی

تقریباً دس سال کی عمر میں میری ناک میں بائیں جانب غدود ہو گئے تھے۔ جیسے، جیسے بڑا ہوتا گیا میرے سر میں درد رہنے لگا۔ دوسرا مسئلہ تقریباً 4 سال سے ہے گرمیوں میں میرے پورے منہ میں چھالے ہو جاتے ہیں اور شدید درد ہوتا ہے۔ دوا کھاتا رہوں تو ٹھیک رہتے ہیں۔ دوا چھوڑ دوں تو پھر چھالے بن جاتے ہیں۔ تین چار سال سے سینے میں بھی درد رہتا ہے۔ E.C.G کرایا تو ڈاکٹر نے کہا کہ گیس کا درد ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔

24 گھنٹے ہلکا ہلکا درد رہتا ہے۔ سر درد کے لیے پیناڈول ایکسٹرا کی گولی کھاؤں تو کچھ دیر کے لیے آرام ہو جاتا ہے۔ جب تیز ہوا چلتی ہے تو سانس بھی رک جاتی ہے۔ دائیں ٹانگ میں گھٹنے سے لے کر بیر کے اوپر تک درد رہتا ہے۔ درد سردیوں میں 24 گھنٹے رہتا ہے۔ گرمیوں میں کم ہوتا ہے۔

جواب۔ آپ شادی کرلیں، نفسیاتی ہوتے جا رہے ہیں۔ نزلے کا مسئلہ ہے، ٹھنڈی، کھٹی چیزیں، شربت، کولڈ ڈرنکس وغیرہ سے بچیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی 2 گولیاں دن میں 3 مرتبہ چبا کر کھائیں Cinnabaris Pantarkan Ptk-31 کی اور 10 قطرے آدھے کپ سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں Spigelia Pantarkan- Ptk-81 ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

چہرے پر ورم

روبینہ خالد.....کراچی

میں ہومیوکلینک کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ آج بڑی ہمت کر کے آپ کو اپنے مسئلوں سے آگاہ کر رہی ہوں، میں کئی بیماریوں میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ جسم ہر وقت سست رہتا ہے۔ ذرا سا چلتی ہوں تو گرمی اور گھبراہٹ سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ سانس بہت پھولتا ہے۔ پیشاب کے بعد قطرے بھی آتے ہیں۔ پاخانہ بھی صحیح نہیں آتا، دو تین بار جانا پڑتا ہے۔ صبح سو کر اٹھتی ہوں تو ہاتھوں اور چہرے پر بھی ورم ہوتا ہے، ہاتھوں کا ورم تو کچھ دیر بعد کم ہو جاتا ہے لیکن چہرے پر ہر وقت ورم رہتا ہے۔ پیریڈ ایک دن بھی صحیح نہیں ہوتے۔ لیکوریا کی بھی شکایت ہو گئی ہے۔ پیٹ بھی بہت پھول گیا ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی میرے خط کا جواب اگلے مہینے کے شمارے میں ضرور دیجئے گا۔

جواب۔ آپ کے اعتماد کرنے کا اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا وزن اور عمر نہیں لکھی۔ نا اُمید نہ

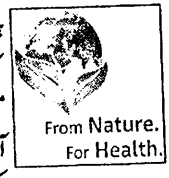

ہوں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ نماز پڑھتی ہیں۔ اللہ ہی تمام مسئلوں کو حل کرنے والا ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں بہتر ہے کہ ٹائم لے کر آ کر ملیں۔ آپ بلڈ ٹیسٹ کرائیں، Urea,Uric Acid E S R ، CBClipid profile اور فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ Solidago Pentarkan- Ptk-79، 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ Viscum Pentarkan- Ptk-89، ایک گولی دن میں 3 مرتبہ Magnesium Phos Pentarkan- Ptk-60، نمکین چیزیں اور مرغن اشیا سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

جگر کا مسئلہ

شمشاد بیگم......وہاڑی

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے میرے داہنی گردے میں درد ہوا۔ ڈاکٹر نے نیند کی گولیاں دے دیں۔ گولی کھاؤ تو نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ 6 ماہ علاج کروانا پڑے گا۔ پھر ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اتنا مہنگا علاج نہیں کروا سکتی۔ مہربانی فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ تازیست دعا گو رہوں گی۔

جواب۔ رپورٹس کے مطابق خون کی کمی ہے اور جگر کا مسئلہ ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گردے کا درد کس وجہ سے اور کیا کھانے سے ہوا تھا۔ اب کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ پیشاب، بھوک اور درد کی تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھیں، کسی اچھی جگہ سے الٹرا ساؤنڈ Whole Abdomen، ESR، CBCHCVLFT کرائیں۔

رپورٹ کمپیوٹر پر ہو ہاتھ سے لکھی نہ ہو۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Berberis VulgQ کے ساتھ Carduus Marianus Pentarkan Ptk-23 کے 10 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔ اس کے علاوہ Ferr. Phos 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں، نظر بھی چیک کرائیں۔

ناک کا گوشت

راحیلہ خان......پشاور

میں نے اپنی بیٹی کا مسئلہ لکھا تھا۔ بیٹی کا مسئلہ ناک کا گوشت، وزن کی زیادتی اور جسم پر رُواں بہت ہے۔ آپ نے جو دوا تجویز کی تھی اس سے بیٹی کو صرف سانس لینے میں آرام آیا ہے۔ باقی مسئلے ویسے ہی ہیں۔ کیا ناک میں ڈالنے کے قطرے بھی ہوتے ہیں۔

جواب۔ بیٹی کو جس چیز میں فائدہ ہوا ہے اسی کے لیے دوا دی گئی تھی۔ عمر، قد کے حساب سے وزن کتنا ہے؟ یہ آپ نے نہیں لکھا۔ دوا کیسے تجویز کریں، کتنا اور کیا کھاتی ہیں؟ کیا کرتی ہیں؟ ورزش کتنی کرتی ہیں، کچھ بھی نہیں لکھا۔ ناک کے گوشت کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thuja-Q کا ایک، ایک قطرہ دونوں نتھنوں میں ڈالیں۔ Calc, Flour-30, Calc-Phos30 اور Teucrium . 30 کے 5,5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پلائیں۔

نظر کی کمزوری اور پیشاب کی حاجت

ریاض الدین......میرپور خاص

میرے دو مسائل ہیں برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔ میرے خاندان میں کسی بھی فرد کی نظر اتنی کمزور نہیں، جتنی میری ہے۔ دوسرا مجھے پیشاب بہت زیادہ آتا ہے اور اتنی شدت سے آتا ہے کہ بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ شوگر نہیں ہے۔ میرے لیے دوا تجویز

کریں کہ میری نظر ٹھیک ہو جائے اور پیشاب بھی کنٹرول ہو جائے۔

جواب۔ U/S for prostate اور Urine D/R بھی کرائیں۔ پانی پیشاب کرنے سے پہلے پئیں اور خالی پیٹ پانی نہ پئیں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Acid Phos 30 Merc.corr 30 کے 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ Physostigma-30 Calc -Carb-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ پئیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بڑی عمر میں بیماریاں

صائمہ کھوکھر.....ملکوال

سوال:۔ سنسناہٹ، دل پر گھبراہٹ، بے چینی، ٹانگوں میں درد، رات کو نیند آتی ہے لیکن سو نہیں سکتی۔ پاؤں میں ایسا لگتا ہے جیسے کس کر باندھ دیئے گئے ہوں۔ اکثر پاؤں سن رہتے ہیں۔ پاؤں اتنے سوجے ہوتے ہیں کہ جب چلتی ہوں تو لگتا ہے جیسے فوم کے اُوپر چل رہی ہوں۔ زیادہ چلنے سے پاؤں مڑنے لگتے ہیں۔ پیر کی انگلیاں حرکت نہیں کرتیں، ہاتھ بھی سن ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی پورا جسم سن ہو جاتا ہے۔ کچھ کام کرنے سے بھی ہاتھ سن ہو جاتے ہیں اور مڑنے لگتے ہیں۔ تین سے چار گھنٹے بعد پیشاب آتا ہے اور پھر ایک گھنٹے بعد آتا ہے۔ وزن کم کرنے کی بھی دوائی دیں۔ ٹانگوں میں طاقت نہیں ہے، اپنے سہارے چل نہیں سکتی واکر لے کر چلتی ہوں۔ بہت جلدی تھک جاتی ہوں۔ مہروں میں گیپ ہو گئے ہیں۔ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی۔

جواب:۔ کمر کا ایکسرے کرا کر اس کی رپورٹ بھیجیں۔ دل کی کیفیت بھی کمزور لگ رہی ہے Lipid Profile, Serun Calcium اور Echo کرا کر رپورٹ بھیجیں۔ فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhustox 30, Bryonia 30, Calc Carb 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں اور Cactus Q کے تین قطرے اور Crataegus Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ رپورٹس کے ساتھ حال بتائیں۔ یہ تمام ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ہوں۔ غذا اور وزن آپ نے لکھا نہیں ہے بہرحال کیفیت کے مطابق تمام میٹھی، تلی، بھنی ہوئی چیزوں سے اور کولڈ ڈرنکس اور تمام اقسام کے شربت سے بھی پرہیز کریں اور جتنا آرام سے چل سکتی ہیں، چلیں ضرور۔

بیٹی کے قد کا مسئلہ

تانیہ.....کراچی

مسئلہ یہ ہے کہ بیٹی کی عمر تقریباً 20 سال ہے اور اس کا قد 5 فٹ ہے جبکہ اس کا وزن 50 کلو ہے۔ والد کا قد تقریباً 5 فٹ اور 5 انچ ہے اور میرا اپنا قد 5 فٹ اور 2 انچ ہے۔ اس کا قد بڑھ سکتا ہے تو دوا تجویز کر دیں۔ پلیز اسی ماہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

جواب:۔ قد بڑھنے کی عمر 19 سال تک ہے۔ لہٰذا بیٹی کے لیے معذرت۔ وزن کم رکھیں اور ایکٹو رہیں۔

منہ کے چھالے

جمرود خان.....بنّوں

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے منہ میں ہر وقت چھالے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے منہ میں بہت درد رہتا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ معدہ خراب رہتا ہے۔ گھٹنوں میں درد رہتا ہے جس کی وجہ سے روزانہ دو گولی پونسٹان (فورٹ) کھاتا ہوں، میں گنگا بھی کھاتا ہوں۔ برائے مہربانی میرے لیے کوئی علاج تجویز کریں۔ تازیست دعا گو رہوں گا۔

جواب: یاد رکھیں نسوار، تمباکو پینا نقصان دہ

ہے۔اسی طرح گنگا بھی ہے اس کا استعمال فوراً ترک کر دیں۔ متوازن غذا کھائیں۔ دودھ دہی کا استعمال کریں۔کھانا آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں۔کھانے کے ساتھ اور فوراً بعد پانی کا استعمال نہ کریں۔ Borax30, Calc.Carb Merc.sol30, Rhustox30 (ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی) کی ہر شیشی سے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ایک ماہ بعد پھر کیفیت سے مطلع کریں۔

پیریڈز کی خرابی

لائبہ ریاض.....لاڑکانہ

میں پاکیزہ میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔گزشتہ پانچ سال سے پیریڈ بہت ڈسٹرب ہیں، کبھی 3 کبھی 4 ماہ بعد آتے ہیں، لیکن گزشتہ دو سال سے بغیر دوائی کے نہیں آتے۔ ہر بل یا ہومیو پیتھک دوا سے ہو جاتے ہیں، گردوں میں بھی درد ہوتا ہے، گیس بہت بنتی ہے پیٹ میں، گلے میں انفیکشن بھی رہتا ہے۔ منہ اندر سے ہر وقت چھالا ہوا رہتا ہے۔مرچ مصالحہ بالکل نہیں کھا سکتی۔دودھ بالکل نہیں پیا جاتا۔ ریشہ بن جاتا ہے، وزن کسی طرح کم نہیں ہوتا ہر کوشش کی۔ ہر طرح کا پرہیز کرتی ہوں۔ روز بروز صحت گرتی جا رہی ہے۔رنگت بہت صاف تھی لیکن اب رنگ بھی سیاہ پڑ گیا ہے۔چہرے سمیت پورے جسم پر موٹے کالے بال نکل آئے ہیں، ہر وقت اسٹریس رہتا ہے، غصہ اور رونا بہت آتا ہے۔اپنی اس حالت کی وجہ سے کہیں آ جا نہیں سکتی۔ بہت دفعہ Orantic بھی استعمال کی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ چکر بہت آتے ہیں۔نیند بھی نہیں آتی، نسوانی حُسن کم ہوتا جا رہا ہے۔آپ کو بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں، برائے مہربانی جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب۔واک کیا کریں، متوازن غذا لیں، تمام دوائیں بند کر دیں جب تک مکمل ٹھیک نہ ہوں، conceive کرنے کی کوشش بھی نہ کریں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں Magnesium-Phos Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Oleum jecoris-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد حال بتائیں Ultra sound Whole Abdomen کرائیں اور شوہر کے متعلق بتائیں ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔

سفید بال

خالدہ.....اوکاڑہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے تقریباً 80% بال سفید ہو چکے ہیں۔ بال بھی گرتے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے ہو جائیں اور گرنا بھی رک جائیں۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پانی، غیر معیاری شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔اپنی عمر بھی لکھیں۔پھلوں، سبزیوں اور گوشت کا استعمال بڑھائیں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات Lycopodium-30، Cantharis 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

☆☆☆

Dr.Willmar Schwabe Germany
SCHWABE
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی